مُسلم شریف رحمہ اللہ

کی آسان شرح

جلد اوّل

- کتاب الایمان
- کتاب النکاح
- کتاب الرضاع
- کتاب الطلاق
- کتاب اللعان
- کتاب العتق

افادات
حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم
مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مُرتّب
مولانا طاہر اقبال اٹکی صاحب
اُستاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مسلم شریف

کی آسان شرح

(جلد اول)

- کتاب الایمان • کتاب النکاح
- کتاب الرضاع • کتاب الطلاق
- کتاب اللعان • کتاب العتق

افادات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مرتب

مولانا طاہر اقبال اکی صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

جلد اوّل فہرست مکمل

بسم الله الرحمن الرحيم

پیشِ لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الأمين مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

أَمَّا بَعد!

یکم ذوالقعدہ ۱۴۱۷ھ میں دورۂ حدیث کا پہلا سبق مسلم شریف جلد ثانی از کتاب الفضائل تا آخر مدرسۃ البنات شعبہ دارالعلوم کراچی میں احقر کے پاس آیا، اور الحمد للّٰہ تعالیٰ چند سالوں تک یہ درس ہوتا رہا پھر یہ سبق طلباءِ دورۂ حدیث میں منتقل ہوا، جہاں کتاب الجهاد والسیر سے ختمِ کتاب تک یہ درس ہوتا ہے اوراب تک الحمد للّٰہ تعالیٰ جاری ہے۔

اور اکیس ۲۱ سال کے بعد ۲۹ رشوال ۱۴۳۸ھ میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلم شریف جلدِ اوّل کتابُ الایمان، اور کتاب النکاح سے ختم تک دورۂ حدیث کی طالبات کے لئے یہ مبارک سبق احقر کے پاس آیا ہے، اللہ پاک اس کو آسان فرمائیں اور قبول فرمائیں، آمین

شعبۂ تعلیمات کی طرف سے جب یہ سبق احقر کے پاس آیا تو اُسی وقت دل میں ارادہ ہوا کہ مسلم شریف جلدِ اول اور جلدِ ثانی کے ان منتخب ابواب کی مختصر اور آسان تشریح ساتھ ساتھ لکھ لی جائے اور کمپوز کروا کر اس کو قابلِ اشاعت بنایا جائے تاکہ دورۂ حدیث کے طلباء اور طالبات کے لئے آسانی ہوجائے اور وہ اس کی مدد سے مسلم شریف کی دونوں جلدوں کے منتخب ابواب بآسانی سمجھ سکیں۔ احقر نے اس کی تشریح وتوضیح کے لئے شرح النووی فتح الملہم، تکملہ فتح الملہم اور درسِ مسلم کو بطورِ خاص سامنے رکھا ہے بلکہ اس کا مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب اور کتابُ الایمان تقریباً درسِ مسلم کی تلخیص اور تسہیل ہے، کیونکہ اس کی شرح کے لئے یہ نہایت کافی وشافی تھی اور کہیں کہیں دوسری شروح سے بھی استفادہ کیا ہے جیسے مرقات شرح مشکوٰۃ، شرح الطیبی وغیرہ۔ اور کتاب النکاح سے لے کر کتاب العتق تک فتح الملہم اور دیگر شروحات سے مرتب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اللہ پاک اس کاوش کو قبول فرمائیں، طلباء اور طالبات کے واسطے احادیثِ طیبہ اور ان کے متعلق احکام و مسائل کو سمجھنا آسان فرمائیں اور ان کے لئے نافع اور مفید بنائیں اور اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، آمین،

مولانا طاہر اقبال صاحب زادہ اللہ علماً وعملاً کو اللہ پاک نے تخریج وتعلیق کا ذوق عطا فرمایا ہے، اور اس سے پہلے مسلم شریف جلدِ ثانی کی آسان شرح کی دو جلدوں پر یہ کام بخوبی کر چکے ہیں، بندہ نے ان سے اس پر بھی یہ کام کرنے کی درخواست کی جو انہوں نے بخوشی قبول کی اور یہ اہم کام انہوں نے ماشاء اللہ بحسن وخوبی انجام دیا، اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں، اور اس کاوش کو قبول فرما کر طالبات کے لئے نافع اور مفید بنائیں، آمین بحرمة سيّد المرسلين وخاتَم النّبيين محمّد وآلهٖ وأصحابهٖ أجمعين إلىٰ يوم الدّين.

بندہ عبدالرؤف سکھروی عفا اللہ عنہ

جامعہ دار العلوم کراچی

۱۸ ذوالقعدہ بروز جمعہ ۱۴۳۸ھ

سبق کے آغاز میں چند ھدایات اور نصیحتیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلامٌ علٰی عبادہِ الّذین اصطفٰی۔ اَمّا بعد!

مسلم شریف جلد اول کے شروع میں چند ضروری باتیں بیان کی جاتی ہیں، ان کو پوری توجہ اور عمل کرنے کی نیت سے سنیں۔ ان باتوں پر عمل کرنا بہت نافع اور بہت مفید ہے۔اور تمام علوم کے حاصل کرنے میں معاون اور مددگار ہے۔خاص طور سے علمِ حدیث حاصل کرنے میں یہ باتیں بہت کار آمد ہیں۔

اخلاص سے پڑھنا

پہلی بات وہ ہے جو ہر سال تقریباً بخاری شریف کے افتتاحی سبق میں حضرت صدر صاحب دامت برکاتہم بیان فرمایا کرتے ہیں، اور دیگر اساتذۂ کرام بھی عام طور پر اپنے سبق کے شروع میں بیان فرماتے ہیں اور ناچیز کا بھی سبق کے شروع میں ان کو بیان کرنے کا معمول ہے

وہ یہ ہے کہ ہم سب علمِ حدیث اور مسلم شریف پڑھنے سے پہلے اپنی اپنی نیت درست کرلیں اور درست نیت یہ ہے کہ ہم صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے پڑھیں، جس میں احادیثِ طیبہ کو صحیح طریقے سے پڑھنا، اور اس کا صحیح مطلب اور مفہوم سمجھنا، اور جو حدیث فی الحال قابلِ عمل ہو، اس پر عمل کرنا ہے۔اور اگر اللہ تعالیٰ موقع عطا فرمائیں تو ان احادیث کو دوسروں تک پہنچانا ہے۔لہٰذا شہرت، نام ونمود، دکھاوا، اور اپنے آپ کو عالم وفاضل اور عالمہ وفاضلہ کہلانے ،لوگوں کی نظر میں محترم اور بڑا بننے کی غرض سے یا اور کسی دنیاوی مقصد کے لئے پڑھنے سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ ناموری اور شہرت اور ریاکاری حرام اور گناہِ کبیرہ ہے اور جس کا بڑا عذاب ہے۔

دکھاوا اور ریاکاری کا عذاب

چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ہے کہ جس کا حاصل یہ ہے: دوزخ میں ایک وادی ہے جس کا نام ''جُبُّ الحزن'' ہے یعنی غم کی وادی، اس وادی کے بارے میں آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دریافت فرمایا کہ تم جانتے ہو ''جُبُّ الحزن'' کسے کہتے ہیں؟ صحابۂ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "جُبُّ الحزن" جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ جس میں اتنا سخت عذاب ہے کہ جہنم خود اُس وادی سے روزانہ (۴۰۰) چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ اس پر صحابۂ کرامؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اس میں کون لوگ جائیں گے؟ اور کن لوگوں کو اس کا عذاب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے ریاکار اس میں ڈالے جائیں گے۔[1] (العیاذ باللّٰہ)

اسی طرح مسلم شریف کی ایک روایت ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن چار آدمی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیے جائیں گے۔ (۱) عالم (۲) قاری (۳) مجاہد (۴) سخی۔

ان چاروں سے اللہ تعالیٰ یکے بعد دیگرے دریافت فرمائیں گے کہ بتاؤ میں نے تمہیں علم دیا۔ اپنے راستے میں جہاد کی توفیق دی، قرآنِ کریم پڑھنے سے نوازا، اور مال دیا یعنی سخی کو مال دیا، تم بتاؤ! تم نے میرے واسطے کیا کیا؟ عالم جواب دے گا کہ یا اللہ! آپ نے مجھے علم دیا میں نے زندگی بھر پڑھا اور پڑھایا۔ مجاہد کہے گا کہ میں نے جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ قاری کہے گا کہ میں نے خوش الحانی کے ساتھ قرآن کریم پڑھا اور ساری زندگی پڑھاتا رہا، سخی کہے گا کہ آپ نے مجھے جو مال دیا میں نے اُسے آپ کے راستے میں خوب خرچ کیا۔

اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ سب جھوٹ اور غلط ہے۔ یہ سب کچھ تم نے میرے واسطے نہیں کیا تھا محض اپنا نام روشن کرنے کے لئے کیا تھا، اور عالم، مجاہد قاری اور سخی کہلانے کے لئے کیا تھا اور دنیا میں تم کو ایسا کہہ دیا گیا۔ اور حکم ہوگا کہ ان کو الٹا کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ ان چار آدمیوں کے ذریعہ دوزخ کا افتتاح ہوگا۔[2] (العیاذ باللّٰہ)

یہ ہے دکھاوے اور ریاکاری کا انجام، اس لئے سب اپنی اپنی نیت درست کرلیں اور جو صحیح نیت بتائی گئی ہے اُسے اختیار کریں۔

دو باتیں

چونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھنا مقصود ہے، لہٰذا اب ایسی باتیں بتائی جائینگی جن کا تعلق عمل سے ہے۔ جن میں سے بعض کا تعلق ہماری ذات سے ہے اور بعض کا کتاب سے ہے۔

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: کتاب العلم الفصل الاول، رقم الحدیث: ۲۰۵

(۲) صحیح مسلم کتاب الامامة باب من قاتل للریاء والسمعة استحق النار، رقم الحدیث: ۳۶۲۳

وقت پر نماز ادا کرنے کی پابندی کرنا

ہماری ذات سے جس بات کا تعلق ہے ان میں سے سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ تمام طلبہ وطالبات روزانہ بلا ناغہ پانچوں نمازیں اس کے وقتِ مستحب میں سب کام چھوڑ کر یہاں تک کہ مطالعہ اور سبق یاد کرنا بھی چھوڑ کر نماز ادا کرنے کی عادت ڈالیں۔ گھر میں ہوں، سفر میں ہوں، درسگاہ میں ہوں یا کہیں بھی ہوں، لیکن نماز اپنے وقتِ مستحب میں ادا کرنے کی پابند رہیں۔ گھر میں مہمان آنے کی وجہ سے، یا تفریح کے لئے کہیں جانے کی صورت میں یا امتحان کی تیاری کے موقع پر ہرگز ہرگز نماز قضاء نہ ہونے دیں اور اگر غلطی سے بالغ ہونے کے بعد سے لے کر اب تک کچھ نمازیں قضاء ہوگئی ہوں تو بلا تاخیر ان کا محتاط اندازہ لگا کر آج ہی سے ان کی قضاء پڑھنا شروع کردیں۔

اسی طرح روزوں کا بھی حساب کرلیں اور ان کی قضاء کریں۔ اگر کسی طالبہ پر زکاۃ فرض ہو اور اس نے زکوٰۃ نہ دی ہو تو وہ اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کرے، اسی طرح سجدۂ تلاوت بھی دیکھ لیں اکثر خواتین وحضرات کے سجدۂ تلاوت سستی اور غفلت کی وجہ سے باقی رہتے ہیں، سب کا اندازہ لگالیں اور انہیں آج ہی ادا کرکے فارغ ہوجائیں۔

نماز اہم عبادت ہے

سب سے اہم عبادت نماز ہے قیامت میں سب سے پہلے عبادات میں نماز کا سوال ہوگا۔ اگر اس میں بندہ کامیاب ہوگا تو ان شاء اللّٰہ تعالیٰ باقی اعمال میں بھی کامیاب ہوجائے گا اور اگر اس میں اٹک گیا تو باقی میں بھی پھنستا چلا جائے گا۔ (۱) بہرحال قرآن وحدیث نماز کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں اور اس کے نہ پڑھنے پر سخت عذابوں کا ذکر ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تم پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو شخص ان کو ان کے وقت پر ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کا اہتمام کرے گا تو میں اس کو اپنی ذمہ داری پر جنت میں داخل کروں گا۔ اور جو ان کو اپنے وقت پر ٹھیک ٹھیک ادا نہیں کرے گا تو میری کوئی ذمہ داری نہیں۔ (۲)

---

(۱) جامع الترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء أن اول ما یحاسب بہ العبد الخ رقم الحدیث : ۳۷۸

(۲) سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ باب ما جاء فی فرض الصلوات الخمس الخ رقم الحدیث: ۱۳۹۳

ایک اور حدیث میں ہے کہ نماز نہ پڑھنے والوں کو پندرہ قسم کا عذاب دیا جائے گا جس کی تفصیل ''فضائلِ اعمال'' میں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے۔ [1]

سنن ونوافل ادا کرنا

۱ ... فرض نمازوں کی پابندی کے ساتھ کچھ سنت مؤکدہ وغیر مؤکدہ اور نوافل بھی ہیں۔ سنت مؤکدہ بارہ [2] ہیں: فجر کی ۲ رکعت ظہر کی ۶۔ مغرب کی ۲ رکعت اور عشاء کی ۲ سنتیں ہیں۔ اور سنت غیر مؤکدہ ۸ ہیں۔ ۴ عصر سے پہلے، اور ۴ عشاء سے پہلے۔ ان کو بھی ادا کرنا چاہئے۔
بعض طالبات ان میں بہت غفلت برتتی ہیں، ان سے ہرگز غفلت نہیں کرنی چاہئے بلکہ انہیں پابندی سے ادا کرنا چاہئے۔

۲ ... کچھ نوافل ہیں جن میں سے کچھ خاص ہیں، اور کچھ عام ہیں۔
عام نوافل جیسے ظہر کی ۲ سنتوں کے بعد ۲ نفل اور عشاء کی سنتوں اور وتر کے بعد ۲ نفل اور مغرب کی ۲ سنتوں کے بعد ۲ نفل۔ خاص نوافل جیسے: **تحیة الوضو، تحیة المسجد، صلاة التوبه، صلاة الشكر، صلاة الحاجة.**
صلاۃ التسبیح: اس کی دو قسمیں ہیں: ایک بڑی جس میں تیسرا کلمہ ۳۰۰ مرتبہ پڑھا جاتا ہے اور ایک چھوٹی صلوٰۃ التسبیح، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نفل کی نیت سے باندھیں اور ان دو نفلوں میں کسی بھی جگہ ۱۰/ دفعہ **سبحان اللّٰہ** ۱۰ دفعہ/ **الحمد للّٰہ** ۱۰ دفعہ/ **اللّٰہ اکبر** پڑھیں، یہ تسبیحات پوری نماز میں کسی ایک جگہ پڑھنی ہیں۔ اس کی فضیلت یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد آپ جو بھی دعا کریں گے وہ **ان شاء اللّٰہ تعالیٰ** قبول ہو جائے گی۔

۳ ... زوال کے بعد فرضوں سے پہلے چار نفل پڑھنا اور اگر وقت کم ہو یا کوئی عذر ہو تو دو نفل بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور ان چار رکعت کو سنن زوال کہتے ہیں۔

۴ ... مغرب کے بعد ۶ رکعت نفل پڑھنا۔ اس کی فضیلت یہ ہے کہ جو آدمی اس کی پابندی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے ۱۲ سال کی عبادت کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ [3]

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: فضائل اعمال، فضائل نماز دوسری فصل نماز کے چھوڑنے پر جو وعید اور عتاب حدیث میں آیا ہے اس کا بیان ص ۲۲۴ تا ۲۲۶۔

(۲) ان بارہ سنت مؤکدہ کی پابندی کرنے والے کے لئے ایک حدیث مبارک میں جنت کے گھر کی خوشخبری دی گئی ہے۔ (جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ما جاء فیمن صلی فی یوم ولیلة الخ رقم الحدیث: ۳۷۹

(۳) جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ما جاء فی فضل التطوع وست رکعات بعد المغرب رقم الحدیث: ۳۹۹

۵ ... عشاء میں وتروں سے پہلے کم از کم چار رکعت نفل پڑھنا۔ اس کی فضیلت یہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے تہجد کا ثواب ملتا ہے۔ یہ اتنی بڑی فضیلت ہے کہ آدمی سارے سال تہجد پڑھ سکتا ہے اور یہ تہجد کا جائز وقت ہے اور سحری کے وقت پڑھنا یہ افضل وقت ہے۔ دونوں صورتوں میں تہجد کی نماز ادا ہو جائے گی۔ لہٰذا آپ اس کی سارا سال پابند رہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیقِ عمل دیں۔ آمین،

تہجد پڑھنے کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندوں کا حساب لینے سے پہلے تہجد پڑھنے والوں کو بغیر حساب جنت میں داخل کریں گے، اس فضیلت کی ہم سب کو ضرورت ہے۔ [۱]

دوسری فضیلت یہ ہے کہ ان ۴ رکعتوں کا ثواب شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ اور شبِ قدر کی فضیلت قرآنِ کریم میں یہ ہے اس کی عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ [۲] اور ایک ہزار مہینوں میں تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں۔ تو شبِ قدر کی عبادت کا ثواب تیس ہزار راتوں کی عبادت سے بڑھ کر ہے، ان چار رکعتوں پر بھی یہ فضیلت مل سکتی ہے۔

وتر کے بعد دونفلوں میں اگر سورۂ اذا زلزلت اور سورۂ قل یا ایھا الکافرون پڑھیں تو اس کا ثواب بھی تہجد کے برابر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نفلیں پڑھا کرتے تھے۔ [۳]

اشراق اور چاشت کے نفل پڑھیں دو رکعت اشراق کی اور دو رکعت چاشت کی۔ اور یہ دونوں نفلیں اشراق کے وقت میں ایک ساتھ بھی پڑھی جاسکتی ہیں تاکہ مدرسہ میں آنے کی وجہ سے ناغہ نہ ہوں یہ عام اور خاص نفلیں ہوگئیں۔

دیگر معمولات

نمازوں کے علاوہ کچھ اور معمولات بھی ہیں ان کو ذہن نشین کرلیں اور ان پر عمل کرنے کی پابندی کریں:۔

۱ ... روزانہ قرآنِ کریم کی کچھ نہ کچھ تلاوت ضرور کریں۔ حافظات ایک پارہ پڑھیں اور باقی کوئی

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے قرطبی: ج ۱۴ص ۱۰۰

(۲) سورة القدر : آیت نمبر ۳

(۳) مسند احمد حدیث ابی امامة الباهلیؓ رقم الحدیث: ۲۱۲۱۲

اور مقدار مقرر کرلیں۔

۲ ... **مناجاتِ مقبول:** کی ایک منزل روزانہ پڑھیں۔عذر کی وجہ سے اگر ایک منزل پڑھنا مشکل ہوتو آدھی منزل پڑھ لیا کریں۔

۳ ... **ذریعۃُ الوصول:** یہ درود شریف کی کتاب ہے اس میں ۱۸۵ درود ہیں جو حضور ﷺ، حضراتِ صحابۂ کرامؓ، حضراتِ تابعینؒ، اور علماءِ امتؒ سے مروی ہیں اس کی بھی سات منزلیں ہیں۔اس کی بھی ایک منزل روزانہ پڑھنے کا اہتمام کریں۔

۴ ... **زاد السعید:** پڑھنے کا اہتمام کریں۔

۵ ... **۴۰ استغفار کے صیغے:** اس میں استغفار کے چالیس کلمات ہیں جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں۔ ان کو روزانہ کسی وقت پڑھ لیا کریں۔ ان کے پڑھنے سے بڑے فوائد اور فضائل حاصل ہوتے ہیں۔

ناچیز کا ایک رسالہ ہے ''پانچ رسائل کا مجموعہ''اس میں یہ تمام کتابیں موجود ہیں۔وہ حاصل کرلیں۔

تسبیحات اور ان کی نیتیں

اسی طرح صبح وشام کی تسبیحات پڑھیں اور یہ تسبیحات ایسی ہیں جو عام مسلمانوں کے لئے ہیں۔طلبہ وطالبات کے لئے خاص نہیں ہیں لیکن ہم میں سے بعض اس سے بھی محروم ہیں۔

۱ ... **استغفار کی تسبیح:** اس میں سب گناہوں کی معافی کی نیت کرلیا کریں۔

۲ ... **درود شریف کی تسبیح:** اس میں نیت اس طرح کرنی ہے کہ یا اللہ میں حضور ﷺ کی ادنیٰ امتی ہوں۔ مجھ سے حضور ﷺ کی بہت سی سنتیں پامال ہوگئی ہیں اور حضور ﷺ کے بہت سے حقوق ضائع ہوگئے ہیں، میں حضور ﷺ کی خدمت میں درود وسلام کا ادنیٰ ساھدیہ پیش کرتی ہوں، آپ اسے حضور ﷺ کی شان کے لائق بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کردیجئے اور ہمیں ان کے صدقے ان کی سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔آمین،

۳ ... **تیسرے کلمہ کی تسبیح:** روزانہ صبح وشام سو،سو مرتبہ پڑھنے کا معمول بنائیں۔

۴ ... **سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم** کی تسبیح پڑھیں۔

۵ ... تسبیح فاطمی ہر نماز کے بعد پڑھا کریں۔

۶ ... یہ صبح وشام کی تسبیحات ہیں۔ ان کے پڑھنے سے پہلے یہ نیت کرنی ہے بلکہ ہر نیک عمل سے پہلے یہ نیت کرنی ہے یا اللہ اس عمل کی وجہ سے میرے دل میں اپنی محبت اپنے ماسوا کی محبتوں پر غالب فرما، آمین۔

آخری بات عرض کرتا ہوں کہ سارا قرآن کریم إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سے بھرا ہوا ہے۔ کہیں ایک جگہ بھی وَعَلِمُوا الصَّالِحَاتِ نہیں ہے۔ معلوم ہوا نجات کا دارومدار ایمان کے بعد نیک عمل کرنے پر ہے محض علم حاصل کرنے پر نہیں ہے اس لئے علم حاصل کرنے کے ساتھ نیک عمل بہت ضروری ہے۔

دورۂ حدیث کے مناسب اعمال

مسلم شریف جو دورۂ حدیث کی کتاب ہے اس کے مناسب چند اعمال کی پابندی کرنی چاہئے۔

۱ ... درود شریف کی کثرت کرنا

درود شریف کی کثرت کا مطلب یہ ہے کہ چلتے، پھرتے، اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھتی رہیں۔ درود شریف کی تین قسمیں ہیں:

سب سے چھوٹا درود شریف ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے درمیانہ درجہ کا درود شریف یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّم

سب سے افضل اور زیادہ صحیح درود شریف ''درود ابراہیمی'' ہے۔ان میں سے کوئی سا بھی درود شریف پڑھنے کی عادت ڈال لیں۔

درود شریف کے چند فضائل

درود شریف کی کثرت بہت مبارک عمل ہے۔جس کے بے شمار فضائل ہیں اور دورۂ حدیث میں احادیثِ طیبہ کے پڑھنے میں کثرت سے درود شریف پڑھنے میں آتا ہی ہے۔اس کے علاوہ بھی جب درود شریف کی کثرت ہوگی تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے فضائل و برکات کی بارش ہوگی۔حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص دنیا میں زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہوگا قیامت میں وہ حضور ﷺ کے اتنا ہی زیادہ قریب ہوگا۔[۱] یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

اور درود شریف کی عام فضیلت یہ ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔دس نیکیاں عطا فرماتے ہیں اور دس گناہ معاف فرماتے ہیں۔اور دس درجے بلند فرماتے ہیں۔[۲]

اس حساب سے جو شخص ۱۰۰ مرتبہ درود شریف پڑھے گا تو اس پر ایک ہزار رحمتیں نازل ہونگی اور ایک ہزار نیکیاں ملیں گی اور ایک ہزار گناہ معاف ہونگے اور ایک ہزار درجے بلند ہونگے۔اسی سے

---

(۱) جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ما جاء فی فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ رقم الحدیث:۴۴۶

(۲) مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفصل الثانی ، رقم الحدیث:۹۲۲

اندازہ لگالیں کہ جب ہمارے صبح وشام تک کے بے شمار درود وسلام ہونگے تو کتنی رحمتیں نازل ہونگی، کتنی نیکیاں ملیں گی اور کتنے گناہ معاف ہونگے اور کتنے درجہ بلند ہونگے۔ اور درود شریف کی عبادت ایسی عبادت ہے جو مقبول ہی مقبول ہے۔

۲ ... دوسرا عمل سنت کی پیروی کرنا ہے

اس کے لئے آپ ''علیکم بسنتی'' لے لیں اور اپنے مطالعہ کی جگہ رکھ لیں اور آج ہی سے بلاتاخیر سنتوں پر عمل کرنا شروع کردیں۔

''علیکم بسنتی'' پر عمل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ جو بھی کام کریں، پہلے کتاب کھول کر اس کی سنتیں دیکھ لیں، پانی پینے لگیں تو اس کی سنتیں دیکھ لیں، کھانا کھانے لگیں تو اس کی سنتیں دیکھ لیں، غرض کہ جو کام بھی کریں اُسکے کرنے سے پہلے اس کی سنتیں دیکھ لیں۔ اگر آپ لوگ آج ہی سے نہایت فکر کے ساتھ عمل شروع کردیں تو چند روز میں آپ کی روز مرہ کی زندگی سنتوں کے مطابق ہوجائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ہمارے پیرو مرشد حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ نے ایک مرتبہ فرمایا: اگر آدمی سنت کے مطابق بیت الخلاء میں جاتا ہے اور آتا ہے تو جتنی دیر اُسے بیت الخلاء میں لگتی ہے اتنی دیر فرشتہ دروازہ کے باہر کھڑا اس کی نیکیاں لکھتا رہتا ہے۔ اس سے بڑھ کر نفع کا سودہ کیا ہوسکتا ہے؟ غرض کہ سنت پر عمل کرنے کا فائدہ ہی فائدہ ہے قرآن وحدیث، سنت کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں اور سارے بزرگانِ دین سنت کی اہمیت پر متفق ہیں۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو راضی کرنے کا اس سے بڑھ کر کوئی راستہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا سب سے آسان راستہ، سب سے قریب راستہ، اور سب سے محفوظ راستہ سنت پر عمل کرنا ہے۔

۳ ... اپنے کپڑے اور جسم کو صاف ستھرا رکھنا

لباس سادہ ہو، فیشن کے مطابق نہ ہو اور اتنا چست نہ ہو کہ جسم کی بناوٹ نمایاں ہو اور اتنا باریک نہ ہو کہ جسم جھلکے ناقص اور نامکمل نہ ہو۔ شرعی پردہ کا پورا اہتمام ہو۔

۴ ... ناخن، دانت اور بالوں کی صفائی رکھنا

تیل اور کنگھی کریں سرمہ لگائیں اور پھیلنے والی خوشبو ہرگز نہ لگائیں بھنویں نہ بنوائیں، لمبے

ناخن ہرگز نہ رکھیں۔

۵ ... نیک بندوں کی صحبت اختیار کرنا

جس طرح علم استاذ کی خدمت میں حاضر ہوکر آتا ہے اسی طرح عمل بھی اللہ والوں کی مجلس میں بیٹھنے اور شریک ہونے سے آتا ہے۔ اس کے لئے بزرگوں کے بیانات سنیں ان کے ملفوظات پڑھیں اور بزرگوں کے سوانح حیات کا مطالعہ کریں اس سے عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے چند اصلاحی کتابوں کے نام درج ذیل ہیں، ان کا مطالعہ کریں اور ان کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں!

۱ ... مواعظِ سکھروی　۲ ... اصلاحی خطبات　۳ ... خطباتِ سکھروی اور اصلاحی بیانات

۴ ... نزهة البساتين　۵ ... تسهيل المواعظ

جمعہ کے معمولات

روزانہ کے معمولات کے ساتھ ساتھ جمعہ کے معمولات کی بھی پابندی کریں، جمعہ کے دن کی فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کے دن ہر نیک عمل کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے۔ جمعہ کا دن قرآن وحدیث کی روشنی میں بڑی فضیلت کا دن ہے۔ اس لئے ہمیں اس دن اور رات کی بڑی قدر کرنی چاہئے۔ اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کر لینی چاہئیں۔

دوسری فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کے دن ہر گھنٹہ میں چھ سو آدمی دوزخ سے آزاد کئے جاتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جن پر دوزخ واجب ہو چکی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس دن اپنی اور سب مسلمانوں کے لئے مغفرت کی دعا کرنی چاہئے۔

جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے جس میں دعا قبول کی جاتی ہے وہ گھڑی کونسی ہے؟ اس کے بارے میں دو قول ہیں:

۱ ... پہلا قول یہ ہے کہ جب خطیب خطبہ دے کر منبر پر بیٹھے اس وقت دعا قبول ہوتی ہے اور بعض نے فرمایا کہ منبر پر بیٹھنے سے لے کر سلام پھیرنے تک دعا قبول ہوتی ہے۔

۲ ... دوسرا قول یہ ہے کہ سورج ڈوبنے سے تھوڑی دیر پہلے یہ وقت آتا ہے۔ اس وقت دعا کرنی چاہئے۔[1]

(۱) مزید اقوال کے لئے دیکھئے: الدر المنثور ج۱۰ ص۴، سورة الجمعة

جمعہ کے دن کے معمولات درج ذیل ہیں:

۱ ... درود شریف کی کثرت

یہ جمعہ کے دن کا خاص عمل ہے۔ درود شریف کی کثرت کے بارے میں علماء کرام کے تین قول ہیں:

۱ ... تین سو مرتبہ درود شریف پڑھنا۔ (یہ سب سے کم درجہ ہے)

۲ ... ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنا۔ (یہ درمیانہ درجہ ہے)

۳ ... تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنا۔ (یہ اعلیٰ درجہ ہے)

عصر کے بعد ۸۰ مرتبہ درود شریف پڑھنا

۲ ... دوسرا عمل یہ ہے کہ جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد ۸۰ مرتبہ درج ذیل درود شریف پڑھیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا

اس کی فضیلت یہ ہے کہ جو شخص اس کو پڑھے گا، اس کے اسی سال کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور ۸۰ سال کی عبادت کا ثواب نامۂ اعمال میں لکھ دیا جائے گا۔ (۱)

سورۂ کہف پڑھنا

۳ ... تیسرا عمل یہ ہے کہ سورۂ کہف پڑھنے کی پابندی کریں۔ اس کی دو فضیلتیں ہیں:

۱ ... دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ (۲)

۲ ... بروزِ قیامت سورۂ کہف پڑھنے والے کے لئے زمین سے آسمان تک نور ہوگا۔ (۳)

قیامت کا ایک دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور اس میں بعض روایات کے مطابق دس ہزار سال تک میدان قیامت میں اندھیرا چھا جائے گا تو اس وقت یہ نور کام آئے گا۔

عصر کے بعد یادِ الٰہی میں مشغول ہونا

۴ ... عصر کے بعد سے مغرب تک یادِ الٰہی میں مشغول رہنے کی عادت ڈالیں، تلاوت کریں، مناجاتِ مقبول پڑھ لیں اور خوب دعائیں مانگیں وغیرہ۔

---

(۱) تخریج احادیث الاحیاء ج۲ ص۳۹ رقم الحدیث: ۵۴۹۔

(۲) السنن الکبریٰ للنسائی، ج۶ ص۲۳۵ رقم الحدیث: ۱۰۸۳۰، ۱۰۷۸۵۔

(۳) الدر المنثور ج۶ ص۳۳۵، تفسیر سورۃ الکہف۔

اہم بات

سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ گناہوں سے بچا جائے، اور چھوٹے بڑے تمام گناہوں سے اجتناب کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور اب تک جو ہوا سو ہوا اس سے توبہ کرلیں اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیں۔ اگر حقوق اللہ میں کوتاہی کی ہے تو ابھی اس کی توبہ کرلیں۔ اور اگر حقوق العباد میں کوتاہی کی ہے مثلاً دوسروں کو ناجائز ستایا ہے یا ان کے حقوق مارے ہیں تو ان سے معافی مانگیں اور اگر وہ بدلہ لینا چاہیں تو انہیں بدلہ دیدیں اور توبہ کرلیں!

حقوق اللہ میں کوتاہی کرنے سے توبہ کے لئے تین شرائط ہیں:

۱ ... فی الحال اس گناہ کو چھوڑنا۔ ۲ ... گناہ پر نادم اور شرمندہ ہونا۔

۳ ... آئندہ نہ کرنے کا عزم کرنا۔

اور حقوق العباد کی کوتاہیوں سے توبہ مکمل کرنے کے لئے چوتھی بات بھی ضروری ہے۔

۴ ... جس بندہ پر ظلم کیا ہے یا اس کا کوئی حق مارا ہے تو اس سے بھی معافی مانگیں، اور اس کا حق ادا کریں۔(۱)

بہر حال ہمہ قسم کے گناہوں سے بچیں بالخصوص مشہور و معروف گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کریں مثلاً: بے پردگی، غیبت، جھوٹ، غصہ، تکبر اور حسد کرنا اور ٹی وی اور موبائل پر انٹرنیٹ کے ذریعہ گانا سننا اور فلمیں وغیرہ دیکھنا وغیرہ۔

غیبت ایسا گناہ ہے جو عورتوں اور مردوں میں بہت عام ہے حالانکہ یہ سؤر اور خنزیر کی طرح حرام ہے۔ زبان سے بھی غیبت نہ کریں اور نہ ہی اشارہ وکنایات سے غیبت کریں۔ اپنی زبان کو بھی غیبت سے بچائیں اور کانوں کو بھی غیبت سے بچائیں۔ جہاں غیبت ہورہی ہو اول تو منع کریں اگر منع نہیں کرسکتیں تو وہاں سے اٹھ کر چلی جائیں اور اگر ایسی جگہ ہیں جہاں سے اٹھنا مشکل ہو تو غیبت کی طرف سے دھیان ہٹاتی رہیں اور دل سے برا سمجھیں۔ اور اٹھتے وقت استغفار کرکے اٹھیں، بے جا غصہ کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ جہاں غصہ زیادہ ہوتا ہے وہاں باطن میں اکثر تکبر ہوتا ہے۔ اور تکبر حرام ہے۔ یعنی غصہ کی وجہ سے آدمی دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے اور زیادتی کردیتا ہے۔ اس طرح وہ ظالم بن جاتا ہے، اور غصہ کی وجہ سے جس پر غصہ کرتا ہے بعض مرتبہ اس پر الزام لگادیتا ہے غرض کہ بڑے بڑے گناہ

(۱) مرقاۃ المفاتیح ج۳ص۲۷۲ کتاب الصلوٰۃ باب التطوع.

غصہ کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں اس لئے غصہ کے وقت برداشت اور تحمل سے کام لیں۔ حدیث میں آتا ہے ''پہلوان وہ شخص نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے بلکہ حقیقی پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ (۱)

ایک اور حدیث شریف کی رو سے مثلاً اگر کسی آدمی میں دس خوبیاں ہوں اور اس میں سخت مزاجی ہو اور غصہ ہو تو یہ اس کی ساری خوبیوں پر پانی پھیر دے گا۔ اور جس شخص میں دس عیب اور برائیاں ہوں لیکن اس میں نرمی اور حلم ہو تو وہ اس کی دس برائیوں پر پردہ ڈال دے گا۔

تکبر بھی بہت بڑا گناہ ہے اور تکبر کے بعد بعض مرتبہ حسد کا گناہ ہو جاتا ہے اور حسد دراصل اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر ایک طرح سے اعتراض کرنا ہے لہٰذا اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اپنے ظاہر و باطن کو گناہوں سے خوب بچانا ہے۔ ان اعمال کے ساتھ ساتھ ماں باپ کی خدمت اور ان کا ادب واحترام بہت ضروری ہے۔ اور ماں، باپ کی خدمت فرض وواجب ہے۔ ہمارے علم حاصل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اعمال واخلاق سنور جائیں۔ اعمالِ صالح کرنے کے اخلاص کے ساتھ پابند ہوں اور گناہوں سے بچیں۔

سبق کے متعلق ضروری ہدایات

چونکہ ہمارا مقصد اس علم حدیث کو حاصل کرنے سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور اللہ کی رضا حاصل کرنا اخلاص کے بعد مزید دو باتوں پر موقوف ہے:۔

۱ ... علم صحیح حاصل کرنا۔

۲ ... اس علم پر عمل کرنا اور اُسے دوسروں تک پہنچانا۔

عمل کرنے کے بارے میں ضروری ہدایات پہلے بیان کی جا چکی ہیں۔ اب علمِ صحیح حاصل کرنے کے بارے میں چند ضروری باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں سے تین باتیں ضروری ہیں اور باقی باتیں آداب کی ہیں۔

❁ ... **سبق کا مطالعہ کرنا اور اس کا طریقہ:** آپ جو بھی سبق پڑھیں پہلے اس کا مطالعہ ضرور کریں۔ سبق کے مطالعہ کا مطلب یہ ہے کہ کتاب کی جو عبارت آپ پڑھیں۔ اس میں جو کلمات اور

(۱) صحیح البخاری، کتاب الادب باب الحذر من الغضب، رقم الحدیث: ۵۶۴۹۔

صیغے آئے ہیں۔ علم الصرف کے اعتبار سے آپ ان کو پہچان لیں مثلاً: مفرد ہے یا تثنیہ ہے یا جمع ہے۔ اگر صیغہ ہے تو ماضی کا صیغہ ہے یا مضارع کا۔ فاعل ہے یا مفعول، ثلاثی ہے یا مجرد یا مزید فیہ اور اس میں تعلیل ہوئی ہے یا نہیں ہوئی ہے۔ وغیرہ

- ... کتاب کی عبارت کو آپ صحیح اعراب کے ساتھ پڑھیں، اس کے لئے علم النحو کے اعتبار سے محلِ اعراب سمجھنے کی کوشش کریں اور علم النحو کا خلاصہ مرفوعات، منصوبات، مجرورات اور توابع کو جاننا ہے۔ مرفوعات ۸ ہیں، منصوبات ۱۲ ہیں، مجرورات ۲ ہیں اور توابع ۵ ہیں۔
- ... لغوی اعتبار سے ان کلمات اور صیغوں کا اردو میں ترجمہ اور مطلب سمجھنے کی کوشش کریں۔

ان تین کاموں میں سے جو سمجھ میں نہ آئے اپنے استاذ سے معلوم کریں!

جب یہ تینوں کام آپ کر لیں تو ایک کام اور کریں جو دورۂ حدیث کی نسبت سے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ عبارت کو صحیح پڑھنے کی باقاعدہ مشق کریں۔ مثلاً اس عبارت کو درمیانی آواز میں ۳۰ یا ۴۰ مرتبہ پڑھیں اور حدیث شریف پڑھنے کے جو آداب ہیں انہیں ملحوظ رکھیں۔ ان چار کاموں کو کرنے کا نام مطالعہ ہے، مطالعہ پابندی سے کریں۔

- ... سبق میں پابندی کے ساتھ حاضری دیں حتی الامکان ناغہ نہ کریں سخت مجبوری ہو تو پیشگی درخواست دے کر منظور کرالیں اگر درخواست پیشگی نہ دے سکیں تو بعد میں منظور کرالیں۔
- ... سبق میں حاضر ہو کر بھی چند باتوں کی پابندی کریں ورنہ وہ حاضری غیر حاضری کے حکم میں ہوگی۔ استاذ کی تقریر کو توجہ کے ساتھ سن کر سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر ذہن ادھر اُدھر ہو جائے تو اس کو ہٹا ہٹا کر استاذ کی تقریر کی طرف لگاتی رہیں کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو بلا تکلف دریافت کر لیں شرم وحیاء یا خوف وڈر کی وجہ سے سوال کرنے سے نہ رکیں۔ ہر طالبہ کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ وہ درس گاہ سے سبق سمجھ کر جائے۔ خلاصہ یہ کہ سبق میں حاضری کا مطلب یہ ہے کہ جس عبارت کا مطالعہ کیا تھا وہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔
- ... سبق ختم ہونے کے بعد درسگاہ میں یا گھر جا کر جو کچھ استاذ نے پڑھایا ہے، اُسے اچھی طرح یاد کر لیں اور یاد رکھیں اور یاد رکھنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ چھٹی والے دن پورے ہفتہ کا سبق دہرا لیں۔ اس سے کتاب یاد رہتی ہے اور اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے اور اس کا ایک بڑا

فائدہ یہ ہے کہ امتحان کی تیاری آسان ہو جاتی ہے۔ اور کامیابی کی قوی امید ہوتی ہے۔
اس طرح سبق پڑھنا ایسا ہے جیسے حفظ کرنا جس طرح حفظ میں رٹنا ہوتا ہے یہاں پہلے سمجھنا ہوتا ہے پھر اُسے یاد کرنا ہوتا ہے۔

آداب کی باتیں

اب کچھ آداب بتائے جاتے ہیں۔

❀ ... درس گاہ میں سبق پڑھنا اور حدیث شریف کی کتاب کا مطالعہ باوضو ہونا چاہئے۔

❀ ... اپنی کتابوں کا ادب کرنا چاہیے۔ کتابوں کے متعدد آداب ہیں۔

❀ ... کتابیں دائیں ہاتھ میں لیں بائیں ہاتھ میں نہ لیں، اگر کتابیں الماری میں لگانی ہوں تو پہلے بخاری شریف پھر مسلم شریف وغیرہ لگائیں، اگر اوپر نیچے رکھنی ہوں تو دورۂ حدیث کی کتب میں سب سے اوپر بخاری شریف پھر مسلم شریف پھر ابوداؤد شریف وغیرہ

❀ ... عام کتابیں اوپر نیچے رکھنے کا ادب یہ ہے کہ سب سے اوپر قرآنِ کریم پھر تفسیر، پھر اصولِ تفسیر پھر حدیث شریف، پھر شرحِ حدیث شریف، پھر اصولِ حدیث پھر فقہ پھر اصولِ فقہ پھر باقی علوم، مثلاً منطق فلسفہ جسمیں سائنس بھی آگئی ہے یہ سب سے نیچے رکھیں۔

❀ ... درسگاہ میں کتابیں بکھری ہوئی نہیں ہونی چاہئیں۔ یہ بڑی بے ادبی اور بدتہذیبی کی بات ہے۔

❀ ... کتابوں پر ٹیک نہ لگائیں، کہنی نہ رکھیں۔ کتابوں پر کچھ نہ لکھیں، مدرسہ کی کتاب میں جس طرح عام اور بیکار باتیں لکھنے کی بعض طلباء اور طالبات میں عادت ہوتی ہے اس کی گنجائش نہیں، البتہ اپنا نام، داخلہ نمبر وغیرہ پہلے صفحہ پر لکھنے کی گنجائش ہے۔

❀ ... سبق کے دوران نہ نیند آئے اور نہ ہی اونگھ آئے۔ سونا اور اونگھنا اپنے آپ کو سبق سے محروم کرنا ہے۔ اور یہ بھی ایک طرح سے غیر حاضری ہے اگر نیند آئے تو کتاب لے کر کھڑی ہو جائیں۔ یا کوئی اور تدبیر کرلیں مثلاً ٹھنڈا پانی چہرہ پر چھڑک لیں۔

❀ ... درس گاہ بالکل صاف وشفاف ہونی چاہئے۔ ہر چیز سلیقے سے رکھی ہوئی ہو، دیکھ کر پتہ چلے کہ انہیں تہذیب آتی ہے۔ سب اشیاء کا ادب یہ ہے کہ جہاں سے لیں وہیں رکھیں۔ بالخصوص جب وہ سب کے استعمال میں مشترک ہوتا کہ بوقتِ ضرورت وہ دوسروں کو اپنی جگہ ملے کسی کو تلاش کرنے کی تکلیف نہ ہو۔

❁ ... ساتھیوں کا ادب کریں۔ جہاں تک ہو سکے انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچائیں کیونکہ وہ شریک فی العلم ہیں۔ جس طرح علم کا ادب ہے اس طرح شریک فی العلم کا بھی ادب ہے۔

علمِ حدیث کے بارے میں

آداب کے بعد علمِ حدیث کے بارے میں، دو مقدمے بیان کئے جاتے ہیں، ایک مقدمۃ العلم دوسرا مقدمۃ الکتاب۔

مقدمہ کی دو قسمیں ہیں

❁ ... مقدمۃ العلم　　❁ ... مقدمۃ الکتاب

❁ ... مقدمۃ العلم میں جو علم پڑھایا جاتا ہے اس کے بارے میں ضروری باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ جیسے اس علم کی تعریف موضوع اور غرض وغایت وغیرہ۔

❁ ... مقدمۃ الکتاب میں جو کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ اس کا تعارف اس کے مصنف کے مختصر حالاتِ زندگی اور کتاب کا درجہ بتایا جاتا ہے۔ تاکہ اس کتاب کا پڑھنا اور سمجھنا آسان ہو۔

مقدمۃ العلم

حدیث کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

حدیث کے لفظی معنیٰ ''نئی اور جدید چیز کے آتے ہیں'' اور اصطلاح میں نبی کریم ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔

قول سے آپ ﷺ کا ارشاد مراد ہے۔ فعل سے آپ ﷺ کا عمل مراد ہے اور تقریر سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے کسی شخص نے کوئی بات کہی یا کوئی کام کیا اور آپ ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ خاموشی اختیار فرمائی اُسے تقریر کہتے ہیں۔

حدیث کو حدیث کہنے کی تین وجوہات

پہلی وجہ

علامہ ابن حجر مکیؒ نے حدیث کا حدیث نام رکھنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حدیث قدیم کے مقابلے میں ہے۔ قرآنِ کریم قدیم ہے لہٰذا حدیث کو اس سے ممتاز رکھنے کے لئے آپ ﷺ کے ارشادات کا نام ''حدیث'' رکھا گیا ہے۔

دوسری وجہ

بعض علماء نے یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ حدیث کے معنیٰ قول کے ہیں اور احادیث نبی کریم ﷺ کے اقوال کو کہتے ہیں اس لئے ان کو ''احادیث'' کہا جاتا ہے۔

تیسری وجہ

حدیث کو حدیث کہنے کے بارے میں زیادہ واضح اور صحیح بات یہ ہے کہ متعدد احادیثِ طیبہ میں خود حضور ﷺ نے اپنے اقوال کو حدیث فرمایا ہے اس لئے ان کو حدیث کہتے ہیں جیسا کہ علمِ حدیث کے فضائل میں آگے آرہا ہے۔ (۱)

حدیث کا موضوع

رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس من حیث الرسالۃ حدیث کا موضوع ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے لہٰذا اس سلسلے میں جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا یا جو کچھ آپ ﷺ نے عمل کیا یا آپ ﷺ کے سامنے کسی نے کوئی کام کیا یا جو کچھ اس کے بارے میں آپ ﷺ نے طریقہ اختیار فرمایا، اس حیثیت سے علمِ حدیث میں بحث کی جاتی ہے اس لئے یہ حدیث شریف کا موضوع ہے۔ (۲)

حدیث کی غرض وغایت

حدیث کی غرض وغایت یہ ہے کہ حدیث شریف کا صحیح علم حاصل کر کے بندہ کا اپنے ظاہر وباطن کو حضور ﷺ کے ارشادات کے مطابق ڈھال کر اور آپ ﷺ کی سنتوں کے مطابق عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا۔ اور دنیا وآخرت کی سعادت اور فلاح وکامیابی حاصل کرنا، حدیث شریف کی غرض وغایت ہے۔ (۳)

علمِ حدیث شریف کے فضائل

علمِ حدیث شریف کے فضائل اور فوائد بے اندازہ اور بے شمار ہیں۔ یہاں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں اور چند اقوالِ سلفؒ بیان کئے جاتے ہیں۔

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۲۰ تا ۲۲۔

(۲) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: درسِ ترمذی ج۱ص۲۴۔

(۳) درسِ ترمذی ج۱ص۲۵

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اے اللہ! میرے خلفاء پر رحم فرما! ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو میری حدیث روایت کرتے ہیں اور انہیں لوگوں کو سکھاتے ہیں۔''(۱)

تشریح

اس حدیث میں خلفاء خلیفہ کی جمع ہے، جس کے معنیٰ نائب اور قائم مقام کے آتے ہیں اور کسی کو اپنا نائب اور قائم مقام بنانا بہت بڑی فضیلت کی بات ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے حدیث شریف پڑھانے والوں کو اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے اور نائب اصل کے قائم مقام ہوتا ہے اس لحاظ سے جو حضرات حدیث شریف پڑھانے اور سکھانے میں مشغول ہیں اس حدیث میں ان کی بڑی عظمت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

دوسرے اس حدیث میں حضور ﷺ نے حدیث شریف پڑھانے والوں پر اللہ تعالیٰ سے رحم کرنے کی دعا فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا سب سے بڑھ کر ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت کے بغیر کسی کی بھی نجات نہیں ہوسکتی۔

۲ ... حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اس علم کی حد کتنی ہے کہ جب کوئی شخص اُسے حاصل کرلے تو فقیہ کہلائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دین کے کسی معاملے کے متعلق چالیس احادیث میری امت کو پہنچائے گا اللہ تعالیٰ اس کو فقیہ بنا کر اٹھائیں گے اور میں اس کے لئے قیامت کے روز سفارشی اور گواہ بنوں گے۔ (۲)

۳ ... حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو اس حالت میں موت آئے کہ وہ علم حاصل کر رہا تھا تا کہ وہ اسلام کو پھیلائے تو جنت میں اس کے اور پیغمبروں کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ (۳)

۴ ... حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر سنت نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی شخص بھی قرآنِ کریم کو نہ سمجھ سکتا۔ (۴)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح خطبۃ الکتاب، ج۱ص۲۱۔

(۲) مشکاۃ المصابیح کتاب العلم الفصل الثالث، رقم الحدیث: ۲۵۸۔

(۳) مشکوۃ المصابیح کتاب العلم الفصل الثالث رقم الحدیث:۲۴۹

(۴) مقدمۃ التعلیق الصبیح ج۱ص۳۹

۵ ... حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرات ائمہ کرامؒ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سنت کی تشریح ہے اور سنت قرآنِ کریم کی شرح ہے۔ (۱)

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ فقہ حدیث شریف کی شرح ہے اور حدیث کلام اللہ کی شرح ہے۔

۶ ... حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے علم حاصل کرتا ہے میں اس شخص کے لئے علمِ حدیث سے افضل کوئی علم نہیں جانتا۔ (۲)

علمِ حدیث حاصل کرنے کے آداب

علمِ حدیث بہت اونچا علم ہے اس کو حاصل کرنے کے بہت سے آداب ہیں جن پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں۔ اور علمِ حدیث صحیح طور پر حاصل کرنے میں کامیابی ہوتی ہے۔ اور پڑھنے والے پر احادیثِ طیبہ کا رنگ چڑھ جاتا ہے یعنی عمل کرنے کی توفیق ہوتی ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

صحیح نیت کرنا

یعنی علمِ حدیث حاصل کرنے سے پہلے ہر ایک کو چاہئے کہ وہ اپنی نیت درست کرلے اور درست نیت یہ ہے کہ وہ یہ علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے پڑھ رہا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دنیاوی غرض ہرگز نہ ہو جیسے: عالمہ یا عالم کہلوانے کی نیت ہونا یا اپنی شہرت اور ناموری کی نیت کرنا یا دنیا حاصل کرنے کی نیت کرنا، نہ ہو۔

دعا اور ہمت

علمِ حدیث حاصل کرنے میں پوری پوری کوشش اور محنت کرنا ضروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی خوب دعا کرتی رہیں، علمِ نافع اور عملِ صالح کی توفیق مانگتی رہیں چونکہ دعا اور کوشش کامیابی کا بہترین ذریعہ ہیں، کوئی بھی کام ہو اس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے، اور اپنی طرف سے پوری طرح کوشش کرنے سے عام طور پر اس میں بندہ کامیاب ہو جاتا ہے، اس لئے دعا کریں اور ہمت و کوشش بھی کریں!

تعظیمی الفاظ کا استعمال

اللہ تعالیٰ اور نبیٔ کریم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم

(٤) مقدمة التعليق الصبيح ج۱ص۳۹

(٥) مقدمة اوجز المسالك ص:۷۔

اجمعین، تابعینؒ اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اور حضراتِ ائمہ کرام رحمہم اللہ کے ناموں کے ساتھ تعظیمی الفاظ استعمال کیا کریں مثلاً: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ تعالیٰ یا جل شانہ یا جل جلالہ یا تبارک و تعالیٰ وغیرہ استعمال کرنا۔ اور حضور کریم ﷺ کے نام کے ساتھ "نبی اعظم" یا "رسول کریم" کہنا یا لکھنا اوراس کے بعد درود شریف پورا پڑھنا یا لکھنا اوراس میں قصداً کمی نہ کرنا مثلاً: اردو میں بعض لوگ نبی کریم ﷺ کے نام پر صرف "ؐ" بنادیتے ہیں یا خالی صلعم لکھ دیتے ہیں یا بعض طلبہؔ وطالبات رسولِ کریم ﷺ کے نام کے بعد ﷺ بھی توڑ موڑ کر مختصر کردیتے ہیں جیسے صل وسلم کہنا (معاذ اللہ) اس سے بچنا ضروری ہے یہ بدترین بخل اور کنجوسی [1] ہے جو ممنوع ہے اور صحابہؔ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام کے ساتھ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم اجمعین اور صحابیات کے نام کے ساتھ رضی ا للّٰہ تعالیٰ عنھن کہنا یا لکھنا اور ائمہ کرامؒ کے نام کے ساتھ جیسے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ لکھنا اور کہنا وغیرہ۔

اہتمامِ عمل

عبادات، آداب اور فضائل اعمال وغیرہ کی جو احادیث پڑھیں اس پر ساتھ ساتھ عمل بھی کرتی جائیں۔ وجہ یہ ہے کہ جو احادیث طیبہ آپ پڑھیں گی ان میں بعض کا تعلق عقیدہ سے ہوگا۔ اس کے مطابق جو عقیدہ برحق ہے اُسے اختیار کریں اور کچھ احادیث کا تعلق ہماری عملی زندگی سے ہوگا ایسی احادیث پر، پڑھنے کے ساتھ ساتھ عمل بھی کرنا چاہئے، کیونکہ پڑھنے کا اصل مقصد عمل کرنا ہے۔ اور جن احادیث پر عمل کرنے کا تعلق آئندہ زمانہ سے ہو، ان میں آئندہ عمل کرنے کی نیت رکھیں!

وسائلِ علم کا ادب

یعنی جو چیزیں علم حاصل کرنے کا ذریعہ بنیں ان کا ادب کریں مثلاً: کتاب کا ادب کریں اور اس کا ادب یہ ہے کہ کتاب کو ادب سے اٹھائیں، ادب سے رکھیں، ترتیب سے رکھیں اور ترتیب سے لگائیں۔ اسی طرح تپائیاں جو درس گاہ میں ہوتی ہیں انہیں سیدھا رکھیں اور انکو صاف وستھرا رکھیں ان پر کچھ نہ لکھیں۔ درس گاہ کا ادب کریں یعنی اس کی کوئی چیز خراب نہ کریں اور درس گاہ کی اندرونی اور بیرونی صفائی رکھیں۔ کاغذ، قلم اور روشنائی کا ادب کریں کیونکہ یہ بھی علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ بلا ضرورت کوئی چیز نہ لکھیں۔ قلم کو احتیاط سے رکھیں۔ ایسی جگہ رکھیں جہاں سے وہ گم نہ ہو۔ رجسٹر اور کاپی

---

(۱) ایک حدیث مبارک میں فرمایا: قال رسول اللہ ﷺ: "ان البخیل کل البخیل من ذکرت عندہ فلم یصل علیّ" شعب الایمان للبیھقیؒ رقم الحدیث:۱۵۲۷، الخامس عشر من شعب الایمان وھو باب فی تعظیم النبی ﷺ.

کا بھی ادب کریں انہیں ضائع نہ کریں پیروں میں نہ لائیں اور ادھر ادھر نہ ڈالیں، وغیرہ۔

شرکاءِ علم کا احترام

سبق کے شرکاء کا احترام کریں، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کریں، ان سے بداخلاقی اور بدتمیزی سے پیش نہ آئیں، ان سے لڑائی جھگڑا نہ کریں، حسد نہ کریں، ان کی غیبت نہ کریں، اگر ان سے کوئی تکلیف پہنچے تو صبر وتحمل سے کام لیں، ایثار کریں، حسنِ اخلاق سے پیش آئیں اور کم سے کم درجہ یہ ہے کہ اپنی طرف سے ان کو ایذاء اور تکلیف پہنچانے سے بچیں!

استاذ کی تعظیم

استاذ کی تعظیم کریں، ادب سے ان کا نام لیں، اور جائز امور میں ان کی اطاعت کریں، نافرمانی نہ کریں، سبق کے بارے میں جو جائز اور مفید ہدایات دیں یا نصیحت کریں، انھیں قبول کریں اور عمل کریں، اور استاذ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھیں کہ میری حیثیت کے لحاظ سے، میرے حق میں نفع پہنچانے کے لئے یہ سب سے بہتر ہے، اور ضرورت کے وقت دینی اور علمی معاملات میں اس سے مشورہ کرتے رہیں، اور ہمیشہ ان کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کا معمول رکھیں۔ (۱)

علمِ دین حاصل کرنے کے آداب کے بعد سب سے پہلے علم حدیث کے بارے میں دورِ حاضر کے ایک سنگین فتنہ سے آگاہ کرنا ضروری ہے، اور وہ حدیث شریف کے انکار کا فتنہ ہے، پہلے اس کا تعارف، اس کا نظریہ اور اس کی تردید اور پھر حدیث شریف کا حجت ہونا دلائلِ شرعیہ سے بیان کیا جائے گا اور آخر میں منکرینِ حدیث کا حکم بتایا جائے گا۔

منکرینِ حدیث کے فتنے کا تعارف

آپ نے اصولِ فقہ میں پڑھا ہے کہ احکامِ شریعت کو ثابت کرنے کے لئے سب سے پہلی اور سب سے بڑی دلیل قرآنِ کریم ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت ہے یہ دونوں احکامِ اسلام کے بنیادی ستون ہیں۔

پہلی صدی ہجری تک اہل سنت والجماعت، خوارج، شیعہ اور قدریہ وغیرہ اور اسلام کا نام لینے والے تمام فرقے ثقہ راویوں کے ذریعہ پہنچنے والی احادیث کو بالاتفاق حجت سمجھتے تھے۔ (۲)

---

(۱) مأخذہ: اشرف التوضیح ج۱ص۷۶

(۲) اشرف التوضیح ج۱ص۳۱۔

اسکے بعد سب سے پہلے خوارج نے حجیت حدیث سے انکار کیا۔ پھر شیعوں نے حدیث کا انکار کیا۔ اس کے بعد معتزلہ نے خبر واحد کی حجیت سے انکار کیا اور ان کے زمانہ کے علماءِ حق نے انکی خوب تردید کی چنانچہ اس کے بارے میں امت کے علماءِ کرامؒ نے مختلف کتابیں تحریر کی ہیں۔ جن میں انہوں نے حدیث کا حجت ہونا ثابت کیا ہے۔ (۱)

اس کے بعد جب سے مسلمانوں کا اقتدار دنیا میں روبہ زوال ہوا، اور انگریز مسلمانوں پر غالب آئے۔ اور ان کے افکار اور تہذیب مسلمانوں کے ذہنوں پر چھا گئی تو مسلمانوں کا نو تعلیم یافتہ طبقہ اس درجہ ان سے مرعوب ہوا کہ وہ رفتہ رفتہ اسلامی تعلیمات میں تحریف کرنے تک آمادہ ہو گیا اس طبقہ کو "متجد دین" یا "اہلِ تجدد" کہا جاتا ہے۔ اس گروہ کے لوگ ترکی میں ضیاء گوکب الپ، مصر میں طٰہٰ حسین اور ہندوستان میں سرسید احمد خان تھے۔ جو علی گڑھ کالج کے بانی تھے۔

مولانا چراغ علی، سرسید احمد خان کے ساتھی تھے ان کی قیادت میں یہ "تحریکِ تجدد" آگے بڑھی انہوں نے کھل کر حجیتِ حدیث کا انکار تو نہیں کیا لیکن جو حدیث مغربی افکار کے خلاف نظر آئی اسکی صحت سے انکار کر دیا۔ خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی ہو۔ ان کے بعد یہ تحریک عبد اللہ چکڑالوی کی قیادت میں قدرے منظم ہوئی۔ اور یہ خود کو اہلِ قرآن کہتے تھے۔ اور حجیتِ حدیث کے منکر تھے۔ پھر اسلم جیراجپوری نے اس تحریک کو اور آگے بڑھایا یہاں تک کہ ہمارے زمانہ میں غلام احمد پرویز نے انکارِ حدیث کو ایک منظم نظریہ بنا کر نو تعلیم یافتہ طبقہ میں پھیلا دیا۔ خصوصاً پاکستان کے حکمران طبقہ میں بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ اسکو پھیلایا۔ ان کی تردید میں علماءِ کرام نے بحمد اللہ تعالیٰ اردو، اور عربی زبان میں چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ اور دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے حدیث کا حجت ہونا ثابت کیا۔ اور ان کے نظریات کا باطل ہونا ظاہر فرمایا۔ ذیل میں ان کتابوں کا مختصر انتخاب بتایا جاتا ہے تا کہ بوقتِ ضرورت ان سے استفادہ کیا جا سکے۔ (۲)

حجیتِ حدیث کی کتابیں

۱ ... "حجیتِ حدیث": شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲ ... انکارِ حدیث کے نتائج: شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمۃ اللہ علیہ

(۱) درس مشکوٰۃ ج۱ص۱۴

(۲) درس مسلم ج۱ص۲۶

۳ ... حجیتِ حدیث: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم العالی

۴ ... مقدمہ مسلم شریف: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم العالی

۵ ... حجیتِ حدیث: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

۶ ... ''مقدمہ اشرف التوضیح'': حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۷ ... ''مقدمہ درس مشکوٰۃ'': حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب مدظلہم العالی

منکرینِ حدیث کا نظریہ

مذکورہ کتابوں کی روشنی میں مختصر طور پر منکرین حدیث کا نظریہ بیان کیا جاتا ہے [1] اور وہ یہ ہے کہ منکرینِ حدیث کے نزدیک حدیث شریف حجت اور معتبر نہیں ہے اور اسکے معتبر نہ ہونے کی دو وجہ ہیں۔

۱ ... ہمیں صرف قرآنِ کریم کافی ہے۔ حدیث شریف کی ضرورت نہیں۔ ہم قرآنِ کریم خود اپنی عقل سے سمجھ لیں گے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیں کہ ان کے نزدیک نبی اور رسول کی کوئی ضرورت نہیں، کتاب اللہ کو سمجھنے کے لئے عقل کافی ہے۔ اس لئے حدیث شریف حجت نہیں۔

۲ ... حدیث کی روایتیں ناقابلِ اعتبار ہیں کیونکہ کتابوں میں لکھی ہوئی احادیث زیادہ تر زبانی روایات کا مجموعہ ہیں جو آنحضرت ﷺ کے وصال کے دوسو سال بعد مرتب ہوئی ہیں، لہٰذا ان پر دین کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی، البتہ قرآنِ کریم کی کتابت آپ ﷺ کے زمانہ میں ہوگئی تھی اس لئے وہ حجت ہے۔ باقی احادیث آپ ﷺ کے زمانہ میں نہیں لکھی گئی تھیں۔ بلکہ بعد میں سنی سنائی روایتوں سے احادیث کی کتابیں لکھی گئی ہیں، اس لئے وہ قابلِ اعتماد اور حجت نہیں۔ ان دو وجوہات کی بناء پر منکرین حدیث، احادیثِ طیبہ کے حجت اور معتبر ہونے سے انکار کرتے ہیں۔

منکرینِ حدیث کے نظریہ کی تردید

منکرینِ حدیث کا مذکورہ نظریہ عقلاً وشرعاً سراسر باطل، غلط اور بے بنیاد ہے اور احادیثِ طیبہ

(۱) خاص طور پر مذکورہ بالا کتب میں کتاب نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ اور ۶ کے اہم حصوں کا جامع خلاصہ لیا گیا ہے، اور نئی ترتیب سے اس مقالہ کو مرتب کیا گیا ہے۔ بندہ عبد الرؤف سکھروی غفرلہ

کے مدون ہونے کی تاریخ سے جہالت اور بے خبری پر مبنی ہے ذیل میں اس نظریہ کے باطل ہونے اور ان کی ذکر کردہ دونوں وجوہات کے غلط ہونے پر کچھ دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔

منکرینِ حدیث کا نظریہ اور انکی پہلی وجہ باطل ہے

پہلی بحث

منکرینِ حدیث کا یہ کہنا کہ ہمیں قرآنِ کریم کافی ہے ہم اپنی عقل سے اس کو سمجھ لیں گے۔ اس لئے ہمیں حدیث کی ضرورت نہیں ہے۔اوران کا حضور ﷺ کو ایک عام ڈاکیہ اور پیغام پہنچانے والے کی طرح سمجھنا جو خط اور پیغام پہنچا کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجاتا ہے خط اور پیغام کے الفاظ ومعانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔اس بنا پر اُن کا قرآنِ کریم کو سمجھنے کے لئے اپنی عقل کو کافی سمجھنا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے اور قرآنِ کریم کی واضح آیات کے سراسر خلاف ہے چنانچہ اُن کی گمراہی ثابت کرنے کے لئے قرآنِ کریم ہی کافی ہے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ (۱)

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام بالخصوص رسولِ کریم ﷺ کے بارے میں دس احکام دیئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

پہلا حکم: حضور ﷺ پر ایمان لانا

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام پر ایمان لانے اور بے چون وچرا ان کی تصدیق کرنے کو اسی طرح ضروری قرار دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ضروری ہے اوراس کا انکار کرنا بلاشبہ کفر ہے،لہٰذا منکرینِ حدیث کا قرآنِ کریم سمجھنے کے لئے محض اپنی عقل کو کافی سمجھنا اور اس سلسلہ میں حضور ﷺ کو محض ایک ڈاکیہ اور پیغام پہنچانے والے کی طرح قرار دینا دراصل آپ ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کرنا ہے۔جو سراسر کفر اور گمراہی ہے چند آیات ملاحظہ ہوں:

۱ ... سورۂ نساء میں ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (۲)

---

(۱) حجیت حدیث ص ٦

(۲) سورۃ النساء: ۱۷۰

ترجمہ

''اے لوگو! یہ رسول تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق لے کر آگئے ہیں۔ اب اس پر ایمان لاؤ کہ تمہاری بہتری اسی میں ہے اور اگر اب بھی تم نے کفر کی راہ اختیار کی تو خوب سمجھ لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ علم وحکمت دونوں کے مالک ہیں۔''

۲ ... سورۂ نساء میں ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِى نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِى أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا. (۱)

ترجمہ

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھو اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری تھی، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا انکار کرے گا تو وہ بھٹک کر گمراہی میں بہت دور جا پڑا ہے''۔

۳ ... سورۂ تغابن میں ہے:۔

فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِى أَنْزَلْنَا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ. (۲)

ترجمہ

لہٰذا تم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس روشنی پر یعنی قرآنِ کریم پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہیں۔

تشریح

ان آیات میں انبیاءِ کرام علیہم السلام اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ ان

---

(۱) سورۂ نساء: ۱۳۶

(۲) سورۂ تغابن: ۸

کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونے کا اعتقاد رکھے اور ان کو ہر قسم کے گناہوں سے معصوم اور پاک سمجھے اور جو کچھ وہ دین وشریعت کے بارے میں فرمائیں یا عمل کر کے دکھائیں ان کو درست اور من جانب اللہ سمجھے۔ لہٰذا ان آیات سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ اور انبیاء کرام علیہم السلام کا قول وفعل جس کو حدیث کہتے ہیں وہ اُسی طرح حجت اور معتبر ہے جس طرح ان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی کتاب پیش کرنا صحیح ہے لہٰذا منکرینِ حدیث کا قرآنِ کریم کو سمجھنے کے لئے نبی کی ضرورت سے انکار کرنا اور اس کے نتیجہ میں حدیث شریف کے حجت ہونے سے انکار کرنا کفر اور گمراہی ہے۔

دوسرا حکم: حضور ﷺ کے چار فرائض اور ذمہ داریاں

۲۔ حضور ﷺ کے بغیر قرآنِ کریم کو سمجھنا ممکن نہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اور آپ کی چار ذمہ داریاں بیان فرمائی ہیں۔

سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (۱)

ترجمہ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائیں اور ان کو پاک اور صاف بنائیں اور ان کو کتاب وحکمت کی باتیں بتائیں جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

تشریح

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر چار فرائض اور چار ذمہ داریاں حضور ﷺ کے سپرد فرمائی ہیں

۱ ... کتاب اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا یعنی قرآن کریم کی تلاوت اور پڑھنے کا طریقہ بتانا جسکو تجوید سے پڑھنا کہتے ہیں۔ اس میں آپ ﷺ کا بیان کردہ طریقہ حجت ہے۔

(۱) نساء:۱۶۴

۲ ... کتاب اللہ کی تعلیم دینا یعنی قرآنِ کریم کی تفسیر وتشریح فرمانا۔ اس بارے میں آپ ﷺ کی بات حرفِ آخر ہے۔

۳ ... حکمت کی تعلیم دینا یعنی دینی رہنمائی پر مبنی حکمت سکھانا جس کے لئے آپ ﷺ کی ذات واحد سرچشمہ ہے۔

۴ ... تزکیہ فرمانا یعنی اپنی تعلیمات کو عمل میں لانے کے لئے لوگوں کی عملی تربیت کا بھی انتظام کرنا تاکہ لوگ کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس پر عمل پیرا بھی ہوسکیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مطابق ہے۔

ان چار ذمہ داریوں میں حکمت اور تزکیہ سے مراد حدیث اور سنت ہے، کیونکہ ان چار امور میں کتاب وحکمت کی تعلیم، قرآنِ کریم کی آیات کی تلاوت سے جدا کوئی اور چیز ہے ورنہ اس کا علیحدہ ذکر فرمانا بے معنیٰ ہوگا، اسی طرح "تزکیہ فرمانا" بھی آپ کا ایسا خصوصی وصف ہے جو یقیناً قرآنِ کریم کے الفاظ سے پڑھ کر سنانے سے زیادہ ہے، ورنہ یہ دونوں چیزیں حکمت اور تزکیہ علیحدہ اور مستقل طور پر بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، اس لئے ان دونوں سے بلاشبہ حدیث اور سنت مراد ہے ـــــــ حضراتِ صحابہؓ وتابعینؒ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جن کی بصیرتِ قرآنی، ہر زمانہ میں سند اور حجیت رہی ہے ان سب کی یہی رائے ہے کہ ان سے مراد "سنتِ رسول اللہ" ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو مفسر قرآنِ کریم ہیں اور حضرت قتادہ اور حضرت حسن بصری رحمہم اللہ جو جلیل القدر تابعین ہیں اور دوسرے حضرات یہی فرماتے ہیں دیکھئے! تفسیر الدر المنثور

اسی طرح سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۶۲، اور ۱۲۹ میں بھی یہ فرائض بیان کئے گئے ہیں، بہر حال ان تینوں آیات سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ کی حیثیت کسی ڈاکیہ اور صرف پیغام پہنچانے والے کی طرح نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کی حیثیت ایک استاذ اور ایک معلّم کی ہے اور ظاہر ہے کہ استاذ اپنے اقوال وافعال سے کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حضور ﷺ کے اقوال وافعال ہی کا نام حدیث ہے اور قرآن کریم کی تفسیر ہے لہٰذا یہ بلاشبہ حجت ہے اور قرآنِ کریم نے اس بارے میں کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ لوگ آپ ﷺ کے بغیر اپنی مرضی اور اپنی عقل سے جس طرح چاہیں قرآنِ کریم کی تشریح کریں اور جس طرح چاہیں اس پر عمل کریں بلکہ وہ آپ ﷺ کے اقوال وافعال کی پیروی کرنے کے

پابند ہیں۔

تیسرا حکم: حضور ﷺ کی اطاعت کرنا

قرآنِ کریم کی بے شمار آیات میں مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ آپ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کو ضروری اور لازمی قرار دیا ہے اور حضور ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔

۱ ... چنانچہ سورۂ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ (۱)

ترجمہ

اے پیغمبر آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتے۔

۲ ... سورۂ آلِ عمران میں ہے:

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (۲)

ترجمہ

اور تم اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم سے رحمت کا برتاؤ کیا جائے۔

۳ ... سورۂ نساء میں ہے:۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (۳)

ترجمہ

جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

تشریح

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کے حکم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت بالاتفاق

(۱) آل عمران: ۳۲

(۲) آل عمران: ۱۳۲

(۳) سورۂ نساء: ۸۰

واجب ہے۔ تو حضور ﷺ کی اطاعت بھی بلاشبہ واجب ہے اور یہ حکم ان آیات کے علاوہ مزید ۲۰/۱۵ آیات میں دیا گیا ہے ان آیات میں حضور ﷺ کی اطاعت اور آپ کی بات ماننے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ جو کچھ احکام دیں اور جو کچھ ارشاد فرمائیں اُسے قبول کرو اور مانو۔ اس میں حضور ﷺ کی پیروی اور اتباع کا تعلق آپ کے افعال واعمال سے ہے انہیں بھی معتبر اور حجت سمجھو۔ اس طرح ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ارشادات اور اعمال دونوں کو حجت قرار دیا ہے۔ لہٰذا منکرینِ حدیث کا ان کو حجت نہ ماننا ان واضح آیات کے خلاف ہے اور کھلی گمراہی ہے۔

چوتھا حکم: حضورِ اکرم ﷺ کی نافرمانی سے بچنا

قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی بتایا ہے۔ اور اس کو کھلی گمراہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ احزاب میں ہے:

وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِينًا (۱)

ترجمہ

''اور جس کسی نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔''

۲ ... سورۂ جن میں ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَاِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا اَبَدًا (۲)

ترجمہ

''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے گا تو یقیناً اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔''

۳ ... سورۂ نساء میں ہے:۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ۔ (۳)

---

(۱) سورۂ احزاب: ۳٦

(۲) سورۂ جن: ۲۳

(۳) سورۂ نساء

ترجمہ

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے دوزخ میں داخل کریں گے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور اس کے لئے ذلت آمیز عذاب ہوگا۔

تشریح

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم ﷺ کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی کے برابر قرار دیا ہے۔ اور اس کے انجام سے خبردار کیا ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کی نافرمانی کرنے کی بناء پر وہ گمراہ ہوگا۔ اور ہمیشہ کے لئے جہنم اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ جہاں کا عذاب اس کو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ اس طرح حضور ﷺ کی اطاعت اور تابعداری کے مثبت اور منفی دونوں پہلو جدا جدا بیان کر کے حضور ﷺ کی ہر طرح تابعداری کرنے اور نافرمانی سے بچنے کی اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے۔ جو آپ ﷺ کے اقوال وافعال پر عمل کئے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اور آپ ﷺ کے اقوال وافعال کا نام حدیث ہے۔ معلوم ہوا کہ حدیث شریف بلاشبہ حجت ہے۔ اور معتبر ہے۔ اس پر عمل کئے بغیر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نہ اطاعت ہوسکتی ہے اور نہ تابعداری بلکہ وہ نافرمانی ہوگی جو کھلی گمراہی ہے لہٰذا حجیت حدیث سے انکار کرنا کفر اور گمراہی ہے۔

پانچواں حکم: رسول کا اتباع کرنا اور آپ کا بہترین عملی نمونہ ہونا

قرآنِ کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور آپ ﷺ کی اتباع کا بھی حکم دیا ہے۔ اور اس پر بہت زور دیا ہے اور اتباعِ رسول کے معنٰی ہیں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے نقشِ قدم کی پیروی کرنا اور اس کی تابعداری کرنے کا پابند ہونا۔ جس کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام بندوں تک پہنچانے کے ذمہ دار نہیں ہوتے۔ جیسا کہ منکرینِ حدیث سمجھتے ہیں۔ بلکہ وہ اپنی تعلیم وتبلیغ کے ساتھ اپنی ایک عملی مثال اور نمونہ بھی قائم کرتے ہیں تاکہ ان پر ایمان لانے والے حضرات انکو دیکھ کر صحیح طریقے سے عمل کرسکیں چنانچہ سورۂ آلِ عمران میں ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ

(۱) سورۂ آلِ عمران: ۳۱

غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ (۱)

ترجمہ

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کردیں گے اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔

سورۂ اعراف میں ہے:

فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (۱)

ترجمہ

لہٰذا اب تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ جو نبی اُمّی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی پیروی کرو تا کہ تمہیں ہدایت حاصل ہو۔

سورۂ احزاب میں ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا (۲)

ترجمہ

بلاشبہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے اور آخرت کے دن سے امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو۔

تشریح

ان آیات سے اور ان جیسی دیگر آیات سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ پر ایمان رکھنے والے کے لئے آپ ﷺ کے قول وفعل کا اتباع اور آپ کی پیروی کرنا واجب ہے اور یہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ محض تعلیم کسی قوم کی اصلاح کے لئے کافی نہیں ہوتی، اصلاح کا اور تعلیم پر عمل کرنے کا

(۱) سورۂ اعراف: ۱۵۸

(۲) سورۂ احزاب: ۲۱

فطری طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ایک عملی نمونہ اور عملی مثال پیش کی جائے۔ تاکہ لوگ اس کو دیکھ دیکھ کر اس کے مطابق عمل کریں اور اپنی اصلاح کریں مثال کے طور پر اگر کوئی شخص میڈیکل سائنس کی تعلیم حاصل کررہا ہو، لیکن کسی تجربہ کار اور ماہر ڈاکٹر کی نگرانی میں عملی تربیت حاصل نہ کرے تو ڈاکٹر کا کورس کرنے کے باوجود اور ڈاکٹری کے فن کی کتابوں کا بھرپور مطالعہ کرنے کے باوجود وہ علاج ومعالجہ کی خدمات انجام نہیں دے سکتا، اور وہ مریضوں کا علاج نہیں کرسکتا۔ یہی حال دیگر عصری علوم وفنون کا حال ہے۔

علوم وفنون کی بات تو الگ رہی ایک عام شخص جسے اچھا کھانا پکانے کا شوق ہو مگر اس نے کبھی کھانا پکایا نہ ہو تو وہ محض کھانے پکانے کی ترکیبوں پر مشتمل کتابوں کو پڑھ کر اچھا کھانا نہیں بنا سکتا۔ حالانکہ کھانا پکانے کے اجزاءِ ترکیبی، اس کا طریقہ، اور معمولی سے معمولی بات بھی کتاب میں وضاحت سے بیان کی ہوتی ہے۔ لیکن وہ شخص جس نے کبھی کھانا پکایا ہی نہ ہو۔ عمدہ اور لذیذ کھانا محض کتاب پڑھ کر نہیں بنا سکتا۔ جب تک وہ کسی ماہر سے تربیت حاصل نہ کرے۔ وہ ماہر اُسے کھانا پکا کر دکھائے اور یہ شخص اس کے کھانا پکانے کے انداز کو بار بار دیکھے اور خود بھی اس کو دیکھ کر بار بار دہرائے اور پکائے تو پھر وہ آہستہ آہستہ کھانا پکانا سیکھ لیتا ہے۔

اس سے یہ بات صاف صاف معلوم ہوئی کہ انسانی فطرت کو کسی اہم بات کے سیکھنے کے لئے ایک عملی مثال اور نمونہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا دینی تعلیم اور قرآنی احکام کی پیروی میں بھی یہ ضروری ہے۔ اس لئے ان آیات میں انبیاء کرام علیہم السلام اور رسول کریم ﷺ کی پیروی ضروری قرار دی گئی ہے اور حضور ﷺ کو بہترین عملی اسوہ اور نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ اور آپ کی سچی تابعداری کرنے پر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضامندی موقوف کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ آپ کے عملی نمونہ ہونے میں آپ کے ارشادات، آپ کے اعمال وافعال اور آپ کی تقریرات سب شامل ہیں۔

لہٰذا وہ سب بھی قابلِ اتباع ہیں اور بلاشبہ حجت اور معتبر ہیں لہٰذا منکرینِ حدیث کا ان سے انکار کرنا آپ ﷺ کے عملی نمونہ ہونے اور آپ کی اتباع کی ضرورت سے انکار کرنا ہے جو کفر اور گمراہی ہے، ثابت ہوا کہ حدیث بلاشبہ حجت ہے۔

پہلی بحث کا خلاصہ

قرآنِ کریم کے مذکورہ پانچ احکام سے حضور ﷺ پر ایمان لانا، اور مطلقاً آپ کی اطاعت

کرنا، آپ کی نافرمانی سے بچنا، آپ کے توسط سے کلامِ الٰہی کو سمجھنا اور اس بارے میں اپنی رائے اور عقل کو دخل نہ دینا بلکہ آپ ﷺ کی بیان کردہ تفسیر وتشریح کو حجت اور معتبر مان کر اس پر عمل کرنا اور آپ کی ذاتِ گرامی ﷺ کو ایک مستند اور معتبر اسوہ اور عملی نمونہ مانتے ہوئے آپ ﷺ کی پوری طرح پیروی کرنا ضروری ہے۔ جس میں آپ کے اقوال وافعال وغیرہ سب داخل ہیں اور وہ سب معتبر اور حجت ہیں۔ لہٰذا منکرینِ حدیث کا احادیثِ طیبہ کو حجت اور مستند نہ ماننے کا نظریہ قرآنِ کریم کی مذکورہ بالا آیات کے خلاف ہے۔ اور سراسر غلط، کفر اور کھلی گمراہی ہے۔

دوسری بحث: وحی کی دو قسمیں ہیں

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وحیِ متلو　　　۲۔ وحیِ غیر متلو

وحی کی پہلی قسم وحیِ متلو

یہ وحی کی وہ قسم ہے جسے قرآنِ کریم کہتے ہیں۔ جو آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ اور اسے وحیِ متلو اس لئے کہتے ہیں کہ نماز میں اسکی تلاوت کرنا درست ہے۔ یہ قسم صرف قرآنِ کریم کی آیات کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہ وحی قرآنِ کریم میں لفظ بہ لفظ لکھی ہوئی ہے۔ جو بلاشبہ حجت اور مستند و معتبر ہے۔ اور منکرینِ حدیث بھی اس کو مانتے ہیں۔

وحی کی دوسری قسم وحیِ غیر متلو

یہ وحی کی وہ قسم ہے جو قرآنِ کریم کے سوا روزمرہ پیش آنے والے واقعات میں اللہ تعالیٰ کی رضا معین کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً نازل ہوتی تھی۔ اس وحی کے ذریعہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے جو اصول واحکام اور ہدایات دی ہیں۔ ان کی صحیح تشریح اور تعبیر بھی سمجھائی جاتی تھی۔ وحی کی یہ قسم وحی غیر متلو کہلاتی ہے، کیونکہ نماز میں اس کی تلاوت کرنا درست نہیں ہے۔

یہ وحی حضور ﷺ کے ارشادات اور اعمال وافعال کے ذریعے ظاہر کی گئی ہے، اسی کو حدیث شریف کہتے ہیں اور منکرینِ حدیث اسی کا انکار کرتے ہیں۔ اور معاذ اللہ ان کو بے حقیقت اور سنی سنائی

باتیں بتا کر ٹھکراتے ہیں جو ان کی کھلی گمراہی اور کفر ہے، کیونکہ وحیِ غیر متلو کا برحق ہونا بھی قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔ جیسا کہ ابھی ذکر کردہ قرآنِ کریم کے پانچ احکام کی آیات میں گزرا۔ اور مزید چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

ا ... اللہ تعالیٰ نے سورہ نحل میں فرمایا ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (۱)

ترجمہ

اور اے پیغمبر! ہم نے آپ پر قرآنِ کریم اس لئے نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کریں جو ان کے لئے اتاری گئی ہیں اور تا کہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔

تشریح

اس آیت سے وضاحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے ذمہ یہ خدمت بھی سپرد کی گئی ہے کہ قرآنِ کریم میں جو احکام، ھدایات اور اصولی باتیں بیان کی گئی ہیں آپ ان کو کھول کر بیان کریں اور ان کی تفسیر و تشریح فرما کر ذہن نشین کریں اور یہ ہر شخص جانتا ہے کہ کسی چیز کی تشریح اور توضیح اصل عبارت سے الگ ہوا کرتی ہے، بس قرآنِ کریم کی اسی تشریح کا نام حدیث ہے کیونکہ قرآنِ کریم کے جو معانی اور مطالب حضور ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمائے ہیں وہ احادیثِ قولیہ ہیں اور جن کی تشریح آپ نے اپنے عمل سے فرمائی ہے وہ احادیثِ فعلیہ ہیں اور جن امور میں آپ نے خاموشی اختیار فرمائی اور کوئی نکیر وغیرہ نہیں فرمائی انکو تقریر کہتے ہیں۔ یہ بھی مستند اور معتبر ہیں۔ مثلاً: قرآنِ کریم میں متعدد مقام پر اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ آیا ہے، لیکن اس کا مطلب اور مفہوم کیا ہے؟ اور اقامتِ صلاۃ کی کیفیت کیا ہے؟ وہ قرآنِ کریم میں مذکور نہیں ہے۔ مذکورہ آیت کے تحت اسکی تشریح کے سلسلے میں حضور ﷺ نے فرمایا:

"صَلُّوا كما رايتمونى أُصَلِّى" (۲)

ترجمہ

تم اسطرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو۔

---

(۱) سورۃ نحل:۴۴

(۲) صحیح البخاری باب الاذن للمسافر الخ رقم الحدیث:۵۹۵۔

اسی طرح قرآنِ کریم میں ''اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ'' کے ساتھ اکثر ''وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ'' کا حکم بھی نازل ہوا ہے، لیکن زکوٰۃ کی مقدار، زکوٰۃ واجب ہونے کا نصاب اور وجوبِ زکوٰۃ کے دیگر احکام قرآنِ کریم میں مذکور نہیں ہیں۔ ان سب کی تشریح آپ ﷺ نے اپنے ارشادات سے فرمائی ہے۔

اسی طرح چور اور چورنی کی سزا کے بارے میں قرآنِ کریم میں یہ حکم آیا ہے۔

''وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ'' (1)

ترجمہ

اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے دونوں کے ہاتھ کاٹ دو تا کہ ان کو اپنے کئے کا بدلہ ملے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ صاحبِ اقتدار اور صاحبِ حکمت ہیں۔

لیکن قرآنِ کریم میں یہ حکم مطلق ہے چوری کا نصاب اور چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے، کلائی سے یا کہنی سے یا کندھے سے؟ یہ بات ___ قرآنِ کریم میں مذکور نہیں ہے۔ یہ حضور ﷺ نے اپنے ارشادات سے بیان فرمائی ہے۔

اسی طرح سورۂ بقرہ میں ہے:

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۝ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (2)

ترجمہ

''اور تم تمام نمازوں کا پورا پورا خیال رکھو اور خاص طور پر درمیان کی نماز کا، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے باادب، فرمانبردار بن کر کھڑے ہوا کرو۔ اور اگر تمہیں دشمن کا خوف ہو تو کھڑے کھڑے یا سوار ہونے کی حالت ہی میں نماز پڑھو، پھر جب تم امن کی حالت میں آجاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طریقے سے کرو جو اس نے تمہیں سکھایا ہے جس سے تم پہلے ناواقف تھے۔''

---

(۱) سورۂ مائدہ:۳۸

(۲) بقرہ:۲۳۹

تشریح

اس آیت کے ضمن میں یہ بات موجود ہے کہ مسلمانوں پر ایک سے زیادہ نمازیں فرض ہیں۔ لیکن انکی تعداد کتنی ہے؟ یہ بات نہ اس آیت میں ہے نہ قرآنِ کریم کی کسی دوسری آیت میں ہے اور یہ بات کہ فرض نمازوں کی تعداد پانچ ہے۔ یہ مسلمانوں کو صرف نبی کریم ﷺ سے معلوم ہوئی ہے۔ اور اس آیت میں اللہ پاک نے یہ فرما کر کہ تمام نمازوں کی حفاظت کرو اس سے حضور ﷺ کی پانچ نمازیں فرض ہونے والی بات کی تصدیق وتوثیق فرمائی ہے۔

اس آیت میں درمیان والی نماز جس کو ''صلوٰۃ الوسطیٰ'' فرمایا ہے جس کی حفاظت کی تاکید فرمائی ہے اس سے کونسی نماز مراد ہے؟ اس آیت میں اس کا ذکر نہیں اس کی تعیین آپ ﷺ نے اپنے ارشاد سے فرمائی ہے۔ اور وہ عصر کی نماز ہے۔[1] معلوم ہوا کہ پانچ نمازوں کا تعین اور درمیانی نماز کا تعین کرنے میں اس آیت کی رو سے آپ ﷺ کا تعین فرمانا معتبر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی غیر متلو بھی حجت ہے جس کو حدیث شریف کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات اور ان کی تشریح سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی یہ بھی ذمہ داری تھی کہ آپ قرآنِ کریم کی تشریح اور توضیح فرمائیں، لہٰذا آپ کا تشریح فرمانا جس کو حدیث اور سنت کہتے ہیں، سند اور حجت ہے۔ چنانچہ نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے، چور کا ہاتھ کاٹنے اور پانچ نمازوں کی فرضیت اور درمیانی نماز کی بطورِ خاص حفاظت اور پابندی کی تشریح آپ ﷺ نے اپنے ارشادات سے فرمائی ہے جو وحی غیر متلو ہے۔ اور یہ بات ان آیات کے علاوہ مزید ۱۰/۱۵ آیات سے ثابت ہے لہٰذا ان آیات کی روشنی میں وحی کی دوسری قسم وحی غیر متلو جسے حدیث کہتے ہیں، بلاشبہ معتبر اور حجت ہے بالخصوص یہ آیت اس بارے میں بالکل واضح ہے چنانچہ سورۂ نجم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ''[2]

ترجمہ

اور یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم کتاب المساجد مواضع الصلوٰۃ باب الدلیل لمن قال الصلوٰۃ الوسطیٰ ھی صلاۃ العصر، رقم الحدیث:۹۹۸

(۲) سورۃ نجم: ۵۳

تیسری بحث

حدیث کے بغیر قرآنِ کریم پر عمل ممکن نہیں

پہلی اور دوسری بحث میں قرآنِ کریم کی آیات سے حدیث کا حجت اور معتبر ہونا ثابت ہوا، اس تیسری بحث میں یہ بتایا جاتا ہے کہ حدیث شریف کو معتبر مانے بغیر قرآنِ کریم کے متعدد احکام پر عمل نہیں ہوسکتا کیونکہ قرآنِ کریم میں ان کے واضح اوقات، شرائط، فرائض، واجبات اور ادا کرنے کا کوئی طریقہ مذکور نہیں وجہ یہی ہے کہ ان احکام کی تفسیر وتشریح اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے سپرد فرمائی ہے اور قرآنِ کریم میں خود اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمادی ہے۔ چنانچہ سورۂ نحل میں ہے:-

"وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ"[1]

ترجمہ

اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ پر یہ قرآن کریم اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کریں جو ان کے لئے اتاری گئی ہیں تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیں۔

تشریح

اس آیت میں لفظ ذکر سے بالاتفاق قرآنِ کریم مراد ہے اور اس میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ قرآنِ کریم کی تفسیر اور آپ پر نازل ہونے والی وحی کی تشریح رسولِ کریم ﷺ کی اہم اور بنیادی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ آپ کی ذاتِ گرامی قرآنِ کریم کی تفسیر کے لئے اور قرآنی احکام کی وضاحت کے لئے معتبر اور حجت قرار پائی ہے اور آپ کا بیان حرفِ آخر ہے اور اسی کو حدیث اور سنت کہتے ہیں۔

ذکر کردہ بات کی مزید تشریح کے لئے آنحضرت ﷺ کی طرف سے قرآنِ کریم کی تفسیر کی چند مثالیں دی جاتی ہیں جن سے واضح ہوگا کہ حدیث شریف کو حجت اور معتبر مانے بغیر قرآنِ کریم کے احکام پر عمل نہیں ہوسکتا۔

پہلی مثال

نماز پڑھنے کا طریقہ

اسلام میں توحید کے اقرار کے بعد سب سے اہم اور پہلا ستون نماز ادا کرنا ہے۔ قرآنِ

---

(١) سورۂ نحل: ٤٤

کریم میں تقریباً ستر سے زیادہ مقامات پر نماز قائم کرنے کی تاکید آئی ہے، لیکن قرآنِ کریم کی کسی بھی آیت میں نماز ادا کرنے کا طریقہ مذکور نہیں ہے۔ یہ صرف حضور ﷺ کی سنت سے معلوم ہوا ہے اور آپ ﷺ نے اپنے عمل سے نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے:۔

"صَلُّوا کما رایتمونی أُصَلّی"(۱)

ترجمہ

تم اسطرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو۔

اگر حدیث اور سنت کو معتبر نہ مانیں تو کوئی شخص بھی قرآنِ کریم کے مطابق نماز کی ادائیگی کا صحیح طریقہ نہیں بتا سکتا۔ اور کوئی شخص قرآنِ کریم کے مطابق نماز نہیں پڑھ سکتا۔

دوسری مثال

فرض نمازوں کی تعداد، اوقات اور رکعات کی مقدار

قرآنِ کریم میں اتنا مذکور ہے کہ چند مخصوص اوقات میں نماز ادا ہو سکتی ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا (۲)

ترجمہ

"بلاشبہ نماز مسلمانوں کے ذمہ ایک ایسا فریضہ ہے جو وقت کا پابند ہے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ چند ایک مقررہ اوقات میں نماز ادا کی جا سکتی ہے لیکن وہ مقررہ اوقات کونسے ہیں؟ اور کتنے ہیں؟ ان کی واضح تفسیر قرآنِ کریم میں مذکور نہیں ہے اس طرح قرآنِ کریم میں نمازیں ادا کرنے کی تاکید جگہ جگہ موجود ہے لیکن روزانہ فرض نمازوں کی تعداد کا پانچ ہونا، اور ان کی رکعات کی تعداد کتنی ہے؟ یہ قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔ یہ تینوں باتیں یعنی فرض نمازوں کا پانچ ہونا، ان فرض نمازوں کے اوقات کا پانچ ہونا اور ان کی رکعات کی معروف تعداد محض حدیث اور سنت کے ذریعے معلوم ہوئی ہیں۔ اگر حدیث اور سنت کو حجت نہ مانیں تو قرآنِ کریم کے اس اہم فریضۂ نماز پر عمل کرنا ممکن نہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری باب الاذان للمسافر الخ رقم الحدیث: ۵۹۵

(۲) سورۂ نساء: ۱۰۳

تیسری مثال

زکوٰۃ کی مقدار کا تعین

اسلام کا دوسرا ستون اور دوسرا فرض زکوٰۃ ہے جس کے ادا کرنے کا اکثر نماز کے ساتھ تاکیدی ذکر آیا ہے اور تقریباً ۲۰/۳۲ آیات میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی کس شخص پر فرض ہے اور اس کی ادائیگی کس طرح سے کی جائے گی؟ کن اموال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ اور کن پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی؟ یہ قرآنِ کریم میں مذکور نہیں، ان سب کی تفصیلات رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ بیان فرمائی ہیں۔ اگر حدیث اور سنت کو حجت نہ مانیں تو زکوٰۃ کے قرآنی فریضہ پر عمل نہیں ہوسکتا۔

چوتھی مثال

جنابت کی تعریف اور پاکی کا مفہوم

قرآنِ کریم میں وضو کا طریقہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"وَإِنْ كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا"[1]

ترجمہ

اور اگر جنابت کی حالت میں ہو تو سارے جسم کو خوب اچھی طرح پاک کرو۔

تشریح

اس آیت میں جنابت کی حالت میں جسم کو اچھی طرح پاک کرنے کا حکم ہے اور دوسری آیت میں یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں کوئی شخص نماز نہیں پڑھ سکتا، لیکن جنابت کسے کہتے ہیں؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ قرآنِ کریم میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں اور نہ یہ بتلایا گیا ہے کہ ایسا شخص اپنے آپکو کس طریقے سے اچھی طرح پاک کرے؟ ان سوالوں کا جواب صرف رسولِ کریم ﷺ نے دیا ہے۔ اور آپ ﷺ نے ان کی ضروری تفصیلات بیان فرمائی ہیں چنانچہ ان پر عمل کئے بغیر قرآنِ کریم کے مذکورہ حکم پر عمل نہیں ہوسکتا لہٰذا حدیث کو معتبر ماننا ضروری ہے۔

---

(۱) سورۂ مائدہ:٦

پانچویں مثال حج ہے

اسلام کا چوتھا رکن حج ہے جس کے بارے میں قرآنِ کریم نے حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:۔

"وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا"(۱)

ترجمہ

"اور اللہ تعالیٰ کے واسطے لوگوں میں سے ان پر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو لوگ اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں۔"

تشریح

اس آیت میں حج کے فرض ہونے کا تو ذکر ہے لیکن یہاں اس حکم میں یہ بات نہیں بتلائی گئی کہ کس شخص پر حج فرض ہے؟ اور زندگی میں کتنی بار حج کرنا فرض ہے؟ اس کی تشریح رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیان سے فرمائی ہے کہ حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہوتا ہے۔

خلاصۂ بحث

ان مثالوں کے علاوہ اور بھی متعدد قرآنی احکام ایسے ہیں کہ ان کی تفصیلات اور ادائیگی کا طریقہ، قرآنِ کریم میں مذکور نہیں ہے، انھیں حضور ﷺ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ ہی واضح فرمایا ہے، بہر حال مذکورہ پانچ مثالوں سے معلوم ہوا کہ احادیثِ طیبہ اور سنتِ نبویہ علی صاحبها الصلوٰۃ والسلام بلاشبہ حجت ہے، ورنہ قرآنِ کریم کے بہت سے احکام پر عمل کرنا ممکن نہیں، لہٰذا قرآنِ کریم کو برحق مانتے ہوئے، حدیث کو معتبر ہونے سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔(۲)

چوتھی بحث

احادیثِ طیبہ کی رو سے بھی سنت اور حدیث حجت ہے

اس سے پہلے کی تین بحثوں سے ثابت ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح حضور ﷺ اور دیگر انبیاءِ کرام علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت لازم ہے اسی طرح حضور ﷺ کی اطاعت ضروری ہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے

(۱) سورۂ آل عمران:۹۷

(۲) حجیتِ حدیث :ص ۷۹

احکام کی پیروی کرنا ضروری ہے اسی طرح حضور ﷺ کی پیروی کرنا واجب ہے۔ اور قرآنِ کریم کے احکام کی تفسیر وتشریح کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کا اہم اور بنیادی فریضہ ہے اور ان سب امور کا دارومدار حضور ﷺ کی سنت اور حدیث پر ہے جیسا کہ تفصیل سے پیچھے گزرا۔

احادیثِ طیبہ سے بھی یہ امور ثابت ہیں نمونہ کے طور پر چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

بخاری شریف میں ہے:۔

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :كُلُّ أُمَّتِی يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبٰى ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَمَنْ أَبٰى؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِی دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِی فَقَدْ أَبٰى.(۱)

ترجمہ

حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے ان لوگوں کے جو انکار کریں، عرض کیا گیا کہ انکار کرنے والے کون لوگ ہیں؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے انکار کیا۔

بخاری شریف میں ہے:۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث طویل وفی آخرہ ... فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ عَصَى مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ (۲)

ترجمہ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث کے آخر میں مروی ہے کہ جس شخص نے حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے حضرت محمد ﷺ کی نافرمانی کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حضرت محمد ﷺ لوگوں (یعنی (مومن اور کافر) کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب الاقتداء سنن رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۶۷۳۷

(۲) صحیح البخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب الاقتداء سنن رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۶۷۳۸

۳۔ مؤطا امام مالک میں ہے:۔

عن مالك ابن انس رضي الله تعالىٰ عنه مرسلاً قالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا :كِتَابُ اللّٰهِ، وَسُنَّةُ نَبِيِّهِ (صَلى الله عَلَيه وَسَلم).(۱)

ترجمہ

حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان پر عمل کرتے رہوگے گمراہ نہ ہوگے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔

چار بحثوں کا خلاصہ

مذکورہ بالا چار بحثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر حال میں واجبُ الاطاعت ہیں۔آپ کا ہر قول، ہر فعل جسے حدیث کہتے ہیں بلاشبہ حجت ہے اور آپ کی اطاعت سے ذرا سا بھی اعراض وانکار کرنا ضلالت وگمراہی ہے لہٰذا منکرینِ حدیث کا یہ کہنا کہ ہمیں قرآنِ کریم کافی ہے اور معاذ اللہ ہمیں حدیث کی ضرورت نہیں بالفاظِ دیگر ہمیں رسول اللہ ﷺ کی حاجت نہیں اور قرآنِ کریم کو سمجھنے کے لئے ہماری عقل کافی ہے دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی ذکر کردہ آیات واحکام کا انکار کرنا ہے جو بلاشبہ کفر اور گمراہی ہے۔

یہاں تک منکرینِ حدیث کے انکارِ حدیث کے نظریہ کی پہلی وجہ کا باطل ہونا قرآنِ کریم کی صریح آیات اور واضح احادیث سے ثابت ہوا۔

منکرینِ حدیث کے نظریہ کی دوسری وجہ بھی باطل ہے

منکرینِ حدیث کا حدیث کے حجت ماننے سے انکار کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ سنت اور حدیث اس لئے قابلِ اعتبار نہیں ہیں کہ جن کتابوں میں یہ احادیث لکھی ہوئی ہیں وہ زیادہ تر زبانی اور سنی سنائی روایات کا مجموعہ ہیں۔ جو آپ ﷺ کے وصال کے کوئی دو سو سال کے بعد مرتب ہوئی ہیں لہٰذا ان پر دین کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی اس لئے وہ قابلِ اعتماد اور حجت نہیں۔

---

(۱) موطا مالك كتاب الجامع باب النهي عن القول بالقدر، رقم الحديث: ۱۳۹۵

منکرینِ حدیث کے انکارِ حدیث کی اس دوسری وجہ میں دو باتیں مذکور ہیں، ایک یہ کہ حدیث شریف زبانی اور سنی سنائی روایتوں کا مجموعہ ہے اس لئے معتبر نہیں، دوسری بات یہ کہ احادیث حضور ﷺ کے وصال کے کوئی دو سو سال کے بعد مرتب ہوئی ہیں اس لئے حجت نہیں ان کی یہ دونوں باتیں بالکل غلط ہیں۔ جیسا کہ آنے والی تفصیل سے ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا۔ ہم ان دونوں باتوں کا باطل ہونا جدا جدا بیان کریں گے۔

زبانی احادیث کا انکار عقلاً باطل ہے

منکرینِ حدیث کا زبانی روایات کو مطلقاً ناقابلِ اعتبار بتلانا اور کسی حدیث کو محض یہ کہہ کر رد کرنا کہ یہ زبانی روایت ہے عقل اور شرع دونوں کی رو سے باطل اور مردود ہے۔

از روئے عقل اس لئے باطل ہے کہ تمام عقلمندوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی بات کسی سچے اور معتبر آدمی سے سن کر روایت کی جائے اور زبانی بیان کی جائے تو وہ معتبر اور قابلِ قبول ہوتی ہے چاہے وہ لکھی ہوئی نہ ہو اس کی تین مثالیں ہیں۔

پہلی مثال

عدالتوں میں فیصلوں کا دارومدار زبانی شہادتوں پر ہوتا ہے۔ اگر کسی مقدمہ میں تمام گواہ ثقہ اور معتبر ہوں تو عدالت زبانی شہادت قبول کر کے فیصلہ دے دیتی ہے اگر کوئی اس پر جج سے الجھنے لگے اور کہنے لگے کہ زبانی شہادت حجت نہیں اس لئے آپ کا فیصلہ معتبر نہیں تو ایسے شخص کو کان سے پکڑ کر عدالت سے باہر نکالا جائے گا اور ممکن ہے کہ توہینِ عدالت کی وجہ سے وہ مستحقِ سزا ہو۔

دوسری مثال

یا جیسے ساری دنیا میں تمام معاملات لین دین خرید وفروخت، کرایہ پر لینا اور دینا، قرض کا لین دین سب زبانی ہوتے ہیں اور اس کو معتبر مانتے ہیں اور ان کے مطابق عمل درآمد کرتے ہیں کہیں بھی یہ نہیں کہا جاتا کہ زبانی معاملہ کرنا معتبر نہیں لکھ کر کرنا ضروری ہے۔ اور ان معاملات میں جو اہم معاملات لکھے جاتے ہیں وہ یادداشت، قانونی ثبوت اور اطمینان کے لئے لکھے جاتے ہیں ان میں معاملہ لکھنے کی حیثیت ثانوی درجہ کی ہوتی ہے، اصل معاملہ زبانی ہی طے ہوتا ہے جو عموماً بعد میں لکھا جاتا ہے۔

تیسری مثال

یا جیسے ایک معاشرتی مسئلہ منگنی اور نکاح کا ہے وہ اصلاً زبانی طے ہوتا ہے منگنی کی عموماً کوئی تحریر بھی نہیں ہوتی اور نکاح کا ایجاب وقبول زبانی ہوتا ہے البتہ نکاح نامے میں نکاح قانونی ثبوت کے لئے لکھا جاتا ہے لیکن اس پر بھی دستخط زبانی نکاح کے بعد ہوتے ہیں۔

ان تین مثالوں سے معلوم ہوا کہ اصل اعتبار زبان کا ہے اور زبانی بیان بلاشبہ حجت اور معتبر ہے لہٰذا منکرین حدیث کا مذکورہ تین مثالوں میں زبانی بیان کو معتبر ماننا اور احادیثِ طیبہ کے زبانی بیان کرنے کو غیر معتبر قرار دینا سراسر خلافِ عقل ہے۔ خاص طور پر اس وجہ سے کہ ذکر کردہ مثالوں میں زبانی گواہی دینے والے، زبانی معاملات طے کرنے والے اور نکاح وغیرہ کرنے والے اکثر عام لوگ ہوتے ہیں جو ہر حال میں قابلِ اعتماد نہیں ہوتے۔ جبکہ احادیث طیبہ زبانی بیان کرنے والے حضراتِ صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ ہیں۔ جو آنحضرت ﷺ کی احادیث کے راوی ہیں جو علم وفہم، عدالت وثقاہت اور دیانت وتقویٰ میں مسلّم اور اظهر من الشمس ہیں۔ اور حفظ واتقان میں اپنی مثال آپ ہیں اس صورت میں عام لوگوں کے زبانی بیان کو معتبر قرار دینا اور ان مقدس حضرات کا زبانی روایت کرنے کو غیر معتبر قرار دینا بالکل خلافِ عقل ہے اور باطل ہے۔

نیز منکرین حدیث کا نظریہ اور ان کے خیالات کی بنیاد دراصل اپنے بے بنیاد خیالات اور تاریخی روایات پر ہے۔ جن کی کوئی سند نہیں نہ سچی اور نہ جھوٹی۔ جبکہ احادیثِ طیبہ کی بنیاد سلسلۂ سند پر ہے، کیونکہ حضراتِ محدثین رحمہم اللہ ہر حدیث کو سندِ متصل کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ جس کا اختتام ایسے معتبر راوی پر ہوتا ہے جس نے حدیث میں بیان ہونے والے واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور اپنے کانوں سے سنا ہو اور سند کے درمیان راویوں کا حال بھی معلوم ہو ایسی روایات کو حضراتِ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں۔ اور جس روایت کی کوئی سند ہی نہ ہو یا اس روایت کی سند کے درمیانی راویوں کا حال معلوم نہ ہو تو وہ حدیث حضراتِ محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک معتبر اور قابلِ قبول نہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ منکرینِ حدیث کا اپنے نظریہ اور خیالات کی بنیاد، محض تاریخی روایات پر رکھنا جن کی کوئی سند نہیں ہے اور احادیثِ طیبہ جن کی بنیاد معتبر سندوں پر ہے ان کا انکار کرنا کس قدر جہالت کی بات ہے اور عقل کے خلاف ہے۔

خلاصہ بحث

خلاصہ یہ کہ زبانی روایت کرنا از روئے عقل بلاشبہ حجت ہے اور تمام عقلمندوں کے نزدیک معتبر ہے بشرطیکہ وہ کسی معتبر اور ثقہ شخص کے ذریعہ معلوم ہوئی ہو اگرچہ وہ لکھی ہوئی نہ ہو محض زبانی ہو۔ منکرینِ حدیث کی یہ بات کہ احادیثِ طیبہ اس لئے قابلِ اعتماد نہیں کہ وہ زبانی روایات کا مجموعہ ہیں عقلاً باطل اور مردود ہے۔

زبانی احادیثِ طیبہ کا انکار شرعاً بھی باطل ہے

منکرینِ حدیث کا احادیثِ طیبہ کو اس لئے غیر معتبر قرار دینا کہ یہ حضور ﷺ کے زمانے میں نہیں لکھی گئی تھیں بلکہ وہ زبانی اور سنی سنائی روایات کا مجموعہ ہیں۔ شرعی لحاظ سے درست نہیں، کیونکہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے بارے میں یہ وعدہ فرمایا ہے سورۂ حجر میں ہے:۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ [1]

ترجمہ

حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآنِ کریم) ہم نے ہی نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

تشریح

اس آیت میں ذکر سے بالاتفاق قرآنِ کریم مراد ہے جس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے لفظِ قرآن ذکر نہیں کیا تاکہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ قرآنِ کریم صرف الفاظ کا نام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے صرف الفاظِ قرآنی کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تشریح و معانی کا نہیں؟ بلکہ قرآنِ کریم الفاظ اور معانی دونوں کا نام ہے اور ان دونوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، کیونکہ نصیحت الفاظ اور معانی دونوں سے حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اس آیت کی رو سے جس طرح قرآنِ کریم کے الفاظ کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح حضور ﷺ کی مبارک احادیث کی حفاظت بھی ضروری ہے، کیونکہ وہ قرآنِ کریم کی تشریح و توضیح ہیں۔ جن کے بغیر قرآنِ کریم کو نہ صحیح طور پر سمجھا جاسکتا ہے اور نہ قرآنِ کریم کے احکام پر صحیح طریقے سے عمل ہوسکتا ہے۔ اور قرآنِ کریم کی تشریح فرمانا جسے حدیث شریف

---

(۱) سورۂ حجر: ۹

کہتے ہیں۔ یہ آنحضرت ﷺ کی منجانب اللہ ذمہ داری ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری جل مجدہ ہے:۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (۱)

ترجمہ

اور اے پیغمبر! ہم نے آپ پر یہ قرآن کریم اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کریں جو ان کے لئے نازل کی گئی ہیں تاکہ یہ لوگ فکر سے کام لیں۔

اس آیت میں بھی قرآنِ کریم کے لئے لفظ ''ذکر'' استعمال ہوا ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآنِ کریم سے لوگ اسی وقت ہدایت اور رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں جب حضور ﷺ کی تشریحات یعنی احادیثِ طیبہ ان کی راہنما ہوں۔ پھر اس آیت میں للناس سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی بیان فرمودہ تشریحات قرآنِ فہمی کے واسطے ہر شخص کے لئے ضروری ہیں۔ کوئی بھی مستثنیٰ نہیں۔

معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم کی حفاظت کے وعدہ میں حضور ﷺ کی احادیث بھی داخل ہیں۔ خواہ وہ زبانی ہوں یا لکھی ہوئی۔ اور وہ کیوں نہ داخل ہو جبکہ خود اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں فرمایا ہے جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى (۲)

ترجمہ

اور وہ (یعنی پیغمبر) اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ وہ من جانب اللہ وحی ہوتی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے۔

تشریح

معلوم ہوا کہ جس طرح قرآنِ کریم کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہیں اسی طرح حضور ﷺ کی احادیثِ طیبہ بھی وحی ہیں۔ احادیث طیبہ چاہے زبانی ہوں یا لکھی ہوئی۔ دونوں کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے لہٰذا دونوں معتبر اور حجت ہیں۔ لہٰذا اس کے بعد قرآنِ کریم کو

(۱) سورۂ نحل: ٤٤

(۲) سورۂ نجم: ٤،٣

معتبر کہنا اور حضور ﷺ کی زبانی بیان کردہ احادیث کو غیر معتبر قرار دینا مذکورہ بالا قرآنی آیات کے خلاف ہے اور باطل ہے۔

احادیث اور سنت کو دو سو سال کے بعد لکھنے کی وجہ سے حجت نہ ماننا محض غلط اور تاریخی جھوٹ ہے

منکرینِ حدیث کے انکارِ حدیث کے نظریہ کی دوسری اور اہم وجہ یہ ہے کہ سنت اور حدیث کی کتابیں زبانی روایتوں کا مجموعہ ہیں۔ جو آپ ﷺ کے وصال کے کوئی دو سو سال کے بعد لکھی گئی ہیں۔ لہٰذا یہ قابلِ اعتماد اور قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ انکارِ حدیث کی یہ وجہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے اور ایک تاریخی جھوٹ ہے۔ جو ان جھوٹ بولنے والوں کی دیدہ دلیری اور احادیثِ طیبہ کے مدوّن ہونے کی تاریخ سے سراسر لاعلمی اور جہالت پر مبنی ہے۔

حجیتِ حدیث کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں جن کا مختصر انتخاب پیچھے گزر چکا ہے، ان میں بخوبی واضح کیا گیا ہے کہ حدیث شریف اور سنت رسول ﷺ کی باقاعدہ کتابت آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں شروع ہو چکی تھی۔ اور رفتہ رفتہ اپنے کمال کو پہنچی ہے۔ جس کی مختصر اور جامع تفصیل ان شاء اللہ عنقریب آ رہی ہے اس سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری اور مفید معلوم ہوتا ہے کہ حدیث اور سنت کی حفاظت کا واحد طریقہ صرف کتابتِ حدیث نہ تھا بلکہ اس کے لئے اور بھی قابلِ اعتماد طریقے موجود تھے۔ جس کے ذریعہ حدیث اور سنت محفوظ کی جاتی تھی۔ اس کے لئے آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی تین مشہور قسمیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔

احادیث کی تین قسمیں

راویوں کی کثرتِ تعداد کے لحاظ سے احادیث کی مندرجہ ذیل تین بڑی قسمیں ہیں:

۱ ... متواتر　　۲ ... مشہور　　۳ ... خبرِ واحد

خبرِ متواتر

وہ مبارک حدیث ہے جسے رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانے سے لے کر آج تک ہر دور اور زمانے میں اتنے راویوں نے اس کو روایت کیا ہو کہ از روئے عقل ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا ناممکن ہو پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک لفظاً متواتر ہونا یعنی تمام راوی اس روایت کے الفاظ یکساں ذکر کریں،

ان میں کوئی بڑا اختلاف نہ ہو۔اور دوسری معنیً متواتر ہونا۔یعنی حدیث کے الفاظ تو یکساں نہ ہوں لیکن ان کا بنیادی مفہوم ایک ہو جس پر تمام راوی متفق ہوں۔مثلاً:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (۱)

ترجمہ

جو شخص جان بوجھ کر کوئی جھوٹ بات میری طرف منسوب کرے اُسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

تشریح

یہ حدیث متواتر کی پہلی قسم کی مثال ہے جسے تقریباً چوہتر ۷۴ (۲) صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یکساں الفاظ میں روایت کیا ہے اور بعد کے طبقات میں راویوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے اور اب سینکڑوں کی تعداد میں راوی اس کے روایت کرنے والے ہیں سب بغیر کسی فرق کے ان ہی الفاظ میں حدیث روایت کرتے ہیں۔

دوسری قسم کی مثال یہ ہے کہ راویوں کی ایک بڑی تعداد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ فجر میں دو رکعت،ظہر وعصر اور عشاء کی نماز میں چار چار رکعات اور مغرب کی نماز میں تین رکعات ادا کرنے کا حکم دیا______ ان راویوں کی تمام روایات کے الفاظ یکساں نہیں ہیں لیکن ان سب کا بنیادی مفہوم ایک ہے اور وہ پانچ فرض نمازوں کی رکعات کا تعین ہے جو سب میں یکساں ہے۔

خبرِ مشہور

وہ مبارک حدیث ہے جو متواتر نہ ہو اور کسی بھی طبقہ میں اسکے روایت کرنے والے راوی تین سے کم نہ ہوں۔

مثال

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلٰكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، (۳)

---

(۱) صحيح البخاری كتاب العلم باب اثم من كذب على النبی ﷺ رقم الحديث:۱۰۷

(۲) بعض حضرات شارحین حدیث نے اس سے بھی زائد تعداد ذکی ہے،تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے:شرح النووی علی صحيح مسلم مقدمة الكتاب ج۱ص۴

(۳) صحيح البخاری كتاب العلم باب كيف يقبض العلم رقم الحديث:۹۸

ترجمہ

اللہ تعالیٰ علم اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ بندوں کے سینہ سے علم نکال لیں لیکن اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھانے کے ذریعے علم اٹھائیں گے۔

خبرِ واحد

یہ وہ حدیث ہے جس کے راوی کسی طبقہ میں تین سے کم رہ گئے ہوں۔

مثال

السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ، يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَنَوْمَهُ...الخ[1]

ترجمہ

سفر عذابات اور تکالیف کا ایک ٹکڑا ہے جو تمہیں وقت پر کھانے، پینے اور سونے سے روکتا ہے۔

پہلی دو قسم کا حکم

جو احادیث متواتر ہیں وہ بلاشبہ حجت اور معتبر ہیں اور ان کے معتبر اور حجت ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں کرسکتا، کیونکہ جو بات کثرت سے تسلسل اور تواتر کے ساتھ بیان کی جائے اُسے ہر شخص بلاتردد مان لیتا ہے مثلاً مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ (زادھما اللّٰہ شرفاً) سعودی عرب کے دو مشہور شہر ہیں۔ جنہیں بہت سے لوگوں نے نہیں دیکھا لیکن چونکہ ان شہروں کے دیکھنے والے ہر زمانے میں اتنی تعداد میں ہیں کہ عقل ان کو جھوٹا نہیں کہہ سکتی۔ اس لئے ان شہروں کو نہ دیکھنے والے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے انہیں مانتے ہیں۔ ان کا انکار کرنا محض حماقت اور جہالت ہے ____ اسی طرح متواتر احادیث بھی بلاشبہ حجت اور قابلِ قبول ہیں، ان کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

حدیث کی دوسری قسم جو مشہور کہلاتی ہے گو ان کا درجۂ صحت متواتر احادیث کی نسبت کم ہے لیکن وہ بھی اپنی صداقت اور سچائی کے بارے میں اطمینان کرنے کے لئے بہت کافی ہیں، کیونکہ ہر طبقہ میں اس کے روایت کرنے والے راوی تین سے زیادہ سچے اور قابلِ اعتماد ہونے ضروری ہیں۔ اس لئے ایسی روایات کو ماننا لازم ہے۔ ان سے انکار کرنا درست نہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الحج باب السفر قطعة من العذاب رقم الحدیث: ۱۶۷۷

تیسری قسم کا حکم

جو حدیث خبر واحد ہے۔ اس کی حجت اور صداقت کا دارومدار راوی کی سچائی اور دیانت پر ہے۔ اگر اس لحاظ سے راوی قابلِ اعتبار ہے۔ تو اس کی بیان کردہ روایت بھی قابلِ قبول ہے۔ اور اگر اکیلا راوی مشکوک ہے تو اس کی روایت خود بخود مشکوک ہو جاتی ہے۔ لہٰذا منکرینِ حدیث کا خبر واحد کے حجت ماننے سے مطلقاً انکار کرنا سراسر غلط ہے۔ ورنہ پھر منکرینِ حدیث کے نزدیک قرآنِ کریم بھی معتبر نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ قرآنِ کریم آپ ﷺ پر نازل ہوا۔ لوگوں نے نہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا، اور نہ قرآنِ کریم کو اترتے ہوئے دیکھا، محض آپ ﷺ کے فرمانے اور آپ پر بھروسہ کر کے اس کو اللہ تعالیٰ کا کلام مان لیا، اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا، اور نہ آپ کے معجزات کو دیکھا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور پھر تابعینِ عظام رحمہم اللہ پر بھروسہ کر کے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو قبول کیا۔ اور اس پر ایمان لائے پھر یہ سب غیر معتبر ہونا چاہئے اس لئے منکرینِ حدیث کا خبرِ واحد کے معتبر ہونے سے علی الاطلاق انکار کرنا صحیح نہیں۔

یہ وہ دلائل ہیں جو ہر شخص کی سمجھ میں آنے والے ہیں۔ ورنہ قرآنِ کریم اور احادیثِ طیبہ کی رو سے گیارہ دلائل وہ ہیں جن سے خبرِ واحد کا حجت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (۱)

خلاصہ یہ کہ تمام احادیثِ مذکورہ بالا تین قسموں میں داخل ہیں۔ اس لئے وہ بلاشبہ حجت اور معتبر ہیں، ان کے حجت اور معتبر ہونے سے انکار کرنا سراسر جہالت اور ہٹ دھرمی ہے۔

حفاظتِ حدیث کے چند اور طریقے

عنقریب یہ بتایا جائے گا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اور آپ کے بعد حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے احادیثِ طیبہ کی بڑی تعداد تحریری شکل میں محفوظ کر لی تھی، لیکن حفاظتِ حدیث کا صرف یہی واحد طریقہ نہ تھا بلکہ اس کے علاوہ بھی مختلف طریقے تھے۔ ان میں سے تین طریقے درج ذیل ہیں:

۱ ... زبانی یاد کرنا

شروع میں رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم احادیثِ طیبہ زبانی یاد کرنے

---

(۱) اشرف التوضیح، جلد ۱، صفحہ ۶۵

کے عادی تھے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

نضر اللّٰہ عبدا سمع مقالتی فوعاھا ثم اداھا کما سمع۔ (۱)

ترجمہ

اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جو میرا کہا ہوا سن کر یاد کرلے پھر اس بات کو دوسروں تک بالکل اسی طرح پہنچادے جس طرح اس نے سنا تھا۔

تشریح

اس حدیث کی بناء پر حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے وقت کا ایک معقول حصہ احادیث کو زبانی یاد کرنے میں صرف کیا کرتے تھے۔ بلکہ صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت نے گھر بار چھوڑ کر مسجدِ نبوی میں قیام کرلیا تھا اور انہوں نے اپنی زندگی اس مقصد کے لئے وقف کردی تھی کہ وہ احادیثِ طیبہ سنیں اور اپنے دل و دماغ میں محفوظ کرلیں جن کو اصحابِ صفہ کہا جاتا تھا۔ ان کے رئیس حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے ممتاز صحابی ہیں جنہوں نے ۵۳۷۴ احادیث روایت کی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ

جزأت اللیل ثلثة اجزاء ثلثاً اصلی و ثلثاً انام و ثلثاً اذکر فیه حدیث رسول اللّٰہ ﷺ (۲)

ترجمہ

میں نے اپنی رات تین حصوں میں تقسیم کررکھی ہے۔ ایک تہائی رات میں نماز پڑھتا ہوں، ایک تہائی میں سوتا ہوں اور باقی ایک تہائی میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث یاد کرتا ہوں۔

تشریح

چنانچہ مدینہ منورہ کے گورنر مروان نے ایک مرتبہ آپ کے حافظہ کا امتحان لیا۔ اور اس نے آپ کو اپنے گھر بلایا۔ اور پردہ کے پیچھے ایک کاتب شخص کو بٹھا دیا۔

اور اس کو ہدایت کی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو احادیث بیان کریں وہ لکھتا

---

(۱) ترمذی شریف ص۹۴، ج۲

(۲) حجیت حدیث ص۱۱۱

جائے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے احادیث بیان کرنے کی درخواست کی اور کاتب نے حسبِ ہدایت وہ سب احادیث تحریر کرلیں۔ ایک سال کے بعد پھر مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے گھر بلایا۔ اور پچھلے سال کی بیان کردہ احادیث دہرانے کی فرمائی کی اور حسبِ سابق پردہ کے پیچھے کاتب کو بٹھا کر اس سے کہا کہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ احادیث کو پچھلے سال کی لکھی ہوئی احادیث سے ملاتا جائے آخر میں اس کاتب نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ احادیث میں نہ کوئی لفظ چھوٹا اور نہ پچھلے سال کی احادیث میں کوئی لفظ تبدیل ہوا اور نہ آگے پیچھے ہوا۔ (۱)

فنِ حدیث کی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں خود واضح طور پر یہ بتاتی ہیں کہ احادیث روایت کرنے والوں نے اپنی بے مثال اور غیر معمولی قوتِ حافظہ کو حدیث شریف کی حفاظت میں استعمال کیا ہے۔ جس طرح قرآنِ کریم کے حافظ حضور ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک ہر زمانہ اور ہر دور میں رہے ہیں۔ ایسے ہی اس زمانے میں بکثرت حافظ الحدیث ہوتے تھے۔

۲ ... مذاکرہ کرنا

حفاظتِ حدیث کا دوسرا طریقہ صحابۂ کرام میں یہ تھا کہ جب انہیں کوئی نئی حدیث اور سنت کے بارے میں علم ہوتا تو وہ اس کا باہم مذاکرہ کرتے اور ایک دوسرے تک پہنچاتے تھے۔ صحابۂ کرام کا یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند خصوصی ہدایات کی تعمیل پر مبنی تھا اُن میں سے بطور مثال چند یہ ہیں۔

۱ ... وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ (۲)

ترجمہ

وہ لوگ جو موجود ہیں وہ میری سنت ان تک پہنچادیں جو غیر حاضر ہیں۔

۲ ... بلغوا عنی ولو اية (۳)

ترجمہ

دوسروں تک میری باتیں پہنچاؤ خواہ وہ ایک جملہ اور ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔

---

(۱) المستدرك على الصحيحين للحاكمؒ رقم الحديث: ٦١٦٤ والبداية والنهاية ج ۸ ص ۱۱۴

(۲) صحيح بخاری كتاب العلم باب ليبلغ الشاهد الغائب رقم الحديث: ۱۰۱

(۳) صحيح البخاری كتاب الانبياء باب ما ذكر عن بنی اسرائيل رقم الحديث ۳۲۰۲

۳ ... نضر اللّٰہ امرأ سمع منّا حدیثاً فحفظه حتی یبلغ غیره. [1]

ترجمہ

اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاداب رکھے جو میری احادیث سنے پھر انہیں زبانی یاد کرلے یہاں تک کہ وہ انہیں دوسروں تک پہنچادے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام حضور ﷺ سے احادیث مبارکہ حاصل کرتے تھے۔ اور انہیں یاد کرتے تھے۔ اور دوسروں تک پہنچاتے تھے احادیث کی حفاظت کا یہ بھی ایک قوی اور مضبوط طریقہ تھا۔

۳۔ عمل کے ذریعہ حفاظت کرنا

حدیث اور سنت کی حفاظت کا تیسرا طریقہ یہ تھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ سے جو حدیث سنتے تھے۔ دل و جان سے اس پر عمل کرتے تھے۔ اور اس پر عمل کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے تھے۔ اور حضور ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام کو اس کی عملاً تربیت دی تھی۔ اور یہی ان کی زندگی کا بنیادی مقصد تھا۔ اس طرح جب انہوں نے حضور ﷺ کی ایک ایک حدیث اور ایک ایک سنت کو عمل میں لے لیا۔ اور اپنی زندگی کی عمارت اسی پر قائم کی تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت کو بھول جاتے۔

خلاصہ یہ کہ کتابتِ حدیث کے علاوہ بھی متعدد طریقوں سے حدیث اور سنت کی حفاظت کی جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآنِ کریم کی حفاظت فرمائی ہے احادیثِ طیبہ کی حفاظت کا بھی معقول انتظام فرمایا ہے۔ لہٰذا منکرینِ حدیث کا حدیث اور سنت کے محفوظ نہ ہونے کا نظریہ غلط اور باطل ہے۔

یہاں تک منکرینِ حدیث کے انکارِ حدیث کے نظریہ کی پہلی وجہ کا باطل ہونا واضح طور پر ثابت ہوا۔ فللہ الحمد

منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ دوسو سال کے بعد احادیث لکھی گئی ہیں تاریخی جھوٹ اور غلط ہے

منکرینِ حدیث، حدیث کے حجت ماننے سے انکار کرنے کی بڑی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ

---

(۱) جامع الترمذی، ابواب العلم باب ما جاء فی الحث علی تبلیغ السماع رقم الحدیث:۲۵۸ وسنن ابی داؤد کتاب العلم باب فضل نشر العلم رقم الحدیث:۳۱۷۵

یہ احادیث حضور ﷺ کے تقریباً دو سو سال کے بعد لکھی گئی ہیں، اس لئے وہ قابلِ اعتماد اور قابلِ اعتبار نہیں ہیں، یہ بالکل غلط ہے، اور تدوینِ حدیث کی تاریخ سے سراسر لاعلمی اور جہالت پر مبنی ہے۔ جس کی مختصر تفصیل یہ ہے:

بلاشبہ احادیثِ طیبہ کی کتابت اور تحریر حضور ﷺ کی زندگی میں شروع ہو چکی تھی جو رفتہ رفتہ اپنے کمال کو پہنچی ہے۔ چنانچہ احادیث طیبہ کا ذخیرہ تین قسم پر ہے:۔

۱۔ ایک ذخیرہ وہ ہے جو حضور ﷺ کے حکم سے آپ کی زندگی میں لکھا گیا۔

۲۔ دوسرا ذخیرہ وہ ہے جو حضور ﷺ کی زندگی میں آپ کی اجازت سے لکھا گیا۔

۳۔ تیسرا ذخیرہ وہ ہے جو صحابۂ کرام نے اپنے شاگردوں کو اپنی یادداشت سے املاء کرایا، ہم ذیل میں تینوں کو الگ الگ بیان کریں گے۔ (ان شاء اللّٰہ تعالیٰ)

آپ ﷺ کا اپنی زندگی میں احادیث لکھوانا

احادیث طیبہ کا بہت بڑا ذخیرہ وہ ہے جو آپ ﷺ نے خود اپنی حیات طیبہ میں لکھوایا۔ اس کی چند مثالیں:۔

۱ ... دعوتِ اسلام کے خطوط

صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ کے آخر میں آپ ﷺ نے اپنے زمانے کے بادشاہوں اور مختلف قبائل کے سرداروں کے نام دعوتِ اسلام کے سلسلے میں خطوط لکھوا کر اور ان پر اپنی مہر لگوا کر روانہ کئے۔ طبقاتِ ابن سعد کے ایک باب میں ان کو یکجا کیا گیا ہے جن کی تعداد ایک سو پانچ ہے اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے الوثائق السیاسیۃ میں باقاعدہ سند کے ساتھ ایسی تحریریں تقریباً ۲۵۰ نقل کی ہیں۔ [۱]

۲ ... سرکاری احکام وہدایات

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں بارہ لاکھ مربع میل کا علاقہ آپ کے زیرِ حکومت تھا۔ اسکے انتظامات کے بارے میں آپ نے احکام اور ہدایت لکھوا کر جاری کیں جیسے امان نامے جو آپ نے بہت سے لوگوں کو لکھوا کر دیئے۔ جاگیر نامے یعنی آپ نے بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو زمینیں اور جاگیریں عطا فرمائیں۔ اور ان کی دستاویز لکھوا کر انہیں دیں۔ تحریری معاہدے جو دوسری

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۵۴

قوموں سے آپ ﷺ نے کئے اور لکھوا کر ان کو دیئے۔ ان کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ ہجرت کے پانچ ماہ کے بعد آپ نے قرب وجوار کے قبائل سے معاہدہ کیا جو ۵۲ دفعات پر مشتمل تھا۔ جو میثاقِ مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھا گیا جو احادیث وسیر کی کتابوں میں موجود ہے اور مشہور ومعروف ہے۔

۳ ... گورنروں کو تحریری ہدایات

آپ ﷺ اپنے اصحاب میں سے جن کو صوبوں کا گورنر مقرر فرماتے۔ انہیں ایسی دستاویزات لکھوا کر دیتے جن میں بطور حاکم یا قاضی ان کو کچھ ہدایات، ان کے فرائض اور ذمہ داریاں بیان فرماتے تاکہ وہ انہیں ادا کرسکیں۔ جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علاء بن الحضرمی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ کو ایسی ہدایات لکھوا کر دیں جن میں مختلف احکامِ شریعت مذکور تھے۔ (1)

۴ ... مختلف وفود کو تحریری ہدایات

مدینہ منورہ سے دور دراز علاقوں میں بسنے والے عرب قبائل اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے وفود رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔ یہ وفود مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ قیام کرتے۔ قرآنِ کریم سیکھتے، آپ ﷺ کے ارشادات سنتے اور اسلام کی تعلیمات حاصل کرتے اور واپسی میں ان کی درخواست پر حضور ﷺ احکامِ شریعت پر مشتمل ایسی ہدایات لکھوا دیتے جو ان کے لئے ضروری ہوتیں، جیسے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت منقذ بن حیان؄ جو عبدالقیس قبیلہ کے ایک فرد تھے۔ اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے ایسی دستاویز لکھوا کر دیں اور اس کی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

۵ ... کتاب الصدقہ

رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ پہلے ایک کتاب کتاب الصدقۃ لکھوائی تھی۔ اس میں زکوٰۃ کے متعلق تفصیلی احکام لکھوائے تھے۔ اس میں مختلف قسم کے اموال زکوٰۃ پر زکاۃ کی شرح اور مقدار تفصیل سے درج تھی آپ یہ کتاب اپنے عاملوں اور گورنروں کو بھیجنا چاہتے تھے۔ مگر آپ کا

(۱) طبقات ابن سعد ج۱ ص۲۶۳، جزء ۳، ذکر بعثہ رسول اللہ ﷺ الرسل بکتبہ الی الملوک۔

وصال ہوگیا آپ کے بعد یہ کتاب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہی ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہی دونوں نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں اس پر عمل کیا اور کروایا۔ اور یہ نسخہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل میں منتقل ہوتا رہا۔ اور علامہ ابن شہاب زھری رحمۃ اللہ علیہ اس کو اپنے سامنے رکھ کر اس کا درس دیا کرتے تھے۔ جس کی تفصیل سنن ابی داوٗد، جامع الترمذی کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہے۔ (۱)

۶ ... صحیفۂ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰ھ میں جب مسلمانوں نے نجران فتح کیا تو آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابی حضرت عمرو ابن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا گورنر مقرر فرمایا۔ اور اس موقع پر آپ نے ایک تفصیلی کتاب لکھوائی، جس میں طہارت، نماز، زکوٰۃ، عشر حج وعمرہ، جہاد، مالِ غنیمت، ٹیکس، دیت انتظامی امور اور تعلیمی امور وغیرہ کے بہت سے شرعی احکام مذکور تھے۔ یہ کتاب آپ نے حضرت عمرو ابن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرمائی اور وہ اس کتاب کے مطابق اپنے فرائضِ منصبی انجام دیتے تھے۔ ان کے بعد یہ نسخہ ان کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا۔ چنانچہ امام زھری رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا اور امام زھری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اس کتاب کے متفرق حصے آج بھی کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ جیسے موطا، امامِ مالک، مسند احمد، مسند دارمی، نسائی، اور طبقات ابن سعد وغیرہ اور حافظ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو خبرِ مشہور قرار دیا ہے جس کی صداقت سے انکار نہیں ہوسکتا۔ (۲)

۷ ... مفصّل خطبہ لکھوانے کا حکم

فتح مکہ کے دن ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے ایک تفصیلی خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انسانی حقوق کے بارے میں متعدد احکام ذکر فرمائے تھے۔ حاضرین میں سے ایک یمنی شخص ابو شاہ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ یہ خط مجھے لکھوا کر دیا جائے چنانچہ آپ نے حکم فرمایا:

اکتبوا لابی شاہ (۳)

---

(۱) درسِ مسلم، ص۱۵۱، ج۱۔

(۲) درسِ مسلم، ص۱۵۱، ج۱۔

(۳) صحیح البخاری کتاب اللقطۃ باب کیف تعرف لقطۃ اھل مکۃ، رقم الحدیث: ۲۲۵۴

ترجمہ

یہ (خطبہ) ابوشاہ کے لئے لکھ دو۔

تشریح

چنانچہ یہ خطبہ لکھ کر ابوشاہ کو دے دیا گیا۔ احادیث طیبہ کا یہ تمام ذخیرہ وہ ہے۔ جو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں باقاعدہ آپ کے حکم سے لکھا گیا۔ جس کی تعداد یقیناً ایک ہزار سے زیادہ ہوگی۔ اور قریب قریب اتنی مقدار ہوگی جو موطا امام مالک کی ہے اور موطا امام مالک میں ۱۷۲۰ احادیث ہیں۔ [1]

حضور ﷺ کی زندگی میں آپ کی اجازت سے احادیث لکھنا

احادیثِ طیبہ کا دوسرا ذخیرہ وہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں آپ کی اجازت سے صحابۂ کرام نے لکھا جیسے صحیفۂ صادقہ اور صحیفۂ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو آنحضرت ﷺ کے سامنے بیٹھ کر لکھا گیا۔

ان صحیفوں کی تشریح سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں متعدد صحابۂ کرام کی درخواست پر انہیں احادیث مبارکہ لکھنے کی صاف صاف اجازت عطا فرمائی تھی۔

مثلاً:

۱۔ ایک انصاری صحابی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ وہ بعض اوقات آپ سے سنی ہوئی احادیث بھول جاتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

استعن بیمینک واوما بیدہ الخط [2]

ترجمہ

اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو اور یہ فرما کر اپنے داہنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ فرمایا۔

۲۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو رافع، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت نے احادیثِ طیبہ لکھنے کی اجازت عطا فرمائی، مثلاً کسی سے فرمایا:

---

(۱) حجیت حدیث، ص ۳۳ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔

(۲) جامع الترمذی ابواب العلم، باب ماجاء فی الرخصة فیه الکتابة رقم الحدیث: ۲۵۹۰

۱. اکتبوا ولا حرجَ[۱]

ترجمہ

لکھ لیا کرو اس میں کچھ حرج نہیں۔

۲. قیدو العلم بالکتاب[۲]

ترجمہ

تحریر کے ذریعہ علم کی حفاظت کرو۔

۳. قیدو العلم قلت وما تقییده؟ قال کتابته[۳]

ترجمہ

علم کو محفوظ کرلو میں (عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے عرض کیا اُسے کس طرح محفوظ کیا جائے؟ آپ نے فرمایا لکھ کر۔

ان حادیث سے احادیث طیبہ لکھنے کی صاف صاف اجازت معلوم ہوئی۔

منکرینِ حدیث کے ایک شبہ کا ازالہ

حضور ﷺ کا خود احادیث طیبہ لکھوانا جس کی سات مثالیں اوپر گزریں اور متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو احادیثِ لکھنے کی صریح اجازت دینا جس کی مثالیں اوپر آپ کے سامنے ہیں۔ ان کی روشنی میں منکرینِ حدیث کا یہ اعتراض دم توڑ دیتا ہے کہ حدیثِ طیبہ اس لئے بھی حجت نہیں ہیں کہ حضور ﷺ نے ان کے لکھنے سے خود منع فرمادیا تھا، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحه، وحدثوا عنی، ولا حرج، ومن کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار[۴]

ترجمہ

مجھ سے سن کر حدیث مت لکھو اور جس کسی نے قرآنِ کریم کے سوا مجھ سے سن کر کچھ لکھا ہو وہ اسے

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ٤٢٨٤

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ٦٩٩ (وهو قول انس رضی الله تعالیٰ عنه)

(۳) المستدرك علی الصحیحین للحاکم رقم الحدیث: ٣٦٢

(٤) صحیح مسلم، ص ٤١٤، ج ٢ کتاب الزهد والرقائق باب التثبت فی الحدیث وحکم کتابة العلم۔

مٹادے ہاں مجھ سے احادیث سن کر زبانی دوسروں تک پہنچاؤ اس میں کوئی حرج نہیں اور جو کوئی جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کرتا ہے اُسے چاہئے کہ وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔

تشریح

حدیث شریف کے الفاظ واضح طور پر بتارہے ہیں کہ حدیث لکھنے کی ممانعت کا مطلب حدیث کی حجیت سے انکار نہیں ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ شروع اسلام میں نزولِ قرآن کے وقت صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قرآنِ کریم کی آیات کے ساتھ احادیثِ طیبہ بھی لکھنا شروع کردی تھیں جس کی وجہ سے قرآنِ کریم اور اس کی تفسیر وتشریح کے بارے میں حضور ﷺ کے ارشادات ایک دوسرے سے مل گئے تھے، جس سے یہ خطرہ پیدا ہوا کہ آگے چل کر یہ طریقہ قرآنی آیات اور احادیث شریف کو خلط ملط کردے گا اس لئے آپ ﷺ نے اس طریقے سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ قرآنی آیات کے علاوہ اگر کوئی اور چیز ان کے ساتھ لکھی ہوئی ہو تو وہ کاٹ دی جائے یا مٹادی جائے تاکہ دونوں الگ الگ رہیں اور دونوں کی تحریروں کے درمیان فرق کرنا مشکل نہ ہو اور یہ حکم دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شروع میں قرآن کریم کے طرز اور احادیث کے انداز میں فرق سے مسلمان پوری طرح آشنا نہ تھے جس سے ان دونوں میں خلط ملط ہونے کا قوی خطرہ تھا لیکن بعد میں جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآنی اسلوب سے بخوبی واقف ہوگئے اور قرآنِ کریم اور احادیث طیبہ کا باہم مخلوط ہونے کا خطرہ باقی نہ رہا تو آپ ﷺ نے احادیث طیبہ لکھنے کی عام اجازت مرحمت فرمادی جیسا کہ اوپر اجازت کے مبارک الفاظ سے واضح ہے۔

بہر حال اگر احادیث حجت نہ ہوتیں تو آنحضرت ﷺ انہیں زبانی بیان کرنے کی بھی اجازت نہ دیتے لیکن اس ممانعت والی حدیث میں بھی آپ ﷺ نے زبانی احادیث بیان کرنے کا حکم دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ شروع میں عارضی طور پر قرآنِ کریم کے ساتھ احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا[1]۔ لہٰذا منکرینِ حدیث کا حدیثِ بالا کی وجہ سے حجیتِ حدیث سے انکار کرنا درست نہیں۔

صحیفۂ صادقہ

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ بڑے عابد اور زاہد صحابی تھے انہیں حضور ﷺ کی احادیث طیبہ لکھنے کا خاص شوق تھا چنانچہ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کتابت

(۱) درس مسلم ج ۱ ص ۴۳، ۴۴۔

حدیث کی اجازت چاہی آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی اس کے بعد انہوں نے ایک ضخیم مسودہ حدیث تیار کیا اور اس کا نام الصحیفة الصادقة رکھا اس کی تمام حدیثیں حضور ﷺ کی املاء کرائی ہوئی تھیں یہ صحیفہ حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ کر لکھا گیا تھا یہ مسودہ آپ کے بعد تا زندگی ان کے پاس رہا اور وہ اس کی بڑی حفاظت فرماتے تھے ان کے بعد ان کی اولاد کے پاس رہا اور آپ کے پوتے حضرت عمرو بن شعیبؒ اس کی احادیث کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ حضراتِ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت کردہ ہر حدیث خواہ وہ کسی کتاب میں ہو وہ اسی مسودہ سے لی گئی ہے اور اس مسودہ کی تمام روایات کو حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں درج کر دیا ہے۔

رہی یہ بات کہ صحیفۂ صادقہ میں کتنی احادیث تھیں؟ تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور انکی روایات کی تعداد ۵۳۷۴ ہے وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں مجھ سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے صرف حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ہیں، کیونکہ وہ حضور ﷺ کی احادیث لکھ لیا کرتے تھے میں نہیں لکھتا تھا۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ صحیفۂ صادقہ کی روایات ۵۳۷۴ سے زیادہ تھیں اور بخاری اور مسلم کی روایات کی تعداد مکررات کو حذف کر کے چار ہزار ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ صحیفۂ صادقہ کی احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث سے زیادہ تھیں۔ (۲)

اس سے واضح ہوا کہ منکرینِ حدیث کی یہ بات کتنی غلط اور بے بنیاد ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے کے دو سو سال کے بعد احادیث لکھی گئی ہیں۔

صحیفۂ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی آنحضرت ﷺ کی احادیث کا ایک مجموعہ تھا جو انہوں نے حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں لکھا تھا جو خاصا ضخیم تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے اپنے خطبات اور مجلسوں میں سامنے رکھ کر اس کے مضامین حاضرین کو سنایا کرتے تھے، اس میں

(۱) صحیح البخاری کتاب العلم، باب کتابة العلم، ج ۱ ص ۲۲

(۲) درس مسلم: ج ۱ ص ۴۶۰

صدقات، قصاص ودیت، فدیہ، دستورِ مدینہ، غیر مسلموں کے حقوق اور وراثت کے خاص نوعیت کے مسائل کی احادیث لکھی گئی تھیں، یہ "صحیفۂ علیؓ" کے نام سے مشہور ہے، اور صحیح بخاری میں اس کا چھ جگہ ذکر آیا ہے۔[۱]

صحیفۂ سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی احادیثِ طیبہ کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا جسے حافظ ابن حجرؒ نے "تہذیب التہذیب[۲]" میں نسخة كبيرة (ایک بڑا نسخہ) سے تعبیر کیا ہے، اور علامہ ابن سیرینؒ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے: فيه علمٌ كثيرٌ اسمیں (بہت سا) علم پایا جاتا ہے اس رسالہ کی روایت ان کے بیٹے حضرت سلیمانؒ نے کی ہے۔[۳]

ان صحیفوں سے معلوم ہوا کہ بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، آنحضرت ﷺ کی مبارک زندگی میں، آپ کی احادیث لکھا کرتے تھے، اور آپ کی اجازت سے لکھا کرتے تھے، پھر ان میں سے بعض وہ تھے جو حضور کی مجلس میں بیٹھ کر، آپؐ کے ارشادات لکھا کرتے تھے، چنانچہ "صحیفۂ صادقہ" کی یہی نوعیت تھی، اور بعض صحابہؓ وہ تھے جو آپ کی مجلس میں تو آپ کے کلماتِ طیبات سنتے تھے، مگر اس وقت انہیں نہیں لکھتے تھے، لیکن مجلس برخواست ہونے کے بعد، گھر جا کر انکو لکھا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، وہ روایت یہ ہے:۔

> حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کی زبانِ مبارک سے بہت سی باتیں سنتے ہیں، اور ان کو لکھ لیتے ہیں، اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپؐ نے فرمایا لکھ لیا کرو! کچھ مضائقہ نہیں۔

اس دوسری قسم کا ذخیرۂ حدیث جو صحابۂ کرامؓ نے، آپ کی زندگی میں جمع کیا تھا، اس کی تعداد بلاشبہ ہزاروں احادیث سے زیادہ ہوگی، اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے کم نہ ہوگی —— لہٰذا منکرینِ حدیث کا یہ کہنا کہ دوسو سال کے بعد احادیث لکھی گئی ہیں، صریح جھوٹ، اور کھلا بہتان ہے، اور ایسا جھوٹ ہے کہ تاریخِ عالم میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔[۴]

---

(۱) درس مسلم بتصرف ج۱ ص ۵۰

(۲) تهذيب التهذيب ج۲ ص ۲۳٤ في تذكرة لحسن بن ابي الحسن البصريؒ.

(۳) درس مسلم ج۱ ص ٦٠

(٤) حجيت حديث بتصرف ص ۳۷

تیسرا ذخیرۂ حدیث

صحابۂ کرامؓ کا اپنے شاگردوں کو احادیث لکھوانا

احادیثِ طیبہ کا تیسرا ذخیرہ وہ ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے شاگردوں کو لکھوائیں جیسے حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوھریرہؓ اور حضرت ھمّام بن مُنَبِّہؒ وغیرہ، ذیل میں ان کی احادیثِ طیبہ کے صحیفوں اور مسودات کا مختصر اتعارف کرایا جاتا ہے:۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسودۂ حدیث

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابۂ کرامؓ میں سے ہیں جو لکھنا جانتے تھے، اور ان کی والدہ نے انہیں دس سال کی عمر میں، حضور ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا تھا، پھر دس سال تک وہ حضور ﷺ کی خدمت میں رہے، اس دوران انہیں بیشمار احادیث، سننے کا موقعہ ملا، آپ نے وہ احادیث تحریر فرمائی تھیں، چنانچہ ان کے ایک شاگرد حضرت سعید بن ھلالؒ فرماتے ہیں:

كنا اذا اكثرنا على انس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه فاخرج لنا محالٌ عنده فقال: هذه سمعتها من النبي ﷺ فكتبتها وعرضتها۔ (۱)

ترجمہ

جب ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت اصرار کرتے تو آپ ہمارے پاس رسائل کی شکل میں کچھ تحریری یادداشتیں لاتے اور فرماتے! یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنیں اور تحریر کرلیں، پھر اس کے بعد میں یہ حضور ﷺ کے سامنے تصدیق کے لئے پیش بھی کرچکا ہوں۔ (اور آپ نے ان کی تصدیق فرمائی تھی)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا مسودۂ حدیث

یہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے بطورِ خاص احادیثِ مبارکہ لکھنے کی ھدایت فرمائی تھی، چنانچہ انہوں نے ایک ضخیم مسودۂ حدیث تیار کرچکا تھا جس کا نام ''الصحيفة الصادقة'' یعنی سچائی کا صحیفہ رکھا تھا، وہ اس کی حفاظت کا بہت خیال رکھتے تھے،

---

(۱) المستدرك على الصحيحين للحاكم ج۱ ص۸۷

ان کے محبوب شاگرد حضرت مجاھدؒ فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ایک مسودہ جوان کے تکیہ کے نیچے رکھا ہوا تھا اٹھا کر ہاتھ میں لیا تو انہوں نے منع فرمایا، میں نے عرض کیا آپ تو کبھی مجھ سے کوئی چیز نہیں چھپاتے، اس پر آپ نے فرمایا —— یہ صادقہ ہے، اس میں جو کچھ ہے، وہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے بلاواسطہ سنا ہے آپؐ اور میرے درمیان کوئی تیسرا راوی نہیں ہے، اگر یہ اور کتاب اللہ اور وھط (آپ کی زرعی زمین) میرے لئے موجود رہیں تو پھر مجھے باقی دنیا کی کچھ پروا نہیں۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مسودۂ حدیث

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی تھے، اور آپؐ کے وصال کے وقت بہت کم عمر تھے، حفاظتِ حدیث کی غرض سے آپ نے احادیث کو لکھنا شروع کر دیا تھا جو آپ نے بلاواسطہ حضور سے سنی تھیں یا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی تھیں، ایسی تمام احادیث آپ نے بیشمار مجموعوں میں لکھی ہوئی تھیں، یہ مجموعے اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ انہیں ایک اونٹ پر لادا جاتا تھا، ان کے انتقال کے بعد یہ مسودات ان کے شاگرد حضرت کریبؒ کو منتقل ہوئے، جب حضرت عبداللہ کے بیٹے حضرت علیؒ کو کسی کتاب کی ضرورت پیش آتی تو وہ حضرت کریبؒ کو لکھتے کہ مجھے فلاں فلاں کتاب کی ضرورت ہے وہ مجھے بھیجدیں تو حضرت کریبؒ اس کتاب کا ایک نسخہ تیار کرتے اور دو میں سے ایک نسخہ انھیں بھیج دیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردان کی زندگی میں حدیث شریف کے مسودے کی نقل کرتے اور پھر آپ کو پڑھکر سناتے تاکہ وہ اپنے نسخہ کی تصحیح کرلیں اور کبھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما خود اپنے شاگردوں کے سامنے احادیث روایت کرتے اور شاگرد انہیں لکھ لیا کرتے تھے۔ (۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پڑھنا تو آتا تھا، لیکن وہ لکھنا نہیں جانتی تھیں اس لئے

(۱) حجیت حدیث ص ۱۴۰

(۲) حجیت حدیث ص ۱۴۵

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے حضرت عروہ بن الزبیرؓ نے بہت سی حدیثیں ان سے اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھ کر لکھی تھیں جو کئی کتابوں پر مشتمل تھیں، اس کے علاوہ آپ وقتاً فوقتاً لوگوں کی فرمائش پر ان کو احادیث لکھوا کر بھیجا کرتی تھیں، حضرت عروہؓ سے ان کا مجموعہ جنگِ حرّہ میں تلف ہوگیا تھا جس کا انھیں بے حد صدمہ اور قلق تھا۔ (۱)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیگر صحابہ کے مقابلہ میں سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے ہیں، چنانچہ آپ کی روایات کردہ احادیث کی تعداد ۵۳۷۴ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے احادیث کی حفاظت کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی، اور آپ مسجدِ نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں مقیم ہوگئے تھے، تاکہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات سن سکیں، اور مضبوط شواھد سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے احادیثِ طیبہ تحریری شکل میں بھی محفوظ کرلی تھیں چنانچہ ان کے ایک شاگرد حضرت حسن بن عمروؒ بیان کرتے ہیں کہ

> ایک مرتبہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر لے گئے اور مجھے احادیثِ نبویہ پر مشتمل کئی کتابیں دکھائیں۔ (۲)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس احادیث کی متعدد مسودات تھے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کے شاگردوں نے آپ کی روایات کے کئی مجموعے تیار کئے تھے لہٰذا ممکن ہے کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مسودات حضور ﷺ کے بعد لکھے ہوں یا کسی دوسرے سے لکھوائے ہوں۔ بہر حال حضرت ابوھریرہؓ کے پاس احادیث کے متعدد مجموعے تھے اور آپ اپنے شاگردوں کو بڑے ذوق وشوق سے احادیث املاء کراتے تھے جن میں سے آپ نے دو شاگرد خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، ایک بشیر بن نھیک سدوسیؒ اور دوسرے ھمّام بن منبہؒ، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تقریباً آٹھ سو اہلِ علم نے احادیث روایت کی ہیں جن میں صحابۂ کرام ایک جماعت بھی شامل ہے۔ (۳)

---

(۱) حجیت حدیث بتصرف ص ۳۹

(۲) جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۴ وفتح الباری ۱/۱۸۱ کتاب العلم باب کتابۃ العلم۔

(۳) اسد الغابۃ ج ۳ ص ۲۵۹، ترجمۃ ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

بشیر بن نُہَیک رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث

حضرت بشیر بن نھیک سدوسیؒ تابعی ہیں، اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہیں، انھوں نے جو حدیثیں حضرت ابوھریرہؓ سے سنی تھیں، ان کو ایک کتاب میں جمع کیا، اور اس کو لے کر حضرت ابوھریرہؓ کے پاس آئے، اور ان کو پڑھ کر سنائیں، اور عرض کیا، یہ وہ حدیثیں ہیں جو میں نے آپ سے سنی ہیں آپ نے فرمایا: ''ہاں''۔

سننِ دارمی میں ہے کہ حضرت بشیر بن نھیکؒ فرماتے ہیں میں حضرت ابوھریرہؓ سے حدیث کی کتابیں، مانگ کر لیجاتا، اور انکی نقل کر کے لاتا، اور ان کو سناتا، اور عرض کرتا! آپ نے یہ حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں؟ وہ تو فرماتے ''ہاں''[1]

ھَمَّام بن مُنَبِّہؒ کی احادیث

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح حضرت ھمام بن منبہؒ بھی یمن کے رہنے والے تھے، ھمام جب مدینہ منورہ آئے، تو حضرت ابوھریرہؓ کی خدمت میں علمِ حدیث حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوئے، حضرت ابوھریرہؓ نے، عمدہ اخلاق کے بارے میں، انھیں ڈیڑھ سو احادیث املا کرائیں اور انھوں نے اس کا نام ''الصحیفۃ الصحیحۃ'' رکھا جو ''صحیفۂ ھمام بن منبہ'' کے نام سے مشہور ہوا، یہ صحیفہ عرصہ تک نایاب رہنے کے بعد، آج بھی الحمد للہ تعالیٰ دستیاب ہے اور اس کی تمام احادیث جوں کی توں، حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں نقل کرلی تھیں، اور امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے، ''صحیفۂ ھمام بن منبہ'' کی احادیث کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں جابجا نقل کیا ہے۔[2]

خلاصۂ کلام

مذکورہ بالا تفصیل سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ حدیث شریف کا پہلا ذخیرہ جو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں آپ کے حکم سے لکھا گیا، وہ ایک ھزار احادیث سے زیادہ ہے، اور حدیث شریف کا دوسرا ذخیرہ جو صحابۂ کرامؓ نے آپ کی زندگی میں آپ کی اجازت سے لکھا، خواہ آپ کی مبارک مجلس میں بیٹھ کر یا آپ کی مجلس سے اٹھنے کے بعد، اپنے گھروں میں جا کر، خود لکھیں یا اپنے

(۱) حجیت حدیث ص۴۳ و سنن الدارمی رقم الحدیث: ۵۰۳، باب من رخص فی کتابۃ العلم۔

(۲) درس مسلم ص۵۸ اور حجیت حدیث ص۴۳

شاگردوں کو لکھوائیں، ان سب کا مجموعہ چار پانچ ہزار احادیث سے کم نہ ہوگا ____ اور احادیث طیبہ کا تیسرا ذخیرہ جو حضور ﷺ کے وصال کے بعد صحابۂ کرامؓ نے اپنے احباب، اور شاگردوں کو لکھوایا، اُن کی تعداد کم از کم پندرہ بیس ہزار احادیث ہوں گی، بلکہ اس سے بھی زندگی ہوں گی۔ اور صحاح ستہ کی کل احادیث، مکررات، حذف کرنے کے بعد، تقریباً دس ہزار احادیث ہیں، اور کتبِ احادیث میں احادیثِ طیبہ کا سب سے بڑا ذخیرہ مُسند احمد بن حنبلؒ ہے جو ائمۂ حدیث کی تحقیق کے مطابق، تیس ہزار احادیث پر مشتمل ہے، اور اگر ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن احمدؒ کی زیادات کو بھی شامل کرلیا جائے تو چالیس ہزار حدیثیں ہوتی ہیں، اور اگر مکررات کو حذف کردیا جائے، تو بیس ہزار حدیثیں ہوتی ہیں۔

غرض کہ اس بارے میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ احادیثِ طیبہ کی کتابت، حضور ﷺ کے زمانہ میں شروع ہوچکی تھی، اور دن بدن اس میں اضافہ ہوتا رہا اور صحابۂ کرامؓ کے زمانہ کے ختم ہونے سے پہلے ہی احادیثِ طیبہ کے سینکڑوں اور ہزاروں صحیفے، اور مجموعے تیار ہوگئے تھے۔ صحابہؓ کے بعد تابعینؒ کے زمانہ میں، کتابتِ حدیث نے اور شدت اختیار کرلی۔

تاہم اب تک یہ تمام ذخیرے اور مجموعے منتشر اور غیر مرتب تھے، تبع تابعینؒ کے زمانہ میں ان کی باقاعدہ تبویب اور ترتیب شروع ہوئی اور ایک صدی کے اندر اندر، یہ تمام ذخیرے مرتب اور مبوب ہوکر، امت کے سامنے آگئے، اور احادیثِ طیبہ قیامت تک کے لئے محفوظ ہوگئیں۔ یہ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے لے کر تقریباً دو سو سال تک کتابتِ حدیث کی رپورٹ ہے۔ اس سے پوری تفصیل سے ثابت ہوا کہ منکرینِ حدیث کا حجیتِ حدیث سے انکار کرنے کا "نظریہ" اپنی دونوں ذکر کردہ وجوہ کے ساتھ محض غلط، سفید جھوٹ بالکل باطل، اور کھلی گمراہی پر مشتمل ہے۔

منکرینِ حدیث کے بارے میں فتویٰ

ذیل میں منکرینِ حدیث کے بارے میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء سے جاری ہونے والے ایک مفصل اور مدلّل فتویٰ کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے تاکہ منکرینِ حدیث کا حکم معلوم ہو۔

الجواب

اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسانوں کی ہدایت کے لئے قرآنِ کریم نازل فرمایا ہے اسی طرح

قرآنِ کریم کا صحیح مفہوم اور اس کی صحیح تفسیر وتشریح بیان کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کو بھیجا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں مذکور ہے اور ان سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم کی تفسیر وتشریح میں حضور اکرم ﷺ کی بات ہی حجت ہے اور آپ کے بغیر حق تعالیٰ کے کلام کی مراد بھی درست طریقے سے نہیں سمجھی جاسکتی اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں جگہ جگہ اپنی اطاعت کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ کی اطاعت کا ذکر فرما کر یہ بات واضح فرمادی کہ آپ ﷺ کے ارشادات اور آپ کی تعلیمات خواہ وہ زبانی ہوں یا لکھی ہوئی، عملی ہوں یا تقریری، مسلمانوں کے لئے واجبُ الاطاعت ہیں۔ اور ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک آپ ﷺ کی اطاعت تمام جزئیات کے ساتھ اختیار نہ کی جائے۔

بہر حال قرآنِ کریم کی بہت سی آیات اپنے مختلف انداز سے اس پر زور دے رہی ہیں کہ کوئی مسلمان اور حضور ﷺ پر ایمان رکھنے والا شخص دینی اور دنیاوی امور میں آزاد اور خود مختار نہیں ہے۔ بلکہ وہ آپ ﷺ کے ارشادات اور تعلیمات کا پابند ہے اور وہی قرآنِ کریم کی اصل اور صحیح تفسیر ہے۔

اسی طرح شریعت اسلامیہ کے جتنے احکام ہیں ان کی فرضیت تو قرآنِ کریم سے ثابت ہے لیکن ان کی ادائیگی کے طور طریقے اور دیگر تفصیلات قرآنِ کریم میں کہیں مذکور نہیں مثلاً نماز کی فرضیت قرآنِ کریم سے ثابت ہے لیکن اس کی رکعات، ادائیگی کا طریقہ اور دیگر تفصیلات قرآنِ کریم سے ثابت نہیں، وہ صرف آپ ﷺ کے قول وفعل سے ثابت ہے، جس کو شریعت کی اصطلاح میں حدیث اور سنت کہتے ہیں جس سے یہ بات واضح ہوئی کہ احادیثِ طیبہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قرآنی حکم پر عمل کرنا بھی ممکن نہیں۔

لہٰذا جس شخص کا یہ نظریہ ہو کہ ہماری راہنمائی کے لئے صرف قرآنِ کریم کافی ہے اور وہ احادیثِ طیبہ اور سنتِ نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا مطلقاً انکار کرتا ہو اور کہتا ہو کہ یہ حدیث کی کتابیں جیسے بخاری شریف اور مسلم شریف بعد کے زمانے کی گھڑی ہوئی ہیں میں ان کتابوں کو نہیں مانتا اور قرآن کریم کی ایسی تشریح کرتا ہو جو حضراتِ مفسرین اور اجماعِ امت کے بالکل خلاف ہو اور انکارِ حدیث کرتا ہو تو اس کی وجہ سے وہ شریعتِ اسلام کی رو سے بلاشبہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے کیونکہ حجیتِ حدیث سے انکار کرنے میں بیسیوں آیات کا انکار لازم آتا ہے لہٰذا ایسے شخص کے نکاح میں کوئی مسلمان عورت نہیں رہ سکتی اور کسی مسلمان عورت کا اس سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ اور اگر ایسے شخص کا انتقال ہوجائے تو اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں اسکو دفن نہیں کیا جائے گا نیز ایسے شخص کے ساتھ دوستی، میل جول اور کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے کا معمول بنانا

جائز نہیں۔ ان سے بچنا لازم ہے البتہ کسی معتبر ضرورت کی وجہ سے یا اس کے شر سے بچنے کے لئے یا کسی دینی مصلحت کی وجہ سے ہو تو گنجائش ہے۔ (ماخذۂ التبویب ۱۳۲۲۔۱/۱۳/۱/۱۴۳۲ھ)

۱۰۲۴ علماءِ امت کا متفقہ فتویٰ

حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکیؒ نے غلام احمد پرویز اور دیگر منکرینِ حدیث کے بارے میں ان کے باطل نظریات، کفریہ عقائد اور حجیتِ حدیث کا انکار وغیرہ تفصیل سے لکھنے کے بعد ان کی روشنی میں ایک مفصل اور مدلّل فتویٰ تحریر فرمایا ہے۔ اور اس پر حرمین شریفین کے علماءِ کرام اور ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے تقریباً ۱۰۲۴ علماء اور اہلِ فتویٰ حضرات نے دستخط کئے ہیں اور انہوں نے اس فتویٰ کی تصدیق کی ہے۔

ان سب علماء کے نزدیک غلام احمد پرویز بالاتفاق کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس کے نکاح میں نہ کوئی مسلمان عورت رہ سکتی ہے اور نہ کسی مسلمان عورت کا نکاح اس سے ہوسکتا ہے۔ اور نہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں اس کو دفن کرنا جائز ہوگا۔ اور یہ حکم صرف پرویز ہی کا نہیں بلکہ ہر کافر کا ہے۔ اور ہر وہ شخص جو اس کے متبعین میں ان عقائدِ کفریہ میں اس کے ہم نوا ہو اُس کا بھی یہی حکم ہے۔

اور جب یہ مرتد ٹھہرا تو پھر اس کے ساتھ کسی قسم کے بھی اسلامی تعلقات قائم کرنا شرعاً جائز نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (ماخذہٗ فتنۂ انکارِ حدیث ص ۱۱۷، ۱۱۸)

کتبِ حدیث کی چند اقسام

کتبِ حدیث کی بہت سی قسمیں ہیں جن کا جاننا ضروری ہے ان میں سے چند اقسام یہ ہیں۔

۱ ... اَلْجَوَامِع: یہ جامع کی جمع ہے جامع حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جو احادیث کے تمام مضامین پر مشتمل ہو، اور بنیادی طور پر احادیث کے کل مضامین آٹھ ہیں۔ جو اس شعر میں جمع ہیں ؎

سیر، آداب وتفسیر وعقائد
فتن، اشراط واحکام ومناقب

شعر کی تشریح

۱ ... سِیَرْ: یہ سیرۃ کی جمع ہے، سیر وہ احادیث کہلاتی ہیں جن میں حضور ﷺ کی عادات

واطوار، اچھے اخلاق اور آپ کی زندگی کے حالات بیان کئے گئے ہوں۔

۲ ... آداب: یہ ادب کی جمع ہے اس سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں کھانے پینے، سونے جاگنے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے اور ملنے جلنے کا طریقہ اور آداب بیان کئے گئے ہوں۔

۳ ... تَفْسِیْر: اس سے وہ احادیث مراد ہیں جن میں قرآنِ کریم کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

۴ ... عَقَائِد: عقیدہ کی جمع ہے اس سے وہ احادیث مراد ہیں جن کا تعلق عقائد سے ہو۔

۵ ... فِتَنْ: یہ فتنۃ کی جمع ہے اس سے مراد وہ احادیث ہیں، جن میں اُن بڑے بڑے واقعات کا ذکر ہو جن کی حضور ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی ہے جیسے چاند کے دو ٹکڑے ہونا، دجال کا نکلنا، یاجوج ماجوج کا پھیلنا اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا وغیرہ۔

۶ ... اشراط: یہ شرط کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں اس سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں علاماتِ قیامت کا ذکر ہو۔

۷ ... احکام: یہ حکم کی جمع ہے اس سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں نماز، روزہ وغیرہ کے احکامِ فقہیہ مذکور ہوں۔

۸ ... مناقب: یہ منقبت کی جمع ہے اس سے وہ احادیث مراد ہیں جن میں صحابۂ کرامؓ اور صحابیاتؓ مختلف قبائل اور مختلف جگہوں کے فضائل مذکور ہوں۔

صحیح مسلم شریف جامع ہے

صحیح مسلم کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ جامع نہیں ہے کیونکہ اس میں تفسیر کا حصہ بہت کم ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ بھی جامع ہے کیونکہ مسلم شریف کی کتاب التفسیر میں ۱۸ احادیث ہیں اور بہت سی احادیثِ تفسیر مسلم شریف کے دیگر ابواب میں آگئی ہیں اس لئے بلاشبہ یہ بھی جامع ہے۔

۲ ... المسانید: یہ مسند کی جمع ہے، مسند حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیب پر احادیث جمع کی گئی ہوں، وہ ترتیب خواہ حروفِ ہجاء کے مطابق ہو یا اسلام لانے میں سبقت لے جانے کے اعتبار سے ہو جیسے مسند امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ۔

۳ ... **السنن:** سنة کی جمع ہے، اور سنن حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جو صرف احکامِ فقہیہ کی ترتیب پر مشتمل ہو جیسے سننِ ترمذی اور سننِ ابی داؤد وغیرہ۔

۴ ... **الصحیح:** وہ کتاب ہے جس میں صرف احادیثِ صحیحہ ذکر کی گئی ہوں ہاں تبعاً اور ضمناً احادیثِ حسن بھی آجاتی ہوں اور بعض مرتبہ ایسی کتابوں کو بھی تغلیباً الصحیح کہدیا جاتا ہے جس میں صحیح کے علاوہ حسن وغیرہ اصالۃً آگئی ہوں۔

۵ ... **الصحیح المجرد:** اس کتاب کو کہا جاتا ہے جن میں اصالۃً صرف صحیح حدیثیں ہوں البتہ تبعاً استشہاد کے طور پر قدرے کم درجے کی حدیثیں بھی اسمیں آجاتی ہوں اور صحیح مجرد میں سب سے پہلی تصنیف جامع البخاری ہے، اس کے بعد صحیح مسلم ہے۔

۶ ... **المعاجم:** یہ المعجم کی جمع ہے اور معجم حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں مؤلف احادیث کو شیوخ کی ترتیب پر جمع کرے جیسے: المعجم الکبیر اور المعجم الصغیر اور المعجم الاوسط وغیرہ۔

۷ ... **المستدرک:** اُس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ایسی احادیث ذکر کی گئی ہوں جو اور کسی کتاب کی شرائط پر پوری اترتی ہوں مگر اُس میں درج نہ ہوں جیسے المستدرك للحاكم الشهيدؒ۔ اس میں انہوں نے وہ حدیثیں ذکر کی ہیں جو ان کے نزدیک بخاری یا مسلم یا دونوں کی شرائط پر پوری اترتی ہیں مگر وہ صحیحین میں مذکور نہیں ہیں۔

۸ ... **المسلسلات:** یہ المسلسل کی جمع ہے یہ اُس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند میں تمام راوی ایک صفت یا خاص لفظ یا خاص عمل پر متفق ہوں مثلاً کسی حدیث کی سند کے تمام راوی حفاظ ہوں یا فقہاء ہوں یا اس کے ہر راوی نے اس حدیث کی روایت کے وقت کوئی خاص کام کیا ہو مثلاً مصافحہ کیا ہو اور جن کتابوں میں ایسی حدیثیں جمع کی جائیں ان کو ''مسلسلات'' کہا جاتا ہے۔ جیسے ''حدیث مسلسل بالأوّلیة لأبی طاهر عماد الدین الأصبهانی''

صحاحِ ستہ

یہ نام چھ کتابوں کے لئے مشہور و معروف ہے اس میں صحیحین کے علاوہ سننِ ترمذی، سننِ ابی داؤد، سننِ نسائی اور سننِ ابن ماجہ کو شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے ان چار کتابوں پر صحاح کا اطلاق صحیح نہیں کیونکہ ان میں حسن وغیرہ احادیث بھی کافی ہیں بلکہ سننِ ابن ماجہ میں متعدد احادیث

نہایت ضعیف ہیں بلکہ بعض کو موضوع بھی کہا گیا ہے لہٰذا ان کو محض تغلیباً یعنی اکثر صحیح احادیث کے لحاظ سے ''صحاح'' میں شمار کیا گیا ہے۔

صحاح ستہ کے درجات

صحاح ستہ اپنی صحت وشہرت اور قبولیت کے لحاظ سے مختلف اور متفاوت ہیں، چنانچہ ان کی درج ذیل ترتیب ہے:

(۱) ... صحیح بخاری۔ (۲) ... صحیح مسلم۔ (۳) ... سننِ ابی داؤد اور سننِ نسائی۔
(۴) ... جامع الترمذی۔ (۵) ... سننِ ابن ماجہ۔

صحاحِ ستہ کے مؤلفین ؒ کے مذاہب

اس بارے میں صحیح یہ ہے کہ امام بخاریؒ مجتہدِ مطلق ہیں البتہ ان کا شافعی ہونا مشہور ہے اور امام مسلمؒ شافعی یا مالکی ہیں امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ حنبلی ہیں یا شافعی ہیں۔ امام ترمذیؒ وابنؒ ماجہ شافعی ہیں۔ [(۱)]

المحدث، الحافظ، الحجة اور الحاکم کا بیان

المحدث: اس کو کہتے ہیں جو علمِ حدیث میں روایت ودرایت کے لحاظ سے مشغول ہو اور بہت سی روایات اور راویوں سے باخبر ہو۔

الحافظ : اس کو کہتے ہیں جسے ایک لاکھ احادیث کا علم ہو متن وسند اور جرح وتعدیل کے لحاظ سے۔

الحجة : اُسے کہتے ہیں جیسے تین لاکھ احادیث کا علم ہو متن وسند اور جرح وتعدیل کے لحاظ سے۔ جیسے امام بخاریؒ وامام مسلمؒ وغیرہ۔

الحاکم : اس کو کہتے ہیں جس کا علم تمام احادیثِ مرویہ کو محیط ہو متن وسند اور جرح وتعدیل اور اتصال وانقطاعِ سند وغیرہ کے لحاظ سے۔ [(۲)]

✿✿✿

(۱) خیر الاصول ص ۹، درس مسلم ص ۸۷
(۲) حاشیہ شرح نخبہ ص ۳۲

مقدمة الكتاب

تذکرہ حضرت امام مسلمؒ

نام وکنیت اور مقامِ ولادت

آپ کا اسمِ گرامی **الامام الهمام الحافظ الحجة ابو الحسين مسلم بن حجاج بن مسلم بن ورد بن كوشاذ یا كوشان القشيری النيشابوری رحمهم الله** ہے۔ **قشیری** عرب کے مشہور قبیلہ قشیر کی طرف نسبت ہے اور نیشاپور خراسان کا بڑا شہر ہے اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے انہیں نیشاپوری کہا جاتا ہے، یہاں ان کی ولادت ۲۰۶ھ میں ہوئی ہے۔

سماعِ حدیث

حضرت امام مسلمؒ نے سماعِ حدیث کا آغاز ۲۱۸ھ میں کیا۔ بلخ (شمالی افغانستان)، خراسان، رے، شام، مصر، عراق اور حجاز وغیرہ ممالک کے کثیر شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا، آپ کے مشہور اساتذہ میں سے حضرت یحییٰ بن یحییٰؒ، حضرت اسحاق بن راھویہؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہیں آپ کے اساتذہ نے آپ کی بڑی تعریف کی ہے اور بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ آپ نے نہ کبھی کسی کی غیبت کی، نہ مارا اور نہ کبھی کسی کو برا بھلا کہا۔[1]

موت ووفات کا سبب اور عالی مقام

آپ کی وفات ۲۶۱ھ میں اتوار کی شام ۲۴ رجب کو خراسان میں ہوئی، موت کا سبب یہ ہوا کہ موصوف ایک حدیث کی تلاش میں مشغول تھے بھوک لگی ہوئی تھی، کھجوروں سے بھری ہوئی ٹوکری قریب تھی، تلاشِ حدیث میں رات بھر ایسے منہمک ہوئے کہ سب کھجوریں کھالیں پھر حدیث تو مل گئی لیکن زیادہ کھجوریں کھانا ان کی موت کا سبب بن گیا۔[2] وفات کے بعد آپ کے مشہور شاگرد امام حدیث حضرت ابو حاتم رازیؒ نے خواب میں دیکھا اور حال دریافت کیا تو فرمایا کہ

"ان الله تعالیٰ اباح لی الجنة اتبوأ منها حیث اشآء"

---

(۱) بستان المحدثین ص ۲۸۰

(۲) المنتظم: ج۳ ص۴٦٤، مرقاة ج۱ ص ٦٠، تاریخ بغداد ج۱۳ ص۱۰۳۔

ترجمہ

یعنی اللہ تعالیٰ نے ساری جنت میرے لئے حلال کردی ہے جہاں دل چاہے رہوں۔[۱]

تصانیف

حضرت امام مسلمؒ کی جتنی تصانیف[۲] ہیں ان میں سے سب سے زیادہ عظیم الشان اور مشہور ترین کتاب "صحیح مسلم" ہے۔ جس کے درس کی سعادت الحمدللہ تعالیٰ ہم حاصل کررہے ہیں۔

بخاری شریف اور مسلم شریف کا موازنہ

جمہور محدثین کے نزدیک بخاری شریف کا درجہ صحت کے اعتبار سے مسلم شریف پر بلاشبہ بڑھا ہوا ہے لیکن حسن ترتیب، سیاق کی عمدگی، سندوں کے الفاظ میں احتیاط اور پڑھنے کے لئے سہولت کے لحاظ سے مسلم شریف کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔

مثلاً: حضرت امام مسلمؒ حدثنا اور اخبرنا میں فرق کو واضح کرتے ہیں اور ان کا مذہب یہی تھا کہ حدثنا اس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ استاذ پڑھے اور شاگرد سنے اور اخبرنا اس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ شاگرد پڑھے اور استاذ سنے، حضرت امام بخاریؒ ان دونوں میں فرق نہیں کرتے۔ اور ان کا مذہب یہ تھا کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۲ ... حضرت امام مسلمؒ نے مسلم شریف میں صرف احادیثِ مرفوعہ کو بیان کیا ہے، موقوف احادیث شاذونادر ذکر کرتے ہیں۔ برخلاف امام بخاریؒ کے کہ ان کے یہاں موقوف احادیث کی تعداد زیادہ ہے۔

۳ ... حضرت امام مسلمؒ اسانیدِ متعددہ، طرقِ متفرقہ، تحویلِ الاسناد اور الفاظِ مختلفہ کا بیان نہایت مختصر اور جامع انداز میں واضح کرنے میں ممتاز ہیں۔[۳]

مسلم شریف کی احادیث کی تعداد

حضرت امام مسلمؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنی کتاب مسلم شریف تین لاکھ حدیثوں میں سے

---

(۱) تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج۲۷ ص۵۰۶ وتاریخ دمشق لابن عساکرؒ ج۵ ص۹۲

(۲) آپ کی تصانیف میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: المسند الکبیر علی اسماء الرجال، کتاب العلل، کتاب اوہام المحدثین، کتاب التمییز وغیرہ۔

(۳) درس مسلم ج۱ ص۱۰۵، ۱۰۶

انتخاب کر کے تالیف کی ہے چنانچہ وہ منتخب احادیث جو صحیح مسلم میں موجود ہیں ان کی تعداد مکررات کو حذف کر کے تقریباً چار ہزار ہے اور مکررات کو شامل کر کے کل تعداد ایک قول کے مطابق بارہ ہزار ہے اور ایک قول کے مطابق آٹھ ہزار ہے ان میں آخری قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ (۱)

مسلم شریف کے عنوانات

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے اپنی یہ کتاب مسلم شریف ابواب کے اعتبار سے ترتیب دی ہے لیکن ان میں عنوانات امام مسلمؒ نے خود مقرر نہیں کئے تاکہ کتاب موٹی نہ ہو جائے یا اس لئے کہ یہ کتاب صرف احادیث اور اسانید پر مشتمل رہے اپنی طرف سے اس میں کچھ نہ ہو۔ یا کوئی اور مصلحت ہوگی اس لئے وہ حاشیہ میں ہیں اصل کتاب میں نہیں ہیں۔ یہ عنوانات بعد میں لوگوں نے اپنی صوابدید سے بڑھائے ہیں۔ لیکن ان عنوانات کے الفاظ ناقص اور کمزور ہونے کی وجہ سے اس کتاب کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ (۲)

مسلم شریف کی شروحات

صحیح مسلم شریف کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ المنهاج

یہ شرح شیخ محی الدین بن زکریاؒ النووی الشافعی کی تالیف ہے جو مسلم شریف کے موجودہ نسخوں کے ساتھ چھپی ہوئی ہے۔

۲۔ فتح الملهم

یہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی لکھی ہوئی شرح ہے جو اب تک کی تمام شروح میں سب سے زیادہ جامع اور محقق ہے اور نہایت مفید شرح ہے لیکن یہ شرح مکمل نہ ہو سکی، تین جلدوں میں صرف کتاب الطلاق تک ہے۔

۳۔ تكملة فتح الملهم

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے فتح الملهم کا تکملہ تحریر فرمایا ہے اور محققانہ معیار پر اسکی شرح مکمل فرمادی ہے جس کا نام تكملة فتح الملهم ہے۔ یہ کتاب

---

(۱) مقدمہ فتح الملهم ج ۱ ص ۲۷۷

(۲) مقدمہ شرح صحیح مسلم للامام النوویؒ ج ۱ ص ۱۵ ومقدمۃ فتح الملهم ج ۱ ص ۲۷۸۔

الرضاع سے ختم تک چھ جلدوں میں ہے۔

٤۔ الحل المفهم

یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تقریراتِ درسِ مسلم کا مجموعہ ہے جو مختصر اور نہایت مفید ہے۔[1]

٥۔ درسِ مسلم

یہ مفتیٔ اعظم پاکستان، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کی درسی تقاریر کا مجموعہ ہے، جو کتاب الایمان سے لے کر کتاب اللقطۃ تک بعض بعض ابواب کی شرح ہے، اردو میں بہت مفید شرح ہے اور کتاب الجہاد والسیر سے ختم تک آسان شرح بندہ کی ہے جس کا نام ''مسلم شریف کی آسان شرح'' ہے۔

مسلم شریف کو پڑھنے کا طریقہ، کچھ ہدایات اور رُموزِ اسناد

۱ ... ہر روز سبق کے آغاز میں مسلم شریف کی احادیث کی عبارت پڑھنے والی کو چاہئے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کے بعد درجِ ذیل عبارت پڑھے:

بِالسَّنَدِ المتصل مِنّا الی الامام الهمامِ الحافظِ الحجةِ ابی الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد بن کوشان القشیری النیسابوری رحمهم اللّٰه تعالیٰ ومتعنا الله بعلومه وفیوضه امین قال حدثنا الی اخره.

اس کے بعد ہر حدیث کی سند کے شروع میں وبه قال کا لفظ پڑھا جائے گا۔ جو کتاب میں لکھا ہوا نہیں ہوتا، اس میں به کی ضمیر السند المتصل کی طرف راجع ہوگی اور قال کی ضمیر مؤلف کتاب کی طرف۔ اور **السند المتصل** سے مراد ہم سے لے کر حضرت امام مسلمؒ تک کی سند ہے۔ جس کا ذکر آگے آئے گا، ان شاء اللّٰہ تعالیٰ۔

۲ ... حضرات محدثین کی عادت ہے کہ **حدثنی، حدثنا، اخبرنی، اخبرنا، انبأنی، انبأنا، سمعته** اور **قرأت علیه** وغیرہ الفاظ سے پہلے لفظ ''قال'' کو کتاب میں بکثرت حذف کر دیتے ہیں لیکن عبارت پڑھنے والے کو اس کا تلفظ ضرور کرنا چاہئے۔

---

(۱) بعض دیگر مفید شروح صحیح مسلم کے نام یہ ہیں: المعلم بفوائد مسلم للامام ابی عبد الله محمد بن علی المازریؒ، اکمال المعلم بفوائد مسلم للقاضی عیاض المالکیؒ، اکمال اکمال المعلم للشیخ محمد بن خلیفه الابی المالکیؒ۔ (درس مسلم ج۱ ص۱۱۱)

۳ ... سند میں جہاں "قال" دو مرتبہ آتا ہے تو بکثرت کتابت میں ایک "قال" کو حذف کر دیا جاتا ہے لیکن پڑھنا اس کا بھی ضروری ہے۔

۴ ... کتابت میں اختصار کے لئے بکثرت حدثنا کو صرف ثنا لکھا جاتا ہے اور حدثنی کو صرف "ثنی" یا صرف "نی" لکھا جاتا ہے۔ اور "اخبرنا" کو "انا" اور "اخبرنی" کو "انی" لکھا جاتا ہے۔ پڑھنے والوں کو چاہئے کہ پورا لفظ پڑھیں۔

۵ ... جب کسی حدیث کی سند میں ایک طریق سے دوسرے طریق کی طرف انتقال ہوتا ہے تو وہاں لفظ "ح" لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے بعد مصنف دوسری سند شروع کرتا ہے۔ پھر آگے جا کر یہ دونوں سندیں کسی ایک شیخ پر متفق ہو جاتی ہیں۔ جس شیخ پر دونوں سندیں متحد ہوتی ہیں اُسے مدار الحدیث یا مدار السند کہتے ہیں اور اس "ح" کو حاءِ تحویل کہتے ہیں اور یہ تحویل ہی کا مخفف ہے اس کو پڑھنے کے تین طریقے ہیں:

۱ ... ح　　　۲ ... حآءْ　　　۳ ... تَحْوِیْل

ان میں پہلا طریقہ زیادہ آسان اور مشہور ہے یہ تحویل اکثر اولِ سند میں ہوتی ہے اور بعض اوقات آخر سند میں ہوتی ہے و ھذا نادر جداً۔

۶ ... سند کے آخر میں صحابی کا نام آئے تو رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ و عنہم کہنا چاہئے، عنہ کی ضمیر صحابی کی طرف اور عنہم کی ضمیر باقی تمام راویانِ حدیث کی طرف راجع ہوگی۔ اور اگر وہ صحابی ابن صحابی ہو تو رضی اللہ تعالیٰ عنہما و عنہم کہنا چاہئے۔ جیسے عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما و عنہم۔ اور اگر روایت کرنے والی کوئی صحابیہ ہو تو رضی اللّٰہ عنہا و عنہم کہنا چاہئے۔

۷ ... "ابن" کا ھمزہ بھی ھمزۃ الوصل ہے اور ھمزۃ الوصل کا عام قاعدہ یہ ہے کہ وہ پڑھنے میں ساقط ہو جاتا ہے۔ مگر لکھنے میں نہیں۔ مگر "ابن" جب دو ناموں کے درمیان واقع ہو تو اس کا ھمزہ لکھنے میں بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ سوائے پانچ مقامات کے کہ ان میں "ابن" کا ھمزہ لکھنے میں ساقط نہیں ہوگا۔

۱ ... جب یہ ھمزہ اول سطر میں آجائے۔

۲ ... جب یہ ھمزہ اول شعر میں آجائے۔

۳ ... جب یہ ھمزہ اول مصرع میں آجائے۔

۴ ... جب اس کی اضافت ام کی طرف ہو مثلاً عیسی ابنُ مریم اسماعیل ابن عُلَیّه۔

۵ ... ''ابن'' ماقبل کی صفت نہ ہو بلکہ ماقبل کے بھی ماقبل کی صفت ہو مثلاً عبدُ اللّٰه ابنُ اُبیّ ابن سَلُول. اس میں ابنُ سلول عبد اللّٰه کی صفت ہے۔ اُبیّ کی نہیں۔ اسی طرح عبد اللّٰه ابنُ سلول ابنُ اَبی، ابی سلول کی صفت نہیں ہے بلکہ عبد اللّٰه کی ہے۔

احقر کی سند حضرت امام مسلمؒ تک

احقر عبد الرؤف سکھروی بن حضرت مولانا عبد الحکیم صاحبؒ کی سند کا حضرت امام مسلمؒ تک متصل ہونا درج ذیل تفصیل سے ہے۔

احقر نے پوری صحیح مسلم حضرت مولانا اکبر علی صاحب سہارنپوریؒ سے جامعہ دار العلوم کراچی میں پڑھی، انہوں نے حضرت مولانا منظور احمد صاحبؒ محدث مظاہر علوم سے پڑھی۔ انہوں نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ سے، انہوں نے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ سے، انہوں نے حضرت مولانا مملوک علیؒ صاحب سے، انہوں نے حضرت مولانا رشید الدین خان صاحب دہلویؒ سے، انہوں نے حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے، انہوں نے اپنے والد حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح ستہ وغیرہ سنیں، انہوں نے شیخ محمد طاہر مدنیؒ سے، انہوں نے اپنے والد شیخ ابراہیم الکردیؒ سے، انہوں نے شیخ سلطان المزاحیؒ سے انہوں نے شیخ شہاب الدین احمد بن خلیل السبکیؒ سے، انہوں نے شیخ نجم الدین الغیطیؒ سے، انہوں نے شیخ زین الدین زکریاؒ سے، انہوں نے شیخ ابن حجر عسقلانیؒ سے، انہوں نے شیخ صلاح بن ابی عمر المقدسیؒ سے، انہوں نے شیخ فخر الدین ابوالحسن علی بن احمد المقدسیؒ سے جو ابن بخاریؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے شیخ ابوالحسن مؤید بن محمد الطوسیؒ سے، انہوں نے فقیہ حرم شیخ ابوعبد اللہ محمد بن فضل بن احمد فراویؒ سے، انہوں نے شیخ امام ابوالحسن عبد الغافر بن محمد الفارسیؒ سے، انہوں نے شیخ ابواحمد محمد بن عیسیٰ الجلودی النیشاپوریؒ سے، انہوں نے شیخ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان الفقیہ الجلودیؒ سے، اور انہوں نے مسلم شریف کے مؤلف حضرت امام الحافظ الحجة ابو الحسین مسلم بن حجاج القشیری والنیشاپوری رحمهم الله سے ونفعنا بعلومهم وفیوضهم۔ (آمین)

اور امام مسلمؒ کی سند کتاب میں موجود ہے۔ (مقدمة الکتاب بحمد اللہ تعالیٰ مکمل ہوا)

کتاب الایمان

صحیح مسلم میں **کتاب الایمان** خاص اہمیت رکھتی ہے۔ امام مسلمؒ نے اس میں ایسی احادیث طیبہ جمع فرمائی ہیں اگر ان کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا جائے تو عقائد اور ایمانیات کے متعلق تمام امور بہت واضح ہوکر سامنے آجاتے ہیں اور وہ تمام شکوک وشبہات دور ہوجاتے ہیں جن کی وجہ سے امت کے مختلف فرقوں میں اختلاف ہوا اور متعدد فرقے گمراہ ہوئے۔

کتابُ الایمان میں جو ابواب آرہے ہیں اور ان میں جو احادیث مبارکہ آنے والی ہیں ان کو پوری طرح سمجھنے کے لئے مختصر طور پر پانچ مسائل کا جاننا ضروری ہے۔

۱ ... ایمان اور اسلام کے لغوی اور اصطلاحی معنی۔

۲ ... اعمال کا ایمان سے تعلق اور اسلامی فرقے۔

۳ ... ایمان میں کمی وبیشی ہوتی ہے یا نہیں؟

۴ ... ملحد اور زندیق کو کافر کہنے کا حکم۔

۵ ... تقدیر کا مسئلہ۔

پہلا مسئلہ

ایمان اور اسلام کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

ایمان بابِ افعال کا مصدر ہے، جس کے لغوی معنیٰ میں کسی کو بے خوف اور مامون کرنا اور مجرد میں یہ باب سمع سے امن یامن آمناً آتا ہے۔ جس کے معنی ہیں مامون ہونا۔[1]

اصطلاحِ شریعت میں ایمان کی تعریف یہ ہے: "**الایمان ھو تصدیق بما علم مجیٔ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ ضرورۃ**" یعنی آنحضرت ﷺ سے جو باتیں قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہیں ان سب میں آپ کی تصدیق کرنا ایمان ہے۔[2]

اس تعریف میں ''ضرورۃ'' سے مراد وہ باتیں ہیں جن کا آپ ﷺ سے ثابت ہونا قطعی

(۱) لسان العرب ج۱ ص۲۲۳

(۲) النبراس ص۲۴۹۔

اور بدیہی ہے مثلاً وہ باتیں جو تواتر سے ثابت ہیں۔ اور بدیہی سے مراد یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو بھی ان باتوں کا حضور ﷺ سے ثابت ہونا معلوم ہوا ایسی باتوں کو ضروریات دین کہا جاتا ہے۔ ایسی تمام باتوں کی تصدیق کرنا ایمان ہے اور ان کا انکار کرنا کفر ہے جیسے فرض نمازوں کی تعداد رکعات اور حرمتِ خمر وغیرہ۔

اسلام بابِ افعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنٰی ہیں گردن جھکانا اور فرمانبرداری کرنا اور اسلام کے اصطلاحی معنی دو ہیں: ایک پورا دین۔ اس معنٰی کے لحاظ سے اسلام عام ہے اور ایمان خاص ہے اور دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔

اسلام کے دوسرے اصطلاحی معنی ہیں زبان سے اقرار کرنا اور اعضاء وجوارح سے عمل کرنا جیسا کہ حدیثِ جبرائیل[1] سے ثابت ہے جس میں شہادتین زبان کا عمل ہے اور باقی اعمال جیسے نماز، روزہ، حج اور زکاۃ ادا کرنے کا تعلق اعضاء وجوارح سے ہے۔ اور ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اسلام کے اس دوسرے معنی کے لحاظ سے ایمان اور اسلام کے درمیان تباین کی نسبت ہے کیونکہ ایمان تصدیق کو کہتے ہیں جو دل کے ساتھ خاص ہے اور اسلام اقرار باللسان اور اعمال ظاہرہ کا نام ہے جن کا تعلق زبان اور دیگر اعضاء سے ہے لیکن دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم اور ضروری ہیں جیسے سورج اور دن دونوں الگ الگ ہیں لیکن دونوں ایک ساتھ جمع ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح ایمان اور اسلام حقیقت میں الگ الگ ہیں لیکن ایک ساتھ جمع بھی ہوجاتے ہیں چنانچہ جو شخص دل میں ایمان رکھتا ہو، اور زبان سے شہادتین کا اقرار کرتا ہو، اس میں ایمان اور اسلام دونوں جمع ہوگئے۔[2]

ایمان کے لئے اقرار باللسان اجراء احکام کے لئے شرط ہے

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام الگ الگ ہیں لیکن ایمان کے مفید اور معتبر ہونے کے لئے زبان سے اقرار کرنا شرط ہے لہٰذا اگر کوئی شخص دل میں تصدیق رکھے لیکن زبان سے اقرار نہ کرے تو اخروی احکام کے لحاظ سے وہ مومن ہے۔ لیکن اس پر مسلمانوں کے دنیوی احکام جاری نہیں ہونگے اور جو شخص تصدیق قلبی کے ساتھ زبان سے بھی اقرار کرے وہ سچا مسلمان ہے، اُس پر دنیا میں بھی احکام الاسلام جاری ہونگے جیسے وراثت، ولایت، قبولِ شہادت اور نماز میں اقتداء درست ہونا وغیرہ، اور اخروی حکم یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، حضرت امام ابوحنیفہؒ،

(۱) صحیح مسلم کتاب الایمان باب الایمان والاسلام والاحسان الخ رقم الحدیث:۸

(۲) درس مسلم ص ۱۸۴ ج ۱

امام ابو منصور ماتریدیؒ اور شیخ ابو الحسن اشعریؒ اور جمہور متکلمینؒ کا یہی مذہب ہے۔[1]

دوسرا مسئلہ

اعمال کا ایمان سے تعلق اور اسلامی فرقے

ایمان کے مباحث اور مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ اعمال کا ایمان سے کیا تعلق ہے؟ اس میں پانچ مذاہب مشہور ہیں لیکن ان سے پہلے اسلامی فرقوں کا مختصر تعارف کرانے کی ضرورت ہے تاکہ ان کے مذاہب کو سمجھنا آسان ہو۔

اسلامی فرقے اور ان کا حکم

اسلامی فرقے ان جماعتوں کو کہتے ہیں جو اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں خواہ وہ واقعۃً مسلمان ہوں یا نہ ہوں اور ایسے فرقے بہت ہیں ان میں سے ایک حق پر ہے اور باقی باطل ہیں۔

آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں بہتر فرقے ہوگئے تھے اور میری امت میں تہتر فرقے ہونگے ان میں سے ایک جنتی ہوگا باقی سارے جہنمی ہونگے پوچھا گیا کہ وہ جنتی فرقہ ان میں سے کونسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا ما انا علیه و اصحابی ۔[2]

اور وہ اہل سنت والجماعت ہیں اور باقی بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے کیونکہ ان کے عقائد میں فساد اور بگاڑ ہوگا۔ پھر جن کے عقائد حدِّ کفر سے کم ہونگے، وہ فاسق ہونگے اور اپنے عقائدِ فاسدہ کی سزا پا کر ایک نہ ایک دن دوزخ سے نکل کر جنت میں جائیں گے۔ اور جن کے عقائد حدِ کفر تک پہنچ جائیں گے وہ کافر ہونگے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

اسلامی فرقوں کا تعارف

اسلامی فرقے تو بہت ہیں اور ان سب کا ذکر کرنا مشکل ہے البتہ جن فرقوں کا ذکر کتابُ الایمان میں آتا ہے ان کا مختصر تعارف کرایا جاتا ہے۔

اہل سنت والجماعت

صحیح اسلامی فرقہ اہلِ سنت والجماعت ہے جو سرکارِ دوعالم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ

(۱) درس مسلم ص ۱۸٤، ج ۱، اشرف التوضیح ص ۱۳۸، ج ۱

(۲) جامع الترمذی رقم الحدیث: ۲۵،٦٥

عنہم کے اعمال وعقائد میں ان کے نقشِ قدم پر چلنے والا اور ان کی پیروی کرنے والا ہے اور ان کا یہ لقب حدیث شریف کے ان الفاظ ما انا علیه و اصحابی سے مأخوذ ہے جس کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے اور اکابر علماء دیوبند بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ ان کے بھی وہی عقائد ہیں جو حضور ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تھے۔

۱ ... معتزلہ

اس کا بانی واصل بن عطا تھا یہ ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور مجلس میں کسی نے سوال کیا کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے یا مؤمن؟ اس نے جواب دیا کہ نہ کافر اور نہ مسلمان بلکہ یہ ایک درمیانی درجہ ہے اس پر حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:

"ھذا الرجل اعتزل عنا"

ترجمہ

یعنی یہ شخص ہم سے الگ ہو گیا۔

اس وقت سے ان کا نام معتزلہ پڑ گیا یہ لوگ خود کو اصحابُ العدل و التوحید کہتے تھے۔ یہ فرقہ اہل بدعت میں شمار ہوتا ہے کیونکہ یہ رؤیت باری تعالیٰ اور وزنِ اعمال کا منکر ہے۔[1]

۲ ... جبریہ اور جہمیہ

اس کا بانی جہم بن صفوان ہے۔ اس فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے افعال پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ اینٹ و پتھر کی طرح مجبورِ محض ہے۔ اور زبان سے اقرار کرنا یا اعضاء سے عمل کرنا ایمان کا جزء نہیں ہے۔

۳ ... قدریہ

اس کے بانی معبد جہنی اور غیلان دمشقی ہیں یہ فرقہ جبریہ کے بالکل مقابل ہے اس کے عقائد یہ ہیں کہ انسان قادرِ مطلق ہے اور وہ خود اپنے افعال کا خالق ہے اللہ تعالیٰ کو اس کے افعال میں معاذ اللہ کوئی قدرت نہیں۔ اور یہ تقدیر کا منکر ہے۔[2]

---

(۱) اشرف التوضیح ص ۱۳۳، ج۔۱

(۲) اشرف التوضیح ص ۱۳۳، ج۔۱

۴ ... خوارج

یہ وہ فرقہ ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغاوت کی اور آپ کی ذات سے اعراض کیا اور ان الحکم الا للّٰہ کا نعرہ بلند کیا تو آپ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

کلمۃ حق ارید بہ الباطل

ترجمہ

بات حق ہے مگر اس سے مراد باطل ہے۔

یہ لوگ ظاہری طور پر بڑے نیک اور متقی ہوتے تھے۔ لیکن دین کی فہم سے بالکل کورے اور بڑے بے عقل تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے گمراہ ہونے کی پیش گوئی فرمائی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ یہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے چنانچہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ معاذ اللہ ''سَوَّدَ اللّٰہ وجھہ'' کہتے تھے۔ (۱)

۵ ... روافض

یہ فرقہ خوارج کے بالکل مقابل ہے یہ وہ فرقہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں حد سے آگے بڑھ گیا اور آپؓ کو دیگر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم بلکہ حضور ﷺ سے بھی آگے بڑھادیا اور اللہ تعالیٰ کے برابر کردیا۔ چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کو الٰہ اکبر اور حضرت علیؓ کو الٰہ اصغر کہتے تھے ان میں اکثر گمراہ اور فاسق ہیں اور بعض کافر ہیں مثلاً جو روافض حضرت علیؓ کو الٰہ کہتے ہیں یا قرآنِ کریم میں تحریف کے قائل ہیں یا حضرت عائشہؓ پر تہمت کو سچ سمجھتے ہیں یا یہ کہتے ہیں کہ حضرت جرائیل علیہ السلام سے وحی لانے میں غلطی ہوگئی چنانچہ وہ غلطی سے وحی لے کر حضور ﷺ کے پاس چلے گئے ورنہ اصل میں نبوت حضرت علیؓ کو ملی تھی ایسے لوگ کافر ہیں اور جن روافض کا کوئی عقیدہ کافرانہ نہ ہو وہ کافر نہیں بلکہ فاسق اور گمراہ ہیں۔ (۲)

۶ ... مرجئہ

ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد کوئی گناہ نقصان دہ نہیں اور کسی گناہ پر کوئی سزا نہیں

---

(۱) اشرف التوضیح ص ۱۳٤، ج۔۱

(۲) فتاوی الشامیہ ص ۲٦۱، ج۔۷

کیونکہ ان کے نزدیک ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ (۱)

۷ ... کرامیہ

یہ فرقہ عبداللہ بن کرام کے اصحاب پر مشتمل اور ان کی طرف منسوب ہے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے ہی اعضاء ہیں جیسے انسانوں کے ہوتے ہیں ان کے نزدیک ایمان صرف زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے تصدیق قلبی ضروری نہیں۔ (۲)

اقرار باللسان اور عمل کا ایمان سے تعلق

ایمان کے بارے میں تین الفاظ مشہور ہیں:

۱ ... اقرار باللسان یعنی زبان سے اقرار کرنا۔

۲ ... عمل بالارکان یعنی اعضاء سے عمل کرنا۔

۳ ... تصدیق بالجنان یعنی دل سے تصدیق کرنا۔

ان میں سے اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا تصدیق بالقلب سے کیا تعلق ہے؟ اس بارے میں اسلامی فرقوں میں شدید اختلاف ہے۔ چنانچہ اس بارے میں ۹ مذہب ہیں۔ ان میں سے پانچ مذہب مشہور ہیں جو یہاں بیان ہونگے۔

۱: مرجئہ ۲: کرامیہ ۳: جمہور متکلمین ۴: جمہور محدثین ۵: خوارج ومعتزلہ

پہلا مذہب

مرجئہ کہتے ہیں کہ اصل ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے اعمال اور اقرار باللسان ایمان کے لئے ضروری نہیں۔ لہٰذا نجات یا عدمِ نجات یا ثواب وعذاب میں ان کا کوئی دخل نہیں چنانچہ جس طرح کفر کے ساتھ کوئی طاعت مفید نہیں اسی طرح ایمان کے ساتھ کوئی معصیت مضر نہیں۔

دوسرا مذہب

کرامیہ کہتے ہیں کہ ایمان اصل میں اقرار باللسان کا نام ہے اس کے لئے تصدیق قلبی

---

(۱) اشرف التوضیح ص ۱۳٤، ج۔۱

(۲) الملل والنحل ص ٤٤ ج ۱

ضروری نہیں لہٰذا جس نے اقرار باللسان کیا لیکن تصدیق قلبی نہیں کی وہ دنیا میں حقیقۃً مومن ہے چنانچہ اس پر مؤمن ہونے کے سارے احکام جاری ہونگے لیکن آخرت میں وہ ہمیشہ کے لئے دوزخی ہوگا کیونکہ تصدیق قلبی نہیں ہے۔ (۱)

ایک اشکال کا جواب

تفصیل بالا کی روشنی میں بظاہر کرامیہ اور اہل سنت والجماعت کا مذہب ایک ہوگیا۔ کیونکہ اہل سنت والجماعت بھی ایسے شخص کے بارے میں یہی فرماتے ہیں کہ اس پر دنیا میں مسلمانوں کے احکام جاری ہونگے لیکن آخرت میں تصدیق قلبی نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں ہوگا۔

جواب

جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے کرامیہ ایسے شخص کو دنیا میں حقیقۃً مومن قرار دیتے ہیں اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک وہ دنیا میں بھی حقیقۃً کافر ہے۔ اور آخرت میں بھی، مگر چونکہ دنیا میں دل کا حال معلوم نہیں ہوتا اس لئے اس پر مجبوراً دنیوی اسلامی احکام جاری ہونگے۔ (۲)

تیسرا مذہب

جمہور متکلمین جن میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کے نزدیک دراصل ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اقرار باللسان ایمان کے لئے ضروری نہیں۔ لیکن مسلمانوں کے احکام جاری ہونے کے لئے ضروری ہے لہٰذا جو شخص اقرار باللسان نہیں کرے گا وہ عنداللہ مسلمان ہوگا، عندالناس مسلمان نہیں ہوگا۔ (۳)

چوتھا مذہب

جمہور محدثین کے نزدیک ایمان کا رکن اصلی تصدیق قلبی ہے۔ اور اقرار باللسان بھی ایمان کے لئے ضروری ہے۔ اور اس کا حصہ ہے لیکن رکن زائد ہے جس کا مطلب یہ ہے تصدیق قلبی ہر حال میں ضروری ہے۔ لیکن اقرار باللسان ہر حال میں ضروری نہیں بعض حالات میں ساقط ہوجاتا ہے جیسے حالت اضطرار میں، بشرطیکہ دل میں ایمان مضبوط ہو جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

---

(۱) درس مسلم ص۱۹۱ ج۱

(۲) درس مسلم ص۱۹۲ ج۱

(۳) اشرف التوضیح ص۱۳۸، ج۱

"وقلبه مطمئن بالایمان"[۱]

ایک اشکال اور جواب

جمہور متکلمینؒ، اور جمہورِ محدثینؒ کے نزدیک ایمان کی جو تعریف بیان ہوئی اس کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں یہ اختلاف حقیقی اختلاف ہے اور معاذ اللہ جمہورِ محدثینؒ کے نزدیک اعمال اسی طرح ایمان کا جزو ہیں جس طرح معتزلہ اور خوارج کے نزدیک۔ جس سے لازم آتا ہے کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ان کے نزدیک بھی کافر، دائرۂ اسلام سے خارج اور ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے لیکن یہ بات نہیں ہے اگر حقیقت میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جمہورؒ متکلمین اور جمہورِ محدثینؒ کے نزدیک یہ اختلاف حقیقی نہیں محض تعبیر کا اختلاف ہے۔ ایمان کی حقیقت میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ ایمان کے لئے تصدیقِ قلبی اصل اور ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ اعمال سیئہ موجبِ عقاب ہیں۔ اور اعمالِ صالحہ موجبِ ثواب ہیں۔ اور بذاتِ خود تصدیق قلبی یہ ہمیشہ کے لئے دوزخی ہونے سے بچانے والی ہے اور تصدیق قلبی مع اعمال صالحہ اور کبیرہ گناہوں سے بچنے کے ساتھ اولاً دوزخ میں داخل ہونے سے بچانے والی ہے، اسی لئے امام رازیؒ، امام غزالیؒ، امام ابن تیمیہؒ نے اس کو لفظی اختلاف قرار دیا ہے اس لئے کوئی اشکال کی بات نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ایمان دراصل تصدیق قلبی کا نام ہے لیکن اعمال بھی ضروری ہیں۔[۲]

پانچواں مذہب

خوارج اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اقرار باللسان اور عمل بالارکان ایمان کا جزء اور اس کا حصہ ہیں ان کے نزدیک ایمان تین امور کا مجموعہ ہے:

۱۔ تصدیق بالقلب ۲۔ اقرار باللسان، ۳۔ عمل بالارکان، چنانچہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ان کے نزدیک ایمان سے خارج ہے پھر کفر میں داخل ہوا یا نہیں؟ خوارج کے نزدیک کفر میں داخل ہوگیا اور معتزلہ کے نزدیک کفر میں داخل نہیں ہوا، لہٰذا یہ ایمان اور کفر کے درمیان ایک درجہ کے قائل ہیں جس کا نام انہوں نے "فسق" رکھا ہے بہر حال یہ دونوں فرقے اس پر متفق ہیں کہ مرتکبِ کبیرہ

---

(۱) سورة النحل: ۱۰٦

(۲) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: اشرف التوضیح ص۱۴۱، ج۱۔

اسلام سے خارج ہیں۔اور ہمیشہ کے لئے جہنمی ہیں۔ [1]

مذکورہ مذاہب کا حکم

مذکورہ فرقوں میں جہمیہ، مرجئہ کرامیہ اور خوارج ومعتزلہ کا مذہب بالکل باطل ہے۔اور نصوصِ شرعیہ کے خلاف ہے اور اہل سنت والجماعت یعنی جمہور محدثین اور جمہورِ متکلمین کا مذہب برحق ہے اور نصوصِ شرعیہ کے مطابق ہے اور ان دونوں کے مذہب میں اگرچہ ظاہر میں کچھ فرق ہے لیکن حقیقت دونوں مذہبوں کی ایک ہے، دلائل کے لئے دیکھئے: (درسِ مسلم ص ۱۸۱، ج ۱)

تیسرا مسئلہ

ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نہیں؟

قرآن وسنت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔سلفِ صالحین کے اقوال میں بھی اس کی صراحت ہے۔ چنانچہ اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

۱۔ جمہورِ محدثین، جمہور شاعرہؒ، معتزلہ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایمان مرکب ہے اور ایمان کی تعریف میں اعمال بھی داخل ہیں اور اعمال کم وبیش ہوتے رہتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

۲۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ، امامؒ الحرمین اور علماءؒ متکلمین کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول مشہور ہے۔

"الایمان لایزید و لاینقص"

ترجمہ

یعنی ایمان کم اور زیادہ نہیں ہوتا۔

کیونکہ ان کے نزدیک ایمان بسیط (غیر مرکب) ہے۔یعنی ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اعمال ایمان کا جزو نہیں ہے۔اور کمی بیشی اعمال میں ہوتی ہے۔ [2] لہٰذا ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

ایک اشکال کا ازالہ

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب بظاہر قرآنی نصوص اور اقوالِ سلف کے خلاف ہے لیکن حقیقت

---

(۱) درس مسلم ص ۱۸۱، ج ۱

(۲) اشرف التوضیح ص ۱۴۲، ۱۴۳ ج۔۱

میں ان کا یہ اختلاف بھی تعبیر کا اختلاف ہے جو ان حضرات کے اپنے زمانے کے مخاطبین کے حالات کے اختلاف پر مبنی ہے، کیونکہ اگر ایمان صرف تصدیقِ قلبی کا نام ہے تو اعمال کی کمی وبیشی سے حقیقتِ ایمان میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی اور اگر اعمال کو ایمان کا جزو قرار دیا جائے تو لامحالہ اعمال کی کمی وبیشی سے ایمان میں بھی کمی بیشی ہوگی۔ لہٰذا ان دونوں مذاہب میں تطبیق دینے کی اور آیات واحادیث میں ایمان کی کمی بیشی کا جو ذکر آیا ہے اُس کا مطلب اور اس کے جواب کی تین صورتیں ہیں۔

۱ … نفس ایمان میں کمی وبیشی نہیں ہوتی بلکہ کمالِ ایمان میں کمی وبیشی ہوتی ہے۔

۲ … نفسِ ایمان میں کمی وبیشی نہیں ہوتی بلکہ نورِ ایمان میں کمی وبیشی ہوتی ہے۔

۳ … نفسِ ایمان میں کمی وبیشی نہیں ہوتی بلکہ جن احکام پر ایمان لایا جاتا ہے ان کے اعتبار سے کمی وبیشی ہوتی ہے یعنی جیسے جیسے احکام میں اضافہ ہوگا ویسے ویسے ایمان بھی بڑھتا جائے گا اور اس میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

حاصل تینوں صورتوں کا یہی ہے کہ اعمال میں کمی بیشی ہوتی ہے نفسِ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ [1]

چوتھا مسئلہ

ملحد اور زندیق کو کافر کہنے کا حکم

کسی شخص کو کافر قرار دینے کا مسئلہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے جس کے لئے ضروری تفصیل جاننے کی ضرورت ہے مثلاً کفر کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ، کفر کی اقسام اور ان کا حکم۔ کتاب الایمان کے بعض مسائل میں اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔

کفر کے لغوی واصطلاحی معنیٰ

کفر کے لغوی معنیٰ ہیں چھپانا اور اصطلاحِ شرع میں اسکے یہ معنیٰ ہیں:

"ھو تکذیب النبی ﷺ فی شئی من ضروریات الدین"

یعنی ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا انکار کرنا کفر ہے اور انکار کرنے والا کافر ہے۔ لہٰذا کافر ہونے کے لئے ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک بات کا انکار کرنا کافی ہے۔ اور ایمان لانے کے

---

(۱) ملخص درس مسلم ص ۲۰۴، ج ۱، ونفحات التنقیح ص ۲۱۷، ج ۱

لئے تمام ضروریاتِ دین کو ماننا ضروری ہے اور ضروریاتِ دین سے کیا مراد ہے؟ اس کی تشریح پہلے مسئلے میں گزر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لیں۔

کفر کی قسمیں

یوں تو کفر کی بہت سی قسمیں ہیں لیکن بنیادی طور پر اس کی چار قسمیں ہیں:۔

۱ ... کفرِ انکاری ۲ ... کفرِ جحود۔ ۳ ... کفرِ نفاق۔ اور ۴ ... کفرِ زندقہ

۱ ... کفرِ انکاری: کفر انکاری وہ کفر ہے جس میں دینِ حق کا دل اور زبان دونوں سے انکار کیا جائے جیسے عام کفار و مشرکین کا کفر۔

۲ ... کفرِ جحود: کفر جحود وہ کفر ہے جس میں دل سے تو دین کا اقرار کرے لیکن زبان سے انکار کرے جیسے یہود و نصاریٰ کا کفر اور ابلیس لعین کا کفر۔

۳ ... کفرِ نفاق: کفرِ نفاق وہ کفر ہے جس میں دل سے دینِ اسلام کا انکار کرے لیکن زبان سے مصلحۃً اقرار کرے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے منافقین۔

۴ ... کفرِ زندقہ: کفرِ زندقہ یہ وہ کفر ہے جس میں ظاہراً تمام ضروریاتِ دین کو مانے اور کسی کا انکار نہ کرے لیکن کسی امرِ ضروری کا ایسا مطلب بیان کرے جو صحابہؓ و تابعینؒ ائمہ امت کے اجماع سے ثابت نہ ہو ایسا شخص ملحد اور زندیق کہلاتا ہے: جیسے آغا خانی، بوہری، قادیانی اور پرویزی وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے چاہے انکار کرنے والا کلمہ پڑھتا ہو اور قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہو لیکن امت کی اجماعی تشریحات یا متفقہ مفہومات سے ہٹ کر کوئی اور تشریح کرتا ہو یا کوئی اور مفہوم بیان کرتا ہو تو یہ بھی کافر ہے جیسے قادیانی اور پرویزی وغیرہ۔[1]

پانچواں مسئلہ

تقدیر پر ایمان

تقدیر پر ایمان لانا اسلام کا ایک اہم اور بنیادی عقیدہ ہے جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا اور تقدیر کا مسئلہ نازک بھی ہے چنانچہ اس میں زیادہ غور و خوض کرنے کی ممانعت ہے۔[2] ورنہ اس میں گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔ جیسا کہ متعدد فرقے گمراہ ہوئے اس لئے یہاں ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: درسِ مسلم ص۲۰۷ تا ۲۱۸ ج ۱۔

(۲) جامع الترمذی، ابواب القدر باب ما جاء فی التشدید فی الخوض فی القدر ۔ رقم الحدیث: ۲۰۵۹۔

ضروری تفصیل قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کی جائے گی اور سہولت کے لئے اس کو تین بحثوں میں ذکر کیا جائے گا۔اور آخر میں ان شاء اللّٰہ تعالیٰ اس مسئلہ کا خلاصہ بیان ہوگا۔

پہلی بحث

تقدیر کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

مسئلہ تقدیر میں تین الفاظ استعمال ہوتے ہیں: ا۔قدر ۲۔قضاء ۳۔کسب
پہلے ان تینوں کے لغوی اور شرعی معنیٰ سمجھ لیں تاکہ تقدیر کا مسئلہ سمجھنا آسان ہو جائے۔

(۱) ... قدر

اس کو دال کے سکون کے ساتھ اور فتح کے ساتھ دونوں طرح سے پڑھنا صحیح ہے۔ یہ دونوں بابِ ضرب کے مصدر ہیں۔ دونوں کے لغوی معنیٰ ہیں ''کسی چیز کا اندازہ کرنا اور مقدار مقرر کرنا'' اسی کو تقدیر بھی کہا جاتا ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

''إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ''[۱]

ترجمہ

یعنی ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا ہے۔

اصطلاحِ شرع میں قدر اور تقدیر سے مراد یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ بھی اچھا یا برا ہو رہا ہے چھوٹا ہو یا بڑا، محسوس ہو یا معنوی، ظاہری ہو یا باطنی اور جو جو واقعات اور حادثات ظاہر ہو رہے ہیں اور اب تک عالَم میں جو کچھ ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے یا جو کچھ آئندہ ہوگا وہ سب اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی میں ہے اور اسی کو تقدیر کہتے ہیں۔

(۲) ... قضاء

قضیٰ یقضی قضاءً یہ بھی بابِ ضرب سے ہے اس کے لغوی معنی دو ہیں۔ ایک لغوی معنی ہیں پیدا کرنا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ''[۲]

---

(۱) سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ٤٩

(۲) سورۃ حم سجدہ، آیت نمبر: ۱۲

ترجمہ

یعنی اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا فرمائے۔

اور قضاء کے دوسرے لغوی معنٰی ہیں فیصلہ کرنا جیسے قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوا اِلَّا اِیَّاہُ" (۱)

ترجمہ

یعنی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کرو۔

اور اصطلاحِ شرع میں قضاء سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے علمِ ازلی کے مطابق فیصلہ کرنا اور پیدا کرنا ہے۔

۳ ... کسب

کسب یکسب کسباً یہ بھی بابِ ضرب سے ہے۔اس کے معنٰی ہیں بندہ کا اپنے اختیار سے کسی کام کو کرنا یا نہ کرنا، اردو میں کسب کے معنی ہیں کمانا۔قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" (۲)

ترجمہ

جو کچھ انہوں نے کمایا وہ اُن کا ہے اور جو کچھ تم نے کما وہ تمہارا ہے۔

یعنی اس کو فائدہ بھی اسی کام سے ہوگا جو وہ اپنے ارادہ سے کرے گا اور نقصان بھی اُسی کام سے ہوگا جو وہ اپنے ارادہ سے کرے گا۔

اور کسب کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ ہر انسان کو اپنے اعمال وافعال کے کرنے یا نہ کرنے کا فی الجملہ اختیار ہے جس کو انسان کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے میں آزادانہ طور پر استعمال کرتا ہے اُسی اختیار کا نام کسب ہے جس پر عذاب وثواب مرتب ہوتا ہے یعنی بندہ کو اچھے فعل کے کسب پر ثواب ملتا ہے اور برے فعل کے کسب پر وہ عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ (۳)

ان تینوں معنٰی کو سمجھنے کے لئے اس کی ایک مثال ہے کہ جب کوئی شخص کسی مکان کا نقشہ کاغذ پر بناتا ہے تو پہلے وہ نقشہ اپنے ذہن میں سوچتا ہے پھر اس کے مطابق اس کو کاغذ پر بناتا ہے پھر اس کا

---

(۱) سورۂ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۲۳

(۲) سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۲۸۶

(۳) درس مسلم ص ۳۱۸، ج ۱

شاگرد اس میں رنگ بھرتا ہے تو اس مثال میں مکان کی جو صورت ذہن میں ہے یہ قدر کے مشابہ ہے۔ اس کے بعد کاغذ پر اُس کا نقشہ بنانا یہ قضاء کے مشابہ ہے اور پھر شاگرد کا اس میں رنگ بھرنا کسب کے مشابہ ہے۔

مسئلہ تقدیر میں اس مثال کے منطبق ہونے کی صورت یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کائنات کو بنانے کی ایک صورت تھی مثلاً ایسی زمین ہو، ایسے آسمان ہوں اور ایسے دریا وغیرہ ہوں تو یہ تقدیر اور قدر ہے۔ پھر اُس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ایک خارجی وجود عطاء فرمایا تو یہ قضا ہے۔ پھر اس قضاء و قدر کے مطابق انسان جو کچھ اچھا یا برا عمل اپنے اختیار سے کرتا ہے وہ کسب ہے۔ بہر حال یہ ان الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ ہیں۔ تاہم قضاء اور قدر کبھی کبھی ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ جس میں کچھ حرج نہیں۔

تقدیر پر ایمان لانے کا حکم

تقدیر بالکل برحق ہے۔ اور قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ اور اس پر ایمان لانا فرض ہے، یعنی اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ کائنات میں جو کچھ ازل سے ہوا یا فی الحال ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا وہ اچھا ہو یا برا، چھوٹا ہو یا بڑا، حسی ہو یا معنوی، ظاہر ہو یا باطن ان سب اشیاء اور واقعات کے خالق اللہ تعالیٰ جل شانہ ہیں۔ جو اپنے علم ازلی کے مطابق ہر چیز کو اپنے ارادے اور قدرتِ کاملہ سے وقت مقرر پر مقدار مقرر کے ساتھ پیدا فرماتے ہیں۔ ان کے ارادہ کے بغیر کوئی ذرہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا۔ اور کسی درخت کا کوئی پتہ حرکت نہیں کرسکتا حتی کہ انسان کے تمام اچھے، برے اعمال اور ارادے بلکہ خیالات بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں جگہ جگہ اس کی صراحت ہے چند آیات یہ ہیں:۔

۱ ... "إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ"[۱]

۲ ... قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا[۲]

۳ ... اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ[۳]

---

(۱) سورۃ القمر، آیت نمبر ۴۹

(۲) سورۃ الطلاق، آیت نمبر ۳

(۳) سورۂ زمر، آیت نمبر ۶۲

دوسری بحث

مسئلۂ تقدیر میں اختلاف

تقدیر کے مسئلہ میں اسلامی فرقوں میں بڑا اختلاف ہے چنانچہ اس بارے میں چار مذاہب مشہور ہیں:۔ (۱) جبریہ (۲) قدریہ (۳) معتزلہ (۴) اہلِ سنت والجماعت۔

ان میں سے اہلِ سنت والجماعت کا مذہب برحق اور معتدل ہے۔ کیونکہ وہ قرآن وسنت کے عین مطابق ہے جس کا ذکر آخر میں آرہا ہے باقی مذاہب غلط، باطل اور غیر معتبر ہیں اس لئے کہ وہ ان کی اپنی سوچ اور عقل پر مبنی ہیں ان کے پاس اپنے مذہب کی کوئی بے غبار اور مضبوط دلیلِ نقلی موجود نہیں ہے اب ان مذاہب کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

مذہبِ جبریہ

جبریہ وہ فرقہ ہے جن کو مرجئہ بھی کہا جاتا ہے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اینٹ و پتھر کی طرح مجبورِ محض ہے۔ اس کو کسی قسم کا اختیار نہیں ہے یہ جو کچھ بھی اچھا، برا کرتا ہے وہ سب تقدیر کے تحت غیر اختیاری طور پر کرتا ہے۔ جیسے پردہ خود نہیں ہل سکتا کوئی ہلائے گا تو ہلے گا۔ اور یہ لوگ رعشہ کے مریض کے ہاتھ کی حرکت اور تندرست کاتب کے ہاتھ کی حرکت میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ جو بداہت کے خلاف ہے۔ یہ مذہب بدیہی طور پر باطل اور بالکل غلط ہے شرعاً بھی اور عقلاً بھی اس لئے کہ انسان بہت سے کام اپنے اختیار سے کرتا ہے جس سے بندہ میں اختیار ہونا عقلی طور پر اور بدیہی طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ جس سے انکار کرنا درست نہیں اسی کو کسب کہتے ہیں اسی اختیار کی بناء پر قرآن وسنت میں انسان کو اوامر ونواہی کا مکلف بنایا گیا ہے۔ اور ان کی مخالفت پر عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ اگر انسان اپنے افعال واعمال میں مجبورِ محض ہوتا تو تمام احکامِ شرعیہ کا انسان کو مکلف اور ذمہ دار بنانا لازم آتا جو اس کی قدرت میں بالکل نہیں تو یہ قرآنِ کریم کی آیت ”لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا“[1] کے خلاف ہے۔

مذہب قدریہ

قدریہ کا فرقہ جن کو معتزلہ بھی کہا جاتا ہے یہ بالکل جبریہ کے مقابل ہے یہ کہتے ہیں کہ انسان قادرِ مطلق ہے وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو اُس کے اعمال وافعال میں کوئی

---

(۱) سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۸۶

دخل نہیں، بلکہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے لہٰذا تقدیر کچھ نہیں ہے۔ یہ مذہب بھی بالکل غلط اور باطل ہے، کیونکہ یہ نصوص صحیحہ اور صریحہ کے خلاف ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ"(۱)

اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے:

"قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ" (۲)

اسی طرح ایک جگہ فرمایا ہے:

"إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ"(۳)

اسی طرح ایک جگہ فرمایا:

"وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ" (۴)

ان سب آیات سے معلوم ہوا کہ بندہ قادرِ مطلق نہیں ہے۔ بلکہ قادرِ مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

مذہبِ اہلِ سنت والجماعت

اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ بندہ اچھا یا برا جو بھی عمل کرتا ہے اس کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور بندہ اس کا کاسب ہے جو اپنے اختیار سے کرتا ہے اور عذاب وثواب اسی کسب پر ہوتا ہے چنانچہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ"(۵)

اور "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ"

ان آیات میں کسب کی نسبت انسان کی طرف ہے اور خلق کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے۔ جیسے ان آیات میں ہے:

"إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ" (۶)

---

(۱) سورۃ قمر: ۴۹

(۲) سورۃ الاعراف: ۱۸۸

(۳) سورۃ قصص: ۵۶

(۴) سورۃ حجر: ۲۱

(۵) سورۃ البقرۃ: ۲۸۶

(۶) سورۃ قمر: ۴۹

اور ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (۱)

لہٰذا اہلِ سنت والجماعت کا مذہب معتدل اور قرآن وسنت کے عین موافق ہے۔ (۲)

بہر حال اللہ تعالیٰ نے بندے کو اچھے، برے افعال کرنے کا اختیار دیا ہے لیکن یہ اختیار بالکلیہ نہیں ہے بلکہ من وجہٍ اختیار ہے اور من وجہٍ اختیار نہیں ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ بندہ کو اختیار ہے؟ آپؓ نے فرمایا: ہاں۔ پھر اُس نے پوچھا کتنا اختیار ہے تو آپؓ نے فرمایا تم اپنا ایک پاؤں اٹھاؤ، اُس نے اٹھالیا پھر فرمایا دوسرا بھی اٹھاؤ، اُس نے کہا دوسرا تو نہیں اٹھا سکتا تو حضرت علیؓ نے فرمایا بس بندہ کو اتنا ہی اختیار ہے یعنی نہ بندہ مختیارِ کل ہے، نہ مجبورِ محض ہے، بلکہ اُس کا حال ان کے درمیان درمیان ہے یعنی من وجہٍ اختیار ہے اور من وجہٍ اختیار نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ قدرت کاملہ اور جبر محض کے درمیان درمیان ہے نہ انسان اپنے افعال کا خالق ہے اور نہ قادرِ مطلق ہے بلکہ وہ اپنے افعال میں ایک حد تک مجبور اور ایک حد تک بااختیار ہے اور یہی راہِ اعتدال ہے اور حق ہے۔

جبریہ کی طرف سے ایک سوال

جب ہر بات تقدیر میں لکھی ہوئی ہے اور اللہ کے علم ازلی میں ہے تو پھر بندہ اس کے خلاف نہیں کرسکتا ورنہ علمِ ازلی کا غلط ہونا لازم آئے گا اور اگر اُس کے خلاف نہیں کرسکتا تو بندہ مجبورِ محض ہو گیا کیونکہ وہی ہوگا جو کچھ لکھا ہوا ہے تو عقیدۂ جبریہ ثابت ہو گیا۔

جواب

تقدیر میں یعنی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے مطابق لوحِ محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے وہ بندہ کے اختیار سے لکھا ہوا ہے یعنی بندہ جو کام کرے گا اچھا یا برا، غلط یا صحیح وہ اپنے اختیار سے کریگا مثلاً: اپنے اختیار سے نماز پڑھے گا یا اپنے اختیار سے چوری کرے گا وغیرہ۔ لہٰذا محض تقدیر میں لکھا ہونے کی وجہ سے بندہ اُس کام کے کرنے پر مجبور نہیں ہوتا بلکہ اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اس کو اختیار حاصل رہتا ہے۔ لہٰذا جبریہ کا مذکورہ اعتراض غلط ہے۔

---

(۱) سورة الصافات: ۹۶

(۲) درس مسلم: ص ۲۲۶، ج ۱

تیسری بحث

تقدیر کی قسمیں

تقدیر کی دو قسمیں ہیں:　　۱ ... تقدیر مبرم　　۲ ... تقدیر معلق

تقدیر مبرم کی تعریف

یہ وہ تقدیر ہے جس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ یہ تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے۔ اور علم ازلی میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

تقدیر معلق کی تعریف

یہ وہ تقدیر ہے جس میں بعض امور بعض امور پر معلق ہوتے ہیں مثلاً مصیبت زدہ شخص اگر دعا کرے گا تو مصیبت ٹل جائے گی اور اگر دعا نہیں کرے گا تو مصیبت آجائے گی یا اگر بیمار اپنی بیماری میں علاج کرے گا تو شفاء ہو جائے گی اور اگر علاج نہیں کرے گا تو مر جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر میں تغیر و تبدل ہوتا ہے اس سے مراد تقدیر معلق ہے اور جن نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، اُس سے تقدیرِ مبرم مراد ہے۔ [1]

مسئلہ تقدیر کا آسان خلاصہ

آخر میں تقدیر کے مسئلہ کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے تاکہ اچھی طرح یہ مسئلہ ذہن نشین ہو جائے اور خلاصہ کو یاد رکھنا آسان ہو۔ یاد رکھئے! مسئلہ تقدیر کا خلاصہ تین باتیں ہیں جو یہ ہیں:

۱ ... انسان اپنے افعال و اعمال اور تمام حرکات میں اینٹ اور پتھر کی طرح مکمل طور پر مجبور نہیں ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ انسان اپنے افعال کو انجام دینے کے لئے اپنے اعضاء کو جو حرکت دیتا ہے اُس میں اور جمادات کی حرکت میں کوئی فرق نہ ہو اِسی طرح رعشہ کے مریض کے ہاتھ کی حرکت غیر اختیاری ہے اور تندرست آدمی کے ہاتھ کی حرکت اختیاری ہے۔ ان دونوں حرکتوں میں یہ فرق اتنا واضح اور بے غبار ہے جس کا انکار کرنا ایک بے غبار چیز کا انکار کرنا ہے۔ اور کوئی بھی عقل مند آدمی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان مجبور محض

(۱) درس مسلم ص ۲۳۴، ج ۱

نہیں۔

۲ ... انسان اپنے افعال واعمال کو انجام دینے کے لئے اپنے اعضاء کی حرکات میں قادرِ مطلق نہیں ہے۔ خالق ہونا تو بہت دور کی بات ہے۔ اگر وہ قادرِ مطلق ہوتا تو اپنی کسی خواہش اور ارادہ میں کبھی ناکام نہ ہوتا۔ حالانکہ انسان اپنی بہت سی خواہشات اور ارادوں کو پوری کوشش کے باوجود حاصل کرنے میں ناکام ہوجاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے اعمال وافعال میں مکمل طور پر قادر نہیں ہے۔ اور جب قادر نہیں ہے تو ان کا خالق بھی نہیں ہے۔

جب مذکورہ بالا دونوں باتیں واضح طور پر ثابت ہیں کہ انسان اپنے افعال واعمال میں نہ مکمل طور پر مجبور ہے نہ مکمل طور پر قادر، تو خود بخود نتیجہ نکل آیا کہ انسان اپنے افعال واعمال میں ایک حد تک مجبور ہے اور ایک حد تک بااختیار ہے یعنی انسان کو اپنے افعال واعمال کرنے یا نہ کرنے میں من وجہٍ یعنی کسی نہ کسی درجہ میں اختیار حاصل ہے اور من وجہٍ اختیار حاصل نہیں ہے۔

۳ ... یہ جو معمولی سی قدرت اور اختیار انسان کو اپنے افعال واعمال کے انجام دینے میں حاصل ہے قرآن وسنت کی اصطلاح میں اُس کو کسب کہا جاتا ہے۔ اسی پر انسان کو ثواب یا عذاب ملتا ہے۔ جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی۔ لیکن اس کسب کی حقیقت وماہیت کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے جو قرآن وسنت میں کھول کر نہیں بتایا گیا ہے۔ اور ہم اپنی عقل سے بھی اسے معلوم نہیں کرسکتے اور اس کے معلوم ہونے پر ہمارا نہ کوئی عقیدہ موقوف ہے اور نہ عمل، اور شرعاً بھی ہم اس کے جاننے کے مکلّف نہیں ہیں لہٰذا اس کا معلوم نہ ہونا ہمارے لئے کچھ مضر نہیں۔

جب یہ تینوں باتیں واضح ہوگئیں تو اب سمجھئے! انسان کے تمام افعال واعمال کے قادرِ مطلق اور خالق اللہ تعالیٰ ہیں لیکن ان کا کاسب انسان ہے اور انسان کے تمام افعال واعمال کسب میں داخل ہیں۔ اس لئے اچھے عمل کے کسب پر ثواب ملتا ہے اور برے عمل کے کسب پر وہ مستحق عذاب ہوتا ہے۔ بس یہ مسئلہ تقدیر کا خلاصہ ہے جس کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ فللّٰہ الحمد [1]

❀❀❀

(۱) درسِ مسلم ص ۲۳۴، ج۱

كتاب الايمان

باب معرفة الايمان والاسلام

۹۳ـ قَالَ الْإِمَامُ أَبُو الْحُسَيْنِ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ الْقُشَيْرِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ (الی قوله) حَدَّثَنِي أَبُو خَيْثَمَةَ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: نَا وَكِيعٌ،...(الی قوله)... ح وحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، وَهٰذَا حَدِيثُهُ، قَالَ: نَا أَبِي، قَالَ: نَا كَهْمَسٌ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، قَالَ :كَانَ أَوَّلَ مَنْ قَالَ فِي الْقَدَرِ بِالْبَصْرَةِ مَعْبَدٌ الْجُهَنِيُّ. فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَحُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيُّ حَاجَّيْنِ أَوْ مُعْتَمِرَيْنِ فَقُلْنَا : لَوْ لَقِينَا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلْنَاهُ عَمَّا يَقُولُ هٰؤُلَاءِ فِي الْقَدَرِ فَوُفِّقَ لَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ دَاخِلًا الْمَسْجِدَ. فَاكْتَنَفْتُهُ أَنَا وَصَاحِبِي. أَحَدُنَا عَنْ يَمِينِهِ، وَالْآخَرُ عَنْ شِمَالِهِ. فَظَنَنْتُ أَنَّ صَاحِبِي سَيَكِلُ الْكَلَامَ إِلَيَّ، فَقُلْتُ : أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! إِنَّهُ قَدْ ظَهَرَ قِبَلَنَا نَاسٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، وَيَتَقَفَّرُونَ الْعِلْمَ - وَذَكَرَ مِنْ شَأْنِهِمْ - وَأَنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنْ لَا قَدَرَ، وَأَنَّ الْأَمْرَ أُنُفٌ.

قَالَ : فَإِذَا لَقِيتَ أُولٰئِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنِّي بَرِيءٌ مِنْهُمْ وَأَنَّهُمْ بُرَآءُ مِنِّي، وَالَّذِي يَحْلِفُ بِهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، لَوْ أَنَّ لِأَحَدِهِمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا فَأَنْفَقَهُ مَا قَبِلَ اللّٰهُ مِنْهُ حَتَّى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ.

ثُمَّ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: قَالَ : بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ، إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعَرِ، لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ، حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ،

وَقَالَ :يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ.

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا. قَالَ : صَدَقْتَ. قَالَ : فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ، وَيُصَدِّقُهُ. قَالَ : فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ. قَالَ : أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، قَالَ : صَدَقْتَ.

قَالَ : فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ. قَالَ : أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ.قَالَ : فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ. قَالَ : مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ.قَالَ : فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَتِهَا. قَالَ : أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا، وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ.

قَالَ : ثُمَّ انْطَلَقَ. فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي : يَا عُمَرُ! أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلُ؟ قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ :فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ .(ص:۲۶، سطر ۱ تا ص ۲۷ سطر ۱۰)

تشریح

قوله : "قَالَ أَبُو الْحُسَيْنِ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ الْقُشَيْرِيُّ " (ص:۲۶، سطر ۱)

ہمارے اس نسخہ میں باب کا کوئی عنوان نہیں ہے جبکہ بعض نسخوں میں "باب معرفة الايمان والاسلام" کا عنوان ہے۔البتہ حاشیہ میں کتاب الایمان کا عنوان ہے۔

ان عنوانات کے بارے میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے اپنی یہ کتاب مسلم شریف ابواب کے اعتبار سے مرتب کی ہے جس کو مبوّب کہتے ہیں لیکن اس میں عنوانات امام مسلمؒ نے خود تحریر نہیں کیے تا کہ کتاب موٹی نہ ہو جائے یا اس لئے کہ یہ کتاب خالص حدیث کی کتاب رہے جو صرف احادیث اور اسانید پر مشتمل رہے اپنی طرف سے اس میں کچھ بھی نہ ہو یا کوئی اور مصلحت ہوگی اسی لئے وہ حاشیہ میں ہیں اصل کتاب میں نہیں ہیں اور یہ عنوانات بعد میں کسی نے بڑھائے ہیں جو معیاری اور کتاب کی شان کے لائق نہیں ہیں۔

بہر حال مسلم شریف کی کتابُ الایمان کی پہلی حدیث کی پہلی سند کے شروع میں لفظ "قال" ہے اس کی ضمیر مسلم شریف کے اس موجودہ نسخے کے راوی کی طرف لوٹ رہی ہے اور وہ حضرت امام مسلمؒ کے شاگردِ رشید حضرت امام ابو اسحاق "ابراہیم بن محمد النیشاپوری ہیں انہوں نے مسلم شریف کے اس نسخہ کی حضرت امام مسلمؒ سے روایت کی ہے۔ (۱)

قوله : رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ... (ص:۳۶،سطر۱)

اس سند میں حضرت امام مسلمؒ کے لئے "رضی الله تعالیٰ عنه" کا دعائیہ جملہ استعمال ہوا ہے جو عرف میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ خاص ہے لیکن چونکہ یہ دعائیہ کلمہ ہے، لہٰذا فی نفسہٖ اس کا استعمال صحابی کے علاوہ کے لئے بھی جائز ہے اسی لئے یہاں امام مسلمؒ کے لئے استعمال کیا گیا ہے البتہ عوام کے سامنے صحابی کے علاوہ کے واسطے یہ دعائیہ جملہ استعمال کرنا احتیاط کے خلاف ہے کیونکہ ایسا کرنے سے عوام غیر صحابی کو بھی صحابی سمجھنے لگیں گے۔ (۲)

مسلم شریف اپنی خصوصیات کے اعتبار سے تمام کتبِ حدیث میں ممتاز ہے چنانچہ حسنِ ترتیب اور سیاق کی عمدگی اور سندوں کے الفاظ میں احتیاط اور پڑھنے میں آسانی کے لحاظ سے امام مسلمؒ، امام بخاریؒ پر فوقیت لے گئے ہیں جیسا کہ "مقدمةُ الكتاب" میں تفصیل سے گزر چکا نیز حدیث کی خالص کتاب صحیح مسلم ہے جبکہ صحیح بخاری خالص حدیث کی کتاب نہیں بلکہ "فقہ" کی کتاب بھی ہے، کیونکہ اس کے تراجم اور عنوانات دراصل وہ مسائل ہیں جو امام بخاریؒ نے آیات واحادیث سے مستنبط فرمائے ہیں۔ اس لئے امام بخاریؒ کے بارے میں یہ مقولہ مشہور ہے۔

"فقه البخاري في تراجمه"

یعنی امام بخاری کی فقہ بخاری شریف کے عنوانات میں ہے۔

حضرت امام مسلمؒ نے اس حدیث کی سند کے شروع میں "حدثنی" فرمایا اور آگے تحویل کے بعد "حدثنا" کہا کیونکہ امام مسلم اس کا التزام کرتے ہیں کہ جو حدیث انہوں نے اپنے استاذ سے تنہائی میں سنی وہاں قاعدہ کے مطابق "حدثنی" کہتے ہیں۔ اور اگر حدیث کے سننے میں ان کے ساتھ دوسرے ساتھی بھی شریک ہوں تو "حدثنا" فرماتے ہیں۔ اگرچہ ایک کی جگہ دوسرے لفظ کا استعمال بھی

(۱) درسِ مسلم ج اول ص ۲۴۳۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص ۲۴۴۔

جائز ہے۔

قوله : أَبُو خَيْثَمَةَ...الخ (ص:۲۶،سطر۲)

یہ امام مسلمؒ کے استاذ ہیں ابو خیثمہ ان کی کنیت ہے، زهیر بن حرب ان کا نام ہے امام مسلمؒ نے ان سے ایک ہزار سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں۔ (۱)

قوله : وَكِيعٌ...الخ (ص:۲۶،سطر۲)

یہ حضرت وکیعؒ ابن الجراح امام شافعیؒ کے استاذ ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ نے ان سے اپنے حافظہ کی خرابی کی شکایت کی تھی تو انہوں نے اس خرابی کے دور ہونے کے لئے امام شافعیؒ کو گناہوں سے بچنے کی تلقین فرمائی تھی۔ جس کو امام شافعیؒ نے ان اشعار میں ذکر کیا ہے۔

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِیْ
فَاَوصَانِی اِلٰى تَرکِ المَعَاصِیْ
فَاِنَّ الْعِلمَ نُورٌ مِن اِلٰهِیْ
وَنُورُ اللّٰهِ لَايُعطٰى لِعَاصِیْ

قوله : يعمر...الخ (ص:۲۷،سطر۲)

یہ وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

قوله : "ح"...الخ (ص:۲۷،سطر۱)

اس کو حاءِ تحویل کہتے ہیں اور اسے تین طرح پڑھ سکتے ہیں: ۱ ... الف مقصورہ کے ساتھ۔ ۲ ... الف ممدودہ کے ساتھ۔ ۳ ... اور اس کو پورا لفظ تحویل بھی پڑھ سکتے ہیں۔ (۲)

ان میں سے پہلا طریقہ زیادہ آسان اور مشہور ہے۔

قوله : عبيد الله بن معاذ العنبری ...الخ (ص:۲۷،سطر۱)

اس حدیث کی سند میں امام مسلمؒ کے دو استاذ ہیں ایک ابو خیثمہؒ زهیر بن حرب اور دوسرے عبید الله بن معاذ العنبریؒ۔ امام مسلم کے ان دونوں اساتذہ کے الفاظ اس حدیث کی روایت میں مختلف تھے۔ اس لئے امام مسلم اپنی عادت کے مطابق کہ اس روایت کے الفاظ کس استاذ کی

(۱) تقریب التهذیب ج۱ص۲۶۴۔

(۲) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: مقدمہ ابن الصلاح، النوع الخامس والعشرون ص۹۹،۱۰۰۔

حدیث کے ہیں؟ اس کی تعیین فرمارہے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ یہ حدیث امام مسلمؒ نے عبید اللہ بن معاذ العنبری اور ابو خیثمہ زھیر بن حرب دونوں سے سنی ہے اور معنیٰ بھی دونوں کی روایتوں کے ایک ہیں۔ مگر دونوں کے الفاظ میں کہیں کہیں کچھ فرق ہے۔ لہٰذا یہاں حدیث کو عبید اللہ بن معاذ العنبری کے الفاظ میں نقل کیا جارہا ہے۔ اس لئے امام مسلمؒ نے یہاں وھذا حدیثهٗ کے الفاظ ذکر فرمائے۔ (۱)

قوله : قال حدثنا کھمسٌ...الخ (ص:۲۷،سطر۱)

یہ اس روایت کے مدار الحدیث اور مدار السند ہیں۔

قوله : یحییٰ بن یعمر...الخ (ص:۲۷،سطر۱)

اس کو یعمَر اور یعمُر دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ اور یہ وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ اور یحییٰ بن یعمر ادیب، فقیہ اور نحوی تھے۔ ان کو حجاج بن یوسف نے جلاوطن کردیا تھا تو یہ ترکمانستان جاکر آباد ہوئے اور وہاں قتیبه بن مسلم باھلی نے ان کو خراسان کا قاضی مقرر کردیا تھا۔ (۲)

قوله : کان اول من قال فی القدر بالبصرة معبد الجھنی (ص:۲۷،سطر۱)

قَدَر دال کے سکون اور فتحہ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں جو "تقدیر" کے معنیٰ میں ہے۔ جس کے لغوی معنیٰ ہیں مقدار کا احاطہ کرنا۔ اور اصطلاحِ شریعت میں "قدر" سے مراد اللہ تعالیٰ کا علمِ ازلی ہے۔ جس نے ان تمام امور کو جو ہوچکے ہیں اور ہورہے ہیں اور آئندہ ہونگے سب کا احاطہ کیا ہوا ہے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، حسی ہوں یا معنوی، اچھے ہوں یا برے، اور عام طور پر تقدیر کا لفظ بھی اسی معنیٰ میں بولا جاتا ہے۔

تقدیر اور قدر کے ساتھ ایک لفظ "قضاء" بھی بولا جاتا ہے۔ "قضاء" کے لغوی معنیٰ ہیں پیدا کرنا، فیصلہ کرنا اور اصطلاح میں جب اُسے قدر کے ساتھ استعمال کیا جائے تو اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا پیدا کرنا ہوتا ہے۔

جس طرح قدر اور تقدیر کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے اسی طرح قضاء کا

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۲۳۵۔

(۲) سیر اعلام النبلاء ج۴ص۴۴۱ وتذکرۃ الحفاظ للذھبیؒ ج۱ص۷۵۔

عقیدہ بھی اجماعی ہے۔ یعنی ہر اچھی، بری، چھوٹی بڑی، حسی اور معنوی چیز کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں اور کسی چیز کا وجود اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے بغیر نہیں ہوتا وہی ہر چیز کو اپنے علمِ ازلی کے مطابق وقتِ مقرر پر مقدارِ مقرر میں پیدا فرماتے ہیں۔

فرقۂ قدریہ کس طرح وجود میں آیا؟

معبدُ الجهني اور اس کے پیروکار تقدیر کے منکر تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ بندوں کے اچھے برے افعال کا علم اللہ تعالیٰ کو پہلے سے نہیں ہوتا۔ افعال کے وجود میں آنے کے بعد ہوتا ہے۔ نیز بندوں کے افعال کے خالق بھی اللہ تعالیٰ نہیں ہیں بلکہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔ اس فرقہ کو "قدریہ" کہا جاتا ہے۔

خلافتِ راشدہ کے آخر تک بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور تک بھی اس فرقے کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔ یزید کے دورِ حکومت میں جب حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے اس کی حکومت کو تسلیم نہ کیا اور حجاز میں اپنی سلطنت قائم فرمالی تو اہل شام نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے لشکر روانہ کیا اس لشکر نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا اور منجنیق سے پتھر برسائے۔ اس دوران کچھ پتھر بیت اللہ شریف کو جا لگے جن سے غلافِ کعبہ کا کچھ حصہ جل گیا اور عمارت کو بھی نقصان پہنچا اس المناک واقعہ سے پورے عالمِ اسلام میں سخت اضطراب پیدا ہوا، اسی دوران کسی نے کہا کہ یہ جلنا بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہوا یہ سن کر کسی دوسرے نے کہا کہ یہ بہت برا ہوا لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے نہیں ہوسکتا۔ اس سے معاملہ بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ قدریہ کا مستقل فرقہ وجود میں آ گیا۔ (۱)

مسئلۂ تقدیر

اس مسئلہ کا خلاصہ تین باتیں ہیں اگر ان کو ذہن نشین کرلیا جائے تو یہ مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

۱ ... ایک یہ کہ انسان مجبورِ محض نہیں، کیونکہ یہ واضح طور پر غلط ہے، معمولی آدمی بھی بخوبی جانتا ہے کہ جس شخص کے ہاتھ میں رعشہ ہو اس کے رعشہ کی حرکت اور تندرست کاتب کے ہاتھ کی

---

(۱) درس مسلم ج۱، ص۲٤٦، ۲٤٧ واعتقاد اهل السنة: ج٤ ص٤٧٤۔

حرکت میں فرق ہے۔ کیونکہ اول غیر اختیاری ہے اور دوسری اختیاری۔ معلوم ہوا انسان تمام افعال غیر اختیاری نہیں اور وہ اپنی تمام حرکات اور افعال میں مجبورِ محض نہیں بلکہ کسی نہ کسی درجہ میں وہ قادر اور خود مختار ہے اور اسی قدرت اور اختیار کی بنیاد پر وہ اپنے اچھے افعال پر ثواب کا اور برے اعمال پر عذاب کا مستحق ہوتا ہے، حاصل یہ کہ انسان مجبورِ محض نہیں۔

۲ ... انسان قادرِ مطلق بھی نہیں یعنی وہ اپنے افعال کا خالق بھی نہیں وجہ یہ ہے کہ انسان جو بھی کام یا حرکت کرتا ہے اس میں اس کے جسم کے بہت سے اجزاء اور اس کی کتنی ہی قوتیں حصہ لیتی ہیں وہ کون سی قوتیں ہیں اور کون کون سے اجزاء ہیں؟ ہمیں اب تک ان کا پورا پورا علم نہیں اور ان پر ہمارا مکمل کنٹرول بھی نہیں لہٰذا انسان کو قادر مطلق اور اپنے افعال کا خالق کیسے کہا جاسکتا؟ حاصل یہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں قادرِ مطلق بھی نہیں۔

۳ ... جب انسان مجبورِ محض بھی نہیں اور قادرِ مطلق بھی نہیں تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ انسان نہ مجبورِ محض ہے اور نہ قادرِ مطلق بلکہ ایک حد تک مجبور ہے اور ایک حد تک قادر ہے اور جس درجے کی اُسے قدرت حاصل ہے اُسی قدرت کی بنا پر وہ اپنے اچھے افعال پر ثواب کا اور برے اعمال پر عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔

جبکہ فرقۂ جبریہ کے نزدیک انسان اپنے افعال میں مجبورِ محض ہے اور فرقۂ قدریہ کے نزدیک انسان قادرِ مطلق ہے جبکہ مجبورِ محض نہ ہونا بالکل بدیہی ہے اور قادرِ مطلق نہ ہونا بھی ایک کھلی حقیقت ہے لہٰذا یہ بھی تقریباً بدیہی ہے کہ انسان اپنے افعال میں ایک درجہ میں قادر اور ایک درجہ میں مجبور ہے یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ جو معتدل اور برحق ہے۔

اب یہ بات رہ گئی کہ انسان کو جو معمولی سا اختیار اور قدرت حاصل ہے اس کی حقیقت اور نام کیا ہے۔ تو قرآنِ کریم نے اس کا نام ''کسب'' بتایا ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ کی آخری آیت میں ارشاد ہے۔

''لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت''

اور ''کسب'' کی حقیقت کیا ہے ہمیں اس کا علم نہیں اور ہمیں اس کی حقیقت معلوم نہیں۔ اور اس کی حقیقت معلوم ہونا ضروری بھی نہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی بات کی رو سے کہ انسان اپنے افعال میں مجبورِ محض نہیں اس سے جبریہ کی تردید ہوگئی اور دوسری بات سے کہ انسان اپنے افعال میں قادرِ مطلق نہیں اور اپنے افعال کا خالق نہیں اس سے قدریہ کی تردید ہوگئی۔ اور تیسری بات سے کہ انسان اپنے افعال میں من وجہ مختار اور من وجہ مجبور ہے اہل سنت والجماعت کا مذہب ثابت ہوگیا۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ انسان کو اپنے اچھے، برے افعال پر جزاء وسزا ''کسب'' کی بناء پر ہوتی ہے ''خلق'' کی بناء پر نہیں۔ بس یہ تین باتیں جو شخص سمجھ لے اس نے ان شاء اللہ تعالیٰ تقدیر کا مسئلہ سمجھ لیا۔ **والحمد للہ علی ذلک**

واقعی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب المہاجر المکیؒ نے بالکل صحیح فرمایا تھا کہ میرے سلسلے میں جو شخص داخل ہوتا ہے اس کو تین مسائل میں اشکال نہیں رہتا۔

۱ ... مسئلہ تقلیدِ شخصی یعنی ایک امام کی پیروی کرنا۔

۲ ... مشاجراتِ صحابہ یعنی صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات اور جنگوں کا مسئلہ۔

۳ ... تقدیر کا مسئلہ۔

عام طور پر مسئلہ تقدیر میں اشکالات انسان کو مجبورِ محض ماننے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ یعنی عموماً لوگوں کو تقدیر کی وجہ سے انسان کے مجبورِ محض ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ شبہ رعشہ والے ہاتھ کی حرکت اور تندرست آدمی کے ہاتھ کی حرکت کے فرق کو سمجھنے سے ختم ہوجاتا ہے۔ (۱) **فللہ الحمد**

قولہ : بالبصرۃ...الخ (ص:۲۷، سطر۱)

لفظ بصرۃ باء کے زبر، زیر اور پیش تینوں طرح پڑھ سکتے ہیں، اور بُصَیرۃ تصغیر بھی پڑھ سکتے ہیں چاروں طرح پڑھنا درست ہے اس شہر کو **قبۃ الاسلام** اور **خزانۃ العرب** کہا جاتا ہے کیونکہ اسے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں **عتبہ بن غزوان** نے تعمیر کیا تھا اس شہر میں کبھی بتوں کی عبادت نہیں ہوئی۔ (۲)

قولہ : معبد الجھنی... (ص:۲۷، سطر۱)

معبد نام ہے جو قبیلہ جھینہ کی طرف منسوب ہے اس قبیلہ کے لوگ بصرہ اور کوفہ میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ یہ **معبد الجھنی** بھی ان کے ساتھ بصرہ میں رہنے لگا تھا اور حضرت حسن بصریؒ کے

---

(۱) درس مسلم ج۱ ص۲۴۸ تا ۲۵۰۔

(۲) تھذیب الأسماء للنووی ج۳ ص۳۵۔

پاس بھی آکر بیٹھ جایا کرتا تھا سب سے پہلے تقدیر کا انکار اسی نے کیا اور ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو ''قدریہ'' کہا جاتا ہے۔ان کا خیال تھا کہ اگر تقدیر کا عقیدہ مان لیا جائے تو اس سے انسان کا مجبورِ محض ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ عقیدۂ تقدیر کا حاصل یہی ہے کہ انسان کے تمام اچھے برے افعال تقدیر کے مطابق ہوتے ہیں اس کے خلاف نہیں ہوسکتے نیز قدریہ کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان افعال کا خالق نہیں۔اس طرح انہوں نے تقدیر کی نفی کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف العیاذ باللہ جہالت کی نسبت کردی اور بندوں کے افعال کے پیدا کرنے کی اللہ تعالیٰ کے بجائے بندوں کی طرف نسبت کر کے اللہ تعالیٰ سے ان افعال کے پیدا کرنے کی نفی بھی کردی اور انسانوں کو افعال کا خالق ٹھہرادیا۔اس طرح یہ قضاء وقدر دونوں کے منکر ہوگئے اس طرح صریح اور قطعی آیات کی نفی کرنے کی وجہ سے یہ فرقہ کافر قرار دیا گیا۔ چنانچہ معبد جهنی کو حجاج بن یوسف نے زَندَقَہ کی وجہ سے قتل کرادیا تھا۔[1]

قدریہ کی دو قسمیں

یاد رکھئے! قدریہ کی دو قسمیں ہیں ایک متقدمین اور دوسرے متاخرین۔ معبد جهنی متقدمین کا سربراہ تھا۔ اور اب تک قدریہ کا جو مذہب ہم نے بیان کیا ہے وہ متقدمین کا مذہب ہے اور اصل قدریہ درحقیقت یہی ہیں۔ کیونکہ یہ قضاءُ وقدر دونوں کے منکر ہیں برخلاف متاخرین کے کہ وہ قدر کے منکر نہیں قضاء کے منکر ہیں۔اس لئے حدیثِ مرفوع ''القدرية مجوسُ هذه الأمة''[2] پوری طرح انہی پر صادق آتی ہے کیونکہ یہ قضاء وقدر دونوں کے منکر ہیں۔قدر کے انکار کی وجہ سے قدریہ ہیں اور قضاء کے انکار یعنی اللہ تعالیٰ کو خالقِ خیر اور بندوں کو خالقِ شر کہنے کی وجہ سے مجوسیوں کے مشابہ ہیں اس لئے کہ مجوسیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ خالق دو ہیں:۔

۱ ... خالقِ خیر جسے یزدان کہتے ہیں۔ ۲ ... خالقِ شر جسے اَھْرَمَن کہتے ہیں۔

بہرحال اللہ کی طرف شر کی نسبت کرنے سے بچنے کا جو طریقہ انہوں نے اپنایا وہ باطل ہے اس کا صحیح طریقہ وہ ہے جو اہل سنت والجماعت نے اختیار کیا ہے کہ خلق الشر تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ جو شر نہیں بلکہ وہ حکمتوں پر مبنی ہونے کی وجہ سے خیر ہے البتہ کسب الشر شر ہے جو بندے شرعاً ممنوع

(۱) کتاب الأنساب للسمعانی ج ۳ ص ۴۴۱۔

(۲) سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۷۔

ہونے کے باوجود کرتے ہیں۔

قولہ : فقلنا لو لقینا احداً من اصحاب رسول اللہ ﷺ ... (ص:۲۷،سطر۳)

یہ وہ زمانہ تھا جب بہت کم صحابۂ کرامؓ باقی رہ گئے تھے۔ اکثر اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ اس لئے اس انداز میں جملہ ارشاد فرمایا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر مذکورہ اشکال کا جواب کسی صحابی سے مل جائے تو زیادہ تسلی بخش ہوگا۔ [۱]

قولہ : فاکتنفتہٗ انا و صاحبی... (ص:۲۷،سطر۳)

چنانچہ میں ان کے پہلو میں ہو گیا اور میرا ساتھی بھی۔

قولہ : احدنا عن یمینہ ...الخ (ص:۲۷،سطر۳)

حدیث شریف کے ان الفاظ سے کسی کے ساتھ اور خاص طور سے کسی بڑے کے ساتھ چلنے کا ادب معلوم ہوا کہ جب اس سے چلتے ہوئے بات بھی کرنی ہو اور بات کرنے والے دو ہوں تو ایک کو ان کے دائیں طرف اور دوسرے کو بائیں طرف ہو جانا چاہئے۔ تاکہ اُسے کسی سے بات کرنے میں دشواری نہ ہو معلوم ہوا کہ عام طور سے جو مشہور ہے کہ بڑے کے پیچھے چلنا چاہئے یہ عام قاعدہ نہیں، بلکہ اس قید کے ساتھ ہے کہ جب پیچھے چلنے سے ان کو تکلیف نہ ہو۔

اور ادب کی حقیقت بھی یہی ہے کہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک رکھو کہ انہیں ادنیٰ تکلیف یا ناگواری ناحق پیش نہ آئے، اس پر عمل کرنے والا باادب ہے ورنہ بے ادب۔ چنانچہ بعض اوقات بڑوں سے آگے چلنا ہی ادب ہوتا ہے۔ مثلاً جب تاریکی ہو یا راستہ پر خطر ہو یا راستہ معلوم نہ ہو تو ایسے میں بڑوں سے آگے چلنا چاہئے تاکہ ان کو راحت ہو۔ [۲]

قولہ : فظننت ان صاحبی سیکل الکلامَ ... (ص:۲۷،سطر۳)

یہ ایک پوشیدہ سوال کا جواب ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب دو مساوی درجہ کے آدمی کسی بڑے سے بات چیت کرنے کے لئے جائیں تو بات کرنے کا حق دونوں کو برابر ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر کلام شروع کرے گا تو دوسرے ساتھی کی دل شکنی کا باعث ہوگا اس لئے ساتھی کی اجازت لے کر کلام کرنا ادب کا تقاضا ہے جب قاعدہ یہ ہے تو جو سوال یہاں پوشیدہ ہے وہ یہ

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۲۵۲۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۲۵۲۔

ہے کہ یحیٰ بن یعمر نے اپنے ساتھی حمید بن عبد الرحمٰن کی اجازت کے بغیر خود ہی کیوں گفتگو شروع کردی تو اس کا جواب یحییٰ بن یعمر نے یہاں یہ دیا ہے کہ میرا گمان تھا کہ اگر میں ان سے بات کرنے کو کہوں گا تب بھی وہ مجھے ہی گفتگو کرنے کا کہیں گے اس لئے گفتگو میں نے شروع کردی۔ (۱)

یہاں یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ جہاں اجازت کی ضرورت ہو وہاں صریح اجازت ضروری نہیں بلکہ دلالۃً اجازت بھی کافی ہے۔

قولہ : فقلت یا ابا عبد الرحمن... (ص:۲۷،سطر۳)

یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی کنیت ہے۔اس عبارت سے معاشرت کا ایک اور ادب معلوم ہوا کہ کسی بڑے آدمی کو خطاب کرنا ہو تو نام کے بجائے کنیت یا تعظیم کا صیغہ استعمال کرنا چاہئے اور تعظیم کا صیغہ کونسا ہے؟ اس کا مدار عرف پر ہے عرب میں چونکہ کنیت سے پکارنا عرفاً تعظیم سمجھا جاتا تھا اس لئے انہوں نے یا ابا عبد الرحمٰن کہہ کر خطاب کیا اور ہمارے عرف میں بڑے عالم اور بزرگ کو حضرت یا مولانا یا علامہ وغیرہ جیسے الفاظ سے پکارا جاتا ہے تو یہاں یہی ادب ہوگا۔ (۲)

قولہ : قِبَلَنَا... (ص:۲۷،سطر۳)

اس کے معنٰی ہیں ہماری طرف یعنی بصرہ میں۔

قولہ : يَتَقَفَّرُوْنَ الْعِلْمَ ... (ص:۲۷،سطر۴)

یہ دو طرح سے ہے ایک یہ کہ قاف پہلے ہے اور فا مشدّد بعد میں ہے۔جیسا کہ کتاب میں ہے۔اس کے معنٰی یہ ہیں کہ وہ علم کی جستجو کرتے ہیں۔اور یہ خصلت ان میں خاص طور پر پائی جاتی تھی۔ اسی لئے اس کو ذکر کیا، اور دوسرے یہ کہ فا کو پہلے اور قاف مشدّد کو بعد میں پڑھیں اور۔ یَتَفَقَّرُوْنَ، پڑھیں تو معنٰی یہ ہونگے کہ یہ علم کی باریکیاں تلاش کرتے ہیں۔ (۳) چنانچہ قدریہ فلسفہ سے متاثر تھے۔اور ان کو عقلی گھوڑے دوڑانے کا شوق تھا۔اس لئے وہ اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے۔کہ تقدیر کو ماننے سے انسان کو اپنے افعال میں مجبورِ محض ماننا پڑے گا۔اور جب وہ مجبورِ محض ہوا تو اس کے اچھے، برے افعال پر جزاء وسزا کیسی؟ ان کی اس غلط فہمی کا جواب ابھی ذرا پہلے تقدیر کے مسئلہ کے خلاصہ میں گزرا کہ سزا اور جزا

(۱) المفہم: ج۱ص۱۳۳۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۲۵۳۔

(۳) اکمال المعلم ج۱ص۱۹۷۔

کسبِ افعال پر ملتی ہے۔ جو انسان کے اختیار میں ہے، خلقِ افعال پر نہیں ملتی جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔[1] اور پوری تفصیل اس مسئلہ کی کتابُ الایمان کے پانچویں مسئلہ میں گزر چکی ہے۔

قوله : وَذَكَرَ مِنْ شَأْنِهِمْ ... (ص:۲۷، سطر۴)

یہ جملہ بظاہر یحییٰ بن یعمر کے شاگرد ابن بریدہ کا ہے کہ یحییٰ بن یعمر نے ان لوگوں کے یعنی قدریہ کے کچھ حالات ذکر کئے کہ وہ علم سے بڑی دلچسپی رکھتے اور اس کے لئے بہت محنت اور جستجو کرتے ہیں وغیرہ۔[2]

قوله : أَنْ لَا قَدَرَ ... (ص:۲۷، سطر۴)

یعنی اللہ تعالیٰ کو واقعات کا علم پہلے سے نہیں ہوتا بلکہ جب کوئی واقعہ پیش آجاتا ہے۔ تو اس وقت علم ہوتا ہے۔ گویا کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے پیشگی علم اور ارادۂ الٰہی کے بغیر ہو رہا ہے۔ اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی کی نفی کردی۔

قوله : وَأَنَّ الْأَمْرَ أُنُفٌ ... (ص:۲۷، سطر۴)

یہ لفظ اُنُفٌ ھمزہ اور نون دونوں کے ضمہ کے ساتھ ہے اور اُنُفٌ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو سب سے پہلے ہو اس سے پہلے کوئی دوسری چیز نہ ہو۔ اور یہاں قدریہ کے اس قول أَنَّ الْأَمْرَ أُنُفٌ کا مطلب یہ ہے کہ پیش آنے والے واقعات میں اللہ تعالیٰ کا علم ان واقعات سے پہلے نہیں ہوتا بعد میں ہوتا ہے۔ لہٰذا قدر کا کوئی وجود نہیں اس جملہ میں قدریہ نے تقدیر کا انکار کیا ہے۔

قوله : إِذَا لَقِيتَ أُولَئِكَ ... الخ (ص:۲۷، سطر۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہاں قدریہ کے بارے میں دو باتیں ارشاد فرمائیں۔ ایک یہ کہ أَنِّي بَرِيءٌ مِنْهُمْ وَأَنَّهُمْ بُرَآءُ مِنِّي۔ اور دوسری یہ کہ لَوْ أَنَّ لِأَحَدِهِمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا فَأَنْفَقَهُ مَا قَبِلَ اللّٰهُ مِنْهُ۔ .الخ ان جملوں کے ظاہر سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ انہیں کافر قرار دے رہے ہیں۔ لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ انہیں کافر نہیں فرما رہے کیونکہ وہ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ ان کا صدقہ قبول نہیں ہوگا۔ لَوْ أَنَّ لِأَحَدِهِمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا فَأَنْفَقَهُ مَا قَبِلَ اللّٰهُ مِنْهُ. جو مسلمان کے عمل پر بھی ہوسکتا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ان کے صدقات ادا نہیں ہونگے۔

---

(۱) فتح الملہم ج۱ص۳۳۵۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۲۵۴۔

لیکن اس فرقہ متقدمین قدریہ کے کفر کی صراحت دوسرے علماء کرام کے کلام میں موجود ہے اوران کو متفقہ طور پر کافر قرار دیا گیا ہے۔[1]

حدیثِ جبرئیل کی اہمیت

اس کے بعد امام مسلمؒ نے حدیثِ جبرئیل ذکر فرمائی ہے اور حدیثِ جبرئیل کے بارے میں علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ پورے دین کا خلاصہ ہے چنانچہ اس حدیث کو امّ السُّنہ، اور امُّ الاحادیث بھی کہا جاتا ہے اور جیسے سورۃُ الفاتحہ تمام سورتوں میں امُّ الکتاب کہلاتی ہے اور سورۂ فاتحہ تمام قرآنِ کریم کا خلاصہ ہے اسی طرح تمام احادیث کا خلاصہ حدیثِ جبرائیل ہے اور وہ تین چیزیں ہیں:

۱ ... عقائد، ۲ ... اعمالِ ظاہرہ، نماز، روزہ وغیرہ، اور ۳ ... اعمالِ باطنہ، یعنی احسان۔ اور یہ تینوں اس میں مذکور ہیں۔ اسی لئے امام بغویؒ نے اپنی کتاب مصابیح کا آغاز بھی اسی حدیث سے کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یحییٰ ابن یعمر کے جواب میں یہ حدیث اس لئے سنائی کہ اس میں تقدیر پر ایمان لانے کا ذکر ہے۔ جیسا کہ آگے متنِ حدیث میں آرہا ہے۔[2]

قوله : ذَاتَ يَوْمٍ ... (ص:۲۷، سطر۵)

یہاں پر یوم کے بجائے ذَاتَ يَوْمٍ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ یوم کے اصل معنٰی دن کے ہیں لیکن یہ بکثرت مطلق زمانے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، لہٰذا جب مقصود یہ ظاہر کرنا ہو کہ یوم سے مراد دن ہے تو لفظ ذات کا اضافہ کرتے ہیں اور ذاتَ یوم کہتے ہیں۔ یہی وجہ ذاتَ اللیل میں بھی ہوتی ہے۔ بہرحال بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ واقعہ دن کا ہے۔[3]

قوله : رَجُلٌ ... (ص:۲۷، سطر۵)

یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جو انسانی شکل میں آئے تھے۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

قوله : شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ ... (ص:۲۷، سطر۵)

لفظ شدید مضاف ہے اور بیاض مضاف الیہ ہے۔ یعنی شدید کے لئے مضاف الیہ ہے۔

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۲۵۰۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۲۵۵۔

(۳) فتح الملہم ج۱ص۳۲۳۔

اور الشیاب کے لئے مضاف، اور الشیاب اس کے لئے مضاف الیہ ہے پھر یہ پوری عبارت مل کر رجل کی صفت ہے اور بعینہٖ یہی ترکیب شدید سواد الشعر کی ہے یہ بھی رجل کی صفت ہے۔ (۱)

قوله : شَدِیدُ سَوَادِ الشَّعَرِ ... (ص:۲۷،سطر۵)

اور ایک روایت میں شدید سواد اللحیة کے الفاظ آئے ہیں یعنی ان کی ڈاڑھی بھی کالی تھی بہرحال کپڑوں کا بالکل سفید اور بالوں کا بالکل سیاہ ہونا اور غبار آلود نہ ہونا علامت اس بات کی تھی کہ آنے والا سفر کر کے نہیں آیا، بلکہ مدینہ منورہ ہی میں رہتا ہے۔

قوله : وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ ... (ص:۲۷،سطر۶)

یہ علامت تھی اس بات کی کہ یہ شخص مدینہ منورہ کا رہنے والا نہیں اگر یہاں کا رہنے والا ہوتا تو حاضرین اس کو ضرور پہچانتے کیونکہ مدینہ منورہ کی آبادی اس زمانے میں زیادہ نہ تھی۔ خلاصہ یہ کہ اس شخص میں دو متضاد علامتیں تھیں۔ مسافر ہونے کی بھی اور مسافر نہ ہونے کی بھی۔ (۲)

قوله : حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ... (ص:۲۷،سطر۶)

سلیمان التیمی کی روایت میں ہے **فتخطی حتی برک بین یدی النبی ﷺ کما یجلس احدنا فی الصلاۃ**، یعنی وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا اور آپ ﷺ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا گردنیں پھلانگ کر آنا اسلامی آداب سے ناواقفیت کی علامت تھی اور دو زانو ہو کر بیٹھنا اس بات کی علامت تھی کہ یہ شخص اسلامی آداب مجلس سے واقف ہے دیہاتی اور بدو نہیں ہے یہ دونوں علامتیں بھی متضاد تھیں۔

قوله : فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ ... (ص:۲۷،سطر۶)

یہ عمل بھی تعظیم کے خلاف اور اس بات کی علامت تھا کہ یہ شخص اسلامی آداب سے ناواقف کوئی بدّو اور دیہاتی ہے۔ (۳)

قوله : وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ ... (ص:۲۷،سطر۶)

اس میں فخذیه کی ضمیر کہاں لوٹ رہی ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں۔

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۲۵۶۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۲۵۶۔

(۳) درسِ مسلم ج۱ص۲۵۷۔

۱ ... "فَخِذَيْهِ" کی ضمیر الرجل یعنی حضرت جبرئیلؑ کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانو پر رکھے جیسے باادب شاگرد استاذ کے سامنے بیٹھتا ہے جو نہایت باادب ہونے کی علامت ہے امام نوویؒ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ (۱)

۲ ... "فَخِذَيْهِ" کی ضمیر حضور ﷺ کی طرف راجع ہو یعنی انہوں نے حضور کی رانوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھدیئے جو بے ادب اور دیہاتی ہونے کی علامت ہے۔ اس کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور نسائی شریف (۲) کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں اس کی صراحت ہے کہ حَتّٰی وَضَعَ يَدَهُ عَلٰى رُكْبَتَي رسول الله ﷺ. (۳)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غالبًا انہوں نے دونوں کام کئے تھے، بہر حال ان دونوں اعمال سے بھی متعارض علامتوں کا اظہار ہوا۔

ان متعارض علامات اور کیفیات کے اظہار سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا مقصود یہ تھا کہ حاضرین ان کے بارے میں حیران ہوکر ان کی طرف پوری طرح متوجہ رہیں کیونکہ آگے ان کا حضور ﷺ سے جو مکالمہ ہونے والا تھا جس میں پورے دین کا خلاصہ بیان ہونے والا تھا اُسے غور سے سنیں۔ (۴)

قوله : وَقَالَ : يَا مُحَمَّدُ ... (ص:۲۷، سطر ۶)

اَبُو فَرْوَةَؒ کی روایت میں ہے کہ اس نے سلام کرنے کے بعد یا محمد کہا تھا اس میں بھی دو متعارض علامتوں کا مظاہرہ ہوا کہ سلام کرنا اسلامی آداب سے واقفیت کی علامت ہے اور یا محمد کہنا احکام سے ناواقفیت کی علامت تھی کیونکہ قرآنِ کریم میں مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کا نام لے کر پکارنے سے منع کیا گیا ہے چنانچہ سورۃ النور میں ارشاد ہے:

"لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا" (۵)

چنانچہ صحابۂ کرامؓ آپ کو یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ اور مَطَرُ الوَرَّاق کی

(۱) شرح نووی ج۱ ص۲۸۔
(۲) السنن الکبری للنسائیؒ رقم الحدیث: ۱۱۷۲۲۔
(۳) مرقاۃ ص۱۱۱، ج ۱
(۴) درسِ مسلم ج۱ ص۲۵۷۔
(۵) سورۃ النور: آیت نمبر ۶۳۔

روایت میں ہے کہ اُس نے یا رسول اللّٰہ کہا تھا۔[1] فتح الباری میں ان دونوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ اس نے پہلے نام لے کر پکارا ہوگا بعد میں یارسول اللہ کہا ہوگا۔[2] ان دونوں الفاظ میں بھی متعارض علامتیں پائی گئیں یہاں تک اس حدیث میں جبرئیلِ امین کی علامات اور کیفیات کا ذکر ہے۔ جس کا مقصد وہ ہے جو ابھی اوپر گزرا۔

قوله : أَخْبِرْنِی عَنِ الْإِسْلَامِ ... (ص:۲۷، سطر۶)

اس حدیث میں جبرئیل امینؑ نے تین سوال کئے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کے جواب ارشاد فرمائے جو پورے دین کا خلاصہ ہیں۔ اور یہ واقعہ حجۃ الوداع کے بعد آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام کا ہے۔[3] اور اس حدیث کے ذریعے حضور ﷺ نے پورے دین کا خلاصہ ارشاد فرمایا ہے۔

قوله : الاسلام ان تشهد ان لا اله الا اللّٰه... (ص:۲۷، سطر۷)

اس میں آنحضرت ﷺ نے اسلام کی اہم اہم عبادات کو بیان فرمایا ہے ورنہ عبادات اس کے علاوہ اور بھی ہیں۔ بہر حال نمونہ کے طور پر آپ نے چند عبادات ذکر فرمائیں اور آپ کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ اسلام مجموعہ ہے اعمالِ ظاہرہ کا، یعنی زبان اور اعضاء وجوارح کے اعمال کا۔ لیکن اسلام کی یہ تعریف ایک اصطلاح کے مطابق ہے اور دوسری اصطلاح میں اسلام پورے دین کا نام ہے لقوله تعالیٰ : إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ۔[4] اور یہاں حضور ﷺ نے اسلام کی تعریف پہلی اصطلاح کے مطابق بتائی ہے۔

قوله : إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ... (ص:۲۷، سطر۷)

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس میں استطاعت سے استطاعتِ مالیہ مراد ہے۔ چنانچہ مالدار، اپاہج پر حجِ بدل کرانا فرض ہے۔ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک استطاعتِ بدنیہ مراد ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک ایسے تندرست غیر مالدار پر حج فرض ہے جو مکہ مکرمہ پیدل جانے پر قادر ہو۔ اور راستے میں کمانے پر بھی۔ اور حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک استطاعتِ مالیہ اور بدنیہ دونوں کا ہونا حج

(۱) مسند ابی داؤد الطیالسیؒ ج۱ص۵۔

(۲) فتح الباری ج۱ص۱۱۷۔

(۳) فتح الباری کتاب الایمان باب سوال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ ج۱ص۸۰۔

(۴) سورۃ آل عمران:۱۹۔

فرض ہونے کی شرط ہے لہٰذا جس کو سفر کا توشہ اور سواری پر سفر کی قدرت حاصل ہو۔ اس پر حج فرض ہے۔(فتح الملہم بزیادۃ ایضاح)[1]

قولہ : فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ ... (ص:۲۷، سطر۷،۸)

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا یہ سوال ایمان کی حقیقت دریافت کرنے کے لئے تھا اور ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ جو باتیں آنحضرت ﷺ سے قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہیں ان کو دل سے سچا ماننا یعنی تمام ضروریاتِ دین کو ماننا ایمان کہلاتا ہے۔ اور ضروریات دین بہت سی ہیں۔ حضور ﷺ نے ان میں سے چند اہم ضروریات کو ذکر فرمایا۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ پر یقین کرنا، ملائکہ، آسمانی کتابوں اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کا یقین کرنا، قیامت کا یقین کرنا اور تقدیر کا یقین کرنا وغیرہ۔

ایک سوال اور جواب

سوال: یہاں سوال تو ایمان کی حقیقت کے بارے میں ہے جبکہ جواب میں ایمان کے متعلقات کو ذکر کیا گیا ہے۔ حقیقت ایمان کی تعریف نہیں بیان فرمائی گئی اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے علم میں یہ بات تھی کہ سائل کو ایمان کی حقیقت معلوم ہے کیونکہ وہ عربی زبان مادری زبان کی طرح بول رہا تھا اور وہ صرف ایمان کے متعلقات دریافت کرنا چاہتا ہے لہٰذا جواب میں متعلقاتِ ایمان کو ذکر فرمایا۔[2]

قولہ : قَالَ : أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ... (ص:۲۷، سطر۸)

ایمان کے معنٰی ہیں دل سے تصدیق کرنا معلوم ہوا کہ ایمان کا محل قلب ہے جبکہ اسلام کا محل زبان اور اعضاء و جوارح ہیں اور ان دونوں کی حقیقتیں بھی جدا جدا ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

قولہ : فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ... (ص:۲۷، سطر۸)

یہ احسان باب افعال کا مصدر ہے احسن یحسن احساناً۔ اس کے دو معنٰی آتے ہیں۔ ایک کسی کام کو اچھی طرح انجام دینا جیسے کہا جاتا ہے "احسنت الخطبة" تو نے خطبہ اچھا دیا۔ اس معنٰی میں جب آتا ہے تو بغیر واسطۂ حرفِ جر کے متعدی ہوتا ہے اور دوسرے معنٰی ہیں کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا جب اس معنٰی میں استعمال ہو تو اس کے صلہ میں اِلٰی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے أَحسنَ

(۱) فتح الملہم ج۱ص۳۲۵ احناف کے مذہب کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: غنیۃ الناسک ص۲۳۔

(۲) فتح الملہم ج۱ص۳۲۵۔

اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَیکَ یعنی جو تیرے ساتھ برا سلوک کرے تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کر۔ یہاں حدیثِ جبریل میں لفظ احسان پہلے معنٰی میں استعمال ہوا ہے جس کا حاصل ہے اعمال کو اچھی طرح انجام دینا۔ اور اچھا سلوک کرنا۔ (۱)

قولہ : أَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ ... الخ (ص:۲۷، سطر۸)

اس کے دو مطلب ہیں:

۱ ... حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ ان الفاظ میں احسان کے دو درجہ بیان کئے گئے ہیں أَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ یہ پہلا درجہ ہے اس کا نام مشاہدہ ہے اور فَإِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَإِنَّہٗ یَرَاکَ یہ دوسرا درجہ ہے یعنی اگر پہلے درجہ کی عبادت نہ کر سکے تو دوسرے درجہ کی عبادت کرے یعنی عبادت اس دھیان اور توجہ کے ساتھ کر کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو دیکھ رہے ہیں اس کا نام مقام مراقبہ ہے۔ (۲)

لیکن اس تفسیر کو عام طور پر ہمارے بزرگوں نے اختیار نہیں کیا کیونکہ اس روایت کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے اور اس حدیث کی دوسری روایات کے الفاظ پر بھی یہ تشریح منطبق نہیں ہوتی چنانچہ امام نوویؒ، علامہ سندھیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ اور حضرت گنگوہیؒ نے یہ تفسیر اختیار نہیں کی۔

ان حضرات نے یہ تفسیر کی ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر گویا اس کو دیکھ رہا ہے کیونکہ تو اگر چہ اس کو نہیں دیکھ رہا مگر وہ تو تجھ کو دیکھ رہا ہے اس تفسیر کی رو سے یہ جملہ فَإِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَإِنَّہٗ یَرَاکَ پہلے جملہ کی علت ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر عبادت کرتا تو وہ اخلاص و تعظیم، حضورِ قلب اور خشوع وخضوع میں کوئی کسر نہ چھوڑتا، بس ایسی عبادت کرنا احسان ہے، اس کو ایک مثال سے یوں سمجھیں کہ اگر کسی شاگرد کو معلوم ہو کہ استاذ دیکھ رہا ہو تو شاگرد اگر اندھا بھی ہو تب بھی باادب ہو کر بیٹھتا ہے لیکن اگر استاذ شاگرد کو نہ دیکھ رہا ہو تو شاگرد بے پرواہ ہو کر بیٹھے گا کیونکہ شاگرد کو معلوم ہے کہ استاذ مجھے نہیں دیکھ رہا۔ معلوم ہوا کہ اعلیٰ درجے کی عبادت جو اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر انسان کرتا اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے دیکھ رہے ہیں اور یہ علت اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر بھی موجود ہے کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے حاصل یہ ہے کہ

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۲۶۰۔

(۲) لمعات التنقیح : ج۱، ص۶۹

یہاں دوسرا جملہ پہلے جملہ کی علت ہے۔[1]

قوله : فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ... (ص:۲۷،سطر۹)

سوال کا مقصد وقتِ قیامت معلوم کرنا تھا کہ قیامت کس صدی میں، کس سن میں اور کس تاریخ میں آئے گی؟ یہ مقصد نہ تھا کہ قیامت واقع ہوگی یا نہیں۔ چنانچہ آگے اسی باب میں حضرت ابوھریرہؓ کی روایت میں متی تقوم الساعۃ کے الفاظ آئے ہیں جو اس کی واضح دلیل ہے۔

"الساعۃ" عرف میں دن رات کے مجموعہ کے چوبیسویں حصے یعنی "ایک گھنٹہ" کو کہتے ہیں۔ مگر قرآن وسنت اور کلامِ عرب میں یہ لفظ قیامت کے معنٰی میں بھی استعمال ہوتا ہے یہاں وہی مراد ہے۔ یعنی یہاں الساعۃ گھنٹہ کے معنٰی میں نہیں بلکہ قیامت کے معنٰی میں ہے۔[2]

قوله : مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ ... (ص:۲۷،سطر۹)

اس کا مطلب یہ ہے کہ وقتِ قیامت کے بارے میں، میں تم سے زیادہ جاننے والا نہیں۔

سوال: یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس جملہ کے بجائے مختصر جملہ "لا ادری" کیوں نہ فرمادیا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ فرماتے یعنی لاادری تو اس سے صرف اتنا پتہ چلتا کہ آپ ﷺ کو قیامت کے وقت کے بارے میں جبرئیل امین سے زیادہ علم نہیں یہ معلوم نہ ہوتا کہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو بھی علم نہیں۔ لہٰذا یہ بتانے کے لئے مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا...الخ کا جملہ ارشاد فرمایا۔ کہ حضور ﷺ اور حضور کے علاوہ جس سے بھی سوال کیا جائے گا وہ سائل سے زیادہ اس کو نہیں جانتا ہوگا خلاصہ یہ کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔[3]

قوله : عَنْ أَمَارَتِهَا... (ص:۲۷،سطر۹)

امارات، امارۃ کی جمع ہے اور امارۃ علامت کو کہتے ہیں۔

قوله : أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا... (ص:۲۷،سطر۹)

کہ باندی اپنے سید اور آقا کو جنے، اس کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں۔

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۲۶۰ تا ۲۶۲۔

(۲) المفہم ج۱ص۱۴۷۔

(۳) درسِ مسلم ج۱ص۲۶۲۔

۱ ... حدیث شریف کے ان الفاظ میں ایک یہ اشارہ ہے کہ اولاد اپنی ماؤں کی نافرمان ہو جائے گی اور وہ ان کے ساتھ ایسا تحقیر کا معاملہ کرے گی جیسا باندی سے اس کا مالک کرتا ہے یعنی جس طرح کا معاملہ باندی سے خدمت لینے کا کیا جاتا ہے ویسا ہی معاملہ اولاد ماں کے ساتھ کرے گی۔

۲ ... دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ باندیوں کی اولاد بادشاہ ہوگی جس کے باعث یہ باندی بھی دوسرے لوگوں کی طرح اس بادشاہ یعنی اپنے بیٹے کی رعیت ہوگی تو یہ ایسا ہی ہو جائے گا کہ گویا باندی نے اپنے آقا کو جنا ہے تاریخِ اسلام میں ایسی مثالیں بہت ہیں کہ باندی کے بیٹے بادشاہ اور حاکم بنے چنانچہ خلیفہ ھارون الرشید کا بیٹا مامون الرشید بھی باندی کے بیٹے سے پیدا ہوا تھا۔

۳ ... تیسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اس سے امّ ولد کی بیع کی طرف اشارہ ہو جو شرعاً جائز نہیں بہرحال جب امّ ولد کی بیع کثرت سے ہونے لگے گی تو کسی امّ ولد کی بیع در بیع ہوتے ہوتے نوبت یہ آجائے گی کہ اس امّ ولد کو اس کا بیٹا ہی خرید لے گا اور اس کو علم بھی نہ ہوگا کہ یہ میری ماں ہے پھر اُس سے وہ باندیوں کی طرح خدمت لے گا۔ (۱)

قوله : أَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ ... (ص:۲۷،سطر۹)

حفاة، حافی کی جمع ہے، ننگے پاؤں والا۔ عراة، عاری کی جمع ہے۔ ننگے بدن والا، یا کپڑے پہنے ہوں لیکن ناکافی ہوں تو اُسے بھی عاری کہہ دیا جاتا ہے العالة یہ عائل کی جمع ہے اس کے معنٰی فقیر کے ہیں۔

قوله : رِعَاءَ الشَّاءِ ... (ص:۲۷،سطر۱۰)

"رعاء" راعی کی جمع ہے۔ اور رعاة بھی اس کی جمع آتی ہے اس کے معنٰی ہیں چرواہا۔ یہاں بکریوں کے چرواہوں کا ذکر فرمایا نہ کہ اونٹ اور گائے بھینس کے چرواہوں کا، کیونکہ بکریوں کے چرواہے مالی اور معاشرتی اعتبار سے کم درجے کے لوگ ہوتے ہیں اور لفظ الشاء۔ بکرا، دنبہ، مینڈھا اور ان کی مذکر و مؤنث سب قسموں کو شامل ہے۔ (۲)

---

(۱) فتح الباری ج۱ص۱۳۲ والمفہم ج۱ص۱۴۸ واکمال المعلم ج۱ص۲۰۵۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۲۶۳۔

قوله : يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ ... (ص:۲۷، سطر۱۰)

یتطاولون، یتفاخرون کے معنیٰ میں ہے یعنی وہ ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کریں گے عمارتوں کی اونچائی میں مطلب یہ ہے کہ فقیر اور ادنیٰ درجہ کے لوگ مالدار بن جائیں گے۔ یعنی حالات پلٹ جائیں گے ویسے تو یہ علامت کئی مرتبہ پائی گئی لیکن دو مرتبہ زیادہ واضح طور پر سامنے آئی۔

۱ ... ایک مرتبہ یہ علامت تاتاریوں میں پائی گئی جنہوں نے اہلِ اسلام پر از حد ظلم کیا پھر تاتاریوں کے سردار چنگیز خان کے بیٹے ہلاکو خان کی اولاد میں بعض مشرف بااسلام ہوگئے چنانچہ ہلاکو خان کی چوتھی پشت میں تیمور لنگ پیدا ہوا اور اس کی نسل میں بابر بادشاہ گزرا ہے جو فرغانہ (اُزبکستان) سے ہندوستان آیا اور یہاں مغل حکومت قائم کی پھر اس کی اولاد میں شاہ جہاں بادشاہ نے بلند وبالا عمارات، آگرہ کا تاج محل اور دہلی کی جامع مسجد وغیرہ تعمیر کیں اور اصل میں ان کے باپ دادا، تاتاری تھے جو معاشرتی اور معاشی طور پر بہت پسماندہ تھے۔ بکریوں کا چرانا اور انکی دیکھ بھال، ان کا پیشہ تھا شہریت اور تمدّن سے بہت دور تھے۔

۲ ... دوسری مرتبہ یہ علامت اہلِ مغرب میں نمایاں نظر آئی یہ بھی بہت غریب اور پس ماندہ لوگ تھے۔ لیکن آج اونچی اونچی عمارتیں بنانے میں دنیا کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ [1]

قوله : فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ... (ص:۲۷، سطر۱۰)

ملیا ای وقتاً طویلاً یعنی میں کافی دیر تک ٹھہرا رہا اور حضور سے اس واقعہ کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی اور ابو داؤد [2] اور ترمذی کی روایت میں فلبثت ثلاثاً ہے اور ترمذی [3] کی روایت میں صراحت ہے۔ فلقینی النبی ﷺ بعد ثلاث یعنی تین راتوں کے بعد [4] حضور ﷺ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا: یہ جبرئیل تھے جو تمہارے پاس تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

قوله : فَإِنَّهُ جِبْرِيْلُ ... (ص:۲۷، سطر۱۰)

اس کو چار طرح پڑھا جاسکتا ہے:

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۲۶۴۔

(۲) سنن ابی داؤد اول کتاب السنة باب فی القدر رقم الحدیث:۴۶۹۸

(۳) جامع الترمذی باب ما جاء فی صفة جبرائیل للنبی ﷺ الایمان والاسلام، رقم الحدیث:۲۶۱۰۔

(۴) جامع الترمذی باب ما جاء فی وصف جبرائیل للنبی ﷺ الخ رقم الحدیث:۲۶۱۰۔

۱ ... جِبْرَئِیْل ۲ ... جِبْرِیْل ۳ ... جَبْرَئِیْل ۴ ... جَبْرِیْل.[1]

قولہ : أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ ... (ص:۲۷،سطر۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث پورے دین کا خلاصہ ہے اسی لئے اس حدیث کو ام السنة کہا جاتا ہے جیسا کہ سورۂ فاتحہ کو جو قرآنِ کریم کا خلاصہ ہے اس کو ام القرآن کہا جاتا ہے اور معلوم ہوا کہ پورا دین تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔

۱ ... ایمان یعنی عقائد۔ ۲ ... اسلام یعنی اعمالِ ظاہرہ۔ ۳ ... احسان یعنی اعمالِ باطنہ

ایمان اور اسلام کی تفصیل کتابُ الایمان کے بنیادی مسائل میں پہلے، دوسرے اور تیسرے مسئلے میں تفصیل کے ساتھ آچکی ہے یہاں احسان کی کچھ تشریح کرنے کی ضرورت ہے۔

احسان کی حقیقت اور اس کے درجات

احسان کے معنٰی ہیں دینِ اسلام کے اعمال کو اچھے طریقے سے انجام دینا اور اس کے دو درجے ہیں احسان کا ایک درجہ وہ ہے جس کے بغیر اعمالِ ظاہرہ باطل اور کالعدم رہتے ہیں جیسے عبادات کے لئے نیت کہ اس کے بغیر کوئی عبادت درست نہیں یعنی ادا ہی نہیں ہوتی۔ تو احسان کا یہ درجہ اعمال صالحہ کی صحت کے لئے شرط ہے۔ اور ایک درجہ احسان کا وہ ہے جو اعمالِ صالحہ کے وجود اور صحت کے لئے تو شرط نہیں البتہ قبولیت یعنی ثواب کے لئے شرط ہے۔ مثلاً وضو میں نیت کا ہونا کہ نیت کے بغیر وضو ہو جاتا ہے مگر اس پر ثواب نہیں ملتا۔

ایسے ہی احسان کا ایک فرد تقویٰ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہو تو آدمی کبائر کا مرتکب ہو جاتا ہے ایسے ہی دوسرے اعمالِ باطنہ جیسے صدق واخلاص اور صبر وتوکل وغیرہ احسان ہی کے افراد ہیں اور اعمالِ ظاہرہ بھی اسوقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتے جب تک اخلاقِ باطنہ اور اعمالِ باطنہ ٹھیک نہ ہوں لہٰذا احسان صرف مستحب نہیں ہے بلکہ جس طرح کبائر اور دوسرے رذائل سے بچنا فرضِ عین ہے اسی طرح احسان بھی ایک درجے میں فرضِ عین ہے لہٰذا باطن کا تزکیہ فرضِ عین ہوا۔ اس کے بغیر آدمی فاسق وفاجر رہتا ہے، کیونکہ تمام اعمالِ ظاہرہ کی جڑ اعمالِ باطنہ ہیں اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد

---

(۱) درسِ مسلم ج ۱ ص ۲۶۵۔

الحسد كله الا وهى القلب .... الخ [۱]

لہٰذا معلوم ہوا کہ ایمان، اسلام اور احسان تینوں اپنے اپنے درجہ میں فرضِ عین ہیں اور ان تینوں کے مجموعہ کا نام دینِ اسلام ہے۔

تفقہ گہری بصیرت کا نام ہے

"تفقه في الدين" جو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین وہ یہ ہے کہ آدمی ایمان، اسلام اور احسان تینوں میں گہری بصیرت اور سمجھ بوجھ حاصل کرے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "من يرد الله به خيراً يفقه في الدين" [۲] جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین میں گہری بصیرت عطا فرماتے ہیں قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا" [۳]

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ" [۴]

ان میں بھی حکمت اور تفقه في الدين کا یہی مطلب ہے کہ ایمان، اسلام اور احسان میں گہری بصیرت پیدا کی جائے یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظمؒ نے فقہ کی جو تعریف کی ہے۔ معرفة النفس مالها وما عليها وہ ان تینوں کو شامل ہے۔

علمِ کلام، فقہ اور احسان وسلوک

جوں جوں نئے مسائل پیدا ہوتے گئے اور ان تینوں کے مباحث پھیلتے چلے گئے اور ان سب کو ایک کتاب میں جمع کرنا مشکل ہو گیا تو رفتہ رفتہ ان تینوں کی کتابیں الگ الگ لکھی جانے لگیں یہاں تک کہ ان تینوں علوم کے نام بھی علیحدہ علیحدہ رکھدیئے گئے عقائد کے مسائل کو دلائل کے ساتھ جاننے کا نام "علم عقائد" رکھدیا گیا اعمالِ ظاہرہ کے احکام کو تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننے کا نام "فقہ" رکھدیا گیا

---

(۱) صحیح بخاری رقم ۵۲۔

(۲) صحيح البخاری کتاب العلم باب من يرد الله به خيراً الخ رقم الحديث:۷۱۔

(۳) سورۃ البقرۃ: آیت ۲۶۹۔

(۴) سورۃ البقرۃ: آیت ۲۲۹۔

یہ حدیثِ جبرئیل کی تیسری سند کا بیان ہے اس میں عبد اللہ بن بریدۃ سے روایت کرنے والے عثمانؒ بن غیاث ہیں جبکہ پہلی سند میں حضرت کہمسؒ اور دوسری سند میں حضرت مَطَرُ الورّاقؒ تھے۔ اس طرح حضرت عبدؒ اللہ بن بریدۃ سے روایت کرنے والے تین افراد ہو گئے۔ (۱)

۹۶ – "وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ، ...(الی قوله) ... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ :أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكِتَابِهِ، وَلِقَائِهِ، وَرُسُلِهِ، وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْآخِرِ. قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ! مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ :الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللهَ، وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ، وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ قَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ :أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنَّكَ إِنْ لَا تَرَاهُ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ. قَالَ :يَا رَسُولَ اللهَ! مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، وَلَكِنْ سَأُحَدِّثُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا :إِذَا وَلَدَتِ الْأَمَةُ رَبَّهَا، فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا، وَإِذَا كَانَتِ الْعُرَاةُ الْحُفَاةُ رُءُوسَ النَّاسِ، فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا، وَإِذَا تَطَاوَلَ رِعَاءُ الْبَهْمِ فِي الْبُنْيَانِ، فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا. فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللهُ. ثُمَّ تَلَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ اللهِ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ، قَالَ :ثُمَّ أَدْبَرَ الرَّجُلُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :رُدُّوا عَلَيَّ الرَّجُلَ ، فَأَخَذُوا لِيَرُدُّوهُ، فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَذَا جِبْرِيلُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِينَهُمْ"

تشریح

قوله : حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ ... (ص:۲۹،سطر۱)

یہ امام مسلمؒ کے استاذ ہیں۔ اور مصنف ابنؒ ابی شیبہ کے مصنف ہیں اور بڑے پائے کے

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۲۷۹۔

محدث ہیں ان کا نام عبد اللہ ہے ان کے بھائی عثمان اور قاسم ہیں ان کے والد محمد اور دادا ابو شیبہ ابراہیم ہیں۔ ان کی کتاب میں حنفیہ کے دلائل زیادہ ملتے ہیں کیونکہ یہ عراق کے رہنے والے تھے اور فقہ حنفی کا مرکز بھی عراق تھا اور جن احادیث سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے وہ حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ذریعے زیادہ پھیلے اور عام ہوئے تھے۔ [1]

قولہ : عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ... (ص:۲۹، سطر۳)

یہ اسماعیل بن ابراہیم ہیں جیسا کہ اس سند میں آگے اس کی صراحت ہے اور عُلَیَّہ ان کی والدہ کا نام ہے۔ جو ایک عقلمند خاتون تھیں اگرچہ یہ والد کے بجائے والدہ کی نسبت کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن اسی نسبت سے ابنِ عُلَیَّہ مشہور ہوئے لہٰذا اس نسبت سے ان کا ذکر سندوں میں مجبوراً کیا جاتا ہے چنانچہ یہ ممنوع غیبت میں داخل نہیں۔ [2]

قولہ : بَارِزًا لِلنَّاسِ ... (ص:۲۹، سطر۴)

کھلی جگہ پر تشریف فرما تھے۔

قولہ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ!... (ص:۲۹، سطر۴)

اس روایت میں یا رسول اللہ! ہے اور پہلی روایت میں یا محمد کا لفظ تھا جیسا کہ پہلے عرض کیا تھا کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں مختلف روایات کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے کبھی یا رسول اللہ کہا اور کبھی یا محمد۔ [3]

قولہ : وَكِتَابِهِ... (ص:۲۹، سطر۵)

ایک نسخہ میں کتابہ ہے اور دوسرے نسخہ میں کُتُبِہ ہے ان میں دوسرا نسخہ زیادہ درست ہے اس باب کی پہلی روایت کے مطابق ہونے کی وجہ سے۔

قولہ : وَلِقَائِهِ... (ص:۲۹، سطر۵)

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ لفظ مکرر ہے اور آگے بالبعث الآخر میں داخل ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ مکرر نہیں ہے جس کی دلیل یہ دوسری روایت ہے جو حضرت مطر الوراقؒ سے مروی ہے۔ اس میں

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج۲ص۴۳۲ وسیر اعلام النبلاء ج۱۱ص۱۲۲۔

(۲) سیر اعلام النبلاء ج۹ص۱۰۷۔

(۳) فتح الملہم ج۱ص۳۳۹۔

یہ الفاظ ہیں وبالموت وبالبعث بعد الموت. اس طرح اسی میں اسکی جگہ موت کا ذکر ہے۔ (کذا فی فتح الملہم[1])

قوله : بِالْبَعْثِ الْآخِرِ... (ص:۲۹،سطر۵)

پہلی روایت میں الیوم الآخر ہے یہ روایت بالمعنٰی کے طور پر ہے۔ کیونکہ دونوں کا مفہوم ایک ہے۔

قوله : الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ... (ص:۲۹،سطر۵)

یہاں شہادتین کے بجائے یہ جملہ آیا ہے معلوم ہوا کہ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ سے مراد یہ شہادتین ہیں اور یہاں روایت بالمعنٰی ہے اور جب شہادتین کو عبادت سے تعبیر کیا اس حدیث میں تو لَا تُشْرِكْ بِهٖ شَيْئًا کا اضافہ بھی ضروری ہوا کیونکہ شہادتین کا پورا مفہوم لفظِ عبادت سے ادا نہیں ہوتا۔[2]

قوله : الْمَكْتُوبَةَ ... (ص:۲۹،سطر۵)

ماقبل کی روایت میں یہ مکتوبة کا لفظ نہیں تھا لیکن مراد وہاں بھی صلاة مکتوبة ہے یعنی فرض نماز مراد ہے۔

قوله : فَإِنَّكَ إِنْ لَا تَرَاهُ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ... (ص:۲۹،سطر۶)

لفظ ''فَإِنَّكَ'' سے حضرت گنگوہیؒ اور حضرت امام نوویؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے اور علامہ سندھیؒ نے بھی انہی حضرات کی طرح یہ فرمایا ہے کہ اس حدیث میں یہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کی علت ہے۔ جیسا کہ پیچھے تفصیل سے گزر چکا ہے۔

قوله : مَتَى السَّاعَةُ؟ ... (ص:۲۹،سطر۶)

یہاں صراحت ہے کہ سوال وقتِ قیامت کے بارے میں تھا۔ نفسِ قیامت کے بارے میں نہیں۔

قوله : عَنْ أَشْرَاطِهَا ... (ص:۲۹،سطر۷)

یہ شرط کی جمع ہے۔ بمعنٰی علامت۔

قوله : رُءُوسَ النَّاسِ ... (ص:۲۹،سطر۷)

(۱) فتح الملہم ج۱ص۳۳۹۔

(۲) فتح الباری ج۱ص۱۱۹

یہ لفظ پچھلی روایتوں میں نہیں تھا یہ راس کی جمع ہے سر کو بھی راس کہتے ہیں اور سردار کو بھی [1]، یہاں سردار کے معنی میں ہے یعنی ننگے، بھوکے لوگوں کے سردار بن جائیں گے یعنی ننگے بدن اور ننگے پیر والے لوگوں کے سردار بن جائیں گے۔

قولہ : رِعَاءَ الْبَهْمِ ... (ص:۲۹،سطر۱۵)

اَلْبَهْمِ جمع ہے یا اسم جنس ہے، بهمة بکری کے بچے کو کہتے ہیں تو رِعَاءُ الْبَهْمِ کے معنی بکریوں کے بچوں کے چرواہے۔ اس میں ان کی مالی حالت کی مزید کمزوری کا بیان ہے۔ [2]

قولہ : فِي خَمْسٍ مِنَ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ ... (ص:۲۹،سطر۱۵)

یعنی قیامت کب آئے گی، اس کا علم ان پانچ غیب کی باتوں میں سے ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں۔

قولہ :وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ... (ص:۲۹،سطر۸)

جن پانچ چیزوں کا ذکر اس آیت میں ہے ان کو سورۂ انعام کی آیت میں **مفاتح الغیب** فرمایا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ**" اور ایک حدیث میں بھی ان پانچوں کو مفاتح الغیب فرمایا ہے۔ (تفسیر معارف القرآن جلد ۷، ص ۵۲)

نیز خود اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ **فی خمس من الغیب لایعلمهن الا اللّٰه** اس میں بھی صراحت ہے۔ کہ پانچوں چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

محکمۂ موسمیات والوں کی پیشین گوئی کی حیثیت

یہاں اشکال ہوتا ہے محکمہ موسمیات والے بعض امور کی پیشگی اطلاع دے دیتے ہیں کہ فلاں دن سخت گرمی یا سخت سردی ہوگی، یا طوفان آئے گا یا فلاں جگہ بارش ہوگی چنانچہ ہوائی جہازوں کی پروازوں کا نظام محکمہ موسمیات کی رپورٹ پر مبنی ہوتا ہے اور یہ پیشگی اطلاعات عموماً درست ہوتی ہیں بظاہر یہ مذکورہ آیتِ قرآنیہ کے خلاف ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے علم سے مراد علمِ قطعی ہے۔ جس میں غلطی نہیں ہوسکتی جبکہ محکمۂ موسمیات کی رپورٹ ظنی ہوتی ہے اور اس کا خود محکمۂ موسمیات والے بھی

(۱) لسان العرب ج۵ص۸۰۔

(۲) درسِ مسلم ج ۱ ص ۱۷۲۔

اعتراف کرتے ہیں بسا اوقات ان کی بات درست ثابت ہوتی ہے اور بعض اوقات غلط بھی ثابت ہوتی ہے لہٰذا محکمۂ موسمیات کی پیشگی اطلاع دینا اس آیت کے خلاف نہیں اور وہ غیب والی باتوں پر مبنی نہیں، تخمینہ اور اندازہ پر مبنی ہے۔[1]

قوله : وَيَعْلَمُ ... (ص:۲۹،سطر۱۶)

اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں ہر اس چیز کو جو ماؤں کے رحم میں ہے یعنی ان تمام بچوں کو جو ان کے ''ارحام'' میں ہیں خواہ انسان کے ہوں یا جانوروں کے نیز ارحام میں بچے ہوں یا کچھ اور، بہر حال ان سب کو قطعی اور حتمی طور پر صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔

الٹرا ساؤنڈ سے لڑکا اور لڑکی کا علم ہونا

یہاں بھی بہت سے حضرات یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کے رحم میں یہ پتہ نہیں لگایا جاسکتا کہ بچہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ لیکن آج کل ڈاکٹرز الٹرا ساؤنڈ وغیرہ کے ذریعے بتا دیتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ جو بظاہر اس آیت کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہی ہے کہ ڈاکٹرز جو کچھ بتاتے ہیں وہ ظنی ہوتا ہے حتمی اور قطعی نہیں ہوتا۔ اور اس میں غلطی کا امکان ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کا علمِ قطعی ہے لہٰذا یہ بھی اس آیت کے خلاف نہیں ہے۔

قوله : تَكْسِبُ غَدًا ... (ص:۲۹،سطر۱۶)

''کسب'' سے مراد مال کمانا یا عمل کرنا، دونوں ہوسکتے ہیں۔

یہاں مقامِ موت کے علم کی نفی ہے وقتِ موت کے علم کی نہیں حالانکہ اس کا علم بھی کسی کو نہیں۔ لیکن اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جب موت کی جگہ کا علم نہیں کہ کس جگہ موت آئے گی تو وقتِ موت کا علم بدرجۂ اولیٰ نہیں ہوسکتا وجہ یہ ہے کہ موت کی جگہ فی نفسہٖ دنیا میں موجود ہے لیکن وقتِ موت فی الحال موجود بھی نہیں۔[2]

مسئلہ علم غیب کا خلاصہ

اس مسئلہ میں لفظ غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو وجود میں نہیں آئیں یا وجود میں تو آچکی ہیں

(۱) درسِ مسلم ج ۱ ص ۱۲۷۔

(۲) معارف القرآن ج ۷ ص ۵۵۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی کو مطلع نہیں فرمایا۔ (تفسیر مظہری، ص ۲۷۳، ج ۳)

پہلی قسم کی مثال وہ تمام حالات وواقعات ہیں جو قیامت کے متعلق ہیں یا کائنات میں آئندہ پیش آنے والے واقعات سے ان کا تعلق مثلاً: کون کب اور کہاں پیدا ہوگا؟ کیا کیا کام کرے گا؟ کتنی عمر ہوگی؟ عمر میں کتنے سانس لے گا؟ کتنے قدم اٹھائے گا؟ کہاں مرے گا؟ کہاں دفن ہوگا؟ رزق کس کو کتنا اور کس وقت ملے گا؟ بارش کہاں ہوگی؟ کس وقت اور کتنی ہوگی؟

اور دوسری قسم کی مثال وہ حمل ہے جو ماں کے رحم میں وجود میں تو آچکا ہے مگر یہ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ خوبصورت ہے یا بدصورت؟ کالا ہے یا گورا؟ نیک طبیعت ہے یا بدخصلت؟ خوش نصیب ہے یا بدنصیب؟ اسی طرح اور ایسی دوسری چیزیں جو وجود میں آجانے کے باوجود مخلوق کے علم اور ان کی نظر سے غائب ہیں اس قسم میں داخل ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیب کی پانچ باتوں کا ذکر فرمایا ہے اور ان پانچ چیزوں کو خصوصیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ ان کا علم قطعی اور کلی کسی مخلوق کو نہیں صرف اللہ تعالیٰ انکو جانتے ہیں اور یہ صرف ان پانچ باتوں کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ان کی خاص اہمیت کی وجہ سے ان کو ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے اور اس اہمیت کی دو وجہ ہیں۔

۱ ... ایک وجہ یہ ہے کہ عام طور سے جن غیب کی چیزوں کو انسان معلوم کرنے کی خواہش کرتا ہے وہ یہی پانچ چیزیں ہیں۔

۲ ... دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت ﷺ سے ان پانچ چیزوں کے متعلق دریافت کیا تھا، اس لئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں ان پانچ چیزوں کے علم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا بیان کیا گیا ہے۔ (روح المعانی ج ۲۱، ص ۱۶۴)

ان پانچ چیزوں کے علاوہ جن غیب کی باتوں کا علم آنحضرت ﷺ کو حاصل ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ وحی دیا گیا تھا وہ علم غیب کی تعریف میں داخل نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی اور اولیاء اللہ کو بذریعہ الہام جو غیب کی باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائی جاتی ہیں وہ حقیقت میں علمِ غیب نہیں جن کی بناء پر ان کو عالمُ الغیب کہا جاسکے بلکہ وہ انباء الغیب یعنی غیب کی خبریں کہلاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں اپنے فرشتوں اور رسولوں اور مقبول بندوں کو غیب کی باتوں کی خبر کردیتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں ان کو انباء الغیب کہا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"تِلْکَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوحِیهَا إِلَیْکَ"

اس لئے مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کا علم تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ ایسا مخصوص فرمایا ہے کہ أَنْبَاءُ الْغَیْبِ کے طور پر بھی کسی فرشتے اور رسول کو ان کا علم نہیں دیا۔ اس کے علاوہ دوسری غیب کی باتوں کا علم بہت کچھ انبیاء علیہم السلام کو دیا ہے۔ (تفسیر معارف القرآن جلد ۷، ص: ۵۲، ۵۳)

علم غیب کے بارے میں بریلوی عقیدہ کی حقیقت

قولہ : إِنَّ اللّٰهَ عَلِیمٌ خَبِیرٌ ... (ص: ۲۹، سطر ۷، ۸)

علماءِ دیوبند، بریلوی حضرات کو حضور ﷺ کے عالِمُ الغیب کہنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے کیونکہ یہ حضرات دراصل أَنْبَاءُ الْغَیْبِ کو علمُ الغیب کہتے ہیں تو اگر غور سے دیکھا جائے تو بڑی حد تک یہ اختلاف لفظی ہے کیونکہ یہ بات ہم بھی جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبریں اتنی زیادہ عطا فرمائی ہیں کہ کسی اور کو اتنی نہیں دی گئیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہم ان خبروں کو انباء الغیب کہتے ہیں اور بریلویوں میں سے بعض حضرات ان کو علمُ الغیب کہہ دیتے ہیں، اور اسکی وجہ سے وہ حضور ﷺ کو عالم الغیب کہہ دیتے ہیں اس لئے ہمارا اور ان کا اختلاف الفاظ کا اختلاف ہے چنانچہ مولانا احمد رضا خان صاحب جو بریلویوں کے بڑے عالم ہیں ان کی کتابوں سے یہی معلوم ہوتا ہے۔[1]

اس لئے اس بحث میں نہ پڑنا چاہئے اور ایک دوسرے سے اختلاف نہ کرنا چاہئے۔

ایک سوال اور جواب

قولہ : هٰذَا جِبْرِیلُ ... (ص: ۲۹، سطر ۹)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اُسی مجلس میں بتا دیا تھا کہ یہ آنے والا شخص حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے حالانکہ پیچھے ابو داؤد اور ترمذی کے حوالہ سے گزرا ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو آنحضرت ﷺ نے تین دن کے بعد بتلایا تھا۔

جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ کے سوال کے جوابات مکمل ہونے کے بعد یا

(۱) خلاصہ از درس مسلم ص ۲۷۷ تا ۲۸۰ جلد ۱

حضرت جبرئیل امینؑ کے جانے کے فوراً بعد حضرت عمرؓ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے ہوں اور یہ بات حضرت فاروق اعظمؓ نے حضور ﷺ سے اس وقت نہ سنی ہو بلکہ تین روز بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ وہ حضرت جبرئیلؑ تھے اب ان میں کوئی تعارض نہیں۔ (۱)

۹۷ ـ "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ، غَيْرَ أَنَّ فِي رِوَايَتِهِ :إِذَا وَلَدَتِ الْأَمَةُ بَعْلَهَا يَعْنِي السَّرَارِيَّ." (ص:۲۹،سطر۱۰)

تشریح

قوله : السَّرَارِيَّ ... (ص:۲۹،سطر۱۰)

سراری، سریہ کی جمع ہے۔ یہ اس باندی کو کہتے ہیں جس کو آقا نے وطی کے لئے رکھا ہو۔ (۲)

۹۸ ـ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ ...(الى قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَلُونِي فَهَابُوهُ أَنْ يَسْأَلُوهُ،...(الى قوله)قال: يا رسول الله ما الاحسان؟ قال: أن تخشى الله كانك تراه...وَإِذَا رَأَيْتَ الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الصُّمَّ الْبُكْمَ ...(الى قوله)...فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا جِبْرِيلُ، أَرَادَ أَنْ تَعَلَّمُوا إِذْ لَمْ تَسْأَلُوا"(ص:۲۹،سطر:۱۱تا۱۶اوص:۳۰،سطر۱)

تشریح

قوله : حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ ... (ص:۲۹،سطر۱۰،۱۱)

ماقبل کی روایت میں تھا اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ اور یہاں اَن تَخشَی اللّٰہَ ہے حاصل یہ کہ وہاں پر بھی عبادت سے مطلق عبادت کرنا مراد نہیں ہے بلکہ خشیت والی عبادت کرنا مراد ہے۔ (۳)

---

(۱) درس مسلم ج۱ص۲۸۰۔

(۲) شرح النوویؒ ج۱ص۲۹۔

(۳) حاشية السندی علی صحيح مسلم ج۱ص۲۹۔

قوله : الصُّمَّ الْبُكْمَ ... (ص:۲۹،سطر۱۱)

صُمّ جمع ہے اَصَم کی، بمعنٰی بہرا۔ اور بکم جمع ہے ابکم کی، بمعنٰی گونگا۔ اس سے بظاہر وہی معنٰی مراد ہیں جو قرآنِ کریم میں ارشاد ہوئے ہیں۔

"صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ"(۱)

یعنی وہ حق کو سننے یعنی قبول کرنے سے بہرے اور حق کو قبول کرنے سے گونگے ہیں۔(۲)

قوله : أَرَادَ أَنْ تَعَلَّمُوا.... ... (ص:۳۰،سطر۱)

اس کو تَعَلَّمُوْا اور تُعَلَّمُوْا دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں مطلب یہ کہ حضرت جبرئیلؑ کے آنے سے پہلے آپ نے حاضرین سے فرمایا تھا سَلُوْنِی مجھ سے سوال کرو۔ لیکن کسی نے سوال نہ کیا یہاں تک جبرئیل علیہ السلام تشریف لے آئے۔(۳)

ایک سوال اور جواب

سوال: جب قرآنِ مجید میں صحابۂ کرامؓ کو سوال کرنے سے منع کر دیا گیا تھا جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

"لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ"(۴)

تو پھر آپ نے سَلُوْنِیْ کیوں فرمایا؟ نیز یہ کیوں فرمایا: **هذا جبرئيل عليه السلام اراد ان تعلموا اذا لم تسئلوا؟**

جواب: قرآنِ مجید میں سوال کرنیکی **ممانعت علی الاطلاق** نہیں تھی بلکہ ایسے سوالات کرنے کی ممانعت تھی جن کی فی الحال ضرورت نہ ہو یا جو بے فائدہ ہوں لیکن صحابۂ کرامؓ مفید سوالات کرنے سے بھی ڈرتے تھے۔ اور اس خیال سے ڈرتے تھے کہ خدانخواستہ ہم کوئی ایسا سوال نہ کر بیٹھیں جس کو ہم تو مفید سمجھتے ہوں لیکن حقیقت میں وہ مفید نہ ہوں لہٰذا رسول اللہ ﷺ کا سَلُوْنِی فرمانا درست ہے۔ اور یہ قرآنی آیت کے خلاف نہیں ہے۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ: آیت:۱۸۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۲۸۲۔

(۳) درسِ مسلم ج۱ص۲۸۲۔

(۴) سورۃ المائدۃ : آیت نمبر۱۰۱۔

باب بیان الصلوات التی هی احد ارکان الاسلام

۹۸ ـ "حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ جَمِيلِ بْنِ طَرِيفِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ (فِيمَا قُرِءَ عَلَيْهِ) عَنْ أَبِي سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللهِ يَقُولُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ، ثَائِرُ الرَّأْسِ، نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهِ، وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُولُ، حَتَّى دَنَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ. فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا أَنْ تَطَّوَّعَ، وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ. فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ؟ فَقَالَ: لَا، إِلَّا أَنْ تَطَّوَّعَ. وَذَكَرَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةَ، فَقَالَ :هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ قَالَ :لَا، إِلَّا أَنْ تَطَّوَّعَ ، قَالَ :فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ، وَهُوَ يَقُولُ :وَاللهِ، لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا، وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ.

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ." (ص:۳۰،سطر ۱تا۵)

تشریح

قولہ : مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ... (ص:۳۰،سطر ۱تا۲)

نجد یہ سعودیہ کا ایک بڑا علاقہ ہے جو حجاز اور عراق کے درمیان واقع ہے۔(فتح الملہم)

یہاں کے شیخ عبدالوہاب نجدی مشہور ہیں۔ان کے متبعین ہمارے یہاں وہابی کہلاتے ہیں۔ یہ بدعت کی تردید کرنے میں بہت سخت تھے۔

"جزيرة العرب" کو اردو میں "جزیرہ نمائے عرب" کہتے ہیں۔اور جغرافیائی اصطلاح میں اسے "جزیرہ نما" کہا جاتا ہے۔اور عربی میں جزیرہ نما کو "شبهُ الجزيرة" کہتے ہیں۔آج کل اس جزیرہ نمائے عرب میں بہت سے ممالک اور ریاستیں ہیں سعودی عرب، قطر، شارجہ، دبئ، ابوظہبی، مسقط، عمان، یمن، بحرین، کویت وغیرہ جزیرۂ عرب میں داخل ہیں۔

عہد رسالت میں جزیرہ نمائے عرب کی معروف تقسیم یہ تھی کہ بنیادی طور پر یمن، تہامہ، حجاز

اور نجد اس کے بڑے بڑے علاقے تھے۔

یمن مدینہ منورہ سے جنوب مشرق کی سمت میں ہے حجاز تہامہ سے ملا ہوا ہے اور پہاڑی علاقہ ہے۔ اور تہامہ سمندر کے کنارے واقع ہے اور حجاز کو حجاز اس لئے کہتے ہیں کہ یہ نجد اور تہامہ کے درمیان رکاوٹ ہے۔ (۱)

قولہ : ثَائِرُ الرَّأْسِ ... (ص:۳۰،سطر۲)

اس کی را پر زبر اور ضمّہ دونوں پڑھ سکتے ہیں ضمہ کی صورت میں یہ رجل کی صفت ہے اور فتحہ کی صورت میں رجل سے حال ہوگا اس کے معنیٰ ہیں سر کے بالوں کا منتشر ہونا۔ (۲)

قولہ : دَوِیَّ صَوْتِہٖ... (ص:۳۰،سطر۲)

"دَوِیَّ" یہ دال کا فتحہ اور واؤ کا کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ ہے یہ ایسی بلند اور مکرر آواز کو کہتے ہیں جو فضا میں منتشر ہو لیکن سمجھ میں نہ آتی ہو فتح الملہم میں اسے شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (۳)

تین آدابِ معاشرت

مذکورہ الفاظ حدیث سے درج ذیل آداب معاشرت معلوم ہوتے ہیں:

۱ ... صحابہ کرامؓ کا عام طریقہ، سر کے بالوں کو منتشر رکھنے کا نہ تھا اس لئے اس اعرابی کی ہیئت کو اچھنبا سمجھ کر راوی نے اسے ذکر کیا۔

۲ ... دور سے ہی بولنا شروع کر دینا تہذیب اور شائستگی کے خلاف ہے یہ صحابہؓ کرام کی عادت کے خلاف تھا اس لئے راوی نے اسے بطورِ خاص روایت کیا اور بیان کیا۔

۳ ... ایسے انداز میں بات کرنا جو سمجھ میں نہ آئے نامناسب ہے یہ بھی صحابہ کرامؓ کی عادت کے خلاف تھا۔ اس لئے راوی نے اسکا ذکر کیا۔

قولہ : فَاِذَا هُوَ یَسْأَلُ عَنِ الْاِسْلَامِ... (ص:۳۰،سطر۳)

اسلام کے متعلق اس شخص نے سوال کون سے الفاظ میں کیا؟ اس عبارت سے یہ بات معلوم

(۱) درسِ مسلم، جلد اول، ص نمبر ۲۷۸۔

(۲) درسِ مسلم ج ۱ ص ۲۸۳۔

(۳) فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۲۔

نہیں ہو رہی۔

سوال: آنحضرت ﷺ نے جواب میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا تو ذکر فرمایا لیکن شہادتین اور حج کا ذکر نہیں فرمایا۔

جواب: ہوسکتا ہے کہ شہادتین کا ذکر اس لئے نہ فرمایا ہو کہ آپ کو قرائن یا وحی سے یہ بات معلوم ہوگئی ہو کہ یہ شخص پہلے سے مسلمان ہے۔ لہٰذا اس کو آگے کی تعلیم دینے کی ضرورت ہے اور حج کا اس لئے نہ ذکر فرمایا ہو کہ شاید حج اس وقت فرض نہ ہوا ہو یا ذکر فرمایا تھا مگر راوی نے اُسے اختصار کی بناء پر ذکر نہیں کیا۔ اور بخاری شریف کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس حدیث میں فرمایا: ''قال : فاخبره بشرائع الاسلام'' (فتح الباری کتاب الایمان جلد۱،ص۱۰۷)

مرجئہ کی تردید

اس حدیث میں آپ ﷺ نے اسلام کی تعریف اعضاء و جوارح کے اعمال سے کی ہے جیسے نماز، روزہ، اور زکوٰۃ۔ اس سے مرجئہ کی تردید ہوگئی کیونکہ وہ اعمال کی اہمیت کے منکر ہیں۔

قوله : إِلَّا أَنْ تَطَّوَّعَ ... (ص:۳۰،سطر۴)

اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ فرض تو مزید کچھ نہیں لیکن نفل نمازیں جتنی چاہو پڑھو، حضراتِ شوافع نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اصلاً تو زائد نمازیں فرض نہیں ہیں لیکن اگر نفل شروع کروگے تو وہ بھی فرض ہو جائے گی یعنی اس کو پورا کرنا فرض ہو جائے گا اس کو حنفیہؒ نے اختیار کیا ہے اور حنفیہ کا استدلال اس مسئلہ میں قرآنِ کریم کے اس ارشاد سے ہے۔

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ''[1]

اس سے استدلال اسطرح ہے کہ کوئی نفل نماز یا نفل روزہ شروع کر کے اگر فاسد کر دیا جائے تو وہ باطل ہو جائے گا۔ جو اس آیت کی رو سے ممنوع ہے اس کے علاوہ متعدد احادیث سے بھی ان کا استدلال ہے۔

وتر واجب ہیں یا نہیں؟

سوال: حدیث شریف میں ''خمس صلوات'' سے ثابت ہوا کہ فرض نمازیں پانچ ہیں۔

(۱) سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) :۳۳۔

چنانچہ حضراتِ شوافعؒ اس سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وتر واجب نہیں سنت ہیں جبکہ حنفیہ کے نزدیک وتر بھی واجب ہیں تو معلوم ہوا کہ حنفیہؒ کا مذہب اس حدیث کے خلاف ہے۔

جواب: حضرت ملاعلی قاریؒ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔

ایک یہ کہ ممکن ہے کہ یہ حدیث اس وقت کی ہو جب وتر واجب نہ تھے۔ وجوبِ وتر کی احادیث بعد کی ہیں جو اپنے مقام پر آئیں گی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ وتر درحقیقت عشاء کے تابع ہیں۔ اور وہ عشاء کے ذیل میں خود بخود داخل ہیں اس لئے ان کو الگ شمار نہیں کیا گیا۔ یعنی جب عشاء کی نماز فرض ہے تو اس کے تابع ہو کر وتر بھی واجب ہیں۔[1]

قوله : وَذَكَرَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةَ ... (ص:۳۰، سطر۴)

یہ راوی کی احتیاط ہے کیونکہ راوی کو وہ لفظ غالبًا یاد نہیں رہا تھا۔ جو آپ ﷺ نے زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا تھا۔ لہٰذا یوں روایت کی کہ آپ نے زکوٰۃ کا ذکر بھی فرمایا تھا۔ اور جن الفاظ میں آپ نے ذکر فرمایا تھا وہ الفاظ راوی نے ذکر نہیں کئے۔

قوله : هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ قَالَ :لَا، إِلَّا أَنْ تَطَّوَّعَ ... (ص:۳۰، سطر۴)

اس میں استثناء متصل نہیں بلکہ منقطع ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا عمل طویل اور دراز نہیں ہوتا[2] مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور مالی عبادت فرض نہیں البتہ نفل کے درجے میں کوئی مالی عبادت کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔

قوله : وَهُوَ يَقُولُ :وَاللهِ، لَا أَزِيدُ عَلَى هٰذَا، وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ. ... (ص:۳۰، سطر۴)

ایک سوال اور تین جواب

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث شریف کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ میں نفلی عبادت نہیں کروں گا حالانکہ نفلی عبادت نہ کرنا تو جائز ہے مگر نفلی عبادت اور مستحبات پر عمل نہ کرنے کی قسم کھانا ممنوع ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں جو جلد ثانی کی کتاب المساقاۃ میں آئے گی۔

اس سوال کے تین جواب ہو سکتے ہیں۔

---

(۱) مرقاۃ ج۱ص۱۶۵۔

(۲) حاشیة السندی علی صحیح مسلم ج۱ص۳۴،۳۵۔

۱ ... یہ بات اس وقت کی ہے جب مستحب اعمال کے ترک کرنے کی قسم کھانے کی ممانعت نہیں آئی تھی۔

۲ ... دوسرا جواب یہ ہے کہ جو کچھ آپ نے بتلایا ہے میں وہی اپنی قوم کو واپس جا کر بتلاؤں گا اور کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا۔

۳ ... یہاں پر کلمہ قسم کا بولنا قسم کے لئے نہیں بلکہ تاکید کلام کے لئے ہے۔(۱)

۹۹ ۔ "حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، جَمِيعًا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِي سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْحَدِيثِ، نَحْوَ حَدِيثِ مَالِكٍ. غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَفْلَحَ وَأَبِيهِ إِنْ صَدَقَ، أَوْ: دَخَلَ الْجَنَّةَ وَأَبِيهِ إِنْ صَدَقَ"

تشریح

قولہ : أَفْلَحَ وَأَبِيهِ إِنْ صَدَقَ ... (ص:۳۰،سطر۶)

ایک سوال اور تین جواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وابیہ غیر اللہ کی قسم ہے جو شرعاً جائز نہیں؟

اس کے تین جواب ہیں:۔

۱ ... پہلا جواب یہ ہے کہ اس کی ممانعت مذکورہ بالا واقعہ کے بعد آئی ہو اور اس ممانعت کی وجہ شرک نہیں بلکہ سدِّ ذرائع کے طور پر ہے۔

۲ ... دوسرا جواب یہ ہے کہ وابیہ سے مراد قسم نہیں بلکہ تاکیدِ کلام ہے کیونکہ الفاظ قسم کبھی قسم کے بجائے صرف تاکید کلام کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں۔(۲)

۳ ... غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت امت کے لئے ہے ممکن ہے کہ آپ ﷺ کی یہ بھی خصوصیت ہو کہ آپ کے لئے اس کی ممانعت نہ ہو۔(۳)

۱۰۰ ۔ "حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بُكَيْرٍ النَّاقِدُ...(الی قوله)...عَنْ أَنَسِ بْنِ

( ) فتح الباری ج۱ص۱۰۷ وفتح الملہم ج۱ص۳۲۷ ومرقاۃ ج۱ص۱۹۷۔

(۲) فتح الملہم ج۱ص۳۲۷۔

(۳) فتح الباری ج۱ص۱۰۷۔

مَالِكٍ، قَالَ: نُهِينَا أَنْ نَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ، فَكَانَ يُعْجِبُنَا أَنْ يَجِيءَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ، الْعَاقِلُ، فَيَسْأَلَهُ، وَنَحْنُ نَسْمَعُ. فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَتَانَا رَسُولُكَ فَزَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللهَ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ :صَدَقَ ...الحديث" (ص:۳۰ سطر ۶، ۷ وص:۳۱ سطر ۱ تا ۵)

تشریح

قوله : نُهِينَا أَنْ نَسْأَلَ ... (ص:۳۰، سطر ۷)

یہ ممانعت مطلق نہ تھی بلکہ غیر ضروری اور غیر مفید سوالات کرنے کی ممانعت تھی لیکن صحابہ کرامؓ بعض مرتبہ ضروری اور مفید سوالات کرنے سے اس لئے ڈرتے تھے کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی سوال ہمارے نزدیک ضروری اور مفید ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک غیر ضروری اور غیر مفید ہو اور اس سے آپ کو تکلیف ہو اس وجہ سے سوال کرنے سے ڈرتے تھے۔

قوله : يَا مُحَمَّدُ! ... (ص:۳۰، سطر ۷)

اس آنے والے شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کہہ کر پکارا کیونکہ یہ شخص آداب شریعت سے ناواقف تھا اور یہ ضمام بن ثعلبہؓ تھے جو قبیلہ بنی سعد بن بکر سے تعلق رکھتے تھے، ان کی حاضری سن ۹ ھجری میں ہوئی ہے ان کے بارے میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ جب یہ آئے تھے۔ تو مسلمان ہو چکے تھے یا نہیں۔ حضرت امام بخاریؒ اور قاضی عیاضؒ کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ مسلمان ہو چکے تھے۔[۱] جبکہ علامہ قرطبیؒ کا رجحان یہ ہے کہ یہ اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔[۲]

قوله : فَزَعَمَ ... (ص:۳۱، سطر ۱)

زعم ایسے دعوے کو کہتے ہیں جو محتاج دلیل ہو یعنی غیر تحقیقی بات کو کہا جاتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ضمام اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور بعض نے کہا کہ زعم تحقیقی بات کو بھی کہتے ہیں۔[۳]

یہاں حدیث میں بظاہر پہلے معنی مراد ہیں اس لئے کہ وہ اپنے سوال کے ذریعے تحقیق کرنا

(۱) فتح الباری جلد اول ـ ۱۵۲ـ

(۲) المفہم ج ۱ ص ۱۶۲ـ

(۳) المفہم ج ۱ ص ۱۶۲ و لسان العرب ج ۶ ص ۴۸، ۵۰ـ

چاہتے تھے۔[۱]

بَابُ بَيَانِ الْإِيمَانِ الَّذِي يُدْخَلُ بِهِ الْجَنَّةَ...الخ

۱۰۱۔ "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ...(الى قوله)...حَدَّثَنِي أَبُو أَيُّوبَ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا عَرَضَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي سَفَرٍ. فَأَخَذَ بِخِطَامِ نَاقَتِهِ أَوْ بِزِمَامِهَا، ثُمَّ قَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ! أَوْ يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي بِمَا يُقَرِّبُنِي مِنَ الْجَنَّةِ وَمَا يُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ. قَالَ: فَكَفَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ نَظَرَ فِي أَصْحَابِهِ، ثُمَّ قَالَ :لَقَدْ وُفِّقَ، أَوْ لَقَدْ هُدِيَ. قَالَ:كَيْفَ قُلْتَ؟ قَالَ: فَأَعَادَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَعْبُدُ اللهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ، دَعِ النَّاقَةَ." (ص:۳۱،سطر۶تا۸)

تشریح

قوله : عَرَضَ ... (ص:۳۱،سطر۶)

اس کے معنٰی ہیں سامنے آیا۔

قوله : بِخِطَامِ نَاقَتِهِ أَوْ بِزِمَامِهَا ... (ص:۳۱،سطر۷)

خطام اور زمام سے مراد ایک ہی چیز ہے جسے اردو میں نکیل کہتے ہیں۔ جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔ اس اعرابی نے آپ ﷺ سے سوال پوچھنے کا جو طریقہ اختیار کیا وہ نامناسب تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اس پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ علماء کو ناواقف عوام سے نرمی اور شفقت کا معاملہ کرنا چاہئے وران کی غلطیوں سے درگزر کرنا چاہئے، اس سے علماء اور عوام کے درمیان قربت پیدا ہوگی لہٰذا عوام کی اس قسم کی غلطیوں سے ناراض نہ ہوں بلکہ ان کو شفقت اور نرمی سے سمجھا دیں۔[۱] خود حضور اکرم ﷺ کی یہی عادت اور سنت ہے چنانچہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

"وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ"[۳]

---

(۱) درس مسلم ج ۱ ص ۲۹۰۔

(۲) درس مسلم ج ۱ ص ۲۹۱۔

(۳) آل عمران: ۱۵۹۔

قوله : لَقَدْ وُفِّقَ، أَوْ لَقَدْ هُدِيَ ... (ص:۳۱،سطر۷،۸)

یعنی اس اعرابی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہوگئی ہے مطلب یہ ہے کہ اُس نے جو سوال کیا ہے یہ سوال کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اُس نے اسلام قبول کرلیا ہے اور اب صرف عمل پوچھنا چاہتا ہے۔اور سوال کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل کے جذبہ سے سرشار ہے۔

اہم سبق

قوله : قَالَ: كَيْفَ قُلْتَ؟ ... (ص:۳۱،سطر۸)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے اعرابی کا سوال دوبارہ کیوں پوچھا؟ حالانکہ آپ کو سوال معلوم ہوگیا تھا جبھی تو آپ نے فرمایا: لَقَدْ وُفِّقَ، أَوْ لَقَدْ هُدِيَ۔

جواب یہ ہے کہ تاکہ آس پاس کے صحابہ کرامؓ کو اس کے سوال کا علم ہوجائے اور اس سے تدریس کا ایک ادب بھی معلوم ہوا کہ اچھے سوال پر طالب علم کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔اور وہ سوال دوسرے طلبہ کے لئے بھی دہرانا چاہئے تاکہ ان کو بھی جواب بحسن وخوبی معلوم ہوجائے۔

قوله : تَعْبُدُ اللهَ ... (ص:۳۱،سطر۸)

اس لفظ میں کئی احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ عبادت سے عام عبادات مراد ہے۔جیسے: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور صدقہ وغیرہ، اس صورت میں حدیث شریف کے باقی الفاظ اسلام کی خاص خاص عبادات بتانے کے لئے ہیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے توحید مراد ہے اور باقی جملے مستقل طور پر عبادات بتانے کے لئے ہیں۔[1]

قوله : وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ ... (ص:۳۱،سطر۸)

یہاں حضور ﷺ نے تخریج الزکوٰۃ (زکوٰۃ نکالنا) نہیں فرمایا اور قرآن وحدیث میں تقریباً ہر جگہ ایتاء الزکوٰۃ اور اس سے مشتق الفاظ ہی استعمال ہوئے ہیں جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ محض زکوٰۃ نکالنا کافی نہیں ہے بلکہ اُسے شرعی قواعد کے مطابق ادا کرنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے جیسے شرعی مستحق کو دینا، اور مالک اور قابض بنا کر دینا وغیرہ۔

قوله : وَتَصِلُ الرَّحِمَ ... (ص:۳۱،سطر۸)

---

(۱) فتح الملہم، ج۱ص۵۰۹۔

تصل مضارع کا صیغہ ہے اور وصل یصل وصلاً وصلة مصدر ہے اس کے معنٰی ملانے اور جوڑنے کے آتے ہیں تو اس جملہ کے معنٰی ہوئے کہ تُو قرابت داری کو جوڑ اور ملا۔ مراد یہ ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کر۔ اور رحم کے لغوی معنٰی ہیں ''بچہ دانی'' رشتہ داری اور قرابت داری کو بھی مجازاً رحم کہا جاتا ہے کیونکہ بچہ دانی قرابت داری کا سبب بنتی ہے۔

اہم فائدہ

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے جواب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱ ... **تَعْبُدُ اللهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ،** (یہ ایک حصہ ہوا)

۲ ... **وَتَصِلُ الرَّحِمَ،** (یہ دوسرا حصہ ہوا)

پہلے حصے میں اللہ تعالیٰ کے اہم حقوق کا بیان ہے اور دوسرے حصہ میں حقوق العباد میں سے اہم حقوق کا ذکر ہے۔ اور یہی پورے دین کا خلاصہ ہے اسے دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ دین دراصل نام ہے حقوق کی ادائیگی کا۔ اور حقوق دو طرح کے ہیں: ۱۔ حقوق اللہ، ۲۔ حقوق العباد۔ لہٰذا دونوں کو ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ (۱)

قوله : دَعِ النَّاقَةَ ... (ص:۳۱، سطر ۸)

یعنی اونٹنی کو چھوڑ دے کیونکہ سوال کا جواب تجھے مل گیا ہے۔ (۲)

ایک سوال اور جواب

یہاں سوال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے روزہ اور حج کا ذکر کیوں نہیں فرمایا۔ نیز دوسرے بہت سے فرائض و واجبات اور حرام و ناجائز اعمال سے بچنے کا ذکر کیوں نہیں فرمایا۔

جواب یہ ہے کہ دراصل حضور ﷺ نے اس وقت سائل کے حال کے مناسب جواب دیا چنانچہ آپ نے بنیادی چیزوں کو ذکر فرمایا کیونکہ عبادات کی دو قسمیں ہیں بدنی اور مالی۔ بدنی عبادت کے ذکر کے لئے **تقیم الصلاة** کا لفظ فرمایا اور مالی عبادت کو تؤتی الزکوۃ سے ذکر فرمایا۔ اور یہ حقوق اللہ میں اہم ترین حق ہے۔ اور حقوق العباد میں بہت تفصیل ہے۔ ان میں اہم ترین صلہ رحمی ہے اس لئے اس کا ذکر فرمایا۔

---

(۱) درس مسلم ج ۱ ص ۲۹۲۔

(۲) شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۔

آج کل بعض طلبہ وطالبات مجاہدین اور بعض مبلغین حقوق العباد ادا کرنے اور خاص طور پر صلہ رحمی کرنے سے غافل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم دین کی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہیں۔اس لئے وہ صلہ رحمی کی طرف توجہ نہیں کرتے یہ غلو فی الدین ہے جو ممنوع ہے جبکہ دینِ اسلام کی خصوصیت اعتدال ہے۔لہٰذا ان چیزوں کا اہتمام کرنا چاہئے۔

۱۰۲۔ وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ بِشْرٍ، قَالَا :نَا بَهْزٌ، قال : نَا شُعْبَةُ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ، وَأَبُوهُ عُثْمَانُ، أَنَّهُمَا سَمِعَا مُوسَى بْنَ طَلْحَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ هَذَا الْحَدِيثِ" (ص:۳۱،سطر۸تا۱۰)

تشریح

قوله : قال : نَا شُعْبَةُ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ... (ص۳۱،سطر۹)

اس روایت میں راوی حضرت شعبہؒ کو محمد بن عثمانؒ کے نام میں وہم ہوا ہے۔ان کا اصل نام عمرو بن عثمان ہے جیسے کہ اس سے پہلے والی روایت میں ہے۔لیکن چونکہ حضرت شعبہؒ نے یہاں اسی طرح بیان کیا ہے اس لئے آپ اصل کتاب میں تصحیح نہ کریں بلکہ اس بات کو زبانی سمجھ لیں۔

۱۰۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ،...(الی قوله)...عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ أَعْمَلُهُ يُدْنِينِي مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ؟ قَالَ :تَعْبُدُ اللهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ ذَا رَحِمِكَ فَلَمَّا أَدْبَرَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنْ تَمَسَّكَ بِمَا أُمِرَ بِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ." (ص۳۱،سطر۱۰تا۱۲)

تشریح

قوله : تَعْبُدُ اللهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا ... (ص:۳۱،سطر۱۱)

یہاں شیئا مفعول بہ ہے یا مفعول مطلق ہے اس دوسری صورت میں مضاف مقدر ہوگا یعنی اصل میں اشراک شیئ ہے۔

قوله : وَتَصِلُ ذَا رَحِمِکَ ... (ص:۳۱،سطر۱۱)

اس میں لفظ رحم ح کے سکون اور کسرہ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ [۱]

صلہ رحمی یہ ہے کہ جتنا ہو سکے تم رشتہ داروں اور قرابت داروں کو راحت اور خوشی پہنچاتے رہو ان کی مدد کرو ان کی شادی وغمی میں سنت کے مطابق شریک رہو ان سے خندہ پیشانی سے ملو، کبھی کبھی ان کی ملاقات کے لئے جایا کرو اور ان کو ناحق تکلیف پہنچانے سے گریز کرو، آج کل بہت سے لوگ اس کو دین کا فریضہ نہیں سمجھتے حالانکہ یہ دین کا اہم فریضہ ہے۔ اور تصل کے معنیٰ ہیں جوڑو اور ملاتے رہو، قطع تعلق نہ کرو یعنی ایسے کام نہ کرو یا ایسی باتیں نہ کرو جس کی وجہ سے رشتہ داروں سے تعلقات میں ناحق قطع تعلقی پیدا ہو۔ [۲]

قوله : دَخَلَ الْجَنَّةَ ... (ص:۳۱،سطر۱۲)

معلوم ہوا کہ صلہ رحمی نیک کاموں میں سے ہے جن کی بدولت آدمی جنت میں جائے گا۔

۱۰۴ ... "وحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاق...(الى قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ! دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ. قَالَ :تَعْبُدُ اللهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ، وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ. قَالَ :وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا شَيْئًا أَبَدًا، وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ، فَلَمَّا وَلَّى، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا" (ص:۳۱سطر:۱۲تا۱۴)

تشریح

قوله : مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا. (۳۱سطر۱۴)

حضور ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہوگیا ہوگا کہ ان کا خاتمہ ایمان اور عملِ صالحہ پر ہوگا۔ اس لئے یہ ارشاد فرمایا۔

۱۰۵ - "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، وَاللَّفْظُ لِأَبِي

(۱) لسان العرب جلد۵،ص۱۷۵

(۲) درس مسلم ج۱ص۲۹۴۔

كُرَيْبٍ،...(الى قوله)...عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النُّعْمَانُ بْنُ قَوْقَلٍ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ إِذَا صَلَّيْتُ الْمَكْتُوبَةَ، وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ، وَأَحْلَلْتُ الْحَلَالَ، أَأَدْخُلُ الْجَنَّةَ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ.“ (ص:۳۱،سطر:۱۵وص:۳۲سطر:۱،۲)

تشریح

قوله : حَرَّمْتُ الْحَرَامَ، وَأَحْلَلْتُ الْحَلَالَ... (ص:۳۲سطر:۲)

اس میں سب اوامر ونواہی کا اصولی طور پر ذکر آ گیا۔ **حرمت الحرام** کا مطلب یہ ہے کہ میں تمام ناجائز اور حرام کاموں کو عقیدۃً بھی حرام سمجھوں گا۔ اور عملاً بھی ان سے اجتناب کروں گا۔ لیکن **احللت الحلال** کا مطلب صرف یہ ہوگا کہ میں تمام حلال اور جائز چیزوں کو اعتقاداً حلال سمجھوں گا اس لئے کہ تمام حلال چیزوں پر عمل کرنا ضروری نہیں البتہ تمام محرمات سے بچنا ضروری ہے۔ (۱)

باب بیان ارکان الاسلام و دعائمه العظام

۱۰۶ - ”حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ الْهَمْدَانِيُّ قال: ثَنَا أَبُو خَالِدٍ يَعْنِي سُلَيْمَانَ بْنَ حَيَّانَ الْأَحْمَرَ، عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ، عَلَى أَنْ يُوَحَّدَ اللّٰهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصِيَامِ رَمَضَانَ، وَالْحَجِّ۔ فَقَالَ رَجُلٌ: الْحَجُّ، وَصِيَامِ رَمَضَانَ؟ قَالَ: لَا، صِيَامِ رَمَضَانَ، وَالْحَجِّ۔ هٰكَذَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ (ص:۳۲سطر:۵تا۷)

تشریح

قوله : فَقَالَ رَجُلٌ: الْحَجُّ، وَصِيَامِ رَمَضَانَ؟ (ص:۳۲سطر:۷)

اس شخص نے اپنے کلام میں جو حج کو مقدم کیا ہے، اور رمضان کے روزوں کو مؤخر کیا، ہوسکتا ہے کہ اس شخص نے اس حدیث کو اسی طرح سنا ہو کسی اور سے، اور حضرت ابن عمرؓ نے اس طرح سنا تھا جس طرح یہاں روایت کیا گیا ہے اسی لئے حضرت ابن عمرؓ نے اپنے سنے ہوئے کے مطابق اصلاح

(۱) فتح الملہم، ج۱،ص۳۵۲۔

فرمائی، بہر حال حضرت ابن عمرؓ کی اس طرح اصلاح کرنے سے معلوم ہوا کہ روایت کے الفاظ یاد ہوں تو روایت بالمعنیٰ نہیں کرنی چاہئے۔[1]

۱۰۷ - "حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ عُثْمَانَ الْعَسْكَرِيُّ، قَالَ: نَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّاءَ بن ابى زائدة، قَالَ: نَا سَعْدُ بْنُ طَارِقٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَعْدُ بْنُ عُبَيْدَةَ السُّلَمِيُّ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ، عَلَى أَنْ يُعْبَدَ اللّٰهُ، وَيُكْفَرَ بِمَا دُونَهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ (ص:۳۲سطر:۷تا۹)

تشریح

قوله : وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ (ص:۳۲سطر:۹)

ایک سوال اور دو جواب

سوال:۔ اس روایت میں حج کا ذکر پہلے ہے اور راوی بھی حضرت ابن عمرؓ ہیں حالانکہ اوپر کی حدیث میں خود حضرت ابن عمرؓ نے حج کو مقدم کرنے کی نفی فرمائی ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں!

۱۔ یہاں سعد بن عبیدہ السلمی سے نیچے کے کسی راوی کو وہم ہوا ہے یا اس نے روایت بالمعنیٰ کی ہے اور اسے حضرت ابن عمرؓ کی نکیر کا علم نہیں ہوا ہوگا اس لئے اس نے اس طرح روایت کر دیا۔

۲۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مرتبہ سنی ہو ایک دفعہ لفظ صوم کے ساتھ اور دوسری مرتبہ صیامِ رمضان کے ساتھ۔ صوم رمضان کی روایت میں حج مقدم ہو اور صیام رمضان کی روایت میں حج مؤخر ہو۔ واللہ اعلم[2]

۱۰۸ - "حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ، قَالَ نَا أَبِي قَالَ نَا عَاصِمٌ وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ

---

(۱) اکمال المعلم ص۱۸۸۔ ج۱

(۲) الحل المفهم ج۱ص۳۔

وَرَسُوْلُهُ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ (ص:۳۲ سطر:۹ تا ۱۱)

تشریح

قوله : بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَىٰ خَمْسٍ (ص:۳۲ سطر:۹ تا ۱۰)

جس طرح کسی عمارت کو اٹھانے کے لئے ستون اور پلر ہوتے ہیں اسی طرح اسلام کے بھی پانچ ارکان ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں اسلام کی مثال خیمے کی طرح دی گئی ہے۔ خیمے کے بیچ میں ایک ستون ہوتا ہے اور چاروں طرف رسیاں اور ڈوریاں ہوتی ہیں، فرمایا کہ اس حدیث میں شہادتین مثل ستون کے ہے اور باقی چار اعمال خیمے کے چاروں طرف کی رسیوں کی مانند ہیں لہٰذا اگر ستون کو درمیان سے نکال دیا جائے تو پھر خیمہ کھڑا نہیں رہ سکتا اسی طرح اسلام بھی شہادتین یعنی ایمان کے بغیر باقی نہیں رہتا۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج چار رسیوں کی طرح ہیں جب رسیاں مضبوط ہوں تو خیمہ بھی مضبوط ہوتا ہے لیکن جتنی رسیاں کمزور اور ڈھیلی ہو جائیں گی اتنی ہی خیمے کی افادیت بھی کم ہوتی جائے گی البتہ خیمے کا نام باقی رہے گا اس لئے اگر یہاں بھی شہادتین کے علاوہ چار چیزوں پر عمل نہ ہو تو اسلام کا وجود اور اس کی افادیت کامل نہ ہوگی بلکہ ایک درجہ میں باقی رہے گی کہ ایسا شخص ایمان کی بدولت ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں جانے سے محفوظ رہے گا۔ (۱)

ایک سوال اور ایک جواب

سوال:۔ یہاں ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ اس حدیث میں معاملات، معاشرت اور احسان کا ذکر نہیں ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ جواب یہ ہے کہ ارکان اسلام ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام صرف ان پانچ چیزوں میں منحصر ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ اسلام کے بنیادی اعمال ہیں باقی سب اعمال ان کے تابع، ان کی فروع اور قسم ہیں۔ اور معاملات اور معاشرت بھی اگرچہ دینِ اسلام کے اہم شعبے ہیں لیکن اصل مقصود عبادت ہے۔ تبلیغ، جہاد، تدریس اور اسلامی حکومت کا قیام اس مقصودِ اصلی کا ذریعہ ہیں چنانچہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" (۲)

---

(۱) فضائل اعمال حصہ دوم فضائل نماز حدیث نمبر ا ص ۴

(۲) سورۃ الذاریات :۵۶۔

حاصل یہ ہے کہ مقصودِ اصلی یہ چار عبادتیں ہیں باقی عبادتیں ان کے تابع ہیں۔ [۱]

قوله : شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ.....الخ (ص:۳۲سطر:۱۰)

معلوم ہوا کہ دوسری روایت میں أَنْ يُوَحِّدَ اللّٰهَ اور يعبدو الله سے مراد شہادتین ہیں۔

۱۱۴ ـ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، قال: نَا أَبِي، قال: نَا حَنْظَلَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ بْنَ خَالِدٍ، يُحَدِّثُ طَاوُسًا، أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَلَا تَغْزُو؟ فَقَالَ :إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: إِنَّ الْإِسْلَامَ بُنِيَ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصِيَامِ رَمَضَانَ، وَحَجِّ الْبَيْتِ. (ص:۳۲ سطر:۱۱و۱۲)

تشریح

قوله : أَلَا تَغْزُو؟ (ص:۳۲سطر:۱۱)

یعنی آپ جہاد کیوں نہیں کرتے؟ اس سوال کے جواب میں حضرت ابن عمرؓ کا ارکانِ اسلام والی حدیث سنانے کا مطلب یہ ہے کہ جہاد ارکانِ اسلام میں سے نہیں۔ اور یہ ہر حال حالت میں فرضِ عین بھی نہیں۔ بلکہ خاص حالت میں فرضِ عین ہوتا ہے۔ لہٰذا اس وقت ترکِ جہاد پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ [۲]

باب الامر بالايمان بالله تعالىٰ ورسوله وشرائع الدين

۱۱۵ ـ حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، ح وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى -وَاللَّفْظُ لَهُ- أَنَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّا هَذَا الْحَيَّ مِنْ رَبِيعَةَ، وَقَدْ حَالَتْ بَيْنَنَا، وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ، وَلَا نَخْلُصُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي شَهْرِ الْحَرَامِ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نَعْمَلُ بِهِ، وَنَدْعُو إِلَيْهِ مَنْ وَرَاءَنَا۔ قَالَ: آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: الْإِيمَانِ بِاللّٰهِ، ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ، فَقَالَ:

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۲۹۷۔

(۲) الحل المفهم ج۱ص۳۰۔

شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَأَنْ تُؤَدُّوا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالنَّقِيرِ، وَالْمُقَيَّرِ زَادَ خَلَفٌ فِي رِوَايَتِهِ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَعَقَدَ وَاحِدَةً (ص:۳۳سطر:۱تاص:۳۴سطر:۱)

تشریح

قوله : عَنْ أَبِي جَمْرَةَ... (ص:۳۳سطر:۱)

حضرت ابو جمرۃؒ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ جو عراق کا مشہور ساحلی شہر ہے۔ اور نسبی اعتبار سے قبیلہ عبدالقیس ہی کی ایک شاخ کے فرد تھے۔ [۱]

اُس وقت بصرہ کی زبان فارسی تھی اور یہ عجیب بات ہے کہ جو علاقے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فتح کیے تقریباً ان سب علاقوں اور ملکوں کی زبان عربی بن گئی۔ اور اب تک وہاں عربی زبان ہی چلی آرہی ہے۔ جیسا کہ عراق، شام، لبنان، اُردن، فلسطین، مصر، سوڈان، لیبیا، تیونس، الجزائر اور مراکش۔ یہ تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی برکات تھیں۔ حالانکہ یہ تمام ممالک عجمی ہیں۔ ان میں سے کوئی ملک بھی سرزمینِ عرب کا حصہ نہیں۔ زبان کی وجہ سے اب ان ممالک کو بھی عرب میں شمار کیا جاتا ہے۔ [۲]

قوله : وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ... (ص:۳۳سطر:۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ وفد سن ۸ھ ہجری میں فتح مکہ سے پہلے آیا تھا۔ [۳]

اور جس علاقے سے آیا تھا آج کل وہاں جو شہر آباد ہیں ان کے نام بحرین، ظہران، دمام، الخبیر ہیں۔ یہاں ایک شہر جوائی ہے (یہی وہ مقام ہے جہاں حرمین شریفین کے بعد سب سے پہلے نمازِ جمعہ ہوئی) اسی علاقے میں ایک بستی کا نام حجر تھا۔ جس کی کھجوریں مشہور تھیں۔ یہ مدینہ منورہ سے بہت دور ہے۔ اگر اونٹ پر اس سفر کو طے کیا جائے تو تقریباً ایک ماہ لگ جائے گا۔ درمیان میں ایک خوفناک اور طویل صحراء کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ اس علاقے کے ایک صاحب ''منقذ بن حیان'' تھے۔ جو تجارت کا سامان لے کر مدینہ منورہ آیا کرتے تھے۔ حضورِ اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ

(۱) فتح الباری ج۱ص۱۷۳۔
(۲) درسِ مسلم ج۱ص۳۰۰۔
(۳) اکمال المعلم ج۱ص۲۲۹۔

تشریف لا چکے تھے تو یہ ایک جگہ بیٹھے تھے۔ وہاں سے آپ ﷺ کا گزر ہوا تو یہ اُٹھ کر آپ سے ملے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم "منقذ بن حیان" ہو۔ تمہارا کیا حال ہے؟ تمہاری قوم کا کیا حال ہے؟ پھر وہاں کے بڑے بڑے لوگوں کے نام لے کر پوچھا کہ فلاں کا کیا حال ہے؟ فلاں کا کیا حال ہے؟ تو یہ حیران ہوئے۔ اور اسلام لے آئے۔ اور سورۂ فاتحہ، سورۂ اقراء باسم ربك الذی خلق سیکھی۔ پھر جب واپس جانے لگے تو حضور ﷺ نے ایک تبلیغی خط ان کی قوم کے نام عطا فرمایا۔ ان کی بیوی وہاں کے سردار کی بیٹی تھی۔ سردار کا نام "منذر" تھا۔ منقذ نے وہاں جا کر شروع میں اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔ گھر ہی میں وضو کر کے نماز پڑھتے تھے۔ ان کی بیوی نے ان کے یہ اعمال وافعال دیکھے تو اپنے باپ "منذر" کو بتلایا کہ جب سے یہ یثرب (مدینہ) سے آیا ہے۔ اسکی حالت بدل گئی ہے۔ یہ اپنے ہاتھ منہ دھوتا ہے۔ اور کعبہ کی طرف منہ کرتا ہے، کبھی جھکتا ہے، کبھی پیشانی زمین پر ٹیکتا ہے سسر نے اس بارے میں ان سے بات کی۔ انہوں نے صاف صاف سارے حالات بتا دیئے۔ اور اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کر دیا۔ اور حضور کا نامہ مبارک بھی دے دیا۔ منذر فوراً اسلام لے آئے۔ اور اپنی قوم کو جمع کیا اور منقذ کے حالات بتا کر انہیں حضور کا نامہ مبارک سنایا۔ جس پر ان سب نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

اب ضرورت تھی احکام سیکھنے کی، اس غرض سے اس وفد نے —— چودہ سواروں پر مشتمل تھا —— مدینہ طیبہ کا سفر کیا جب یہ وفد مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو حضور ﷺ کو بذریعۂ وحی ان کے آنے کی خبر دی گئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا "اتاکم وفد عبد القیس خیر اھل المشرق" یعنی تمہارے پاس قبیلہ عبد القیس کا وفد آ رہا ہے جو اہلِ مشرق میں سب سے بہتر ہے۔ (۱)

قوله : فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّا هٰذَا الْحَيَّ... (ص:۳۳، سطر:۲)

شارحین نے فرمایا ہے کہ یہاں الحیَّ منصوب ہے تخصیص کی بنا پر، (۲) اور تخصیص کی بناء پر منصوب ہونے کا یہ مطلب ہے کہ یہ فعل محذوف اخص کا مفعول بہ ہے۔ اور یہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جملہ معترضہ ہے۔ یعنی ھذا الحیُّ نَخُصُّ فعل محذوف کا مفعول بہ ہے اور یہ جملہ فعلیہ جملہ معترضہ ہے۔ (۳)

---

(۱) شرح النووی ص۳۳ ج۱ واکمال المعلم ج۱ ص۸۸

(۲) کذا فی فتح الملہم۔

(۳) درس مسلم ج۱ ص۳۰۱۔

وفد عبد القیس کے قبیلہ کا نام ربیعہ ہے، اور مضر بھی ایک قبیلہ ہے اور دونوں قبیلے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

قوله : وَلَا نَخْلُصُ إِلَيْكَ... (ص:۳۳،سطر:۲)

ای لا نصل الیك یعنی ہم سلامتی سے آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے۔[1]

قوله : إِلَّا فِي شَهْرِ الْحَرَامِ... (۳۳، ۲)

اشہر حرم چار مہینہ ہیں ا۔ ذو القعدہ، ۲۔ ذی الحجہ، ۳۔ محرم الحرام، ۴۔ رجب، ان چار مہینوں میں اہلِ عرب قتال کو حرام سمجھتے تھے۔ لیکن تین ماہ مسلسل نہ لڑنا ان پر بھاری گزرتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ''نسیء'' کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ اس طرح کہ ذوالقعدہ اور ذو الحجہ کا مہینہ بغیر لڑے گزار دیتے۔ آگے محرم پر صفر کو مقدم کر کے اُس میں لڑنے کو حلال کر لیتے تھے۔ اس کے بعد محرم کو لاتے اور اس میں لڑائی سے باز رہتے، مہینوں کو اس طرح آگے پیچھے کرتے تھے تاکہ کسی طرح لڑنے کا موقعہ مل جائے۔[2]

اسلام نے شروع میں ان مہینوں میں قتال کو حسبِ سابق حرام رکھا اور فتح مکہ تک جو رمضان سن ۸ھ میں ہوئی یہی حکم جاری تھا۔ پھر ۹ھ میں اس حکم کی منسوخی کا اعلان کیا گیا اور عرب کے مشرکین کے بارے میں یہ حکم آگیا۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ .....الخ[3]

چنانچہ اس آیت کی رو سے مشرکین عرب کے لئے صرف دو حکم رہ گئے۔ ا۔ اسلام قبول کر لیں ۲۔ یا لڑنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ ان سے جزیہ قبول نہ ہوگا۔ اور اس آیت نے اشہر حُرُم یعنی ان چار محترم مہینوں میں قتال کی ممانعت کو بھی ختم کر دیا۔[4]

---

(۱) مراد یہ ہے کہ اپنے کافر دشمنوں کے خوف کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صرف اشہر حرام میں ہی حاضر ہو سکتے ہیں باقی مہینوں میں حاضر نہیں ہو سکتے۔ فتح الملہم ج ۱ ص ۳۵۹۔

(۲) معارف القرآن: ج ۴ ص ۳۷۔

(۳) سورۂ توبہ: آیت نمبر ۵۔

(۴) فتح الملہم ج ۱ ص ۳۵۹۔

ایک سوال اور دو جواب

سوال:۔ اشہر حُرُم تو چار ہیں پھر یہاں حدیث شریف میں فی الشھر الحرام میں واحد کا صیغہ شہر کیوں لایا گیا ہے ـــ اس کے دو جواب ہیں۔

۱۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں شھر سے شھر کی جنس مراد ہے۔ جس میں یہ چاروں مہینے داخل ہو گئے۔ (۱)

۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں شھر سے بطورِ خاص رجب کا مہینہ مراد ہے۔ اور اس کا ایک قرینہ بھی ہے جو بیہقی کی روایت میں ہے جس میں ماہِ رجب کی صراحت ہے۔ (۲)

قوله : مَنْ وَرَائَنَا...الخ (ص:۳۳، سطر:۳)

اس کے معنیٰ ہیں جو وطن میں رہ گئے۔

قوله : آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ، (ص:۳۳، سطر:۳) باربع کے معنیٰ ہیں بخصالٍ اربعٍ یعنی چار باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہوں۔

قوله : ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ، (ص:۳۳، سطر:۳)

سوال: الایمان باللہ مذکر ہے اور فسرھا میں ضمیر مؤنث کیوں لائی گئی ہے جو ایمان باللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

جواب:۔ فَسَّرَهَا میں ہاءِ ضمیر کا مرجع الخصلة الاولیٰ محذوف کی طرف یہ ضمیر لوٹ رہی ہے جس کی آپ نے تفسیر فرمائی۔

سوال

یہاں ایک سوال اور ذہن میں آسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایمان کی تفسیر شہادتین سے فرمائی حالانکہ شہادتین زبان کا عمل ہے جبکہ ایمان تصدیق بالقلب کا نام ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں اگر چہ متباین ہیں، لیکن یہ دونوں ایک دوسرے

---

(۱) فتح الباری ج۱ص۱۳۲۔

(۲) سنن الکبری للبیھقی ج۶۔ص۳۰۲۔

کو لازم بھی ہیں۔ اسی وجہ سے مجازاً ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرلیا جاتا ہے[1] اس لئے کوئی اشکال کی بات نہیں۔

قولہ : خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ، (۳۴۔سطر۱)

کفار سے جو مال حاصل کیا جاتا ہے اُس کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ جزیہ۔ جو ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔

۲۔ خراج: یہ ذمیوں کی زمینوں کا ٹیکس ہے۔

۳۔ مالِ فئی: جو کافروں سے بغیر لڑائی کے حاصل ہو۔

۴۔ مالِ غنیمت: جو کافروں سے جنگ کرنے سے حاصل ہو۔

مالِ غنیمت میں سے ایک خمس بیت المال کے لئے نکالا جاتا ہے۔ اور اس ایک خمس کے مصارف سورۃُ الانفال کی اس آیت میں مذکور ہیں۔

"وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ"[2]

یہاں اس آیت میں اس خمس کا ذکر ہے باقی چار خمس مجاہدین میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔

مالِ فئی میں سے خمس نہیں نکالا جاتا بلکہ حکومتِ اسلامیہ کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس پورے مال کو مصالحِ مسلمین میں سے جس میں مناسب سمجھے خرچ کرے۔ اس کے مصارف سورۂ حشر کی اس آیت میں مذکور ہیں:۔

"مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ"[3]

قولہ : الدُّبَّاءِ، (ص:۳۴،سطر:۱)

اس کے معنیٰ ہیں گول کدو۔ بعض اوقات کدو بہت بڑا ہوتا ہے اس کو سکھا کر اس کے اندر سے گودا نکال کر برتن کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور اس میں شراب رکھی جاتی تھی۔[4]

قولہ : وَالْحَنْتَمِ، (ص:۳۴،سطر:۱)

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۳۰۲۔

(۲) سورۃ انفال: آیت نمبر۴۱۔

(۳) سورۂ حشر: آیت نمبر:۷۔

(۴) درسِ مسلم ج۱ص۳۰۲۔

"الحنتم" مطلق مٹکے کو بھی کہتے ہیں اور سبز رنگ کے مٹکے کو بھی۔ اور اس پر سبز رنگ اس لئے لگایا جاتا تھا تا کہ اس کے مسامات بند ہو جائیں نشہ جلد پیدا ہو اور تیز ہو جائے۔[۱]

قولہ : وَالنَّقِيرِ، (ص:۳۴، سطر:۱)

یہ منقور کے معنیٰ میں ہے یہ بھی شراب کا ایک برتن ہوتا تھا جو کسی درخت کا موٹا تنا لے کر اُسے اندر سے کھود کر برتن بنالیا جاتا تھا۔[۲]

قولہ : وَالْمُقَيَّرِ (ص:۳۴، سطر:۱)

وہ برتن جس پر قیر یا قار لگایا جائے یہ ایک قسم کا روغن ہوتا ہے جو خاص قسم کی نبات سے نکلتا ہے جسے سکھا کر، پھر جلا کر تیل نکالا جاتا تھا۔ اس کو کشتیوں پر پالش کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا۔[۳]

اور لسان العرب میں ہے کہ یہ ایک قسم کا گوند ہے جو کسی نبات سے نکلتا تھا اسے پگلا کر اونٹوں کے جسم پر اور کشتیوں پر ملا جاتا تھا۔[۴]

ان چار برتنوں میں ایک مشترک بات یہ تھی کہ انکے لگانے سے برتن کے مسامات بند ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے نشہ جلدی پیدا ہوتا تھا اور نشہ بھی تیز ہوتا تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وفد عبد القیس کا واقعہ حرمتِ خمر کے بعد کا واقعہ ہے اگر چہ نبیذ جو نشہ آور نہ ہو اس کا پینا جائز تھا لیکن شروع اسلام میں ان برتنوں میں نبیذ رکھنے سے بھی منع کیا گیا تھا جس کی متعدد وجوہ ہیں ان میں سے تین یہ ہیں۔

۱ ... ایک یہ کہ نشہ جلدی پیدا ہونے کی وجہ سے یہ خطرہ تھا کہ غلطی سے یہ نشہ والی نبیذ نہ پی جائے۔

۲ ... جب یہ برتن گھر میں ہونگے تو شراب یاد آئے گی جس سے اس کی رغبت پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔

۳ ... اگر یہ برتن گھر میں ہونگے تو دیکھنے والے بدگمانی کریں گے اور مواضع تہمت سے بچنا ضروری ہے۔[۵]

لیکن بعد میں ان برتنوں کے استعمال میں جب یہ مفاسد باقی نہ رہے تو آپ نے ان کے

(۱) فتح الملهم ج۱ص۳۶۰۔

(۲) فتح الملهم ج۱ص۳۶۰۔

(۳) فتح الملهم ج۱ص۳۶۰۔

(۴) لسان العرب ج۱۱ص۳۶۹۔

(۵) فتح الباری ج۱ص۱۳۵ و مرقاۃ ج۱ص۱۷۲،۱۷۳۔

استعمال کی حرمت کو منسوخ فرمادیا چنانچہ صحیح مسلم جلد ثانی کی کتابُ الاشربہ میں ایسی ناسخ حدیثیں موجود ہیں۔

قوله : وَعَقَدَ وَاحِدَةً (ص:۳۴،سطر:۱)

اس کے معنی ہیں ''اور انگلی سے اشارہ فرمایا'' یہ گنتی کا ایک طریقہ تھا۔ جسے عقدِ انامل کہا جاتا ہے۔ اسی نام سے ایک رسالہ ہے ''عقدِ انامل'' جو دارالعلوم کراچی کی لائبریری میں موجود ہے۔ اُس میں گنتی کے اس طریقے کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اور گنتی کے اس خاص طریقے سے انگلیوں کی مختلف ھیئتوں کے ذریعے بہت بڑی بڑی گنتیاں شمار کرلی جاتی ہیں۔ تقریباً ایک ہزار تک۔

۱۱۶ - ''حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ :حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ، وَقَالَ الْآخَرَانِ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، قَالَ :كُنْتُ أُتَرْجِمُ بَيْنَ يَدَيِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَبَيْنَ النَّاسِ، فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ، تَسْأَلُهُ عَنْ نَبِيذِ الْجَرِّ، فَقَالَ :إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ أَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنِ الْوَفْدُ؟ أَوْ مَنِ الْقَوْمُ؟ ، قَالُوا :رَبِيعَةُ، قَالَ :مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ، أَوْ بِالْوَفْدِ، غَيْرَ خَزَايَا، وَلَا النَّدَامَى ، قَالَ :فَقَالُوا :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا نَأْتِيكَ مِنْ شُقَّةٍ بَعِيدَةٍ، وَإِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هَذَا الْحَيَّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ، وَإِنَّا لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيكَ إِلَّا فِي شَهْرِ الْحَرَامِ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصْلٍ نُخْبِرْ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ، قَالَ:فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ، وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ، قَالَ :أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللهِ وَحْدَهُ، وَقَالَ :هَلْ تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللهِ؟ قَالُوا :اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ :شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصَوْمُ رَمَضَانَ، وَأَنْ تُؤَدُّوا خُمُسًا مِنَ الْمَغْنَمِ، وَنَهَاهُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالْمُزَفَّتِ'' (ص۳۴۔سطر ا تا ص:۳۵ سطر:۳)

تشریح

قوله : حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (ص:۳۴،سطر:۱)

یہ روایت حضرت امام مسلمؒ نے تین اساتذہ سے سنی ہے۔

۱۔ ابوبکر بن ابی شیبہؒ ۲۔ محمد بن المثنیٰؒ ۳۔ محمد بن بشارؒ۔

قولہ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، (ص:۳۴،سطر:۲)

حضرت امام مسلم کے استاذ ابوبکرؒ اور دیگر دو اساتذہ کی روایت میں دو فرق ہیں:۔

۱ ... ابوبکر بن ابی شیبہ نے محمد بن جعفرؒ کا نام لینے کے بجائے ان کا لقب غندرؒ ذکر کیا ہے جبکہ دوسرے دو اساتذہ نے ان کا نام محمد بن جعفرؒ لے کر روایت کی ہے۔

۲ ... ابوبکر بن ابی شیبہ کی روایت میں غندرؒ اپنی مروی عنہ حضرت شعبہؒ سے بصیغہ عن روایت کر رہے ہیں جبکہ دیگر اساتذہ کے طریق میں حدثنا کی تصریح ہے۔

قولہ : كُنْتُ أُتَرْجِمُ بَيْنَ يَدَيِ ابْنِ عَبَّاسٍ، (ص:۳۴،سطر:۲)

میں حضرت ابن عباسؓ کے سامنے ترجمہ کر رہا تھا یہ واقعہ بصرہ کا ہے، بصرہ کی زبان اس زمانے میں فارسی تھی اور حضرت ابن عباسؓ کی زبان عربی تھی، اس لئے مترجم کی ضرورت تھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس زمانے میں حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ کے عامل یعنی گورنر تھے۔ (۱)

قولہ : فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ ... (ص:۳۴،سطر:۳)

یہ واقعہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد کا ہے جبکہ کسریٰ پر فتح ہو چکی تھی۔

قولہ : نَبِيذِ الْجَرِّ، (ص:۳۴،سطر:۳)

"الجر" مٹکا جس کو "حنتم" بھی کہتے ہیں۔

قولہ : تَسْأَلُهُ ... الخ (ص:۳۴،سطر:۳)

حضرت ابن عباسؓ نے مٹکے کے جائز ہونے کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ ناجائز ہونے کا حکم ثابت کرنے کے لئے شراب کے چار برتنوں کی حرمت والی حدیث سنائی حالانکہ ان کی حرمت منسوخ ہو چکی تھی اور ناسخ احادیث مسلم شریف جلد ثانی کی کتابُ الاشربہ میں موجود ہیں۔ بظاہر اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کو ناسخ احادیث کا اُس وقت علم نہ ہوا ہوگا۔ (۲)

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ ص۳۰۶۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ ص۳۰۷۔

قوله : مَنِ الْوَفْدُ؟ (ص:۳۴،سطر:۳)

وفد ایک چھوٹی جماعت کو کہتے ہیں جو بڑی جماعت کی طرف سے نمائندہ بن کر کسی اہم مسئلہ پر بات کرنے کے لئے کسی بڑی شخصیت یا شخصیات کے پاس جائے اس کے بعد اگر جانے والا (نمائندہ) ایک آدمی ہو تو اُسے وافد کہتے ہیں اُس وفد کی تعداد بعض روایات میں چودہ اور بعض میں ۴۰ آئی ہے روایات کے اس اختلاف کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ بڑے درجہ کے لوگ چودہ ہونگے باقی ان کے ماتحت ہونگے۔[۱]

سوال

وفد عبد القیس جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے بذریعہ وحی پہلے سے بتلا دیا تھا سوال یہ ہے کہ پھر وفد کے لوگوں سے کیوں پوچھا: مَنِ الْوَفْدُ؟

جواب

اس سوال کے تین جواب ہیں:۔

۱ … وحی سے معلوم تو ہوگیا تھا مگر آپ ﷺ کے پاس مختلف وفود آتے رہتے تھے، اس لئے یہ تعین نہ ہوا ہوگا کہ آیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں وحی کے ذریعے بتلایا گیا تھا یا یہ کوئی اور ہیں۔

۲ … دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو تو معلوم ہوگیا تھا لیکن حاضرین کو بتلانے کے لئے کہ یہ وفد عبد القیس ہے سوال فرمایا۔

۳ … تیسرا جواب یوں ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ ادب سکھانے کے لئے سوال کیا ہو کہ جب بھی نئے لوگ ملاقات کرنے کے لئے آئیں تو بہتر یہ ہے کہ گفتگو سے پہلے تعارف کرلیا جائے تا کہ اجنبیت دور ہو جائے اور مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے گفتگو ہو۔[۲]

قوله : مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ، (ص:۳۴،سطر:۳،۴)

اس میں مرحبا منصوب ہے اگر صرف مرحبا ہوتا بالقوم نہ ہوتا تو یہ اتیتم فعل محذوف کا مفعول فیہ ہوتا۔

(۱) شرح النووی ج۱ص۳۳۔

(۲) درس مسلم ج۱ص۳۰۸۔

مرحب رحبٌ کا اسم ظرف ہے اور رحبٌ وسعت کو اور مرحب وسعت والی جگہ کو کہتے ہیں اور مرحب کا کلمہ مانوس کرنے کے لئے بولا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ تم کشادہ اور وسعت والی جگہ میں آئے ہو۔ تمہیں یہاں کوئی تنگی محسوس نہ کرنی چاہئے اور کبھی اس کے ساتھ اھلا و سھلاً بھی کہہ دیتے ہیں اس کی تقدیر عبارت یوں ہوگی (اتیتم اھلاً و مکانا سھلاً) اور کبھی اس کے ساتھ مرحباً بھی کہہ دیتے ہیں "اھلاً و سھلاً مرحباً" لیکن یہاں حدیث میں مرحبا کے ساتھ بالقوم بھی ہے اس لئے شارحین نے اس کی مختلف توجیہات فرمائی ہیں ان میں سے ایک توجیہ زیادہ آسان ہے وہ یہ ہے کہ مرحبا کی تقدیر عبارت یوں ہوگی (ارحبُ بالقوم مرحبا) یعنی میں اس قوم کو مرحبا کہتا ہوں اس صورت میں مرحبا فعل محذوف ارحب کا مفعول مطلق من غیر لفظہ ہوگا اور مرحباً ثلاثی مجرد کا مصدر میمی ہوگا۔ [1]

قولہ : خَزَایَا　　(ص:۳۴، سطر:۴)

اس کا مفرد خزیان ہے جس کے معنٰی ذلیل اور رسوا کے آتے ہیں۔ [2]

قولہ : النَّدَامیٰ!　　(ص:۳۴، سطر:۴)

ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم مرحبا کہتے ہیں اس قوم کو یا اس وفد کو اس حال میں کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر نہیں آیا اور ندامت وشرمندگی اٹھا کر بھی نہیں آیا بلکہ بخوشی آیا ہے۔

یہاں نادم کی جمع خلاف قیاس ندامیٰ آئی ہے ورنہ نادم کی جمع نادمین آتی ہے اور ندامیٰ ندمان کی جمع ہے لیکن خزایا کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ندامی لایا گیا ہے تاکہ عبارت میں حسن پیدا ہو جیسے غداۃ کی جمع غدوات آتی ہے لیکن جب عشایا عشیۃ کی جمع کے ساتھ آئے تو اس کے ہم شکل ہونے کا اعتبار کر کے غدایا کہا جاتا ہے اور ندمان کے معنٰی ہیں شراب پینے کا ساتھی لیکن یہ معنٰی یہاں مراد نہیں ہیں اور علامہ نوویؒ اور علامہ شبیر احمد عثانیؒ نے فرمایا ہے کہ ندمان میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ یہ نادم کے معنٰی میں بھی آتا ہے اس لغت کے اعتبار سے یہ جمع خلاف قیاس نہیں۔ [3]

حضور ﷺ کے ان الفاظ کے فرمانے سے یہ ادب معلوم ہوا کہ مہمان کے آنے پر ایسے کلمات کہنے چاہئیں جس سے وہ مانوس ہو جائے۔

قولہ : من شقۃٍ بعیدۃٍ...　　(ص:۳۴، سطر:۴)

---

(۱) درس مسلم ج۱ ص۳۰۸۔

(۲) فتح الملھم ج۱ ص۳۶۱۔

(۳) فتح الملھم ج۱ ص۳۶۱ وشرح النوویؒ ج۱ ص۳۴۔

اس میں شُقَّۃ کے شین پر پیش اور اس کے نیچے زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں، پیش پڑھنا زیادہ صحیح ہے، اور دور دراز کے سفروں کو شقۃ کہتے ہیں چونکہ اُس میں مشقت زیادہ ہوتی ہے پھر مزید تاکید کے لئے بعیدہ کا لفظ بڑھا دیا حالانکہ خود شقۃ میں بھی بعیدۃ کے معنٰی موجود ہیں۔ (۱)

قولہ : إِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ (ص:۳۴،سطر:۴)

اس کا متعلق حائلون یا موجودون محذوف ہے۔

قولہ : كُفَّارِ مُضَرَ (ص:۳۴،سطر:۴)

یہ بھی بہت بڑا قبیلہ تھا قبیلۂ ربیعہ کی طرح، اور اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوا تھا۔

قولہ : فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصْلٍ (ص:۳۴،سطر:۴ وص ۳۵ سطر ۱)

یہ یا تو فاصل کے معنیٰ میں ہے یعنی حق و باطل کے درمیان فاصل یا پھر مفصول کے معنٰی میں ہے یعنی مفصلاً، یعنی آپ ایسی بات بتلایئے جو واضح اور کھلی ہو۔ (۲)

قولہ : نُخْبِرُ بِهِ مَنْ وَرَائَنَا (ص:۳۵،سطر:۱)

یہ جوابِ امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اور اسے مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس وقت یہ امر کی صفت ثانیہ بن جائے گی۔

ایک سوال اور دو جواب

قولہ : شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ (ص:۳۵،سطر:۲)

سوال:۔ اجمال میں چار چیزوں کا ذکر ہے جبکہ تفصیل میں پانچ چیزوں کا ذکر ہوا ہے۔

۱۔ شہادتین، ۲۔ نماز، ۳۔ زکاۃ، ۴۔ روزہ، ۵۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں:۔

پہلا جواب یہ ہے کہ یہاں شہادتین کا ذکر محض تبرک کے طور پر ہے کیونکہ یہ وفد پہلے ہی سے مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا لہٰذا شہادتین کی تعلیم کی ان کو ضرورت نہ تھی بلکہ احکام سیکھنے کی ضرورت تھی اس لئے اصل مقصود صرف چار چیزیں ہیں:۔

۱۔ نماز، ۲۔ روزہ، ۳۔ زکوٰۃ، ۴۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ۔

---

(۱) فتح الملہم ج۱ ص۳۶۱۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج۱ ص۹۳۔

جیسے مالِ غنیمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں "وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ..." میں اللہ تعالیٰ کا ذکر محض تبرک کے لئے ہے اس لئے اشکال کی کوئی بات نہیں۔

"وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ..."[1]

دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلے شاید آپ ﷺ نے چار چیزیں ذکر کر کے فرمایا تھا اور وہی اصل اور بنیادی تھیں لیکن اس دوران آپ کو خیال ہوا ہوگا کہ مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ کو بھی بیان کیا جائے کیونکہ کفارِ مضر سے ان کی جنگ ہوسکتی تھی جس میں مالِ غنیمت کا حاصل ہونا متوقع تھا۔ یہ جواب زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں کوئی تکلف نہیں ہے۔[2]

قولہ : وَالْمُزَفَّتِ (ص:۳۵، سطر:۲)

یعنی جس برتن میں زِفت مَل دیا گیا ہو مزفت یہ زفت سے ماخوذ ہے اور یہ زمین سے نکلنے والے تیل کو کہتے ہیں کذا فی لسان العرب۔[3] شروع میں یہ تارکول کی شکل مین ہوتا ہے پھر اُسے صاف کرنے سے پیٹرول بنتا ہے اور تارکول کو کسی چیز پر ملا جائے تو اس کے مسامات بند ہوجاتے ہیں اور پچھلی روایت میں المزفت کے بجائے المقیر ہے یعنی وہ برتن جس پر قیر مَل دیا گیا ہو اور قیر ایک قسم کا نباتی تیل ہے جو گوند سے نکالا جاتا ہے اور قیر کو قار بھی کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ زفت الگ چیز ہے۔ جو زمین سے نکلتا ہے اور القیر اور القار دوسری چیز ہے۔ جو ایک قسم کے گوند سے پگھلا کر نکالا جاتا ہے کذا فی لسان العرب[4]۔ بہر حال دونوں میں مشترک بات یہ ہے کہ ان کو ملنے سے برتن کے مسامات بند ہوجاتے ہیں۔

۱۱۷ _ حَدَّثَنِی عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ، قَالَ: نَا أَبِی، ح وَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِیٍّ الْجَهْضَمِیُّ، قَالَ :أَخْبَرَنِی أَبِی قَالَا جَمِیعًا: نَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ، عَنْ أَبِی جَمْرَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْحَدِیثِ نَحْوَ حَدِیثِ شُعْبَةَ، وَقَالَ: أَنْهَاكُمْ عَمَّا یُنْبَذُ فِی الدُّبَّاءِ، وَالنَّقِیرِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالْمُزَفَّتِ۔ وَزَادَ ابْنُ مُعَاذٍ، فِی حَدِیثِهِ عَنْ أَبِیهِ. قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلْأَشَجِّ

(۱) سورۂ انفال:۴۱۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۹۳۔

(۳) لسان العرب ج۹ص۵۵۔

(۴) لسان العرب ج۱۱ص۳۶۹۔

أَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ: إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ: الْحِلْمُ، وَالْأَنَاةُ "(ص:۳۵، سطر:۳تا۵)

تشریح

قولہ : لِلْأَشَجِّ　(ص:۳۵،سطر:۵)

یہ وفد عبد القیس کے سردار حضرت منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جو قوم کے مسلمان ہونے کا ذریعہ بنے تھے ان کو اشج اس لئے فرمایا کہ ان پر شجّہ کے زخم کا نشان لگا ہوا تھا[1] اور شجّہ اس زخم کو کہتے ہیں جو سر یا چہرے پر ہو۔[2]

فائدہ

جسمانی عیب بیان کرنے کے لئے عربی قواعد میں افعل کا صیغہ آتا ہے۔ جیسے اشج، اصم، ابکم، اعرج، اور احول وغیرہ۔

قولہ : الْحِلْمُ　(ص:۳۵،سطر:۵)

اس کے معنٰی ہیں عقل ودانائی اور بردباری۔[3]

قولہ : وَالْأَنَاةُ　(ص:۳۵،سطر:۵)

اس کے معنٰی ہیں تدبر، تحمل، انجام پر نظر رکھنا اور جلد بازی نہ کرنا۔[4]

معلوم ہوا کہ یہ دو خصلتیں عظیم الشان ہیں ان پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دو خصلتوں کو محبوب رکھتے ہیں خلاصہ یہ کہ جلد بازی اور جذباتیت سے اجتناب کرنا چاہئے۔

حضور ﷺ کے اس ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ یہ قافلہ جب مدینہ منورہ آیا اور قریب پہنچا تو وفد کے لوگ جلدی سے اندر داخل ہوئے مگر اشج عبد القیس پہلے اپنے احباب کے سامان کے پاس ٹھہرے اور اُسے جمع کیا اور اپنی اونٹنی کو باندھا اور غسل کر کے اچھا لباس پہنا اس کے بعد

---

(۱) المفہم ج۱ص۱۷۹۔

(۲) المعجم الوسیط ج۱ص۴۷۳

(۳) فتح الملہم ج۱ص۳۶۳۔

(۴) درسِ مسلم ج۱ص۳۱۲۔

حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان کو اپنے پاس بٹھایا پھر ان مہمانوں سے پوچھا کہ کیا آپ لوگ بیعت اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے کریں گے؟ وفد کے باقی لوگوں نے اثبات میں جواب دیا مگر اشج نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ بخوبی جانتے ہیں کہ آدمی کو اپنا دین چھوڑنا سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے ہم اپنی طرف سے تو آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور اپنی قوم کے پاس دعوتِ اسلام کے لئے آدمی بھیجیں گے جو لوگ ہمارا پیغام مان لیں گے ہم ان کو اپنا سمجھیں گے اور جو لوگ انکار کریں گے ان سے جنگ کریں گے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللَّهُ: الْحِلْمُ، وَالْأَنَاةُ ـ (1)

۱۱۸ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْ لَقِيَ الْوَفْدَ الَّذِينَ قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ، قَالَ سَعِيدٌ :وَذَكَرَ قَتَادَةُ أَبَا نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، فِي حَدِيثِهِ هَذَا :أَنَّ أُنَاسًا مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا :يَا نَبِيَّ اللهِ، إِنَّا حَيٌّ مِنْ رَبِيعَةَ، وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ، وَلَا نَقْدِرُ عَلَيْكَ إِلَّا فِي أَشْهُرِ الْحُرُمِ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نَأْمُرُ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا، وَنَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ إِذَا نَحْنُ أَخَذْنَا بِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ :اعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَآتُوا الزَّكَاةَ، وَصُومُوا رَمَضَانَ، وَأَعْطُوا الْخُمُسَ مِنَ الْغَنَائِمِ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ :عَنِ الدُّبَّاءِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالْمُزَفَّتِ، وَالنَّقِيرِ ـ قَالُوا: يَا نَبِيَّ اللهِ، مَا عِلْمُكَ بِالنَّقِيرِ؟ قَالَ: بَلَى، جِذْعٌ تَنْقُرُونَهُ، فَتَقْذِفُونَ فِيهِ مِنَ الْقُطَيْعَاءِ - قَالَ سَعِيدٌ :أَوْ قَالَ :مِنَ التَّمْرِ -ثُمَّ تَصُبُّونَ فِيهِ مِنَ الْمَاءِ حَتَّى إِذَا سَكَنَ غَلَيَانُهُ شَرِبْتُمُوهُ، حَتَّى إِنَّ أَحَدَكُمْ، أَوْ إِنَّ أَحَدَهُمْ لَيَضْرِبُ ابْنَ عَمِّهِ بِالسَّيْفِ قَالَ: وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ أَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ كَذَلِكَ قَالَ، وَكُنْتُ أَخْبَؤُهَا حَيَاءً مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ :فَفِيمَ نَشْرَبُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ :فِي أَسْقِيَةِ

(۱) اكمال اكمال المعلم ج۱ ص۹٤

الْأَدَمِ الَّتِي يُلَاثُ عَلَى أَفْوَاهِهَا، قَالُوا :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أَرْضَنَا كَثِيرَةُ الْجِرْذَانِ، وَلَا تَبْقَى بِهَا أَسْقِيَةُ الْأَدَمِ، فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :وَإِنْ أَكَلَتْهَا الْجِرْذَانُ، وَإِنْ أَكَلَتْهَا الْجِرْذَانُ، وَإِنْ أَكَلَتْهَا الْجِرْذَانُ قَالَ :وَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ: إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ :الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ." (ص:۳۵،سطر:۵تا۱۳)

تشریح

قوله :مَنْ لَقِيَ الْوَفْدَ... (ص:۳۵،سطر:۶)

یعنی ایسے شخص نے یا ایسے اشخاص نے بیان کیا جنھوں نے وفد عبدالقیس سے ملاقات کی تھی۔

قوله : قَالَ سَعِيدٌ: وَذَكَرَ قَتَادَةُ أَبَا نَضْرَةَ...الخ (ص:۳۵،سطر:۶)

حضرت سعید بن ابی عروبہؒ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ حضرت قتادہؒ نے مجھے بتایا کہ مجھے یہ حدیث ایسے لوگوں نے بیان کی ہے جو وفد عبدالقیس سے ملے ہیں اور مجھے یہ حدیث ابو نضرۃؒ نے عن ابی سعید بیان کی ہے۔لیکن اس حدیث کے بیان کے وقت حضرت ابو قتادہؒ نے صراحت نہیں کی تھی کہ آیا ابو نضرۃ بھی وفد عبد القیس کے شرکاء سے ملے تھے یا نہیں؟ اسی طرح ابو سعیدؓ بھی وفد عبد القیس کے شرکاء سے ملے تھے یا نہیں؟ یہ حضرت سعید بن ابی عروبہؒ کی انتہائی احتیاط ہے روایت حدیث میں تا کہ حضرت قتادہؒ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ ہوجائے جو حضرت قتادہؒ نے نہیں کی تھی۔[1]

قوله : اعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً (ص:۳۵،سطر:۸)

پچھلی روایت میں شہادتین کا ذکر ہے اس لئے یہاں بھی اس سے مراد شہادتین ہوگا۔

قوله : يَا نَبِيَّ اللَّهِ، مَا عِلْمُكَ بِالنَّقِيرِ؟ (ص:۳۵،سطر:۹)

یعنی وفد نے یہ سوال اس وجہ سے کیا کہ یہ برتن مدینہ منورہ میں استعمال نہیں ہوتا تھا اس لئے ان کو تعجب ہوا کہ حضور ﷺ کو اس برتن کا علم کیسے ہوگیا۔[2]

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۳۱۴۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۹۵۔

قولہ : اَلْقُطَيْعَاءِ (ص:۳۵،سطر:۱۰)

یہ چھوٹی کھجور کی ایک قسم کا نام ہے۔[1]

قولہ : حَتّٰى إِذَا سَكَنَ (ص:۳۵،سطر:۱۰)

یہاں تک کہ جب اُبال کے بعد سکون پیدا ہو جاتا ہے اور نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

قولہ : لَيَضْرِبُ ابْنَ عَمِّهٖ بِالسَّيْفِ (ص:۳۵،سطر:۱۰)

چونکہ نشہ میں عقل کام نہیں کرتی، اچھے، برے اور اپنے، پرائے کی تمیز نہیں رہتی اور اس کے لفظی معنیٰ ہیں کہ آدمی تلوار سے اپنے چچا کے بیٹے کو مار دیتا ہے۔[2]

قولہ : قَالَ :وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ أَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ (ص:۳۵،سطر:۱۰،۱۱)

یعنی جس کو زخم لگا تھا وہ کہتا ہے۔

قولہ : وَكُنْتُ أَخْبَؤُهَا (ص:۳۵،سطر:۱۱)

میں اس زخم کو یعنی اس کے نشان کو حضور ﷺ سے چھپاتا[3] تھا حیاء کی وجہ سے۔

قولہ : اَلْأَدَمِ (ص:۳۵،سطر:۱۱)

یہ دال اور ھمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے اس سے مراد وہ کھال ہے جس کی دباغت مکمل ہو گئی ہو یعنی اس سے ''چمڑا'' مراد ہے۔[4]

قولہ : اَلَّتِي يُلَاثُ عَلَى أَفْوَاهِهَا (ص:۳۵،سطر:۱۱)

یعنی وہ مشکیزے جن کے منہ کو باندھ دیا گیا ہو اس میں دو شرطیں ہیں:-

۱ ... چمڑے کا مشکیزہ ہو۔

۲ ... اس کا منہ بند کر دیا گیا ہو۔

وجہ یہ ہے کہ ان چار برتنوں میں نبیذ رکھنے میں یہ خطرہ تھا کہ اگر ان میں نشہ پیدا ہو گیا تو جلدی سے پتہ نہ چلے گا بخلاف مشکیزے کے، اگر اس کا منہ بندھا ہوا ہوگا تو غَلَيَانْ کی وجہ سے مشکیزہ

---

(۱) فتح الملهم ج۱ص۳۶۴۔

(۲) فتح الملهم ج۱ص۳۶۴۔

(۳) حاشیہ صحیح مسلم للشیخ ذهنیؒ ج۱ص۲۳۔

(۴) حاشیہ صحیح مسلم للشیخ ذهنیؒ ج۱ص۲۳۔

پھٹ جائے گا۔ اور اگر منہ بند نہ ہوگا تو گیس نکلتی رہے گی اور مشکیزہ نہ پھٹے گا۔ لہٰذا نشہ کا پتہ نہ چلے گا ہوسکتا ہے کہ نشہ والی نبیذ پی لی جائے اس لئے یہ دو شرطیں لگائیں۔ (۱)

قوله : كَثِيرَةُ الْجِرْذَانِ، وَلَا تَبْقَى بِهَا أَسْقِيَةُ الْأَدَمِ (ص:۳۵، سطر:۱۱)

جرذان جُرَذ کی جمع ہے اور چوہے کو کہتے ہیں خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔ اور مطلب یہ ہے کہ چوہے مشکیزے کو کھا جاتے ہیں۔ (۲)

۱۹۹۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا :حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ :حَدَّثَنِي غَيْرُ وَاحِدٍ لَقِيَ ذَاكَ الْوَفْدَ، وَذَكَرَ أَبَا نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ عُلَيَّةَ، غَيْرَ أَنَّ فِيهِ وَتَذِيفُونَ فِيهِ مِنَ الْقُطَيْعَاءِ، أَوِ التَّمْرِ وَالْمَاءِ، وَلَمْ يَقُلْ :قَالَ سَعِيدٌ، أَوْ قَالَ مِنَ التَّمْرِ (ص:۳۵، سطر:۱۳، ۱۴)

تشریح

قوله : وَذَكَرَ أَبَا نَضْرَةَ... (ص:۳۵، سطر:۱۳)

یہ حضرت سعیدؒ کی احتیاط ہے کیونکہ ابو قتادہؒ نے اس کی تصریح نہیں کی کہ ابو نضرہؒ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے وفد عبد القیس سے ملاقات کی تھی لیکن گمان یہ ہے کہ ابو نضرہؒ نے وفد عبد القیس کے شرکاء میں سے کسی سے ملاقات کی ہوگی کیونکہ ابو نضرہؒ نسبی اعتبار سے عبد القیس ہی کے ایک بطن ''العوقة'' سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۳)

قوله : وَتَذِيفُونَ فِيهِ مِنَ الْقُطَيْعَاءِ، (ص:۳۵، سطر:۱۴)

اس کے معنی ہیں کہ اور پھر تم اس میں قطیعاء (۴) ملا دیتے ہو اور قطیعاء چھوٹی کھجور کی ایک قسم کا نام ہے۔

قوله : وَلَمْ يَقُلْ :قَالَ سَعِيدٌ، أَوْ قَالَ مِنَ التَّمْرِ (ص:۳۵، سطر:۱۴)

یعنی ابن ابی عدیؒ نے سعید کے شک کا ذکر نہیں کیا جبکہ پچھلی روایت میں ابن علیہؒ نے اس

(۱) اکمال اکمال المعلم (بالاختصار) ج۱ ص۹۲۔

(۲) مشارق الانوار للقاضی عیاضؒ ج۱ ص۸۵۔

(۳) فتح الملهم ج۱ ص۳۶۵۔

(۴) فتح الملهم ج۱ ص۳۶۵۔

کا ذکر کیا تھا۔

۱۲۰_ "حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارٍ الْبَصْرِیُّ، حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، ح وحَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ - وَاللَّفْظُ لَهُ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ :أَخْبَرَنِی أَبُو قَزَعَةَ، أَنَّ أَبَا نَضْرَةَ، أَخْبَرَهُ وَحَسَنًا، أَخْبَرَهُمَا، أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِیَّ، أَخْبَرَهُ أَنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوْا نَبِیَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالُوا :يَا نَبِیَّ اللهِ، جَعَلَنَا اللهُ فِدَاءَكَ مَاذَا يَصْلُحُ لَنَا مِنَ الْأَشْرِبَةِ؟ فَقَالَ: لَا تَشْرَبُوا فِی النَّقِيرِ، قَالُوا :يَا نَبِیَّ اللهِ، جَعَلَنَا اللّٰهُ فِدَاءَكَ، أَوَ تَدْرِی مَا النَّقِيرُ؟ قَالَ :نَعَمْ، الْجِذْعُ يُنْقَرُ وَسَطُهُ، وَلَا فِی الدُّبَّاءِ، وَلَا فِی الْحَنْتَمَةِ، وَعَلَيْكُمْ بِالْمُوكَا" (ص:۳۶،سطر:۱)

تشریح

قوله : حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارٍ الْبَصْرِیُّ، (ص:۳۶،سطر:۱)

یہ مسلم شریف کی مشکل ترین اسانید میں سے ہے اور امتحانی مقامات میں سے ہے اہل علم نے اس کے حل کے لئے بہت سی توجیہات کی ہیں لیکن ان میں سب سے آسان اور بے غبار توجیہ یہ ہے کہ اخبرہ کی ہ ضمیر مفعول کا مرجع ابو قزعة ہیں ترجمہ یہ ہے کہ یعنی ابو نضرہ نے ابو قزعة کو اور ابو حسن کو خبر دی پھر اسی بات کی توضیح اخبرھما سے کی ہے کہ اس ابو نضرہ نے ان دونوں یعنی قزعة اور حسن کو خبر دی اور یہاں حسن سے مراد حسن بن مسلم بن یناق ہیں۔[1]

قوله : لَا تَشْرَبُوا فِی النَّقِيرِ (ص:۳۶،سطر:۳)

اس حدیث میں وفد نے جائز شرابیں پوچھی تھیں اور آپ نے ناجائز شرابیں بتلائیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جائز شرابیں لاتعداد ہیں۔ اگر ان کو بیان کیا جاتا تو لمبی فہرست بھی ان کے لئے کافی نہ ہوتی بخلاف ناجائز شرابوں کے کہ وہ محدود ہیں۔ ان کو بیان کرنا اور یاد رکھنا آسان ہے۔ اس سے ایک اصول بھی معلوم ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے جب تک کسی چیز کی حرمت کی دلیل نہ آئے اُسے حلال سمجھا جائیگا یعنی کسی چیز کے حلال ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں، دلیل کی ضرورت

(۱) اکمال المعلم ج۱ص۹۷ و درس مسلم ج۱ص۳۱۶۔

حرمت کے لئے ہے۔[1]

قولہ : جَعَلَنَا اللّٰهُ فِدَاءَ کَ (ص:۳۶،سطر:۳)

اس میں فداك فاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اس کے معنٰی ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو تمام مکروہات اور تکالیف سے محفوظ رکھے۔[2]

قولہ : وَعَلَيْكُمْ بِالْمُوكَا (ص:۳۶،سطر:۳)

یہ باب افعال او کأ اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنٰی ہیں باندھنا۔ مطلب یہ ہے کہ تم لازم پکڑ لو ایسے مشکیزوں کو جن کا منہ ڈوری سے باندھ دیا گیا ہو اور ڈوری کو وکاء کہتے ہیں۔[3]

باب الدعاء الى الشهادتين وشرائع الاسلام

۱۲۱- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، جَمِيعًا عَنْ وَكِيعٍ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ زَكَرِيَّاءَ بْنِ إِسْحَاقَ، قَالَ :حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ :رُبَّمَا قَالَ وَكِيعٌ :عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ مُعَاذًا، قَالَ :بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ" (ص:۳۶،سطر:۳تا۶)

تشریح

قولہ : عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ ...الخ (ص:۳۶،سطر:۴)

(۱) درس مسلم ج۱ص۳۱۶،۳۱۷۔

(۲) فتح الملهم ج۱ص۳۶۵۔

(۳) فتح الملهم ج۱ص۳۶۵۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ افقہ الصحابہ میں سے ہیں۔ اور یہاں ان کو یمن بھیجنے کا ذکر ہے۔ اور یہ واقعہ حضور ﷺ کے آخری دور کا ہے یعنی حجۃ الوداع سے کچھ پہلے کا ہے۔ اس میں اختلاف ہے آیا ان کو والی بنا کر بھیجا گیا تھا یا قاضی بنا کر؟ مرقات میں صراحت ہے کہ ان کو والی اور قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ (۱)

آنحضرت ﷺ ان کو رخصت کرنے لگے تو ان کو سوار کیا اور ہدایت دینے لگے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سوار ہو چکے تھے اور حضور ﷺ ان کو ثنیۃ الوداع تک پہنچانے کے لئے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ اس عمل کو مشایعت کہتے ہیں، یعنی مسافر کے ساتھ تھوڑی دور چلنا یہ سنت ہے۔

جب آپ ﷺ ان کو ثنیۃ الوداع تک پہنچانے کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف واپس ہونے لگے تو فرمایا "اے معاذ! شاید میرے موجودہ سال کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو اور شاید تم جب واپس آؤ تو میری اس مسجد اور میری قبر پر تمہارا گزر ہو۔ یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ پھر آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کا رخ کیا اور فرمایا۔ میرے سب سے قریب وہ لوگ ہیں جو متقی ہوں وہ جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔ (۲)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کافی عرصے بعد یمن سے اپنے فرائض انجام دینے کے بعد مدینہ منورہ پہنچے تو حضور ﷺ کا انتقال ہو چکا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ خلافت کا نظام سنبھال چکے تھے پھر یہ ملک شام چلے گئے اور وہاں طاعون کی بیماری میں شہید ہوئے چنانچہ اردن میں اُس راستہ پر ان کا مزار ہے جو شام کو جاتا ہے۔

قوله : إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ...الخ (ص:۳۶، سطر:۵)

حدیث شریف کے ان الفاظ سے بعض علماءِ کرام نے اس پر استدلال کیا ہے کہ کفار صرف ایمان کے مکلف ہیں اعمالِ اسلام کے مکلّف نہیں کیونکہ ان کو پہلے صرف ایمان کی دعوت دینے کی ہدایت ہے اور قبولِ ایمان کے بعد اعمال کی، لہٰذا "فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ" کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لائیں تو نمازوں کی دعوت ان کو نہ دی جائے۔

(۱) مرقاۃ ج۷ ص۳۰۸۔

(۲) مسند احمد ج۳۶ ص۳۷۶ رقم الحدیث: ۲۲۰۵۲۔

مگر امام نوویؒ،[۱] حافظ ابن [۲] حجرؒ اور علامہ شبیر احمد [۳] عثمانی رحمہم اللہ نے اس استدلال کو ضعیف قرار دیا ہے جس کی دو وجہ ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ مفہومِ مخالف کا حجت ہونا مختلف فیہ ہے، چنانچہ حنفیہ سمیت بہت سے فقہاء کرام کے نزدیک یہ حجت نہیں۔

دوسرے اس وجہ سے کہ دعوت میں ترتیب سے یہ لازم نہیں آتا کہ وجوب میں بھی ترتیب ہو چنانچہ نماز وزکاۃ میں ترتیب واجب نہیں۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ جو شخص نماز نہ پڑھے تو اس پر زکاۃ بھی فرض نہ ہو حالانکہ اس حدیث میں نماز کو مقدم کر کے زکاۃ کی دعوت اس کے بعد دینے کی ہدایت کی ہے معلوم ہوا کہ یہاں صرف دعوت دینے میں ترتیب بیان کرنا مقصود ہے کہ سب سے پہلے سب سے اہم چیز یعنی شہادتین کی دعوت دی جائے جب وہ قبول کرلیں تو نماز کی دعوت دی جائے جب اُسے بھی قبول کرلیں تو زکاۃ کا حکم بتایا جائے اس طرح آہستہ آہستہ الاھم فالاھم حکم کی دعوت دینی چاہیے۔ ایسا نہ کیا جائے کہ یکبارگی سارے احکامِ اسلام کی فہرست ان کو سنادی جائے کیونکہ ایسا کرنے سے وہ گھبرا جائیں گے اور وہ دعوت مؤثر نہ ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں قرآن کریم کے ارشاد "اُدْعُ إِلٰى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ"[۴] (ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اُسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو) کے حکم کی تعمیل کی جائے۔

قوله : تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ (ص:۳۶، سطر:۶)

ایسے ہی کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً"[۴]

اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ وصول کرنے کا حق امام المسلمین یعنی حکومتِ اسلامیہ کا ہے اصل حکم یہی ہے کہ حکومتِ اسلامیہ زکوٰۃ وصول کر کے مصارفِ زکاۃ پر خرچ کرے خواہ اموالِ ظاہرہ ہوں یا اموالِ باطنہ، چنانچہ عہدِ رسالت اور شیخینؓ کے دورِ خلافت میں اسی پر عمل تھا لیکن حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں جب اسلامی فتوحات بہت دور تک پھیل گئی تھیں اور دور دراز کے ممالک بھی مسلمانوں کے زیرِ انتظام آ گئے اور عمالِ حکومت کے حالات میں تغیر کا اندیشہ ہوا تو حضرت عثمانؓ نے یہ پسند نہ فرمایا کہ

(۱) شرح نووی ج۱ص۳۷۔

(۲) فتح الباری ج۳ص۳۵۹ کتاب الزکاۃ باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء۔

(۳) فتح الملہم ج۱ص۳۶۸۔

(۴) سورۃ النحل: ۱۲۵۔

زکوٰۃ وصول کرنے والے عمال لوگوں کے اموالِ باطنہ سونے چاندی اور نقود کی تفتیش کریں اس لئے انہوں نے اموالِ باطنہ کی زکاۃ ادا کرنا ارباب اموال ہی کے سپرد کردیا کہ وہ خود یہ فریضہ انجام دیں اور صحابۂ کرامؓ نے اُس سے اختلاف نہیں کیا اور اس کے بعد حضرات فقہاء کرامؒ کا بھی اس پر اتفاق ہوگیا کہ حکومت صرف اموالِ ظاہرہ کی زکوۃ وصول کرے گی اور اموالِ باطنہ کی زکوۃ اربابُ الاموال خود ادا کریں گے۔ (۱)

قوله : فَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ...الخ (ص:۳۶،سطر:۶)

حدیث شریف کے اس جملہ سے حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ یہ استدلال کرتے ہیں کہ زکاۃ کو دوسرے شہر میں بلاضرورت شدیدہ منتقل کرنا جائز نہیں اگر کسی نے منتقل کردی تو حضرات مالکیہؒ کے نزدیک زکاۃ ادا ہوجائے گی۔ اور حضرات شافعیہؒ کے نزدیک ادا نہیں ہوگی الا یہ کہ مستحق زکاۃ یہاں مفقود ہوں اور احنافؒ کے نزدیک اگرچہ ایسا کرنا بہتر نہیں ہے تاھم اگر دوسرے شہر میں زکاۃ منتقل کردی جائے گی تو زکاۃ ادا ہوجائے گی۔ (۲)

حضرت امام شافعیؒ فترد فی فقراھم کی ضمیر کا مرجع اہل یمن کو قرار دیتے ہیں جبکہ احناف کہتے ہیں کہ ھم ضمیر کا مرجع مسلمین ہے اصل عبارت اس طرح ہے (ای الی فقراء المسلمین) لہٰذا اس جملہ سے حضراتِ شوافعؒ کا استدلال درست نہیں۔ (۳)

باب الامر بقتال الناس...الخ

۱۲۴- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ، قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِأَبِي بَكْرٍ :كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا :لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، فَمَنْ قَالَ :لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ، وَنَفْسَهُ، إِلَّا بِحَقِّهِ

---

(۱) ملخص فتح الملہم ج۱ص۳۶۹۔

(۲) عمدۃ القاری ج۹ص۹۲۔

(۳) درس مسلم ج۱ص۳۲۰۔

وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ :وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ، وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللهِ لَوْ مَنَعُونِي عِقَالًا كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهِ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: فَوَاللهِ، مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ
(ص:۳۷،سطر:۵تا۸)

تشریح

قوله : لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،...(ص:۳۷،سطر:۵)

یعنی آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا اور عرب قبائل میں ارتداد کا فتنہ پھیلا ـــــ اس کے بعد اس حدیث میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کا جو مکالمہ آرہا ہے یہاں اس کا زمانہ بیان کرنا مقصود ہے کہ یہ مکالمہ اُس وقت ہوا جب بہت سے قبائل عرب مرتد ہوگئے تھے یہ مقصود نہیں ہے کہ آگے اس حدیث میں جو حضرت عمرؓ کا اعتراض آرہا ہے وہ مرتدین سے جہاد کرنے کے بارے میں تھا چنانچہ مکالمہ سے خود واضح ہوجائے گا کہ حضرت عمرؓ کا اعتراض زکاۃ دینے سے انکار کرنے والوں سے جنگ کرنے پر تھا مرتدین سے جنگ کرنے پر نہیں تھا۔

ایک سوال اور ایک جواب

سوال:۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ منکرینِ زکاۃ تو باجماع امت کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں کیونکہ فرضیتِ زکاۃ کا علم ضروریاتِ دین میں سے ہے جو شخص اس کا انکار کرے وہ کافر ہے لہٰذا وہ مرتد و کافر ہوئے تو پھر حضرت عمرؓ کو ان سے قتال کرنے میں کیوں تردد ہوا؟

جواب:۔ جواب یہ ہے کہ اصولِ تکفیر میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ ضروریاتِ دین کے منکر کو اس وقت کافر قرار دیا جائے گا جب اس حکم کا دین میں سے ہونا قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہوچکا ہو۔ یہاں مانعینِ زکوۃ کو اس بات کا تو علم ضروری حاصل تھا کہ زکوۃ اسلام کا بنیادی حکم ہے لیکن اس حکم کے ابدی اور دوامی ہونے کا علمِ ضروری حاصل نہیں تھا یعنی ان کو اس بات کا علمِ ضروری اور قطعی حاصل نہیں تھا کہ زکوۃ کی وصولی کا اختیار آنحضرت ﷺ کے بعد ان کے خلفاء کو بھی حاصل ہے اس لئے ان کو کافر کہنا درست نہ رہا۔ لہٰذا حضرت عمرؓ کے اعتراض کا منشاء یہ تھا کہ آپ ایسے لوگوں کے ساتھ قتال

کیوں کرتے ہیں جن کے مسلمان ہونے پر آپ کا اور میرا اتفاق ہے پھر اس دعوے پر آپ ﷺ کا ارشاد بطورِ دلیل ذکر کیا جس میں مسلمانوں سے قتال کرنے کی ممانعت ہے۔ (۱)

قوله : فَمَنْ قَالَ :لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ،... (ص:۳۷،سطر:۶)

یہاں پورا کلمہ طیبہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ مراد ہے کیونکہ عرف میں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پورے کلمہ کا نام اور علم ہے جیسے ثناء پوری ثناء کا نام ہے اور أَعُوْذُ بِاللّٰهِ پورے تعوذ کا اور بِسْمِ اللّٰهِ پوری بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا نام ہے اور الحمد شریف پوری سورۂ فاتحہ کا نام ہے۔ (۲)

قوله : وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ (ص:۳۷،سطر:۷)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا فیصلہ کرنا کہ فلاں شخص نے کلمہ دل سے پڑھا ہے یا نفاق سے؟ یہ ہمارے ذمہ نہیں بلکہ ہم تو صرف ظاہر کے مکلّف ہیں اگر وہ ظاہراً کلمہ پڑھ رہا ہے اور کوئی کفر اس سے صراحۃً ظاہر نہ ہوا ہو تو اُسے مسلمان سمجھیں گے اور اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگائیں گے باقی حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ (۳)

قوله : وَاللّٰهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ...الخ (ص:۳۷،سطر:۷)

مطلب اس ارشاد کا یہ تھا کہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم ایک ہے تو جس طرح تارکینِ صلاۃ سے قتال کرنا بالاتفاق ضروری ہے اس طرح مانعینِ زکاۃ سے بھی قتال کیا جائے گا گویا آپ نے صلاۃ پر زکاۃ کو قیاس فرمایا اور نماز کا جو حکم تھا وہی زکاۃ پر لگایا۔

ایک سوال اور جواب

سوال:۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس جواب پر ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دعوے کی دلیل میں تو حدیث شریف پیش فرمائی تھی اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے مقابلے میں قیاس پیش فرمایا اور یہ اصولِ فقہ کا ضابطہ ہے کہ نص کے مقابلے میں قیاس حجت نہیں۔

جواب:۔ یہ ہے کہ دراصل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تین دلیلیں ارشاد فرمائی تھیں۔

۱ ... ایک یہ دلیلِ قیاسی جو اوپر بیان ہوئی۔

(۱) درس مسلم ج۱ص۳۲۱،۳۲۲۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۳۲۲۔

(۳) فتح الملہم ج۱ص۳۷۵،۳۷۶۔

۲ ... دوسری دلیل آپ کا یہ ارشاد "فان الزکاۃ حق المال" یہ دلیل اس حدیث کے جملہ الا بحقہ کی بنیاد پر دی کہ آپ ﷺ نے اسی حدیث میں الا بحقہ (ای بحق قولہ لا الہ الا اللّٰہ) یعنی الاسلام کا استثناء کر کے ایسے مواقع میں قتال کا حکم برقرار رکھا تھا یعنی جہاں اسلام کے حق کا تقاضا ہوگا وہاں قتال درست ہوگا اور زکاۃ اسلام کا حقِ مالی ہے لہٰذا اس کے تارکین سے بھی قتال کیا جائے یہ جواب اس مذکورہ حدیث کی بنیاد پر ہوا۔

۳ ... تیسری دلیل یہ ہے کہ جو حدیث حضرت عمرؓ نے پیش کی تھی دراصل اس میں دو جملے اور بھی تھے ایک ویقیموا الصلوٰۃ اور دوسرا ویؤتوا الزکاۃ یہ جملے آگے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں حضرت امام مسلمؒ نے نقل کئے ہیں (ص ۳۷ ج ۱) مگر حضرت عمرؓ کو یہ جملے یاد نہ رہے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کو یاد تھے چنانچہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم [1] میں لکھا ہے کہ سنن نسائی [2] میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے یہ پوری حدیث ان دو جملوں سمیت حضرت عمرؓ کو ان کے مذکورہ بالا اعتراض کے جواب میں سنائی تھی معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس حدیثِ مرفوع کے ان دو جملوں سے بھی قتال کے جائز ہونے پر استدلال کیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ حضرت صدیقِ اکبرؓ کا ایک استدلال قیاس سے تھا، دوسرا اسی حدیثِ مرفوع کے لفظ الا بحقہ سے اور تیسرا استدلال حدیث ابن عمرؓ کے ان مذکورہ دو جملوں سے تھا۔

قولہ : وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عِقَالًا... (ص:۳۷، سطر:۷)

بخاری شریف کی بعض روایات میں عناقاً [3] کا لفظ ہے جس کے معنٰی بکری کے بچے کے ہیں اور عقالاً کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں صاحب فتح الملہمؒ کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے اس سے مراد وہ رسی ہے جس سے اونٹ کو باندھا جاتا ہے اور دلیل میں یہ روایت نقل کی ہے "وقد بعث النبی ﷺ محمد بن مسلمۃ علی الصدقۃ وکان یاخذ مع کل فریضۃ عقالاً" بہر حال عقالاً سے مراد اونٹ کو باندھنے کی رسی ہے۔ [4]

---

(۱) فتح الملہم ج ۱ ص ۳۷۷۔

(۲) سنن النسائی کتاب الجہاد باب وجوب الجہاد، رقم الحدیث: ۳۰۹۴۔

(۳) صحیح البخاری کتاب الزکاۃ باب اخذ العناق فی الصدقۃ رقم الحدیث: ۱۴۵۶۔

(۴) فتح الملہم ج ۱ ص ۳۷۸۔

قولہ : فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ:.... أَنَّهُ الْحَقُّ (ص ۳۷ سطر:۸)

ایک سوال اور ایک جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ بھی مجتہدِ مطلق تھے اور حضرت عمرؓ بھی۔ اور کسی مجتہد کے لئے جائز نہیں کہ کسی دوسرے مجتہد کی تقلید کرے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی تقلید کیوں کی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تقلید بلا دلیل مان لینے کا نام ہے جبکہ حضرت عمرؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی بات دلیل کے بعد مانی تھی تو گویا اپنے سابق اجتہاد سے انہوں نے دلیل کے بعد رجوع فرمایا نہ کہ تقلید کی بناء پر۔ (۱)

اہم فائدہ

واضح رہے کہ مانعین زکوٰۃ سے قتال کفر کی بنیاد پر نہ تھا اس لئے کہ اصولِ تکفیر کی روشنی میں کفر کا حکم جاری نہیں ہوتا کیونکہ یہ نومسلم تھے اور زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد باقی رہنے کا ان کو علمِ ضروری حاصل نہ تھا لہٰذا یہ قتال ان کی بغاوت کی وجہ سے تھا کہ خلیفۂ وقت نے جب زکوٰۃ کا مطالبہ کیا تو انہوں نے نہ صرف حکم نہ مانا بلکہ اپنے اس موقف کے لئے لڑنے کے لئے تیار ہوگئے۔ لہٰذا اب وہ باغی ٹھہرے اس لئے ان سے قتال جائز ہوا۔ چنانچہ باغیوں سے قتال کے جائز ہونے پر حضراتِ فقہاءؒ نے اس واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ (۲)

۱۲۷۔ "وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ...(الی قولہ) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا :لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، فَإِذَا قَالُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ، وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ، ثُمَّ قَرَأَ :(إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ)"

(ص:۳۷ سطر ۱۳ تا ۱۵)

تشریح

قولہ: ثُمَّ قَرَأَ "إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ" (ص:۳۷۔سطر ۱۵)

(۱) اکمال المعلم ج۱ص۲۴۶ وشرح النووی ج۱ص۴۰۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۳۲۵۔

یہ آیت ماقبل کے جملہ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ، کی تفسیر یا تائید کے طور پر ذکر فرمائی ہے اور مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے زبانی اقرار پر اعتبار کر لینا کافی ہے دل کی تحقیق کرنے پر آپ کو مقرر نہیں کیا گیا۔ (۱)

۱۲۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ...(الی قوله)...عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا، عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ، وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ" (ص:۳۷۔سطر۱۵تا۱۷)

تشریح

قوله : أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا (ص:۳۷۔سطر۱۶)

یہاں "الناس" میں الف لام استغراق کا نہیں بلکہ عہد خارجی کا ہے اور اس سے مراد تمام کافر نہیں بلکہ مشرکین عرب مراد ہیں، دنیا کے دوسرے کافروں کے لئے یہ حکم نہیں بلکہ ان کے لئے یہ حکم ہے کہ ان سے جزیہ لے کر مسلمان ممالک میں رہنے دیا جائے گا۔ مگر مشرکینِ عرب کے لئے یہ حکم تھا کہ یا تو وہ مقررہ مدت میں جزیرۃ العرب کی سکونت چھوڑ دیں ورنہ ان سے قتال ہوگا "حتی یشھدوا الخ" یعنی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ (۲)

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے؟

یہاں اسلام اور اہلِ اسلام پر ایک بہت بڑا اعتراض ہوتا ہے اور یہ اعتراض یورپ کے مستشرقین تقریباً گذشتہ دوسو سال سے مسلمانوں پر کر رہے ہیں۔

مستشرقین کون ہیں؟

مستشرقین میں مغربی ممالک کے وہ غیر مسلم اسکالرز اور محقق ہیں جو لوگوں کو تحقیق اور ریسرچ کے نام پر گمراہ کرتے ہیں ان کا کام یہ ہے کہ یہ علومِ مشرقیہ کے اندر مہارت پیدا کرتے ہیں ان میں

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۳۲۵۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۳۲۶۔

سے کسی نے مثلاً ہندو مذہب کی تحقیق کی ہے کسی نے بدھ مذہب کے بارے میں۔ ان کے یہاں ان موضوعات پر تحقیقی کام ہوتا ہے جو لوگ یہ کام کرتے ہیں انہیں مستشرقین کہتے ہیں۔

لیکن اسلام کے بارے میں تحقیق سے ان کا مقصد حق معلوم کرنا نہیں ہوتا بلکہ اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا، اعتراضات نکالنا اور ان اعتراضات کو اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعے دنیا میں پھیلانا ان کا مقصد ہوتا ہے۔

مستشرقین کا اعتراض

چنانچہ ان لوگوں نے اسلام پر جہاں اور بہت سے اعتراضات کئے وہاں ان میں سے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اسلام میں جہاد اس لئے مشروع ہوا ہے تا کہ لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کیا جائے دنیا میں اسلام اپنی حقانیت اور دلائل کے ذریعے نہیں پھیلا نیز مسلمانوں کے اعلیٰ کردار اور اسلام کی اعلیٰ فطری تعلیمات کی کشش سے بھی نہیں پھیلا بلکہ اسلام کو تلوار کے ذریعے زبردستی دنیا میں پھیلایا گیا ہے اس سے معلوم ہوا اسلام سراسر تشدد پر مبنی ایک ظالمانہ مذہب ہے جو لوگوں کو مذہبی آزادی سے روکتا ہے اور زبردستی انہیں اپنا پیروکار بناتا ہے۔

اگرچہ یہ اعتراض گذشتہ تقریباً دو سو سال سے چل رہا ہے لیکن آج کل یہ اپنے عروج پر ہے مغربی میڈیا زہر اُگل رہا ہے اور ان کے بعض مفکرین یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ قرآن انسانیت دشمنی کی تعلیم دیتا ہے اس کے اندر غیر مسلموں کے بارے میں جگہ جگہ یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ ''اقتلوھم'' اور ''قاتلوھم'' وغیرہ۔ یہ قرآن ہی ہے جو مسلمانوں کو قتل وقتال پر اُبھارتا ہے اس کے اندر غیر مسلم اقوام کے لئے کوئی امن وامان نہیں ہے اس سے شاید وہ دنیا کو یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے خطرہ کو اس وقت تک ختم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ قرآن کریم کی تعلیم کو نہیں اُٹھایا جائے گا۔

ان کے اعتراض کی ظاہراً دو دلیلیں

پہلی دلیل

ان کی اعتراض کی ایک دلیل بظاہر یہ حدیث باب بھی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

''أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ،

وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ"

اگر قرآنِ کریم کی آیات اور قرآن وسنت کے دوسرے احکام وقواعد سے نظر ہٹا کر کوئی دنیا کو دھوکہ دینا چاہے تو وہ یہ سمجھانے کی کوشش کر سکتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے تین کام زبردستی کرائے جائیں گے۔

۱۔کلمہ طیبہ کا اقرار۔ ۲۔نماز کی پابندی۔ ۳۔زکوٰۃ کی ادائیگی۔

جب تک پوری دنیا کے لوگ یہ تین کام نہیں کریں گے اُس وقت تک اُن سے جنگ جاری رہے گی۔

دوسری دلیل

اسی طرح دوسری دلیل میں وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

"فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ"(۱)

اس آیت کا حوالہ دے کر کوئی سیاق وسباق اور دوسری آیات سے آنکھیں بند کر کے کہہ سکتا ہے کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ کفار جہاں کہیں بھی ملیں انہیں قتل کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ ایمان لے آئیں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ بھی دیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک تمام کفار کلمۂ طیبہ پڑھ کر اسلام میں داخل اور نماز وزکوٰۃ کے پابند نہ ہو جائیں اس وقت تک ان کی جان بخشی نہیں ہے۔

یہ اعتراض غلط فہمی اور دھوکہ دہی پر مبنی ہے

اس اعتراض کا جواب سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یاد رکھئے! یہ حدیث ہو یا مذکورہ بالا آیت جب سیاق وسباق سے جدا کر کے سمجھنے کی کوشش کی جائے گی تو غلط فہمی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ہاں جس کا مقصد ہی ناواقف لوگوں کو دھوکہ دینا ہو وہ یہ کام کرتا رہے گا۔ ورنہ قرآنِ کریم کی جس آیت پر ان لوگوں نے اعتراض کیا ہے۔ "فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ...الخ" اس کے بعد اگلی آیت میں یہ ہے:

(۱) سورۃ التوبۃ: آیت:۵

"وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ..."(۱)

''اگر کوئی مشرک آپ کے پاس امن کے ساتھ آنے کی اجازت مانگے تو اسے اجازت دیدو، یہاں آنے سے اس کو یہ فائدہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنے گا۔''

اس کے بعد مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے'' ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ'' پھر اس کو اس کی جائے پناہ تک پہنچادو۔ گویا یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ امن وایمان کے ساتھ اس کو اس کے وطن واپس بھیج دیا جائے۔

دیکھئے! اس آیت میں اس شخص کے ساتھ یہ معاملہ کیا جارہا ہے جو مسلمان نہیں ہوا کہ اس سے لڑائی نہ کی جائے۔ اور اس سے مراد وہ کافر ہے جو ویزا لے کر مسلمانوں کے ملک میں آئے۔ ایسے کافر کو شرعی اصطلاح میں ''مستامن'' کہتے ہیں۔ جیسے آج کل دوسرے ممالک کے کافر ویزا لے کر ہمارے ملک میں آتے ہیں تو ایسے کافروں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ان کی جان ومال عزت وآبرو کی حفاظت کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے۔ اور ان سے جنگ ہرگز نہ کی جائے گی۔ اور انہیں بحفاظت اپنے وطن بھیجنے کا انتظام کیا جائے گا۔

اسی طرح سورۂ توبہ کی مذکورہ بالا آیت سے کچھ پہلے سورۂ انفال کے پچھلے حصہ میں یہ آیت بھی ہے کہ:

"وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ..." (۲)

اس میں مسلمانوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کرلیں۔ معلوم ہوا کہ کفار اگر اپنے کفر پر رہتے ہوئے مسلمانوں سے صلح کے طلب گار ہوں تو مسلمان اُن سے صلح کرسکتے ہیں اور ایسی صورت میں بھی ان سے جنگ نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح اس سورۂ توبہ میں کچھ آگے ایک آیت یہ بھی ہے کہ:

"قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ

(۱) سورة التوبة : آیت۶

(۲) الأنفال :۶۱

يَدٍ وَهُمْ صٰغِرُوْنَ..."[1]

اس آیت میں ''ید'' کے معنٰی ہیں ''طاقت''۔اور ''عن'' سبب کے معنٰی میں ہے۔تو اس کے معنٰی یہ ہوئے کہ وہ جزیہ ادا کرے اسلام کی طاقت کی وجہ سے۔اور ''وَهُمْ صٰغِرُوْنَ'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے عام قانون کی پابندی کرنے کا وعدہ کرلیں [2] تو ایسے کفار مسلمانوں کے ملک میں رہ سکتے ہیں۔اور یہاں کے عام قوانین کی پابندی کرتے ہوئے جزیہ (ٹیکس) ادا کریں تو بھی ان سے قتال نہیں کیا جائے گا۔

کفار سے لڑائی نہ کرنے کی چار صورتیں

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں سے جنگ نہ کرنے کی چار صورتیں ہیں۔

۱ ... باہم صلح ہونا۔

۲ ... استیمان۔یعنی اجازت اور ویزا لے کر مسلمانوں کے ملک میں آنا۔

۳ ... جزیہ دینا جو ایک قسم کا ٹیکس ہے۔جو مسلم ملک میں غیر مسلم باشندوں سے زکوٰۃ کے بجائے لیا جاتا ہے۔وہ ادا کر کے کافروں کا مسلمانوں کے ملک میں رہنا۔

۴ ... کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کو قبول کرلینا۔

ان آیات سے یہ بات خود بہ خود واضح ہوگئی کہ قرآنِ کریم اور احادیثِ طیبہ میں جس قتال کا ذکر ہے۔اُس کا مقصد لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں ہے۔اگر زبردستی مسلمان بنانا مقصود ہوتا تو پھر نہ کفار سے صلح کی اجازت ہوتی نہ استیمان کی اور نہ جزیہ قبول کیا جاتا بلکہ جہادِ اسلام کا مقصد وہ ہے جو آگے آرہا ہے۔

جہاد کی دو قسمیں، اقدامی اور دفاعی

چنانچہ وہ کفار جن سے ہمارا نہ صلح کا معاہدہ ہے نہ وہ امان لے کر ہمارے ملک میں آئے ہیں۔اور نہ وہ ہمارے ملک کے شہری ہیں۔تو ہم سے جنگ کرنے میں وہ بھی آزاد ہیں۔اور اُن سے جنگ کرنے میں ہم بھی آزاد ہیں۔چنانچہ یہ لوگ جو ہم سے کسی قسم کی صلح اور معاہدہ نہیں کر رہے ان کے بارے میں اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ ان پر نظر رکھو اگر محسوس ہو کہ یہ تمہارے لئے خطرہ بن رہے ہیں

(۱) سورۂ توبہ: آیت ۲۹

(۲) تفسیر معارف القرآن ج۴ص۳۶۲۔

تو اس سے پہلے کہ وہ واقعی خطرہ بن جائیں اُن پر غلبہ حاصل کرلو تاکہ یا تو وہ تم سے ترکِ جنگ کا معاہدہ کرلیں یا جزیہ دیکر تمہارے ملک میں پُر امن شہری بن کر رہنے لگیں اِس کا نام ''اقدامی جہاد'' ہے۔ اور جس وقت دشمن مسلمانوں پر حملہ آور ہوجائے اس وقت جواب میں جو جہاد کیا جائے گا اُس کا نام ''دفاعی جہاد'' ہے۔ اسلام میں اِقدامی جہاد کی بھی اجازت ہے اور دفاعی جہاد کی بھی۔

اقدامی جہاد کی مثال غزوۂ تبوک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ عیسائیوں کے لشکر جمع ہورہے ہیں اور ان کا منصوبہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کرنے کی تیاری کا عام اعلان کردیا اور ایک بہت بڑا لشکر لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ جب دشمن کو آپ کی آمد کا پتہ چلا تو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور دفاعی جہاد کی بہت ساری مثالیں ہیں۔ جیسے: غزوۂ بدر، غزوۂ احد، اور غزوۂ خندق وغیرہ۔

مشرکینِ عرب کے لئے قتال سے بچنے کی دوصورتیں

البتہ مشرکینِ عرب کے لئے قتال سے بچنے کی صرف دوصورتیں تھیں کہ یا تو وہ سورۃ التوبہ کے شروع میں بیان کی گئی مدت ''فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ...الخ'' کے اندر اندر جزیرۃ العرب سے اپنے سازوسان سمیت کہیں اور چلے جائیں یا اسلام قبول کرلیں ورنہ انہیں قتل کیا جائیگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جزیرۃ العرب مسلمانوں کی چھاؤنی تھی اور اپنی چھاؤنی میں کوئی بھی قوم دشمن کو سکونت کی اجازت نہیں دیتی۔ دیکھئے! یہاں بھی ان کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا گیا بلکہ اختیار دیا گیا کہ وہ مذکورہ مدت میں چاہیں تو جزیرۃ العرب سے باہر کہیں جاکر رہیں اور حدیث باب یعنی حدیث ابن عمرؓ میں بھی ''امرت ان اقاتل الناس'' میں ''الناس'' سے مراد مشرکینِ عرب ہیں۔

جہادِ اسلام کا مقصد

معلوم ہونا چاہئے کہ جہادِ اسلام کا مقصد لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ یعنی دین کو سربلند کرنا اور اسلام کو عزت دینا، مسلمانوں کی حفاظت کرنا، اور کفر کی شوکت کا خاتمہ کرنا ہے تاکہ اسلام کو جملہ خطرات سے بچایا جاسکے۔ لہٰذا یورپ کے مستشرقین کا یہ اعتراض ہرگز درست نہیں کہ اسلام کو دنیا میں تلوار کے ذریعہ زبردستی پھیلایا گیا ہے۔

اس موضوع پر ہمارے اکابر کی چند تصانیف

۱ ... یورپ کے مستشرقین نے جب اہل اسلام پر یہ اعتراض کیا تو ہمارے بزرگوں نے اس پر مفصل بحث کی۔ چنانچہ ’’سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ میں سیدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اختصار وجامعیت کے ساتھ چند صفحات میں اُس کا کافی وشافی جواب دیا ہے۔

۲ ... اسی طرح شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے بڑے بھائی مولانا حبیب الرحمٰن رحمہ اللہ نے جو دار العلوم دیو بند کے صدر اور مہتمم تھے۔ ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ’’دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا؟‘‘ یہ کتاب ہندوستان میں اسی نام سے چھپی ہے البتہ پاکستان میں ’’اشاعتِ اسلام‘‘ کے نام سے چھپتی ہے۔ یہ بڑی مفصل کتاب ہے۔ اور اس میں انہوں نے واقعات اور تاریخِ اسلام کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ اسلام طاقت کے زور سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے عمدہ اخلاق اور مسلمانوں کے اعلیٰ کردار کی وجہ سے پھیلا ہے۔

۳ ... شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ کی ایک کتاب ہے۔ یہ کتاب ادارۃ المعارف کراچی سے چھپ گئی ہے اس کتاب کا نام ہے ’’دنیا کو اسلام سے کس کس طرح روکا گیا‘‘ یعنی کافر طاقتوں نے لوگوں کو زبردستی اسلام سے روکنے کے لئے کیسے کیسے مظالم کئے ہیں۔ یہ کتاب درحقیقت مستشرقین کے سوال کا الزامی جواب ہے کہ تم تو کہتے ہو کہ اسلام زبردستی پھیلایا گیا ہے حالانکہ معاملہ الٹ ہے کہ اسلام سے لوگوں کو زبردستی روکا گیا ہے اور اس کے لئے اُن پر انتہائی درجہ کا تشدد اور مظالم ڈھائے گئے ہیں مگر اس کے باوجود اسلام پھیلتا چلا گیا ہے۔ غرض کہ الحمد للہ ان اکابر رحمہ اللہ نے اس موضوع پر بڑا کافی اور شافی کلام فرمایا ہے۔ بوقتِ ضرورت اُس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ (۱)

مستشرقین سے ایک سوال

یورپ کے مستشرقین کہتے ہیں کہ دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے ہمارا ان سے ایک سوال ہے کہ آج کل یورپ کے ممالک مثلاً اٹلی، فرانس اور امریکہ وغیرہ میں کثرت سے کافر مسلمان ہو رہے ہیں۔ شاید کوئی سا دن اس سے خالی نہیں جاتا۔ بتایئے! ان پر مسلمانوں کی کون سی تلوار

---

(۱) درسِ مسلم ج ۱ ص ۳۲۶ تا ۳۲۲۔

چل رہی ہے۔ اور مسلمان تمہارے ملک میں جہاں تمہاری حکومت ہے ایسی کیا زبردستی کر کے ان کو مسلمان کررہے ہیں ظاہر ہے نہ تلوار چل رہی ہے نہ زبردستی ہورہی ہے محض کافر اسلام کی حقانیت اور اس کی عمدہ تعلیمات سے متاثر ہوکر مسلمان ہورہے ہیں اور ان شاء اللّٰہ تعالیٰ مسلمان ہوتے رہیں گے لہٰذا مستشرقین کا مذکورہ اعتراض محض غلط اور بے حقیقت ہے۔

قوله :وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ (ص:۳۷سطر:۱۶)

اس حدیث میں یہ دو جملے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے روایت کئے ہیں حضرت فاروق اعظمؓ کا جو مکالمہ حضرت صدیق اکبرؓ سے ہوا تھا اس میں یہ جملے حضرت فاروق اعظمؓ نے روایت نہیں کئے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ بظاہر ان کو یاد نہیں رہے تھے اگر یاد ہوتے تو وہ اشکال پیش نہ آتا جو انہوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کے سامنے پیش کیا تھا اس کی تفصیل پیچھے گزرچکی ہے۔

باب الدليل على صحة اسلام من حضره الموت...الخ

۱۳۱۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى التُّجِيبِيُّ، ...(الی قوله)...أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلٍ، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَمِّ، قُلْ :لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللهِ، فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ :يَا أَبَا طَالِبٍ، أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ، وَيُعِيدُ لَهُ تِلْكَ الْمَقَالَةَ حَتَّى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ :هُوَ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَبَى أَنْ يَقُولَ :لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَمَا وَاللهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ :(مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ) وَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى فِي أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :"إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللهَ

يَهْدِى مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ"(ص۴۰ سطر ۲تا ۶)

تشریح

قوله : الْمُسَيَّبِ، (ص۴۰۔سطر۱)

"یاء" کا فتحہ اور کسرہ دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔ البتہ "یاء" کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا زیادہ مشہور ہے۔ حضرت ابو طالب کی وفات کے وقت یہ کافر تھے، شاید یہ اس مجلس میں موجود تھے جہاں حدیث باب کا واقعہ پیش آیا۔ پھر انہوں نے مسلمان ہوجانے کے بعد اُسے روایت کیا۔ [1]

قوله : لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ (ص۴۰۔سطر۱)

یعنی جب موت کا وقت قریب ہوگیا لیکن یہاں موت کے قریب ہونے سے نزع روح شروع ہونے سے پہلے کا وقت مراد ہے کیونکہ حالتِ غرغرہ میں آدمی نہ تو صحیح طریقے سے بات کرسکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے نیز حالتِ غرغرہ میں اگر کوئی ایمان لائے تو وہ قبول بھی نہیں ہوتا۔ [2]

قوله : جَاءَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص۴۰۔سطر۱)

حضرت عبد المطلب نے حضرت ابو طالب کو وصیت کی تھی کہ اپنے اس بھتیجے کو اپنے پاس رکھنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام آنے کے وقت چار چچا تھے۔

۱۔ابوطالب ۲۔ابولہب ۳۔حمزہ ۴۔عباس

ان میں سے حضرت حمزہ، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مشرف بہ اسلام ہوگئے اور ابوطالب اور ابولہب محروم رہے [3] اور ان میں حقیقی چچا حضرت ابو طالب تھے اسی لئے حضرت عبد المطلب نے ان کو وصیت کی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کی پرورش میں لڑکپن اور جوانی کا زمانہ گزارا یہاں تک کہ جب اسلام آیا تو دشمنوں کے مقابلے میں ابو طالب نے آپ کا کھل کر ساتھ دیا۔ اور آپ کی حفاظت میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر دشمنوں کے سوشل بائیکاٹ کو بھی بخوشی برداشت کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سب سے پہلے نعت کہنے والے بھی ابوطالب تھے۔ ان کے اشعار کو دیکھ کر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

(۱) فتح الملہم ج۱ص۳۳۲۔

(۲) رد المحتار ج۴ص۲۳۰۔

(۳) فتح الباری ص۱۹۶، ج۷۔

برحق اور سچا سمجھتے تھے[1] یعنی ابو طالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برحق ہونا معلوم تھا لیکن تصدیق قلبی یعنی جان کر مان لینا حاصل نہ تھا اور ایمان کا دارومدار اسی پر ہے اس لئے اخیر تک انہوں نے زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق نہیں کی اور کفر پر ان کا انتقال ہوا۔

قوله : يَا عَمِّ (ص:۴۰،سطر:۲)

یہاں اصل میں یائے متکلم محذوف ہے، یہ اصل میں یَا عَمِّیِ تھا جو ندا کے وقت حذف کردی جاتی ہے۔

قوله : أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ (ص:۴۰،سطر:۳)

نفسیاتی حربے کے طور پر ان دونوں نے ابو طالب کو یاد دلایا کہ تم اپنے آباء اجداد کی ملت اور دین سے اعراض نہ کرو۔

قوله : يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ (ص:۴۰،سطر۳)

اس کلمہ کو یعنی کلمۂ طیبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب پر پیش کرتے رہے۔

قوله : اٰخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ (ص:۴۰،سطر:۳)

یہاں پر آخر، مفعول فیہ ہونے کی بناء پر منصوب ہے اصل عبارت یوں ہے۔ای فی اٰخر ما کلمھم۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضروریاتِ دین کا صرف یقین اور جاننا کافی نہیں بلکہ زبان سے اقرار اور دل سے ماننا ضروری ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شہادتین کے زبان سے اقرار کے بغیر ایمان معتبر نہیں اگر چہ تصدیقِ قلبی بھی حاصل ہوجائے[2] جس کی تفصیل کتابُ الایمان کے پانچ اہم مسائل میں سے پہلے مسئلے کے تحت آچکی ہے۔اور ابو طالب کے ایمان میں یعنی دل سے ماننا اور زبان سے اقرار کرنا ان دونوں چیزوں کی کمی تھی اس لئے ان کا خاتمہ ایمان پر نہ ہوا۔

اس حدیث سے ایک ادب معلوم ہوا وہ یہ کہ بظاہر ابو طالب نے انا علی ملة عبد المطلب کہا ہوگا لیکن راوی نے انا کے بجائے ھو کہا وجہ یہ ہے کہ انا علی ملة عبد المطلب کلمۂ کفر ہے اگر راوی اس کو ذکر کرتے تو اگر چہ نقلِ کفر کفر نہ باشد کے تحت یہ کفر نہ ہوتا لیکن راوی نے انا کو ھو سے

---

(۱) الاصابة فی تمییز الصحابه، ترجمة ابی طالب ج۴ص۱۱۶وفتح الملهم ج۱ص۳۸۳۔

(۲) فتح الملهم ج۱ص۳۸۷۔

بدل دیا تا کہ اپنی طرف کفر کی نسبت کا وہم بھی کسی کو نہ ہو۔ چنانچہ ادب یہ ہے کہ متکلم اگر اپنی طرف کسی بری چیز کی نسبت کرے تو ناقل کو چاہئے کہ اُسے صیغہ متکلم کے ساتھ نقل نہ کرے تا کہ اپنی طرف بری چیز کی نسبت کا شائبہ بھی نہ ہو اس ادب پر ہر زبان میں عمل کیا جاتا ہے۔ (۱)

قوله : "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ" (ص:۴۰،سطر:۳)

بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو طالب کے انتقال کے وقت نازل ہوئی حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور بعض کے نزدیک اُس وقت نازل ہوئی جب آپ مقام ابواء میں اپنی والدہ کی قبر پر ان کے لئے استغفار کرنے لگے اور ایک قول یہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ نے اپنے مشرک والدین کے بارے میں استغفار کی اجازت چاہی تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی لیکن ایک آیت کے نزول کے بارے میں کئی اسباب ہوسکتے ہیں خلاصہ یہ کہ اگرچہ یہ آیت ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے تاہم کہا جاسکتا ہے کہ اس کا سبب ابو طالب کا مذکورہ واقعہ بھی ہے اور والدہ کے لئے استغفار کرنے کا واقعہ بھی ہے اور بعض صحابہ کرامؓ کا اجازت طلب کرنا بھی ہے۔ (۲)

قوله : إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (ص ۴۰ سطر ۵)

یہاں ہدایت سے ہدایت کا راستہ بتانا اور ہدایت دینا دونوں معنٰی مراد ہوسکتے ہیں۔ (۳)

۱۳۲۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَا :أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، ح وحَدَّثَنَا حَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ (وَهُوَ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ) قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ، غَيْرَ أَنَّ حَدِيثَ صَالِحٍ انْتَهَى عِنْدَ قَوْلِهِ :فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيهِ، وَلَمْ يَذْكُرِ الْآيَتَيْنِ، وَقَالَ فِي حَدِيثِهِ: وَيَعُودَانِ فِي تِلْكَ الْمَقَالَةِ، وَفِي حَدِيثِ مَعْمَرٍ مَكَانَ هَذِهِ الْكَلِمَةِ فَلَمْ يَزَالَا بِهِ."(ص:۴۰،سطر:۶،۷)

تشریح

قوله : غَيْرَ أَنَّ حَدِيثَ صَالِحٍ انْتَهَى عِنْدَ قَوْلِهِ ...الخ (ص:۴۰،سطر:۷)

---

(۱) الدیباج ج۱ص۱۵۶۔

(۲) فتح الملہم ج۱ص۳۸۵۔

(۳) فتح الملہم ج۱ص۳۸۵،۳۸۶۔

حضرت صالحؒ کی روایت حضرت معمرؒ کی روایت سے دو اعتبار سے مختلف ہے۔

۱ ... ان کی روایت فَأَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِ پر ختم ہوجاتی ہے جبکہ حضرت معمرؒ نے وہ آیات بھی ذکر کی ہیں جو اُس سے پہلی روایات میں گزریں۔

۲ ... انکی روایت میں ''ویعود ان بتلك المقالة" کے الفاظ ہیں جبکہ حضرت معمرؒ کی روایت میں ''المقالة" کے بجائے ''الكلمة" کا لفظ ہے اور ''فلم يزالا به" کے الفاظ ہیں۔

١٣٤ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُونٍ، ...(الى قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهِ: قُلْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ "، قَالَ :لَوْلَا أَنْ تُعَيِّرَنِي قُرَيْشٌ، يَقُولُونَ :إِنَّمَا حَمَلَهُ عَلَى ذَلِكَ الْجَزَعُ لَأَقْرَرْتُ بِهَا عَيْنَكَ، فَأَنْزَلَ اللهُ (إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ) (ص:۴۰،سطر:۹ تا۱۱)

تشریح

قوله :لَوْلَا أَنْ تُعَيِّرَنِي قُرَيْشٌ (ص:۴۰،سطر:۱۰،۱۱)

یعنی اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ قریش مجھے عار دلائیں گے کہ اُسے دین بدلنے پر موت کے خوف نے آمادہ کیا ہے تو میں ضرور تیری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا یعنی کلمۂ اسلام پڑھ کر آپ کو خوش کر دیتا۔

قوله : لَأَقْرَرْتُ بِهَا عَيْنَكَ (ص:۴۰،سطر:۱۱)

میں تجھے ضرور اس کلمہ سے خوش کر دیتا۔ خوشی کے لئے حضرت ابو طالب نے آنکھوں کی ٹھنڈک کو استعمال کیا وجہ یہ ہے کہ عرب میں گرمی زیادہ ہوتی تھی اس لئے وہاں عرف یہ تھا کہ پسندیدہ حالت کو ٹھنڈک سے تعبیر کرتے تھے برخلاف ایران کے کہ وہاں پسندیدہ حالت کو گرمی سے تعبیر کرتے تھے کیونکہ ایران کا علاقہ ٹھنڈا ہے۔[1]

فائدہ

حدیثِ ابی طالب سے جھمیہ اور مرجئہ کا رد ہوگیا وہ اس طرح کہ جھمیہ کے نزدیک ایمان کے لئے صرف تصدیق قلبی کافی ہے۔ زبان سے اقرار کرنا ضروری نہیں۔ اور عام مرجئہ کے

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۳۳۶۔

نزدیک اگرچہ تصدیق قلبی ضروری ہے لیکن اقرار باللسان ان کے ہاں بھی ضروری نہیں اس واقعہ سے دونوں کی تردید ہوگئی کیونکہ ابو طالب کو اگرچہ صرف جاننے کی حد تک تصدیق حاصل تھی لیکن تصدیق بمعنٰی ماننا اور زبان سے اقرار کرنا حاصل نہ تھا جبکہ مسلمان ہونے کے لئے ان دونوں کا ہونا ضروری تھا جیسا کہ حدیثِ بالا سے ثابت ہوا۔ اس وجہ سے اُسے کافر قرار دیا گیا[1] معلوم ہوا کہ جھمیہ اور مرجئہ دونوں مذاہب حدیث کی رو سے باطل ہیں۔

باب الدليل على من مات على التوحيد دخل الجنة

١٣٥۔حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،...(الی قوله)...عَنْ عُثْمَانَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، دَخَلَ الْجَنَّةَ" (ص:۴۱،سطر:۱،۲)

تشریح

چونکہ اس باب میں آنے والی حدیث جھمیہ کی دلیل بن سکتی تھی اس لئے امام مسلمؒ نے پہلے ان کے مذہب کی تردید کے لئے حدیث ابو طالب ذکر کی تاکہ معلوم ہو جائے کہ اگلی حدیث کے اندر وَهُوَ يَعْلَمُ اپنے ظاہری معنٰی پر نہیں ہے بلکہ اس میں يَعْلَمُ سے مراد يُؤْمِنُ ہے۔[2]

قوله :وَهُوَ يَعْلَمُ (ص:۴۱،سطر:۲)

یہ حدیث جھمیہ کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایمان صرف معرفت یعنی جاننے اور یقین کرنے کا نام ہے ماننے کا نام نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں یعلم سے مراد یقین کر کے ماننا ہے یعنی تصدیق شرعی مراد ہے صرف تصدیق بمعنٰی جاننا مراد نہیں۔ قرینہ یہ ہے کہ ابو طالب کا ایمان بلاشبہ معتبر نہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کا علم اور یقین اُسے بھی حاصل تھا۔

نیز اس حدیث سے مرجئہ بھی استدلال کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک نجات کلی کے لئے صرف تصدیق کافی ہے اقرار و اعمال ضروری نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے آگے اور پیچھے کی احادیث میں شہادتین کا ذکر صراحۃً

(۱) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۱۳،۱۱۴۔

(۲) المفھم ج۱ص۱۹۷۔

مذکور ہے اس لئے اقرار باللسان بھی ضروری ہے۔ اور یہاں لفظ یعلم میں وہ تاویل کرنا ضروری ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے یعنی یعلم سے مراد یومن ہے۔ [1]

قولہ : اَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، (ص:۴۱،سطر:۲)

اس سے مراد پورا کلمہ طیبہ ہے۔

قولہ : " دَخَلَ الْجَنَّةَ" (ص:۴۱،سطر:۲)

جنت میں داخل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگر اعمال اچھے ہونگے تو دخولِ اولی ہوگا اور اگر اچھے نہ ہونگے اور اللہ تعالیٰ نے وہ معاف بھی نہ کئے تو سزا بھگتنے کے بعد دخولِ جنت ہوگا البتہ جنت میں داخل ضروری ہوگا ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں نہ رہے گا۔

۱۳۷۔حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ النَّضْرِ بْنِ أَبِي النَّضْرِ...(الی قولہ)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسِيرٍ، قَالَ :فَنَفِدَتْ أَزْوَادُ الْقَوْمِ، قَالَ :حَتَّى هَمَّ بِنَحْرِ بَعْضِ حَمَائِلِهِمْ، قَالَ :فَقَالَ عُمَرُ :يَا رَسُولَ اللهِ، لَوْ جَمَعْتَ مَا بَقِيَ مِنْ أَزْوَادِ الْقَوْمِ، فَدَعَوْتَ اللهَ عَلَيْهَا، قَالَ :فَفَعَلَ، قَالَ :فَجَاءَ ذُو الْبُرِّ بِبُرِّهِ، وَذُو التَّمْرِ بِتَمْرِهِ، قَالَ :وَقَالَ مُجَاهِدٌ :وَذُو النَّوَاةِ بِنَوَاهُ، قُلْتُ: وَمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ بِالنَّوَى؟ قَالَ :كَانُوا يَمُصُّونَهُ وَيَشْرَبُونَ عَلَيْهِ الْمَاءَ، قَالَ: فَدَعَا عَلَيْهَا قَالَ حَتَّى مَلَأَ الْقَوْمُ أَزْوِدَتَهُمْ، قَالَ :فَقَالَ عِنْدَ ذَلِكَ :أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ، لَا يَلْقَى اللهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ فِيهِمَا، إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ" (ص:۴۲،سطر۱تا۴)

تشریح

قولہ : فِي مَسِيرٍ، (ص:۴۲،سطر:۲)

اس کے معنٰی ہیں ایک سفر میں۔ اگلی روایت میں صراحت ہے کہ یہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے۔

قولہ : فَنَفِدَتْ أَزْوَادُ الْقَوْمِ، (ص:۴۲،سطر:۲)

یعنی قوم کے کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا ازواد، زادٌ کی جمع ہے۔ اس کے معنٰی توشے کے

(۱) درس مسلم ج۱ص ۳۳۸۔

آتے ہیں، اور توشہ وہ کھانا کہلاتا ہے جو مسافر سفر میں اپنے ساتھ لے جائے۔ [۱]

قولہ : حَتّٰی هَمَّ (ص:۴۲، سطر:۲)

ھم کا درجہ عزم سے کم ہے اور بعض دفعہ ارادہ سے بھی اس کا درجہ کم ہوتا ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے ''ولقد همت به وهم بها''[۲] میں ''هم'' کا درجہ ارادہ سے بھی کم ہے۔

قولہ : حَمَائِلِهِمْ (ص:۴۲، سطر:۲)

حَمَائِل حُمُوْلَةٌ کی جمع ہے وزن لادنے کے جانور کو کہتے ہیں اور بعض نسخوں میں جمائل ہے اور جمائل جمع ہے جمالة کی اور وہ جمع ہے جمل کی، جیسے حجارة جمع ہے حجر کی، اور جمل کے معنٰی ہیں اونٹ۔ [۳]

ایک سوال اور ایک جواب

یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اگر سفر تبوک جیسے پر مشقت سفر میں جانوروں کو ذبح کر دیا جاتا تو انتہائی سخت مشقت لاحق ہوجاتی بلکہ جانوں کو خطرہ بھی لاحق ہوجاتا کیونکہ پیدل سفر کرنا پڑتا ظاہر ہے ایسا عزم کرنا صحیح نہیں ہے جس سے خود کو یا دوسرے لوگوں کو سخت مشقت یا جان کا خطرہ لاحق ہوجائے۔

جواب یہ ہے کہ اگر جانور ذبح نہ کرتے تو بھوک سے فی الحال موت کا خطرہ تھا کیونکہ زادِ راہ تو ختم ہوچکا تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اهون البليتين'' یعنی دو مصیبتوں میں سے کم درجہ کی مصیبت کو اختیار فرمایا چنانچہ یہاں دیکھئے ایک مصیبت یہ سامنے تھی کہ اونٹ ذبح کرنے کی وجہ سے جانوروں اور سواروں کی کمی ہوتی اور دوسری مصیبت یہ تھی کہ ذبح نہ کرنے سے انسانوں کی فی الحال موت واقع ہوجاتی اب ظاہر ہے کہ ان میں سے دوسری مصیبت زیادہ سخت ہے پہلی کے مقابلہ میں۔ اس لئے پہلی مصیبت کو اختیار کیا گیا اور اھون البلیتین کو اختیار کرنے کا قاعدہ مجمع علیها ہے اس قاعدہ کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ اگر کسی کشتی میں آگ لگ گئی تو علماء نے لکھا ہے کہ اس وقت آگ سے جان بچانے کے لئے سمندر میں کودنا جائز ہے اور یہ خود کشی نہیں ہے کیونکہ سمندر میں کودنے سے جان بچانے کا کچھ نہ کچھ امکان موجود ہے لیکن آگ سے بھری کشتی میں اس کا امکان نہیں ہے۔ [۴]

---

(۱) لسان العرب ج٦ ص۱۰۹۔

(۲) سورۂ یوسف : آیت نمبر ۲۴۔

(۳) فتح الملهم ج۱ ص۳۸۹۔

(۴) درسِ مسلم ج۱ ص۳۳۹۔

قوله: لَو جَمَعتَ (ص:۴۲، سطر:۲)

اگر لو تمنا کے لئے ہو تو جواب کی ضرورت نہیں اور اگر لو شرطیہ ہو تو جوابِ شرط محذوف ہے مثلاً لظھر برکتھا أو لکان خیراً ــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بڑوں کے سامنے چھوٹے باادب طریقے سے کوئی مشورہ دیں یہ ادب کے خلاف نہیں۔ ہم نے اکابر کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں سے بھی مشورہ کرتے تھے اور الحمد للہ ہم بھی کرتے ہیں۔ اور اپنے شاگردوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے ہیں۔

قوله : قَالَ : فَفَعَلَ (ص:۴۲، سطر:۲)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی تجویز کو قبول کرلیا اور صحابۂ کرامؓ کو اپنے اپنے توشے لانے کا حکم فرمایا۔

قوله : کَانُوا یَمُصُّونَهٗ (ص:۴۲، سطر:۳)

یعنی وہ گھٹلیوں کو چوستے تھے اور پانی پیتے تھے تاکہ دل بہل جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ گھٹلیوں کے چبانے سے ان سے جو ذرات نکلتے ہیں ان کو نگل لیتے ہوں اور ان سے کچھ دل بہلاتے ہوں۔ (۱)

قوله : مَلَأَ الْقَوْمُ أَزْوِدَتَهُمْ (ص:۴۲، سطر:۳)

اَزْوِدَۃٌ یہ زَادٌ کی جمع ہے جس کے معنیٰ توشہ کے ہیں یہاں اس سے مراد مجاز ہے یعنی ازودہ سے مراد ظروف الازودۃ ہیں یعنی توشے کے برتن مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ سب نے توشے کے برتن بھر لئے۔ (۲)

قوله : فَقَالَ عِنْدَ ذٰلِکَ (ص:۴۲، سطر:۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر بھی شہادتین کا ذکر جنت میں داخل ہونے کے طور پر فرمایا اُس سے مرجئہ اور جھمیہ دونوں کی تردید ہوگئی جو اقرار باللسان کو ضروری قرار نہیں دیتے ان کے مذاہب کی تفصیل کتابُ الایمان کے شروع کے اصولی مسائل میں آچکی ہے۔

(۱) درسِ مسلم ج۱ ص۳۳۰

(۲) اکمال المعلم ج۱ ص۳۵٦۔

۱۳۸۔ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ عُثْمَانَ، ...(الی قوله)...عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَوْ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ -شَكَّ الْأَعْمَشُ قَالَ: لَمَّا كَانَ غَزْوَةُ تَبُوكَ أَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، لَوْ أَذِنْتَ لَنَا فَنَحَرْنَا نَوَاضِحَنَا، فَأَكَلْنَا وَادَّهَنَّا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: افْعَلُوا ، قَالَ :فَجَاءَ عُمَرُ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنْ فَعَلْتَ قَلَّ الظَّهْرُ، وَلَكِنْ ادْعُهُمْ بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ، ثُمَّ ادْعُ اللهَ لَهُمْ عَلَيْهَا بِالْبَرَكَةِ، لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَ فِي ذٰلِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :نَعَمْ ، قَالَ :فَدَعَا بِنِطَعٍ، فَبَسَطَهُ، ثُمَّ دَعَا بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ، قَالَ :فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بِكَفِّ ذُرَةٍ، قَالَ :وَيَجِيءُ الْآخَرُ بِكَفِّ تَمْرٍ، قَالَ :وَيَجِيءُ الْآخَرُ بِكَسْرَةٍ حَتَّى اجْتَمَعَ عَلَى النِّطَعِ مِنْ ذٰلِكَ شَيْءٌ يَسِيرٌ، قَالَ :فَدَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ بِالْبَرَكَةِ، ثُمَّ قَالَ : خُذُوا فِي أَوْعِيَتِكُمْ ، قَالَ :فَأَخَذُوا فِي أَوْعِيَتِهِمْ، حَتَّى مَا تَرَكُوا فِي الْعَسْكَرِ وِعَاءً إِلَّا مَلَئُوهُ، قَالَ :فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا، وَفَضَلَتْ فَضْلَةٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ، لَا يَلْقَى اللهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ، فَيُحْجَبَ عَنِ الْجَنَّةِ" (ص۴۲،سطر:۴،۵وص:۴۳سطر:۱تا۴)

تشریح

قوله : عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَوْ عَنْ أَبِي سَعِيد (ص:۴۲،سطر:۵)

یہاں حضرت امام اعمشؒ کو شک ہورہا ہے کہ ابو صالحؒ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کررہے ہیں یا حضرت ابوسعید رحمہ اللہ سے۔لیکن اوپر طلحہ بن مصرفؒ والی سند میں تصریح ہے کہ ابوصالحؒ حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کررہے ہیں۔

قوله : غَزْوَةُ تَبُوكَ (ص:۴۲،سطر:۵)

غزوۂ تبوک مشکل ترین غزوات میں سے ہے۔یہ سخت گرمی کے موسم میں پیش آیا۔سفر لمبا تھا اور درمیان میں طویل اور سخت وحشت ناک صحراء واقع تھا۔

قوله : مَجَاعَةٌ (ص:۴۲،سطر:۵)

مَجَاعَة سخت بھوک کو کہتے ہیں۔

قوله : نَوَاضِحَنَا (ص:۴۲،سطر:۵)

نواضح یہ ناضح کی جمع ہے۔وہ اونٹنی جو پانی لادنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔[1]

قوله : وَادَّهَنَّا (ص:۴۲،سطر:۵)

عام طور سے اس کے معنٰی ہوتے ہیں۔ چکنائی کی مالش کرنا۔لیکن یہاں چکنائی کو کھانے میں استعمال کرنا مراد ہے۔[2]

قوله : قَلَّ الظَّهْرُ (ص:۴۳،سطر:۱)

یعنی سواریاں کم ہو جائیں گی۔ یہاں "الظھر"یعنی جزو بول کر کل مراد لیا ہے۔یعنی کمر بول کر اونٹنی مراد لی ہے۔[3] اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خاص مزاج تھا کہ اگر صحابۂ کرامؓ کوئی بات مشورۃً کہتے اور وہ آپ کے کسی مصلحت کے خلاف نہ ہوتی تو قبول فرما لیتے تھے۔

قوله : لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَ فِي ذٰلِكَ، (ص:۴۳،سطر:۱)

یہاں جعل بمعنٰی خلق ہے اور اس کا مفعول بہ محذوف ہے۔ای يَجْعَلَ فِي ذٰلِكَ الْبَرَكَةَ۔

قوله : بِنَطَعٍ (ص:۴۳،سطر:۲)

چمڑے کا دستر خوان۔

نَطَع میں چار لغات ہیں:۔

۱ ... نون کے کسرہ اور طاء کے فتحہ کے ساتھ۔ نِطَعٌ

۲ ... نون کے کسرہ اور طاء کے سکون کے ساتھ۔نِطْعٌ

۳ ... نون اور طاء دونوں پر فتحہ ہو۔نَطَعٌ

۴ ... نون پر فتحہ اور طاء کو ساکن پڑھیں۔نَطْعٌ

---

(۱) مجمع بحار الانوار ج۴ص۷۳۹۔

(۲) فتح الملہم ج۱ص۳۹۰۔

(۳) سواریوں کو ظہر سے تعبیر فرمانے کے وجہ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے یہ تحریر فرمائی ہے کہ ان سواریوں کی کمر پر سواری کی جاتی ہے اس لئے ان کو "ظہر" کہا جاتا ہے یا اس وجہ سے ان کے ذریعہ سفر کے سلسلے میں مدد حاصل کی جاتی ہے۔(فتح الملہم ج۱ص۳۹۰)

لیکن ان میں سب سے پہلی لغت بِطَعْ سب سے زیادہ فصیح ہے۔ [1]

قولہ : فَجَعَلَ (ص:۴۳،سطر:۲)

جعل افعال شروع میں سے ہے۔ اور افعال شروع کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ اس کا ترجمہ اردو میں لگا یا لگے کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے۔ لگا مفرد کی صورت میں اور ''لگے'' جمع کی صورت میں۔

قولہ: بِكَفِّ ذُرَةٍ (ص:۴۳،سطر:۲)

ذرۃ جوار کی طرح کا غلہ ہوتا ہے۔ ہندی زبان میں اس کو چینا کہتے ہیں۔ یہ جوار کے مشابہ ہوتا ہے۔ [2]

قولہ : بِكِسْرَةٍ (ص:۴۳،سطر:۲)

روٹی وغیرہ کا ٹکڑا۔

قولہ : فَضَلَتْ فَضْلَةٌ (ص:۴۳،سطر:۳)

پھر بھی تھوڑا سا بچ گیا۔ فَضِلَتْ میں ضاد کا کسرہ اور فتحہ دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔ اور فَضْلَةٌ میں فاء مفتوح ہے۔ [3]

قولہ : فَيُحْجَبَ عَنِ الْجَنَّةِ (ص:۴۳،سطر:۴)

یعنی ایسا نہ ہو کہ شہادتین کا اقرار بھی ہو اور جنت میں داخل ہونے سے محرومی بھی ہو یعنی یہ دونوں چیزیں جمع نہ ہونگی ایمان کی وجہ سے اولاً یا آخراً جنت میں ضرور جائے گا۔

۱۳۹ ـ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ، ...(الی قوله)...عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنَّ عِيسَى عَبْدُ اللهِ، وَابْنُ أَمَتِهِ، وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ، وَأَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ، وَأَنَّ النَّارَ حَقٌّ، أَدْخَلَهُ اللهُ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ شَاءَ" (ص۴۳،سطر:۴تا۶)

تشریح

قولہ : حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ (ص:۴۳،سطر:۴)

(۱) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۱۷۔

(۲) فتح الملهم ج۱ص۳۹۰۔

(۳) درسِ مسلم ج۱ص۳۴۳۔

رشید راء کے ضمہ اور شین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ [1]

ان احادیث سے جھمیہ اور مرجئہ کی تردید ہورہی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے اقرار باللسان بھی جنت میں داخل ہونے کا ایک ذریعہ ہے۔

ایک سوال اور ایک جواب

کیا اقرار باللسان میں ان چیزوں کا اقرار بھی ضروری ہے؟ یعنی الجنة حق والنار حق وان عیسیٰ عبد اللّٰہ وابن امته وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منه۔ ان چیزوں کا اقرار ضروری ہے یا نہیں؟

جواب

اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ عام حالات میں تو ان چیزوں کا اقرار شرطِ ایمان نہیں البتہ اگر کوئی عیسائی مسلمان ہوگا تو اسے ان عیسیٰ عبد اللّٰہ کا اقرار کرنا ہوگا۔ اسی طرح جو یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ مانتا تھا اس کو حضرت عزیر علیہ السلام کے رب ہونے سے برأت ظاہر کرنی ہوگی اور بت پرستوں کو بتوں سے۔ [2]

قولہ : وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا (ص:۴۳، سطر:۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چونکہ حضرت مریم علیہا السلام کی گود میں کلام کیا تھا اس وجہ سے مبالغہ کے طور پر خود انہیں کلمہ کہا گیا ہے۔ جیسے زید عدل میں ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی ولادت خلافِ عادت کلمۂ کُنْ سے ہوئی اور اگرچہ دوسرے انسان بھی کلمۂ کُنْ سے پیدا ہوتے ہیں بخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کی ولادت اسبابِ عادیہ (عام اسباب) سے ہٹ کر ہوئی۔ [3]

قولہ : وَرُوحٌ مِنْهُ... (ص:۴۳، سطر:۵)

یہاں ''من'' تبعیض کا نہیں ہے ورنہ شرک ہو جائے گا۔ کیونکہ پھر اس کے معنیٰ ہونگے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روح یعنی اس کا جزو ہیں۔ بلکہ یہ ''من'' ابتدائیہ ہے۔ جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ

---

(۱) مکمل اکمال الاکمال ج۱ص۱۱۷، ۱۱۹۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۳۴۳، ۳۴۴۔

(۳) الدیباج ج۱ص۱۵۹۔

روح اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔ یا "من" سببیہ۔ اس کے معنٰی یہ ہیں کہ یہ روح اللہ تعالیٰ کے حکم وارادہ کی وجہ سے آئی ہے۔

اگرچہ ہر روح خواہ عام اسباب کے تحت آئے وہ من جانب اللہ ہی آتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے ارادے سے آتی ہے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی روح عام اسباب سے ہٹ کر آئی تھی اس خصوصیت کو ظاہر کرنے کے لئے ان کو "روح منہ" فرمایا گیا۔ [1]

قولہ : أَدْخَلَهُ اللّٰهُ... الْجَنَّةَ (ص:۴۳،سطر:۶)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ بھی ہیں ایمان کے ساتھ یعنی مومن کامل ہے تو جنت میں دخولِ اوّلی ہوگا اور اگر مومنِ عاصی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بخشش فرمادی تب بھی دخولِ اوّلی ہوگا۔ اور اگر بخشش نہ فرمائی تب بھی سزا بھگتنے کے بعد ایمان کی وجہ سے آخر کار جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ [2]

قولہ : علی ما کان من عمل (ص:۴۳،سطر:۶،۷)

اس جملے کے تین مطلب ہوسکتے ہیں:۔

١ ... اس میں "علیٰ"، مع کے معنٰی میں ہو، ای "مع ما کان من عمل" اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کا عمل اچھا ہو یا برا ہر حال میں جنت میں جائیں گے یعنی اگر اچھا عمل ہوگا تو دخولِ اوّلی نصیب ہوگا ورنہ اگر اللہ تعالیٰ نے گناہ معاف نہ فرمائے تو سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جانا ہوگا۔

۲ ... اس میں علیٰ سببیہ ہو۔ تو اس صورت میں معنٰی یہ ہونگے کہ اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا بسبب ان اعمال صالحہ کے جو وہ کرتا تھا۔

۳ ... تیسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے اعمال میں جس عمل کا غلبہ ہوگا اس کی وجہ سے اسی کے مطابق اس کا اکرام ہوگا۔ [3] مثلاً اگر روزوں کا غلبہ ہے تو جنت میں باب الریّان سے داخل ہوگا۔ وغیرہ

---

(۱) شرح النووی ج۱ص۴۳ والمفہم ج۱ص۲۰۱۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۳۴۴۔

(۳) فتح الملہم ج۱ص۳۹۱۔

۱٤۱۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ...(الی قولہ)...عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ، عَنِ الصُّنَابِحِيِّ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، أَنَّهُ قَالَ :دَخَلْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ، فَبَكَيْتُ، فَقَالَ: مَهْلًا، لِمَ تَبْكِي؟ فَوَاللهِ لَئِنِ اسْتُشْهِدْتُ لَأَشْهَدَنَّ لَكَ، وَلَئِنْ شُفِّعْتُ لَأَشْفَعَنَّ لَكَ، وَلَئِنِ اسْتَطَعْتُ لَأَنْفَعَنَّكَ، ثُمَّ قَالَ :وَاللهِ مَا مِنْ حَدِيثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكُمْ فِيهِ خَيْرٌ إِلَّا حَدَّثْتُكُمُوهُ، إِلَّا حَدِيثًا وَاحِدًا وَسَوْفَ أُحَدِّثُكُمُوهُ الْيَوْمَ، وَقَدْ أُحِيطَ بِنَفْسِي، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ :مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ (ص۴۳،سطر:۷تا۹)

تشریح

قولہ : دَخَلْتُ (ص:۴۳،سطر:۷)

یہ حضرت صنابحیؒ کہہ رہے ہیں۔کہ میں حضرت عبادۃ بن الصامتؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

قولہ : وَلَئِنْ شُفِّعْتُ (ص:۴۳،سطر:۸)

اس سے معلوم ہوا کہ غیر انبیاء کے لئے بھی سفارش کا امکان ہے بلکہ دوسری روایات میں شفاعت کی صراحت موجود ہے۔مثلاً حاجی اور حافظ قرآن کا اپنے گھر والوں کے لئے۔اور جو بچہ بچپن میں مرگیا ہو اس کا اپنے والدین کے لئے شفاعت کرنا احادیث سے ثابت ہے۔

قولہ : لَأَنْفَعَنَّكَ (ص:۴۳،سطر:۸)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو مردوں سے بھی زندوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں عقلاً وشرعاً اس کا امکان موجود ہے اور جب امکان ہے تو یہ کہنا جائز ہے کہ یا اللہ مجھے فلاں بزرگ میت کے فیوض وبرکات سے فائدہ عطا فرما اور اولیاء اللہ کی قبروں پر برکت حاصل کرنے کے لئے جانا ہمارے بزرگوں سے ثابت ہے۔جب اللہ تعالیٰ دوا سے پتھر سے شربت سے فائدہ پہنچا سکتے ہیں تو وہ قادر مطلق کسی اللہ والے بزرگ کے ذریعہ بھی فائدہ پہنچا سکتے ہیں، مگر ہر حال میں یہ لازم ہے کہ معطیِ حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو جانے اور مانے۔

قولہ : وَقَدْ اُحِيطَ بِنَفْسِی (ص:۴۳،سطر:۹)

یعنی موت نے میری جان کا احاطہ کرلیا ہے یعنی اب موت کا وقت بالکل قریب ہے اور کسی خاص مصلحت کی وجہ سے اب تک یہ حدیث نہیں سنائی تھی اور غالباً وہ مصلحت یہ تھی کہ اس حدیث میں جو بشارت دی گئی ہے لوگ اس کے محض ظاہری معنٰی پر مطمئن ہوکر عمل سے غافل نہ ہوجائیں۔ لیکن اب سنارہا ہوں تاکہ بلغوا عنی ولو اٰیۃ پر عمل ہوجائے اور علم کو چھپانا لازم نہ آئے۔

قولہ : حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ (ص:۴۳،سطر:۹)

بظاہر یہ حدیث مرجئہ کی دلیل ہے امام مسلمؒ نے کتاب الایمان میں احادیث لانے میں کی جو ترتیب رکھی ہے یہ ایک خاموش مناظرہ ہے چنانچہ پہلے وہ ایسی احادیثیں بھی لاتے ہیں جن سے باطل فرقوں نے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے مگر ساتھ ہی وہ حدیثیں ذکر کرتے ہیں جن سے ان کا استدلال باطل ہوجاتا ہے اور شبہات کا ازالہ ہوجاتا ہے اس حدیث سے مرجئہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس میں لفظ ''النار'' میں الف لام عہدِ خارجی کا ہے۔ اس میں النار سے مراد وہ جہنم ہے جو کفار کے لئے ہے یعنی جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا کفار کے لئے ہوگا مومن کے لئے نہ ہوگا۔ و اللّٰہ اعلم (۱)

اس کا ایک جواب شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ نے اس طرح دیا ہے کہ اس حدیث میں کلمہ طیبہ کی تاثیر کو بیان کیا گیا ہے۔ لیکن کسی چیز کی تاثیر کا پایا جانا دو چیزوں پر موقوف ہوتا ہے:۔

۱۔ شرائط کے پائے جانے پر　　۲۔ رکاوٹوں کے دور ہونے پر

کلمہ طیبہ کی تاثیرِ اصلی یہی ہے کہ اس کی وجہ سے ہر قسم کی جہنم کی آگ مکمل طور پر حرام ہو۔ لیکن اس کی یہ تاثیر اس وقت ظاہر ہوگی جب اس کی شرائط پائی جائیں مثلاً کلمہ طیبہ کے مطابق اعمالِ صالحہ بھی ہوں اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام بھی ہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے طب کی کتابوں میں دواؤں کی تاثیر لکھی ہوتی ہے کہ فلاں دوا فلاں مرض کا علاج ہے اور فلاں دوا فلاں مرض دور کرتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان دواؤں کا نفع اور اثر اس وقت ہوگا جب ان کا استعمال طبی شرائط کے مطابق اور پرہیز کے ساتھ ہو۔

زندگی بھر حدیث نہ سنانے کی وجہ

حضرت عبادۃ بن صامتؓ نے زندگی بھر یہ حدیث لوگوں کو نہیں سنائی کہ کہیں لوگ اس کا

---

(۱) فتح الملہم ج۱ص۵۸۲۔

ظاہری مفہوم مراد لے کر اعمالِ صالحہ ترک نہ کر دیں لیکن بوقتِ موت علم کو چھپانے کے گناہ کے خوف سے بعض لوگوں کے سامنے اس کو بیان کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ عالم دین کو ایسی بات عوام کے سامنے نہیں کرنی چاہئے جس سے وہ غلط فہمی کا شکار ہوں اگرچہ وہ بات فی نفسہ حق ہو۔

۱٤۲۔ حَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْدِيُّ...(الی قوله)...عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ :كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ، فَقَالَ :يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ ، قُلْتُ :لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ، وَسَعْدَيْكَ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ :يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ :لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ :يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ :لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ :هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ؟ قَالَ :قُلْتُ :اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ :فَإِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ، وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ :يَا مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ :لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ، وَسَعْدَيْكَ، قَالَ :هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ إِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ؟ قَالَ :قُلْتُ :اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ :أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ　　(ص:۴۴،سطر:۱تا۴)

تشریح

قوله : كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ　　(ص:۴۴،سطر:۱)

سوار کے پیچھے جو شخص بیٹھتا ہے اُسے رِدْف کہتے ہیں اور "ردیف" بھی کہتے ہیں۔ (۱)

قوله : مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ　　(ص:۴۴،سطر:۱)

اس میں میم پر ضمہ ہے اس کے بعد همزہ ساکن ہے اور خاء کے نیچے کسرہ ہے اور یہی لغت صحیح ہے۔رحل کے معنٰی ہیں کجاوہ اور مؤخرۃ الرحل کے معنٰی وہ لکڑی جو سوار کے پیچھے ہوتی ہے۔ (۲)

قوله : يَا مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ　　(ص:۴۴،سطر:۱)

(۱) المعجم الوسیط ج۱ص۳۳۹۔

(۲) شرح النووی ج۱ص۴۴۔

حضرت معاذ کو آواز دینے کی وجہ

سوال

سوال یہ ہے کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آواز دینے کی کیا ضرورت تھی؟ جبکہ حضرت معاذؓ بالکل قریب اور پیچھے ہی بیٹھے تھے کوئی تیسرا بھی موجود نہ تھا۔

جواب

جواب یہ ہے کہ پوری طرح متوجہ کرنے کے لئے نام لے کر آواز دی ـــــ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا خاص انداز ہے جب کسی عظیم الشان چیز کو بیان کرنا مقصود ہوتا تو سامع کو مکمل طور پر متوجہ کرنے کے لئے آپ مختلف انداز اختیار فرماتے تھے۔ یہاں تین مرتبہ آواز دی اگر چہ پہلی آواز میں حضرت معاذ بن جبلؓ متوجہ ہو گئے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دے کر خاموشی اختیار فرمائی پھر آواز دی، اس طرح تین دفعہ کیا تا کہ پوری طرح متوجہ ہونے کے ساتھ ان کے اندر آئندہ بیان ہونے والی بات کو سننے کا شوق پیدا ہو۔ اس لئے کہ جو بات شوق اور توجہ سے سنی جائے وہ دل پر زیادہ اثر کرتی ہے پھر تین مرتبہ آواز دینے کے بعد بھی فوراً کوئی بات نہیں بتلائی بلکہ پہلے سوال کیا یہ مزید توجہ بڑھانے کے لئے تھا اور اس پورے اندازِ کلام سے یہ اشارہ فرمانا مقصود تھا کہ آگے تم کو جو بات بتلائی جائے گی وہ بہت اہم ہے اور اسے معمولی نہ سمجھا جائے۔ (۱)

قولہ : أَنْ يَعْبُدُوهُ (ص:۴۴، سطر:۳)

اس میں شیئاً منصوب ہے جس میں دو احتمال ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ یہ مفعول بہ ہو لا یشرکوا کا۔

۲۔ دوسرا یہ کہ یہ مفعولِ مطلق ہو۔ اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا۔ اور تقدیرِ عبارت یوں ہوگی لا یشرکوا به اشراك شیء۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی قسم کا شرک نہ کریں۔ اس دوسری صورت میں شرک کی تمام اقسام کی نفی ہوگی۔ جبکہ پہلی صورت میں اصل شرک کی ہی نفی ہوگی۔ یعنی بالکل شرک مت کرو۔ اور اقسامِ شرک سے سکوت ہوگا۔ (۲)

---

(۱) اکمال اکمال المعلم (بالاختصار) ج۱ ص۱۲۰، ۱۲۱۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ ص۳۴۹۔

ایک سوال اور دو جواب

یہاں بظاہر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کی پانچ بڑی بڑی قسمیں ہیں:۔

۱۔اعتقادات ۲۔عبادات ۳۔معاملات ۴۔معاشرت

۵۔اخلاقِ باطنہ۔ان میں عبادات کل دین کا پانچواں حصہ ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے پورے دین پر عمل کریں نہ کہ صرف عبادات کو بجالائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف عبادات کا ذکر کیوں فرمایا؟

جواب

اس کے دو جواب ہیں:

۱ ... یہاں عبادات طاعات کے معنٰی میں ہیں اور طاعت کے معنٰی میں اوامر کو بجالانا اور نواہی سے اجتناب کرنا، دونوں داخل ہیں۔لہٰذا عبادات پورے دین کو شامل ہوگئیں۔

۲ ... یہاں عبادات سے عبادات ہی مراد ہیں اس لئے کہ اصل مقصود انسان کی پیدائش سے عبادات کو ادا کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ"[1] باقی چیزیں مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود کا ذریعہ ہیں لیکن چونکہ یہ عبادات کے ذرائع اور لوازم میں سے ہیں اس لئے ضمناً وہ بھی اس میں آگئیں۔

اس جواب سے دورِ حاضر کے اس نظریہ کی تردید ہوگئی کہ اسلام میں اصل مقصود اسلامی حکومت کا قیام ہے عبادات وغیرہ اس مقصود کے واسطے صرف بطورِ ذریعہ کے فرض کی گئی ہیں۔جیسا کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم کی بعض تحریروں سے ان کا نظریہ یہی معلوم ہوتا ہے۔اس حدیث سے اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے۔[2]

۱۴۳۔حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ...(الى قوله)...عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: كُنْتُ رِدْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حِمَارٍ، يُقَالُ لَهُ :عُفَيْرٌ، قَالَ: فَقَالَ: يَا مُعَاذُ، تَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ؟ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ؟ قَالَ: قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ :فَإِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوا اللهَ، وَلَا

---

(۱) سورة الذاريات :۵٦۔

(۲) درس مسلم ج۱ص ۳۴۹،۳۵۰۔

يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا ، قَالَ: قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَفَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ، قَالَ :لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوا

(ص:۴۴،س:۴ تا ۷)

تشریح

ایک تعارض کا ازالہ

قوله : عَلَى حِمَارٍ (ص:۴۴،سطر:۵)

سوال

پچھلی روایت میں مؤخرة الرحل کا ذکر ہے اور رحل اونٹ پر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سواری اونٹ پر تھی۔ جبکہ اس حدیث میں علی حمار ہے یعنی گدھے پر سواری تھی یہ بظاہر تعارض ہے۔

جواب

پچھلی حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ اونٹنی پر سواری تھی بلکہ اُس میں مؤخرة الرحل کا ذکر ہے جس سے مراد قَدرُ مؤخرة الرحل ہے یعنی کجاوہ کی پچھلی لکڑی کے بقدر جس سے فاصلے کی مقدار کی کمی کو بتلانا مقصود ہے اگرچہ سواری گدھے پر ہی تھی۔ [1]

قوله : فَيَتَّكِلُوا (ص:۴۴،سطر:۷)

اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اس بشارت پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اور عمل میں سست ہوجائیں گے اور یہ لفظ فیتکلوا اصل میں فیتکلون تھا لیکن حالتِ نصبی میں ہونے کی وجہ سے نونِ جمع متکلم گر گیا ہے اس لئے فَيَتَّكِلُوا ہوا۔ [2]

١٤٤ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ...(الى قوله)...عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا مُعَاذُ، أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ؟ قَالَ :اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ :أَنْ يُعْبَدَ اللهُ وَلَا يُشْرَكَ بِهِ شَيْءٌ، قَالَ :أَتَدْرِي مَا

---

(۱) المفہم ج۱ص۲۰۲،۲۰۳ واکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۲۱۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۳۵۱۔

حَقُّهُمْ عَلَيْهِ إِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ؟ فَقَالَ :اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ :أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ

(ص:۴۴،سطر:۷تا۹)

تشریح

قوله : أَتَدْرِي مَا حَقُّهُمْ عَلَيْهِ (ص:۴۴،سطر:۸،۹)

مشہور اختلافی مسئلہ

یہ مشہور مسئلہ ہے جو اہل سنت والجماعت اور معتزلہ کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر عقل کی مطابقت اور زیادہ اچھے کام کی رعایت واجب ہے۔ گویا معتزلہ نے اللہ تعالیٰ پر عقل کو حاکم قرار دیا ہے۔ اس حدیث سے بظاہر معتزلہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ یہاں یہ ارشاد ہے کہ حق العباد علی اللہ أن لا یعذبھم۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ بندوں کو عذاب نہ دیں۔

جواب

جواب یہ ہے کہ واجب کے لئے موجب کا ہونا ضروری ہے لیکن وہ موجب عقل نہیں ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی ذات موجب ہے یعنی خود اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے اوپر اور بھی کئی چیزوں کو واجب کر رکھا ہے مثلاً خلافِ وعدہ نہ کرنے کو واجب کر رکھا ہے اور ہر جاندار کا رزق اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

"وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا" (۱)

اسی طرح ایسے لوگوں کو عذاب نہ دینا بھی اپنے اوپر واجب فرمالیا ہے اور یہ واجب فرمانا ازراہِ مہربانی ہے جسے وجوبِ تفضّلی کہتے ہیں۔ (۲)

١٤٦ـ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ...(الى قوله)...حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ، قَالَ :كُنَّا قُعُودًا حَوْلَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَعَنَا أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ فِي نَفَرٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِنَا، فَأَبْطَأَ عَلَيْنَا، وَخَشِينَا أَنْ

(۱) سورۂ ہود، آیت نمبر:۶

(۲) فتح الملہم ج۱ص۳۹۴(بالاختصار)

يُقْتَطَعَ دُونَنَا، وَفَزِعْنَا، فَقُمْنَا، فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ، فَخَرَجْتُ أَبْتَغِي رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَتَيْتُ حَائِطًا لِلْأَنْصَارِ لِبَنِي النَّجَّارِ، فَدُرْتُ بِهِ هَلْ أَجِدُ لَهُ بَابًا؟ فَلَمْ أَجِدْ، فَإِذَا رَبِيعٌ يَدْخُلُ فِي جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بِئْرٍ خَارِجَةٍ - وَالرَّبِيعُ الْجَدْوَلُ -فَاحْتَفَزْتُ، فَدَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ :نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ :مَا شَأْنُكَ؟ قُلْتُ :كُنْتَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا، فَقُمْتَ فَأَبْطَأْتَ عَلَيْنَا، فَخَشِينَا أَنْ تُقْتَطَعَ دُونَنَا، فَفَزِعْنَا، فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ، فَأَتَيْتُ هَذَا الْحَائِطَ، فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ، وَهَؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَائِي، فَقَالَ :يَا أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَعْطَانِي نَعْلَيْهِ، قَالَ :اذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ، فَمَنْ لَقِيتَ مِنْ وَرَاءِ هَذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ، فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ ، فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ لَقِيتُ عُمَرُ، فَقَالَ :مَا هَاتَانِ النَّعْلَانِ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ فَقُلْتُ :هَاتَانِ نَعْلَا رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَعَثَنِي بِهِمَا مَنْ لَقِيتُ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ، بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ، فَضَرَبَ عُمَرُ بِيَدِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَخَرَرْتُ لِاسْتِي، فَقَالَ :ارْجِعْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، فَرَجَعْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَجْهَشْتُ بُكَاءً، وَرَكِبَنِي عُمَرُ، فَإِذَا هُوَ عَلَى أَثَرِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَا لَكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قُلْتُ :لَقِيتُ عُمَرَ، فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي بَعَثْتَنِي بِهِ، فَضَرَبَ بَيْنَ ثَدْيَيَّ ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِاسْتِي، قَالَ :ارْجِعْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا عُمَرُ، مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا فَعَلْتَ؟ قَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، بِأَبِي أَنْتَ، وَأُمِّي، أَبَعَثْتَ أَبَا هُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ، مَنْ لَقِيَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ بَشَّرَهُ بِالْجَنَّةِ؟ قَالَ :نَعَمْ ، قَالَ :فَلَا تَفْعَلْ، فَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَتَّكِلَ النَّاسُ عَلَيْهَا، فَخَلِّهِمْ يَعْمَلُونَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :فَخَلِّهِمْ (ص:۴۴،سطر:۱۰ تا ص:۴۶سطر:۲)

تشریح

قوله : أَنْ يُقْتَطَعَ دُونَنَا، (ص:۴۵،سطر:۱)

اس کے معنیٰ ہیں یعنی دشمن آپ کو ہم سے جدا کردے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک آیت "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ"[1] نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت ابوھریرہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ لاحق ہوا[2] اور اس حدیث سے یہ ادب بھی معلوم ہوا کہ شاگردوں اور مریدین کو اپنے اساتذہ اور مشائخ سے وابستہ رہنا چاہئے اور ان سے باخبر رہنا چاہئے۔ لیکن اتنا بھی نہیں کہ ہر وقت اُن سے لگا رہے۔ جس سے ان کو تکلیف ہو۔

قوله : فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ (ص:۴۵، سطر:۱)

یہ تحدیثِ نعمت کے طور پر بتلایا۔[3]

قوله : حَائِطاً (ص:۴۵، سطر:۱)

دراصل حائط دیوار کو کہتے ہیں لیکن باغ کو بھی حائط کہہ دیتے ہیں اس لئے کہ اس کی بھی چھت کے بغیر صرف دیواریں ہوتی ہیں۔[4]

قوله : لِبَنِي النَّجَّارِ (ص:۴۵، سطر:۲)

یہاں لبنی النجار بدل ہے للأنصار سے۔ اور یہ قبیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ننھیال تھا۔[5]

قوله : هَلْ أَجِدُ لَهُ بَابًا؟ (ص:۴۵، سطر:۲)

یعنی دل میں کہتے ہوئے کہ اس باغ کا کوئی دروازہ ہے یا نہیں؟ لیکن باوجود تلاش کے حضرت ابوھریرہؓ کو دروازہ نظر نہیں آیا۔ بظاہر اس کی دو وجہ ہوسکتی ہیں۔

۱ ... حضرت ابوھریرہؓ پریشانی اور جلدی کے عالم میں تھے۔ ایسی حالت میں عموماً دیکھنے میں خلل ہوجاتا ہے۔[6]

---

(۱) سورۃ المائدۃ:۶۷۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۲۲۔

(۳) درسِ مسلم ج۱ص۳۵۲۔

(۴) الدیباج ج۱ص۱۶۲۔

(۵) درسِ مسلم ج۱ص۳۵۲۔

(۶) الحل المفهم ج۱ص۳۰۔

۲ ... باغات کے دروزے معروف ھیئت کے نہیں ہوتے۔ بلکہ دیوار یا جھاڑیوں وغیرہ کے درمیان خلاء پیدا کر کے اُگنے والی کسی چیز سے دروازہ بنالیا جاتا ہے۔ اس انداز کے دروازہ کا پتہ لگانا عموماً ذرا مشکل ہوتا ہے۔

قوله : بِئْرٍ خَارِجَةٍ (ص:۴۵، سطر:۲)

لفظ خارجة میں تین احتمال ہیں۔

۱ ... بئر خارجة یہ بئر کی صفت ہو یعنی ایسا کنواں جو باغ سے باہر تھا۔

۲ ... بئر خارجه اس صورت میں یہ مفعول فیه ہوگا۔ یعنی وہ کنواں جو اُس کے باہر واقع تھا۔

۳ ... بئر خارجةَ اس صورت میں بئر مضاف ہو اور اس کا مضاف الیه خارجة ہو یعنی خارجة کا کنواں۔ اور خارجة ایک آدمی کا نام تھا۔ ممکن ہو کسی وجہ سے یہ کنواں اُس کی طرف منسوب ہوگیا ہو۔ (۱)

قوله : الرَّبِيعُ الْجَدْوَلُ (ص:۴۵، سطر:۲)

یہ راوی کا ادارج ہے لفظِ ربیع کی تفسیر کے لئے۔ (۲) "الجدول" کھیت وسیراب کرنے والی بڑی نالی کو کہتے ہیں۔

قوله : فَاحْتَفَزْتُ (ص:۴۵، سطر:۲)

یعنی میں سکڑ گیا اور سمٹ گیا۔ (۳)

قوله : فَقَالَ :أَبُو هُرَيْرَةَ؟ (ص:۴۵، سطر:۳)

یہاں قال کی ضمیر فاعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور لفظ ابو هريرةؓ سے پہلے مبتدا اور حرفِ استفہام محذوف ہے۔ تقدیرِ عبارت یوں ہے۔ یعنی أأنت ابو هريرة کیا تم ابوھریرہ ہو؟ میں نے عرض کیا جی۔ اور پھر ہوسکتا ہے کہ یہ استفہام اس لئے ہو کہ اس وقت حضرت ابوھریرہؓ کسی حائل کی وجہ سے نظر نہ آئے ہوں اور حضرت ابو ہریرہؓ کے جواب نعم سے اس کی تائید ہوتی

---

(۱) شرح النووی ج۱ص۴۵۔

(۲) الدیباج ج۱ص۱۶۳۔

(۳) تاکہ اندر داخل ہوسکوں۔ حاشیة صحیح مسلم للشیخ الذهنیؒ ج۱ص۲۸۔

ہے۔ واللہ اعلم [1]

قولہ : كُنْتَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا، (ص:۴۵،سطر:۳)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تھے۔

قولہ : فَأَبْطَأْتَ عَلَيْنَا، (ص:۴۵،سطر:۳)

آپ نے ہمارے پاس آنے میں تاخیر کی۔

قولہ : أَعْطَانِي نَعْلَيْهِ، (ص:۴۵،سطر:۳)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے نعلین مبارک عطا فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نوازش بطورِ علامت فرمائی۔ [2]

قولہ : يَشْهَدُ (ص:۴۵،سطر:۳)

یہاں مراد پورا کلمہ ہے۔ یہاں اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کو کئی اعزاز حاصل ہوئے۔

۱ ... سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی۔

۲ ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا قاصد بنایا۔

۳ ... قاصد اور ایلچی بھی جنت کی بشارت کے لئے بنایا۔

۴ ... بشارت کی اہمیت کے خاطر بطورِ علامت اور سند کے آپ نے اپنے نعلین مبارک انہیں عطا فرمائے۔

عہدِ رسالت میں چونکہ پڑھنے کا رواج کم تھا اس لئے اہم پیغام کے ساتھ کوئی نشانی بھی دی جاتی تھی جیسا کہ آج بھی جب غیر ملکی سفیر آتا ہے۔ تو اپنی اسنادِ سفارت پیش کرتا ہے۔ [3]

قولہ : فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ لَقِيتُ عُمَرُ (ص:۴۵،سطر:۵)

یہاں عمرؓ کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ اگر منصوب ہو تو خبر کان ہوگا۔ اور اگر مرفوع ہو تو اسم کان ہوگا۔

قولہ : هَاتَيْنِ؟ نَعْلَا رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص:۴۵،سطر:۵)

---

(۱) درس مسلم ج ا ص ۳۵۴ و مرقاۃ ج ا ص ۲۰۴۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج ا ص ۱۲۳۔

(۳) درس مسلم ج ا ص ۳۵۵۔

یہ ایک جملہ نہیں ہے بلکہ دو جملہ ہیں۔ پہلا جملہ ھاتین ہے جو استفہامیہ ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے کہ أتعنی ھاتین اور دوسرا جملہ نعلا رسولِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم خبریہ ہے اور جس کا مبتدا ھما محذوف ہے۔ اور تقدیر عبارت یہ ہے ھما نعلا رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم ۔ (۱)

قولہ : بَيْنَ ثَدْيَيَّ (ص:۴۵،سطر:۶)

یعنی میرے سینے کے بیچوں و بیچ۔

قولہ : خَرَرْتُ لِاسْتِي (ص:۴۵،سطر:۶)

میں کولہوں کے بل گر گیا۔ دراصل حضرت عمرؓ نے سوچا ہوگا کہ اس وقت تو حضرت ابوھریرہؓ کے ہاتھ میں نعلین مبارک کا تاج ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی ہیں اب میری بات آسانی سے نہ مانیں گے۔ اس لئے بظاہر رعب ڈالنے کے لئے ہاتھ مارا۔

قولہ : فَأَجْهَشْتُ بُكَاءً (ص:۴۵،سطر:۶)

میں رونے کی حالت میں ہوکر چل پڑا۔ اجھاش اس کو کہتے ہیں کہ کسی کے پاس فریاد لے کر جائے۔ اور وہ رونے کی حالت میں ہو مگر ابھی رویا نہ ہو۔ (۲)

قولہ : عَلَى أَثَرِي (ص:۴۵،سطر:۶)

اس کو دو طرح پڑھ سکتے ہیں:۔

۱ ... ھمزہ کے کسرہ اور ث کے سکون کے ساتھ۔ إِثْرِي

۲ ... ھمزہ اور ثاء کے فتح کے ساتھ۔ أَثَرِي (۳)

قولہ : مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا فَعَلْتَ؟ قَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ،! (ص:۴۵،۴۶ س:۷،۱)

اس جملے میں یہ تعلیم ہے کہ کسی کی شکایت کا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے معاملہ کی تحقیق کر لینی چاہئے اور جس کی شکایت کی گئی ہے اُسے اپنی صفائی کا موقع دینا چاہئے۔

قولہ : بِأَبِي أَنْتَ، وَأُمِّي (ص:۴۵،سطر:۶)

یہاں جار مجرور کا تعلق مَفدِیٌّ محذوف سے ہے۔ یعنی انت مَفدیٌّ بابی و اُمّی اس کا لفظی

(۱) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۲۳۔

(۲) معجم الوسیط ج۱ ص۱٤۳ والفائق فی غریب الحدیث: ج۱ص۲۴۹۔

(۳) شرح النووی ج۱ص۴۵۔

ترجمہ یوں ہے۔ آپ کا فدیہ ادا کردیا جائے میرے باپ اور ماں کے ذریعے سے۔ اس کے حاصل معنٰی یہ ہیں کہ میرے ماں، باپ آپ پر قربان ہوں۔ حضرت عمرؓ کے اس جملہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میں نے جو کچھ کیا اس کا منشاء ہرگز نافرمانی نہیں بلکہ ایک مصلحت پیشِ نظر ہے جو آگے خود ہی بیان کردی۔ (1)

چند سوالات اور ان کے جوابات

مذکورہ حدیث سے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:۔

سوال:۔ ۱ ... حضرت عمرؓ نے حضرت ابوھریرۃؓ کو کیوں مارا؟ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا مقصد ان کو مارنے سے انہیں تکلیف اور ایذاء پہنچانا نہیں تھا بلکہ آگے جانے سے روکنا تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ زبانی منع کرنے سے حضرت ابوہریرۃؓ باز نہیں آئیں گے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو حضرت عمرؓ کی بات پر ترجیح حاصل ہے لیکن روکنا بھی ضروری تھا کیونکہ ایک اور اہم مصلحت پیشِ نظر تھی۔ اس لئے ایسا کیا یعنی مارا۔

نیز ظاہر یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس قدر زور سے نہ مارا ہوگا کہ وہ گر پڑیں لیکن حضرت ابوھریرۃؓ خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے گر گئے کیونکہ حضرت عمرؓ کا رعب بہت تھا۔

سوال:۔ ۲ ... حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی کہ آپ تو حضرت ابوھریرۃؓ سے فرمارہے ہیں کہ جاؤ اور حضرت عمرؓ فرمارہے ہیں نہ جاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کیسے کرسکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حضرت عمرؓ کا منشاء نافرمانی ہرگز نہیں۔ بلکہ تھوڑی دیر کے لئے مہلت حاصل کرنا تھا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی تجویز پیش کرسکیں۔

سوال:۔ ۳ ... جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے بھی یہی تھی جو حضرت عمرؓ کی تھی تو آپ نے حضرت ابوہریرۃؓ کو نعلین مبارک عطا فرما کر اعلان کرنے کے لئے کیوں بھیجا؟

جواب یہ ہے کہ چونکہ اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نئی نئی خوشخبری ملی تھی اور اس وقت مسلمانوں کے دل ٹوٹے ہوئے تھے اور آخرت کی فکر میں ڈوبے ہوئے تھے، ادھر فقر وفاقہ کی

---

(1) الدیباج ج ۱ ص ۱۶۴ اور درس مسلم ج ۱ ص ۳۵۶۔

حالت تھی۔ اور آئے دن دشمنوں سے جہاد کی نوبت آتی تھی اس لئے ان کو تسلی کے لئے اپنی شانِ رحمت کے مطابق بشارت کا حکم دیا لیکن جب حضرت عمرؓ نے اپنی رائے پیش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سابقہ رائے کی طرف رجوع فرمالیا کہ لوگوں کو ابھی یہ بشارت مت دو تاکہ وہ اس پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں اور عمل کرنا ترک کردیں۔ (۱)

قولہ : فَإِنِّي أَخْشٰى (ص:۴۶،سطر:۱)

اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ بڑے کا حکم اگر کسی مصلحت کے خلاف محسوس ہو تو ادب کے ساتھ خیر خواہانہ مشورہ دے دینا چاہئے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اپنے مشورہ پر اصرار اور ضد کرنا ادب کے خلاف ہے جب بڑا دلائل سننے کے بعد کوئی فیصلہ کردے جو تمہاری رائے کے خلاف ہو تو اس وقت ادب یہ ہے کہ اس کو بلا تردد مان لینا چاہئے۔ (۲)

قولہ : فَخَلِّهِمْ يَعْمَلُونَ، (ص:۴۶،سطر:۱)

حضرت عمرؓ کے اس مشورہ کو قبول کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فخلھم۔ اور حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کے سینہ پر مارنے کا جو عمل کیا تھا اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، ان دو وجہ سے جن کا اوپر ذکر ہوگیا۔ ان وجوہ سے وہ تمام اعتراضات ختم ہوجاتے ہیں جو حضرت عمرؓ پر اس واقعہ کی بناء پر ہوتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد فخلھم کی بنا پر آج بھی خطباء اور واعظین کے لئے یہی حکم ہے کہ یا تو عوام کو ایسی حدیثیں سنائے نہیں یا اگر سنائیں تو توجیہات اور ضروری قیود و شرائط بھی بیان کردیں۔ تاکہ لوگ عمل میں سست نہ ہوجائیں۔

۱۴۷ ـ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ...(الی قولہ)...عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ :حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ رَدِيفُهُ عَلَى الرَّحْلِ، قَالَ :يَا مُعَاذُ قَالَ :لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ :يَا مُعَاذُ...(الی قولہ)... فَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذُ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأَثُّمًا" (ص:۴۶،س:۲تا۴)

---

(۱) درس مسلم ج۱ص۳۵۸۔
(۲) درس مسلم ج۱ص۳۵۸۔

تشریح

قولہ : یَا مُعَاذُ! (ص:۴۶،سطر:۲)

حضرت امام مسلمؒ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کا واقعہ یہاں دوبارہ بیان فرمایا ہے۔ حالانکہ امام مسلمؒ کا طرز یہ ہے کہ وہ ایک ہی مضمون کی روایات ایک ہی جگہ جمع فرماتے ہیں لیکن یہاں ایسا نہیں کیا جس سے شاید بطورِ تاکید کے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق تھی۔ لہٰذا ان کا یہ اقدام نافرمانی نہیں۔ (۱)

قولہ : فَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذُ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأَثُّمًا (ص:۴۶،سطر:۴)

یعنی علم کو چھپانے کے گناہ سے بچنے کے لئے حضرت معاذؓ نے اپنے مرنے کے قریب یہ حدیث سنادی۔ اور جن جن صحابہؓ کو اس حدیث میں موجود بشارت کا علم تھا۔ تقریباً ان تمام صحابہؓ نے اپنی موت کے وقت ہی یہ حدیث سنائی، پہلے نہیں سنائی۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملھم میں ایک نکتہ بیان فرمایا ہے کہ موت سے ذرا پہلے یہ حدیث سنانے کا مقصد یہ ہے کہ اس وقت زندگی کا آخری کلمہ لا الہ الا اللّٰہ ہوجائے۔ چنانچہ ایک واقعہ حضرت ابوحاتمؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام ابوزرعہؒ یہ وفات کے وقت ان کو کلمہ طیبہ کی تلقین کے لئے ان کے شاگردوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ آپس میں حضرت معاذؓ کی ایک حدیث کا ذکر کیا۔ حضرت ابوزرعہؒ نے یہ بات سنی تو سند بیان کر کے حضرت معاذؓ کی روایت کردہ وہ حدیث سنائی جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَن كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"

حدیث کا اتنا ہی حصہ حضرت امام ابوزرعہؒ سنا پائے تھے کہ روح پرواز کرگئی۔ حدیث کا باقی حصہ دَخَلَ الجَنَّةَ شاید فرشتوں نے کہا ہوگا۔ (۲)

۱۴۸ ـ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ الْمُغِيرَةِ، قَالَ :حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :حَدَّثَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ، عَنْ عِتْبَانَ بْنِ

(۱) درس مسلم ج۱ص۳۵۹۔

(۲) فتح الملھم ج۱ص۴۰۶۔

مَالِكٍ، قَالَ :قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ، فَلَقِيتُ عِتْبَانَ، فَقُلْتُ :حَدِيثٌ بَلَغَنِي عَنْكَ، قَالَ: أَصَابَنِي فِي بَصَرِي بَعْضُ الشَّيْءِ، فَبَعَثْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي أُحِبُّ أَنْ تَأْتِيَنِي فَتُصَلِّيَ فِي مَنْزِلِي، فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى، قَالَ :فَأَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ شَاءَ اللهُ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَدَخَلَ وَهُوَ يُصَلِّي فِي مَنْزِلِي وَأَصْحَابُهُ يَتَحَدَّثُونَ بَيْنَهُمْ، ثُمَّ أَسْنَدُوا عُظْمَ ذَلِكَ وَكُبْرَهُ إِلَى مَالِكِ بْنِ دُخْشُمٍ، قَالُوا :وَدُّوا أَنَّهُ دَعَا عَلَيْهِ فَهَلَكَ، وَدُّوا أَنَّهُ أَصَابَهُ شَرٌّ، فَقَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ، وَقَالَ :أَلَيْسَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ؟ قَالُوا :إِنَّهُ يَقُولُ ذَلِكَ، وَمَا هُوَ فِي قَلْبِهِ، قَالَ :لَا يَشْهَدُ أَحَدٌ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ، فَيَدْخُلَ النَّارَ، أَوْ تَطْعَمَهُ ، قَالَ أَنَسٌ :فَأَعْجَبَنِي هَذَا الْحَدِيثُ، فَقُلْتُ لِابْنِي :اكْتُبْهُ فَكَتَبَهُ، (ص:۴۶،س:۴تا۷)

تشریح

قولہ : حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، (ص:۴۶،سطر:۴)

سند کی دو لطیف باتیں

اس حدیث کی سند میں لطائف الاسناد کی قبیل سے دو اہم باتیں مذکور ہیں:۔

۱ ... اس کی سند میں تین صحابی ایک دوسرے سے روایت کررہے ہیں۔حضرت انس بن مالکؓ، حضرت محمود بن الربیعؓ سے اور وہ حضرت عتبانؓ سے۔

۲ ... یہ روایت روایت الاکابر عن الاصاغر کی قبیل سے ہے۔کیونکہ حضرت انس بن مالکؓ حضرت محمود بن الربیعؓ سے عمر، علم اور مرتبہ میں بڑے ہیں اور حضرت محمود رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت بچے تھے جبکہ حضرت انسؓ کی عمر اُس وقت تقریباً ۲۰ سال تھی اور انہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل ۱۰ سال تک خدمت کا شرف بھی حاصل ہے۔ایسے امور کو علم الحدیث کی اصطلاح میں لطائف الاسناد کہا جاتا ہے۔[1]

قولہ : قَالَ :قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ (ص:۴۶،سطر:۵)

(۱) فتح الملہم ج ۱ ص ۴۰۱۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت یہ کم عمر تھے پھر کہیں باہر چلے گئے تھے۔ کافی عرصہ کے بعد مدینہ طیبہ آئے، اس لئے یہ فرمایا۔

قولہ : أَصَابَنِي فِي بَصَرِي (ص:۴۶، سطر:۵)

اگلی روایت میں آرہا ہے کہ أنه عمی فرمایا —— اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں جن کے مجموعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا اُس وقت یہ پورے نابینا نہ تھے۔ البتہ ان کی نگاہ میں کوئی عیب پیدا ہو چکا تھا لیکن جب یہ روایت سنائی تو اس وقت نابینا ہو چکے تھے۔[1]

قولہ : تُصَلِّيَ فِي مَنْزِلِي (ص:۴۶، سطر:۵)

حضرت عتبان بن مالکؓ گھر میں مصلّٰی یعنی نماز کی جگہ بنانا چاہتے تھے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ گھر میں تشریف لا کر ایک مرتبہ ایک جگہ نماز پڑھیں تاکہ آپ کے انوار و برکات ظاہر ہو جائیں اور پھر وہ اُس جگہ کو نماز کے لئے مقرر کر لیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست منظور فرمائی اور پھر ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اس عمل سے ہمیں دو ادب معلوم ہوئے۔

۱ ... گھر کے اندر نماز کے لئے کوئی جگہ مقرر کرنا مستحب ہے۔[2]

۲ ... اگر کہیں مصلّٰی بنایا جائے تو افتتاح کے لئے تبرکاً کسی بزرگ کو بلا لینا مناسب ہے۔

قولہ : وَأَصْحَابُهُ يَتَحَدَّثُونَ بَيْنَهُمْ (ص:۴۶، سطر:۶)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نفل نماز پڑھ رہے تھے۔[3]

قولہ : ثُمَّ أَسْنَدُوا عُظْمَ ذَلِكَ وَكِبْرَهُ (ص:۴۶، سطر:۶)

اس میں لفظ ''کبر'' کے ''کاف'' پر کسرہ اور ضمہ دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن کسرہ زیادہ مشہور اور راجح ہے اور ''با'' دونوں صورتوں میں ساکن ہے۔[4]

عظم اور کبر دونوں ہم معنٰی ہیں۔ لفظی معنٰی یہ ہوئے کہ انہوں نے گفتگو کے اکثر حصہ کو

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الملھم ج۱ص۴۰۱، ۴۰۲۔

(۲) فتح الملھم ج۱ص۴۰۲۔

(۳) درسِ مسلم ج۱ص۳۶۱۔

(۴) شرح النووی ج۱ص۴۶۔

مالك بن دُخشم سے ملادیا۔

قوله : قَالَ :وَدُّوا أَنَّهُ دَعَا عَلَيْهِ فَهَلَكَ، (ص:۴۶،سطر:۶)

اس میں قال کا فاعل حضرت عتبان بن مالکؓ ہیں[۱] یعنی صحابہ کرامؓ نے یہ تمنا کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بددعا کی ہے لہٰذا وہ ہلاک ہوگا۔

ایک سوال اور ایک جواب

سوال: بظاہر اس بشارت میں منافقین بھی شامل نظر آتے ہیں حالانکہ قرآن وسنت کی دوسری نصوص میں ان کے کفر کی صراحت ہے۔

جواب : راوی نے اختصار سے کام لیا ہے صحیح مسلم ہی میں آگے کتاب الصلاة باب الرخصة فی التخلف عن الجماعة لعذرٍ[۲] میں یہ واقعہ تفصیل سے آیا ہے اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مالک بن دخشمؓ کے بارے میں یہ منقول ہے کہ ألا تراه قد قال لا اله الا الله يريد بذالك وجه الله یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لا اله الا الله پڑھا ہے اور حدیث کے آخر میں ارشاد یوں مذکور ہے فان الله حرم علی النار من قال لا اله الا الله يبتغى بذالك وجه الله۔[۳]

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن دخشمؓ کے مومنِ صادق ہونے کی شہادت دی اور ان سے نفاق کی نفی کی۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عذابِ جہنم سے بچنے کے لئے شہادتین کا دل سے ہونا ضروری ہے۔ اعتقاد کے بغیر اقرار باللسان کافی نہیں۔

یہاں ایک سوال اور دل میں پیدا ہوتا ہے کہ شہادتین کے پڑھ لینے سے جہنم میں داخل ہونے کی نفی کیسے ہوگئی؟ کیا اعمالِ صالحہ فرائض وواجبات کے ترک اور گناہوں کے ارتکاب کے باوجود بھی دوزخ میں جانے سے نجات کا وعدہ ہے؟

تو اس کے جوابات وہی ہیں جو پیچھے اس طرح کی احادیث کے تحت بیان ہو چکے ہیں۔ مثلاً: ایسے شخص کو جنت میں اولاً داخلہ نصیب نہ ہونا بلکہ اگر توبہ نہ کی یا بخشش نہ ہوئی تو آخرکار اپنے کئے کی دوزخ میں سزا پاکر اور ایمان کی بدولت جنت میں جانا نصیب ہونا وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ عارضی طور پر

---

(۱) شرح النووی ج۱ص۴۶۔

(۲) صحیح مسلم ج۱ص۲۳۳۔

(۳) فتح الملهم ج۱ص۲۰۴۔

دوزخ میں جانا ہوگا، دائمی طور پر نہیں۔

۱۴۹۔حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْعَبْدِيُّ...(الی قوله)...عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عِتْبَانُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّهُ عَمِيَ، فَأَرْسَلَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :تَعَالَ فَخُطَّ لِي مَسْجِدًا، فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَجَاءَ قَوْمُهُ وَنُعِتَ رَجُلٌ مِنْهُمْ، يُقَالُ لَهُ: مَالِكُ بْنُ الدُّخْشُمِ. "(ص:۴۷، س:۲،۱)

تشریح

قوله : مَالِکُ بْنُ الدُّخَيْشِمْ (ص:۴۷، سطر:۷)

صحیح مسلم کی روایات میں یہاں یہ نام دو طرح آیا ہے۔

۱ ... دخیشم۔ ۲ ... دخشم۔

اور صحیح مسلم کی کتاب الصلاۃ میں جہاں یہ واقعہ آیا ہے وہاں م کے بجائے دونوں جگہ نون ہے یعنی دُخیشِن اور دخشن ہے۔(۱)

بَابُ الدَّلِيْلِ عَلٰى أَنَّ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا

۱۵۰۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ...(الی قوله)...عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا."

(ص:۴۷، سطر:۲ تا ۴)

تشریح

قوله : مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا، (ص:۴۷، سطر:۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کی لذت اُس شخص کو نصیب ہوگی جس کے اندر صفتِ رضا پائی جائے وہ اس طرح کہ وہ خدا تعالٰی کے رب ہونے پر راضی ہو، کسی اور کو اپنا رب بنانے یا ماننے کے لئے تیار نہ ہو۔ کسی اور کی ربوبیت کا طلبگار نہ ہو، اپنے رب کی نعمتوں کا شکر اور اس کی دی ہوئی تکلیفوں

(۱) صحیح مسلم ج۱ ص۲۳۳۔

پر صابر اور اُس کی قضا وقدر پر راضی ہو۔[1]

قوله : وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا... (ص:۴۷، سطر:۳)

وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کو مکمل ضابطہ حیات سمجھتا ہو اور زندگی کے ہر شعبہ کی رہنمائی کے لئے اسلام کو کافی سمجھتا ہو۔ اسلام کے علاوہ کسی اور دین ومذہب کی حاجت نہ سمجھتا ہو۔

قوله : وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا... (ص:۴۷، سطر:۳)

وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر اکتفاء کرتا ہو یعنی دین پر عمل کرنے کے لئے آپ کے علاوہ کسی اور رسول کی تعلیمات کا طلبگار نہ ہو۔[2]

باب بیان عدد شعب الایمان...الخ

۱۵۱ ـ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ،...(الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ۔ (ص:۴۷، سطر:۴،۵)

تشریح

قوله : الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً، (ص:۴۷، سطر:۴)

اس حدیث میں الایمان سے اعمال مراد ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اس میں سب سے پہلے اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے۔ پھر سب سے ادنیٰ درجہ کا ذکر ہے۔ اور وہ "اماطة الأذیٰ" ہے۔ ان کے درمیان جتنے اعمال ہیں وہ افعال ہیں اور ایمان کا لفظ اعمال پر مجازاً بولا گیا ہے۔ کیونکہ ایمان کی وجہ سے یہ سب اعمال شرعیہ ہیں اور معتبر ہیں۔[3] ورنہ اسلام کے لغوی واصطلاحی معنی وہ ہیں جو کتابُ الایمان کی شروع کی بحثوں میں گزرے۔

بِضع یہ لفظ باء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اور بعض نے باء کے فتحہ کے ساتھ بھی کہا ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ یہ تین سے نو تک کے عدد کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس میں کچھ اور اقوال بھی نقل

(۱) فتح الملہم ج۱ص۴۰۲۔

(۲) حضرت صاحب مرقاۃؒ نے اس حدیث مبارک کی تشریح میں فرمایا: والمقصود من الرضا الانقیاد الباطنی والظاهری، والکمال ان یکون صابراً علی بلائه وشاکراً علی نعمائه وراضیاً بقدره وقضائه ومنعه واعطائه، وأن یعمل بجمیع شرائع الاسلام بامتثال الاوامر واجتناب الزواجر، وأن یتبع الحبیب (ﷺ) فی سنته وآدابه وأخلاقه ومعاشرته والزهد فی الدنیا والتوجه الکلی الی العقبیٰ۔ (مرقاۃ ج۱ص۱۵۰)

(۳) فتح الملہم ج۱ص۴۱۶۔

کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بضع سات کے عدد کے لئے ہے اس قول کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس باب کی بعض روایات میں سبع و سبعون آیا ہے۔ [1]

ایک تعارض اور تین جواب

اس روایت میں سبع و سبعون کا ذکر ہے جبکہ اگلی روایت میں بضع و سبعون کا ذکر ہے بظاہر یہ تعارض ہے لہٰذا اس تعارض کے تین جوابات ہیں:۔

۱ ... پہلی روایت میں بضع و سبعون جزم ویقین کے ساتھ اور اگلی روایت میں راوی کو شک ہے لہٰذا پہلی روایت کو اس پر ترجیح ہوگی۔

۲ ... کم عدد زیادہ عدد کی نفی نہیں کرتا لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔

۳ ... ہوسکتا ہے کہ آپ کو شروع میں سَبْعٌ و سبعون کا علم دیا گیا ہو اور بعد میں بضع و سبعون کا علم دیدیا گیا ہو لہٰذا اس میں بھی کوئی تعارض نہیں۔ [2]

شعبة یہ شُعَبٌ کا واحد ہے اس کے معنٰی ہیں درخت کی شاخ اور حصہ۔ یہ ''شین'' کے ضمہ کے ساتھ ہے اس سے مراد اچھی خصلت ہے مطلب یہ ہے کہ ایمان متعدد اچھی اچھی خصلتوں اور اعمال والا ہے [3] اور ایمان کی مثال اس درخت کی طرح ہے کہ ایمان اس کی جڑ ہے اور باقی اسکے پتے ہیں۔ اگر درخت صحیح ۔ ہے تو پتے بھی صحیح اور ہرے بھرے ہونگے اور اگر جڑ خراب ہو تو پتے بھی خراب ہونگے لہٰذا باعمل مومن کی مثال ہرے بھرے درخت کی طرح ہے۔

قوله : اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَان (ص:۴۷، سطر:۵)

یہاں حیاء کا ذکر بطورِ خاص اسکی اہمیت بیان کرنے کے لئے ہے اور شُعْبَةٌ میں تنوین تعظیم کے لئے ۔ اور مطلب یہ ہے کہ حیاء ایمان کا عظیم شعبہ ہے۔ [4]

۱۵۲ ۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ،...(الى قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ أَوْ بِضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ، وَالْحَيَاءُ

(۱) فتح الملهم ج۱ص۳۰۶۔

(۲) فتح الباری ج۱ص۵۱، ۱۲ وعمدة القاری ج۱ص۱۲۵۔

(۳) المفهم : ج۱ص۲۱۶۔

(۴) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الملهم ج۱ص۳۱۰۔

شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ (ص:۴۷،سطر:۵،۶)

قوله : فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ (ص:۴۷،س:۶)

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان بسیط ہے یعنی ایمان کی حقیقت صرف دل سے تصدیق کرنا ہے اور اقرار باللسان دنیا میں احکامِ اسلام جاری ہونے والا ایک شعبہ ہے یہ اصلاً اس کا جزو نہیں ہے۔[۱]

قوله : وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ (ص:۴۷،س:۶)

اذیٰ ہر تکلیف دینے والی چیز کو کہا جاتا ہے جیسے کانٹا، ہڈی، پتھر اور ہمہ قسم کی گندی شامل ہے۔[۲] اور إِمَاطَةُ الْأَذٰى اگرچہ ادنیٰ شعبہ ہے لیکن دوسری طاعات جو شعبۂ ایمان میں داخل نہیں ان کے مقابلے میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ یہ شعبہ ایمان میں سے ہے۔[۳] اور آسان بھی ہے۔

ایمان کے کتنے شعبے ہیں؟

یہاں ایمان کے تین شعبوں کا ذکر آیا ہے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، حیا، اور إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ۔ باقی شعبے کون کون سے ہیں؟ یہ معلوم اور معین کرنے کے لئے حضرات محدثین نے بہت کوشش فرمائی ہے۔ مثلاً امام ابوحاتم بن حبانؒ نے اپنی کتاب ''وصف الایمان وشُعَبُهٗ'' میں اور حضرت امام بیہقی ؒ نے اپنی کتاب ''شعب الایمان'' میں اپنے اپنے فہم کے مطابق جمع فرمایا ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے اسی موضوع پر ایک رسالہ ''فروعُ الایمان'' تحریر فرمایا ہے۔ جس میں ہر شعبہ کی تفصیل احادیث کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اور کل شعبے ستتر بیان فرمائے ہیں۔ دوسرے محدثین نے دیگر مختلف انداز سے ایمان کے شعبوں کی فہرست مرتب کی ہے جو دوسروں سے مختلف ہے۔ چنانچہ حتمی اور یقینی طور پر ایمان کے شعبوں کو معین کرنا مشکل ہے۔ البتہ امام ابوحاتم بن حبانؒ کافی حد تک اس میں کامیاب ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اُن تمام نیک اعمال کو جمع کیا۔ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے من الایمان کہہ کر فرمایا ہے۔ لیکن وہ ستر سے کم نکلے۔ پھر انہوں نے اُن نیک اعمال کو جمع کیا جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں من الایمان کہہ کر فرمایا ہے۔ لیکن وہ بھی ستر سے کم نکلے پھر انہوں نے ان دونوں کو جمع کیا۔ اور مکررات کو حذف کیا تو ان کی تعداد ستر سے کچھ اوپر نکلی۔ ان کی یہ تحقیق دل کو لگتی

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۳۶۵۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۳۲۔

(۳) صاحب مرقاۃ نے فرمایا: ''ادنی'' ''دنو'' سے مشتق ہے جس کا معنیٰ اقرب اور قریب ہے اور ''ادناها اماطة الاذی عن الطریق'' کا مطلب یہ ہے کہ اس شعبہ کو سرانجام دینا بہت آسان ہے۔ (مرقاۃ ج۱ص۱۴۰)

ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ایمان کے شعبوں کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہے۔ ہمیں اس کا صحیح علم نہیں۔ البتہ ایمان کے شعبوں کی تفصیل احکامِ شرعیہ کی صورت میں موجود ہے۔ نیز ہم ان کی صحیح اور حتمی تعداد جاننے کے مکلف بھی نہیں اور اُن کا نہ جاننا ہمارے لئے کچھ مضر نہیں۔ ہمارے لئے بس اتنا کافی ہے کہ جن امور کو انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے ان کو بجالائیں اور جن باتوں کے کرنے سے منع کیا گیا ہے اُن سے باز رہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔[1]

إِمَاطَةُ الْأَذٰی سنت ہے۔ اور سنت بھی ایسی جو ایمان کے شعبوں میں سے ہے۔ آج کل ہمارے مدرسوں میں یہ سنت مردہ ہورہی ہے۔ اس کو زندہ کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص کی مغفرت کردی گئی۔ صرف اس وجہ سے کہ اس نے راستہ میں لٹکی ہوئی شاخ کو جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی کاٹ دیا اور اسے راستہ سے ہٹادیا۔[2]

ایک مشہور سوال وجواب

قولہ : اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْإِیْمَانِ (ص:۴۷، س:۶)

یہاں ایک مشہور سوال ہے وہ یہ کہ حیاء جس کو شرم کہتے ہیں۔ یہ فطری اور طبعی ہوتی ہے۔ جو کسی میں کم اور کسی میں زیادہ ہوتی ہے۔ اور جو چیز فطری ہو وہ غیر اختیاری ہوتی ہے۔ جس کا آدمی مکلف نہیں اور یہاں شعب الایمان میں اس کا انسان کو مکلّف بنایا گیا ہے۔ حالانکہ حیاء غیر اختیاری ہے۔ پھر اس کا انسانوں کو کیسے مکلّف بنایا گیا ہے؟ جبکہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا"[3]

یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتے۔

حیاء کی قسمیں

اس کا جواب یہ ہے کہ حیاء کی دو قسمیں ہیں:

۱ ... حیاءِ شرعی ۲ ... حیاءِ طبعی وعرفی

یہاں حدیث میں حیاء سے حیاءِ شرعی مراد ہے۔ حیاءِ عرفی وطبعی مراد نہیں ہے۔[4] اور حیاء

---

(۱) المفھم: ص۱۷۰، ج:۱۔

(۲) مسند احمد بن حنبل: ج۱۳، ص۲۴۰۔

(۳) سورۃ البقرۃ: ۲۸۶۔

(٤) عمدۃ القاری ج۱ص۱۲۹ والمفھم ج۱ص۲۱۸۔

شرعی اختیاری ہے۔اس لئے انسان اس کا مکلف ہے۔اور حیاءِ طبعی غیر اختیاری ہے انسان اس کا مکلّف نہیں ہے ان دونوں کی تعریف یہ ہے۔

حیاءِ طبعی وعرفی کی تعریف

جو عمل عرفاً قابلِ ملامت ہو اس کو کرنے سے طبیعت کا رکنا اور ملامت کے ڈر سے ہمت نہ کرنا اگر چہ وہ عمل شرعاً قابلِ ملامت نہ ہو بلکہ مطلوب ہو جیسے لوگوں کی ملامت کے خوف سے ڈاڑھی نہ رکھنا یا خواتین کا لوگوں کی ملامت کے ڈر سے، یا مذاق کے ڈر سے شرعی پردہ نہ کرنا وغیرہ۔

حیاءِ شرعی کی تعریف

حیاء شرعی کی کئی تعریفیں کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو عمل از روئے شرع ممنوع اور قابلِ ملامت ہو اس کو کرنے سے رکنا اور اس کو کرنے کی ہمت نہ کرنا تا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی پکڑ نہ ہو حیاء شرعی ہے۔جیسے مغربی معاشرے میں ڈاڑھی منڈھوانے کی ہمت نہ ہونا اور مسلمان خواتین کا بے پردگی سے بچنا وغیرہ۔

حیاءِ شرعی کی دوسری تعریف

حیاء شرعی کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ وہ انسان میں ایسی خصلت کا نام ہے جو اُسے ایسے کام کے ارتکاب سے روکے جو شرعاً مذموم ہو جیسے اوامر کو نہ بجالانا یا نواہی کا ارتکاب کرنا کہ حیاء ایسا کرنے سے روکتی ہے تو یہ حیاء شرعی ہے لیکن یہ تعریف تقویٰ پر بھی صادق آتی ہے لہٰذا یہ تعریف مانع نہیں ہے۔

حیاءِ شرعی کی تیسری تعریف

حضرت جنید بغدادیؒ نے حیاء کی تعریف یہ بتلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اپنی کوتاہیوں کے استحضار سے دل میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کو حیاء کہتے ہیں اور جب یہ حیاء پیدا ہوتی ہے تو انسان اپنے گناہوں پر توبہ واستغفار کرتا ہے اور آئندہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

اور حیاء شرعی کے بارے میں ایک شاعر نے اپنی نعت میں ایک شعر خوب کہا ہے ؎

ان کی سنت پر چل کر نہ شرماؤں میں
اے خدا مجھ کو ایسی حیاء چاہئے [۱]

---

(۱) درس مسلم ج ۱ ص ۳۶۶، ۳۶۷۔

۱۵۴ـ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،...(الى قوله)... عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَعِظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ، فَقَالَ :الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ (ص:۴۷،سطر:۶،۷)

قوله : يَعِظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ (ص:۴۷،سطر:۷)

اس میں فی سبب کے معنیٰ میں ہے۔یعنی وہ اپنے بھائی کو حیاء کی وجہ سے نصیحت کر رہا تھا کہ زیادہ حیاء، نہ کیا کرو کہ جس سے تمہارے اپنے بعض حقوق بھی تلف ہو جائیں۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر فرمائی کہ حیاء تو ایمان میں سے ہے لہٰذا حیاء سے منع نہ کرو۔[۱] اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نکیر و تنبیہ کا مطلب یہ ہے کہ جس کو تم نے حیاء سمجھا ہے وہ شرعی حیاء نہیں بلکہ حیاء عرفی اور طبعی ہے۔ اور حیاء شرعی تو ایمان کا شعبہ ہے لہٰذا اس سے منع نہیں کرنا چاہئے۔[۲]

۱۵۵ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى،...(الى قوله)... عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ، يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ ، فَقَالَ بُشَيْرُ ابْنُ كَعْبٍ: إِنَّهُ مَكْتُوبٌ فِي الْحِكْمَةِ :أَنَّ مِنْهُ وَقَارًا، وَمِنْهُ سَكِينَةً، فَقَالَ عِمْرَانُ :أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُحَدِّثُنِي عَنْ صُحُفِكَ

(ص:۴۸،سطر:۱ تا ۳)

تشریح

قوله : فِي الْحِكْمَةِ (ص:۴۸،سطر:۲)

یعنی فلسفہ کی کتابوں میں یہ بات لکھی ہے کہ حیاء سے وقار پیدا ہوتا ہے کیونکہ جب حیاء ہوتی ہے تو آدمی دوسروں کی عزت کرتا ہے جب یہ دوسروں کی عزت کرتا ہے تو دوسرے اس کی عزت کرتے ہیں جس سے آدمی میں عزت و وقار پیدا ہوتا ہے۔[۳]

قوله : وَمِنْهُ سَكِينَةً (ص:۴۸،سطر:۲)

سکینہ ایسی حرکات سے رکنے کو کہتے ہیں جو مروت کے خلاف ہوں۔حیاء اُن سے اجتناب

(۱) فتح الملہم ج۱ص۴۱۱

(۲) مکمل اکمال الاکمال ج۱ص۱۳۲۔

(۳) فتح الملہم ج۱ص۴۱۲۔

کا ذریعہ بنتی ہے جیسے راستے میں استنجاء کرنا، کھانا، پینا، اور بیٹھ کر باتیں کرنا وغیرہ۔ اور بُشیرؒ کی اس بات سے حدیث کی تائید ہوتی ہے لیکن عمران بن حصینؓ کے ناراض ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور ادب کا تقاضا یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تائید فلسفے کی کتابوں سے کی جائے کیونکہ احادیث تائید کی محتاج نہیں۔ ہاں اگر اس کے برعکس ہوتا یعنی فلسفے کی تائید احادیث سے ہوتی تو پھر کوئی مضائقہ نہ تھا۔ کیونکہ فلسفہ محتاج ہے نہ کہ احادیث۔[1] اگلی حدیث میں حضرت عمرانؓ کی ناراضگی کی دوسری وجہ بھی آرہی ہے اور بڑی وجہ وہی ہے۔

حضرت عمرانؓ کے اس فعل سے ایک ادب معلوم ہوا کہ کسی استاذ یا بزرگ کے سامنے کسی دوسرے استاذ یا شیخ کی بات نقل نہ کرنی چاہئے۔ کہ حضرت آپ صحیح فرما رہے ہیں اس لئے کہ ہمارے فلاں استاذ یا شیخ نے بھی اسی طرح کہا تھا۔ اس سے دل شکنی ہوتی ہے اس لئے کہ وہ استاذ یا شیخ یہ سمجھیں گے کہ اس نے میری بات کو کافی نہیں سمجھا۔

ایک سوال اور جواب

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الحیاء لا یاتی الا بالخیر۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مرتبہ یہ حیاء اعمالِ صالحہ کرنے سے رکاوٹ بن جاتی ہے مثلاً بعض لوگوں کو ڈاڑھی رکھنے میں شرم محسوس ہوتی ہے اسی طرح کسی کو دعوت خیر دیتے ہوئے یا وعظ یا تقریر کرتے ہوئے ہچکچاہٹ یا شرم آتی ہے تو بظاہر یہ حیاء خیر کے بجائے شر لاتی ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حیاء صرف خیر لانے کا ذریعہ نہیں بنتی بلکہ بعض مرتبہ حیاء خیر کے بجائے شر بھی لاتی ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ جو حیاء خیر لاتی ہے اس سے مراد حیاءِ شرعی ہے نہ کہ عرفی اور طبعی۔ اور حیاء کی جو مثال آپ نے سوال میں دی ہے وہ حیاءِ شرعی نہیں بلکہ حیاءِ عرفی اور طبعی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہاں کہیں حیاء شر کا ذریعہ بنے وہ طبعی اور فطری حیاء ہوتی ہے نہ کہ شرعی حیاء۔ شرعی حیاء ہمیشہ خیر کا ذریعہ بنتی ہے۔[2]

---

(۱) فتح الملہم ج ۱ ص ۳۱۲۔

(۲) مکمل اکمال الاکمال ج ۱ ص ۱۳۲۔

۱۵۶ ۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبِ الْحَارِثِيُّ،...(الی قوله)...أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ حَدَّثَ، قَالَ :كُنَّا عِنْدَ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ فِي رَهْطٍ، وَفِينَا بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ، فَحَدَّثَنَا عِمْرَانُ، يَوْمَئِذٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ قَالَ: أَوْ قَالَ: الْحَيَاءُ كُلُّهُ خَيْرٌ فَقَالَ بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ: إِنَّا لَنَجِدُ فِي بَعْضِ الْكُتُبِ -أَوِ الْحِكْمَةِ -أَنَّ مِنْهُ سَكِينَةً وَوَقَارًا لِلَّهِ، وَمِنْهُ ضَعْفٌ، قَالَ :فَغَضِبَ عِمْرَانُ حَتَّى احْمَرَّتَا عَيْنَاهُ، وَقَالَ: أَلَا أَرَى أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتُعَارِضُ فِيهِ، قَالَ: فَأَعَادَ عِمْرَانُ الْحَدِيثَ، قَالَ: فَأَعَادَ بُشَيْرٌ، فَغَضِبَ عِمْرَانُ، قَالَ :فَمَا زِلْنَا نَقُولُ فِيهِ إِنَّهُ مِنَّا يَا أَبَا نُجَيْدٍ، إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ،(ص:۴۸، سطر:۳تا۶)

تشریح

قوله : رَهْطٍ (ص:۴۸، سطر:۳)

وہ جماعت جو دس سے کم ہو اور اُس میں کوئی عورت نہ ہو سب کے سب مرد ہوں اس کو ''رَهْط'' کہتے ہیں۔ (۲)

قوله : وَمِنْهُ ضَعْفٌ (ص:۴۸، سطر:۴)

اور حیاء سے ضعف بھی پیدا ہوتا ہے اور ضعف وکمزوری ظاہری اعتبار سے نقص ہے حالانکہ حدیث میں ہے کہ حیاء کُل کی کُل خیر ہے۔ اس پر حضرت عمران بن حصینؓ ناراض ہوئے۔ اور یہ ان کے ناراض ہونے کی دوسری وجہ تھی کیونکہ حضرت بُشَیرؒ کی نیت اس کے بیان کرنے میں اگرچہ غلط نہ ہو کیونکہ شرعاً قابلِ ملامت عمل کرنے سے ہمت کا پست ہونا اور ٹوٹ جانا حیاء ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک نقص ہے۔ مگر یہ نقص محمود ہے مذموم نہیں لہٰذا بُشَیر کی بات فی نفسہٖ تو غلط نہ تھی لیکن بات کا انداز ادب کے خلاف تھا جو حدیث سے معارضہ کا تاثر دے رہا تھا اس لئے انہوں نے ناراضگی کا اظہار کیا بہر حال یہاں تک دونوں وجہ پوری ہوگئیں۔

حیاء پیدا کرنے کا طریقہ

سوال: حیاء کس طرح پیدا ہوتی ہے؟

(۱) فتح الملہم ج۱ص۳۱۲۔

جواب: کچھ لوگوں میں حیاء طبعی اور پیدائشی ہوتی ہے اس وقت تو صرف حیاء کا امالہ کیا جائے گا وہ اس طرح کہ حیاءِ طبعی کو حیاءِ شرعی کی طرف منتقل کر دیا جائے گا۔ یعنی اس کے استعمال کا رخ بدل دیا جائے گا۔ اور یہ امالہ اللہ والوں کی صحبت اور تربیت میں رہنے سے ہوگا۔ بعض لوگوں میں حیاءِ طبعی نہیں ہوتی یا کم ہوتی ہے ان کو زیادہ مجاہدہ کرنا ہوگا ایک حیاء پیدا کرنے کا اور دوسرا حیاء کے امالہ کا۔ اور یہ مجاہدہ بھی بزرگوں کی صحبت میں رہ کر ہوگا۔ خود بخود نہ ہوگا۔ اور نہ صرف پڑھنے سے ہوگا۔ [1]

قولہ: احْمَرَّتَا عَيْنَاهُ، (ص:۴۸، سطر:۵)

فاعل جب اسمِ ظاہر ہو تو فعل کا صیغہ واحد ہوتا ہے خواہ فاعل مفرد ہو یا تثنیہ ہو یا جمع ہو لہٰذا اس قاعدہ سے یہاں فعل احمرّت ہونا چاہئے لیکن یہاں احمرّتا فعل تثنیہ ہے جو اس مشہور قاعدہ کے خلاف ہے مگر یہ لغتِ قلیلہ کے مطابق أکلونی البراغیث کی قسم سے ہے اور جائز ہے۔ [2]

باب جامع أوصاف الاسلام

۱۵۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،...(الى قوله)... ح وحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الثَّقَفِيِّ، قَالَ :قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ وَفِي حَدِيثِ أَبِي أُسَامَةَ غَيْرَكَ قَالَ: "قُلْ آمَنْتُ بِاللهِ، فَاسْتَقِمْ"(ص:۴۸، سطر:۷،۸)

تشریح

قولہ: قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ، (ص:۴۸، سطر:۸)

یعنی زبان سے ایمان بالقلب کا اقرار کرو۔

قولہ: ثُمَّ اسْتَقِمْ (ص:۴۸، سطر:۸)

استقامۃ یہ ضد ہے ٹیڑھے پن کی لہٰذا ثم استقم کا مطلب یہ ہے کہ سیدھے رہو یعنی اوامر ونواہی کی پوری پوری پابندی کرو، ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچو، ہر ایک کے حقوق ادا کرو، حقوق العباد بھی اور حقوق اللہ بھی، چنانچہ مقامِ استقامت دین کا اعلیٰ مقام ہے لیکن یہ مقام مشکل ترین بھی ہے

(۱) درس مسلم ج۱ص۴۰۷۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۳۲۔

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا: ''شیبتنی ھود [1]'' مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کردیا، کیونکہ اس سورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے: ''فَاسۡتَقِمۡ کَمَا اُمِرۡتَ'' [2] اسی مشکل کی وجہ سے یہ دعا سورۂ فاتحہ میں لائی گئی ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم جو ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

علماءِ کرام نے فرمایا ہے کہ صراطِ مستقیم پل صراط کا نمونہ ہے جو لوگ صراطِ مستقیم پر ٹھیک طریقے سے چلیں گے وہ پل صراط پر بھی آسانی سے گزر جائیں گے صوفیاءِ کرام کا مقولہ ہے ''الاستقامۃ فوق الف کرامۃ'' یعنی استقامت ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے دلیل یہ ہے کہ کرامت ولی کا فعل نہیں ہوتا اور وہ اس کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی بلکہ وہ من جانب اللہ ہوتی ہے چنانچہ کرامت کے ظہور سے نہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں اضافہ ہوتا ہے نہ درجات میں نہ ثواب میں۔ بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ایک انعام ہے بخلاف استقامت کے کہ آدمی جتنا استقامت میں بڑھے گا اور ترقی کرے گا اتنا ہی قرب بڑھتا چلا جائے گا اور استقامت مطلوب ہے کرامت مطلوب نہیں، بعض لوگ اولیاء اللہ میں بجائے استقامت کے کرامت ڈھونڈتے ہیں یہ معیار صحیح نہیں ہے۔ صحیح معیارِ ولایت اتباعِ سنت ہے اور سنت ہی صراطِ مستقیم ہے اور سنت کا کامل اتباع استقامت ہے لہٰذا اسی کی کوشش کرنی چاہئے۔ [3]

باب تفاضل الاسلام وای امورہ افضل؟

۱۵۹۔ حَدَّثَنَا قُتَیۡبَةُ بۡنُ سَعِیۡدٍ،...(الی قوله)...عَنۡ عَبۡدِ اللهِ بۡنِ عَمۡرٍو، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوۡلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ، أَیُّ الۡإِسۡلَامِ خَیۡرٌ؟ قَالَ: تُطۡعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقۡرَأُ السَّلَامَ عَلَی مَنۡ عَرَفۡتَ، وَمَنۡ لَمۡ تَعۡرِفۡ (ص:۴۸، سطر:۹،۱۰)

تشریح

قوله: أَیُّ الۡإِسۡلَامِ خَیۡرٌ؟ (ص:۴۸، سطر:۱۰)

اسلام کے دو اصطلاحی معنٰی ہیں۔

۱ ... اعمالِ ظاہرہ جیسا کہ کتاب کے شروع میں حدیثِ جبریل میں بیان کیا گیا۔

(۱) جامع الترمذی، باب ومن سورۃ الواقعۃ، رقم الحدیث: ۳۲۹۷۔

(۲) سورۂ ہود: آیت نمبر ۱۱۲۔

(۳) فتح الملہم ج۱ ص۲۱۳،۲۱۴۔

۲ ... پورا دینِ اسلام۔

اس دوسرے معنٰی میں پورا دین، اسلام میں داخل ہے خواہ عقائد ہوں یا اعمالِ ظاہرہ ہوں یا اعمالِ باطنہ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے۔

"وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ"(۱) "إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ" (۲)

"اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا"۔ (۳)

اس حدیث میں "أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟" فرمایا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ "أَيُّ أَعْمَالِ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟" یعنی دینِ اسلام کے اعمال میں سے کونسا عمل بہتر ہے؟

قولہ : تُطْعِمُ الطَّعَامَ، (ص:۴۸،سطر:۱۰)

یہاں أن مقدر ہے أی ان تطعم ۔ (۴)

یہاں اطعام سے مطلقاً کھانا کھلانا مراد ہے خواہ امیر کو یا غریب کو، رشتہ دار کو یا اجنبی کو اور خواہ بلاکر کھلایا جائے یا اُس کے گھر بھیج دیا جائے یہ سب کو شامل ہے۔ (۵)

قولہ : وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ، وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ (ص:۴۸،سطر:۱۰)

آج کل یہ رواج ہوگیا ہے کہ صرف جان پہچان کے لوگوں کو سلام کرتے ہیں اجنبی لوگوں کو سلام نہیں کرتے اور یہ علاماتِ قیامت میں سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قربِ قیامت میں سلام صرف معرفت میں منحصر ہوجائے گا"۔ (۶)

سلام میں پہل کرنا سنتِ مؤکدہ ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے(۷) جن بزرگوں کے ہم نام لیوا ہیں ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں احیاءِ سنت کی دھن تھی چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی ایک خاص بات یہ مشہور تھی کہ وہ ابتداء بالسلام کا غیر معمولی اہتمام فرماتے تھے طلبہ بارہا کوشش کرتے تھے کہ وہ استاذ کو پہلے سلام کریں مگر حضرت پہلے سلام کرنے

(۱) آل عمران: ۸۵۔

(۲) آل عمران ۱۹۔

(۳) مائدہ: ۳۔

(۴) کما فی حاشیۃ البخاری ج۱،ص۶۔

(۵) درسِ مسلم ج۱،ص۲۷۲۔

(۶) مسند امام احمد بن حنبلؒ: ج۲،ص۱۶۹۔

کے ایسے عادی تھے کہ طلباء کو اس کا موقع نہیں ملتا تھا ان بزرگوں میں وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ....[1] کا جذبہ تھا۔

دوسری حدیث میں جو آگے کتاب الایمان میں آئے گی کہ "افشوا السلام بینکم" سلام کو آپس میں پھیلاؤ، چنانچہ اسلامی آداب میں یہاں تک ہے کہ اگر دو آدمی باتیں کرتے جا رہے ہوں اور ان کے درمیان میں درخت وغیرہ آ گیا اور ایک لمحہ کے لئے آڑ آ گئی تو جب وہ آڑ ختم ہو جائے تو پھر سلام کر دے۔

فائدہ: حضرت امام مسلمؒ پہلے شعب الایمان کے متعلق حدیث لائے اب وہ ایسی احادیث لا رہے ہیں جن میں ایسے اعمال کا بیان ہے جن کو قرآنِ کریم یا احادیث میں ایمان یا من الایمان کہا گیا ہے یا ایمان کا تقاضا قرار دیا گیا ہے اس سے بظاہر امام مسلمؒ اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ اعمال بھی شعب الایمان میں سے ہیں۔[2]

١٦٠۔ حَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ... (الی قوله)... عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، يَقُولُ: إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْمُسْلِمِينَ خَيْرٌ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ. (ص:۴۸، سطر:۱۰ تا ۱۲)

تشریح

قوله: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ (ص:۴۸، سطر:۱۲)

یہ اسلامی معاشرت کا بنیادی اصول ہے۔ واضح ہو کہ دین کے ۵ بڑے بڑے اہم حصے ہیں۔ جن میں ایک معاشرت ہے اور معاشرت کی اصل یہ حدیث ہے معاشرت کے محرمات ہوں یا فرائض، واجبات و مستحبات ہوں یا مکروہات ان سب کا لبِ لباب یہ ہے کہ ناحق کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ اور ادب کا حاصل بھی یہی ہے کہ ہمارے کسی عمل سے دوسروں کو ناحق تکلیف یا ناگواری پیش نہ آئے خواہ وہ اپنے سے چھوٹے ہوں یا بڑے سب کا ادب لازم ہے۔

ایک سوال اور ایک جواب

سوال: یہاں اَلْمُسْلِمُونَ کا لفظ ہے کیا کافروں کو تکلیف پہنچانا جائز ہے؟

---

(۱) فتح الملہم ج ۱ ص ۴۱۷۔

(۲) درسِ مسلم ج ۱ ص ۳۷۲، ۳۷۳۔

جواب: اگر کافر ذمی ہوں یا معاہدہ ہوں تو اس کو بھی ناحق تکلیف پہنچانا جائز نہیں، غیر مسلموں کے حق میں یہ ناجائز ہونا شریعت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ (۱)

ایک وضاحت

یاد رہے کہ باپ بیٹے کو، استاذ شاگرد کو تادیباً ڈانٹتا ہے۔ یا شرعی حدود میں مار لگاتا ہے یہ ایذائے حرام میں داخل نہیں کیونکہ یہ ناحق نہیں بلکہ خیرخواہی ہے جیسے طبیب مریض وغیرہ کو آپریشن وغیرہ سے تکلیف پہنچاتا ہے مگر وہ خیرخواہی میں داخل ہے یہی تفصیل حدود وقصاص وغیرہ میں بھی ہے۔ (۲)

قوله : مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ (ص:۴۸،سطر:۱۰)

اس میں زبان کو ہاتھ پر مقدم فرمایا ہے اس کی کئی وجہ ہیں:۔

۱ ... ایک یہ کہ زبان سے تکلیف پہنچانا آسان ہے اور عام بھی ہے کہ اس کے ذریعے اپنے سے زیادہ طاقت ور آدمی کو بھی تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے جبکہ ہاتھ سے اس کو تکلیف دینا مشکل ہے۔ اسی طرح زبان سے دور دراز کے لوگوں کو حتی کہ مُردوں کو بھی تکلیف دی جاسکتی ہے جبکہ ہاتھ سے انہیں تکلیف نہیں پہنچائی جاسکتی۔

۲ ... اور دوسری وجہ یہ ہے کہ زبان سے پہنچائی ہوئی تکلیف ہاتھ کی تکلیف سے زیادہ الم ناک ہوتی ہے۔ اس کے لئے عربی کا مشہور شعر ہے ؎

جراحات السنان لها التیام
ولایلتام ما جرح اللسان (۳)

قوله : وَيَدِهِ (ص:۴۸،سطر:۱۰)

زبان کے بعد بقیہ اعضاء کے بجائے صرف ہاتھ کا ذکر فرمایا گیا ہے اس لئے کہ زبان کے بعد اکثر ایذاء رسانیاں ہاتھ سے ہوتی ہیں یا اس لئے کہ محاورہ میں عمل کی نسبت ہاتھ کی طرف کی جاتی ہے اگرچہ وہ کسی اور عضو سے انجام دیا گیا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

---

(۱) فتح الملهم ج۱ص۴۱۹۔

(۲) عمدة القاری ج۱ص۱۳۲۔

(۳) فتح الملهم ج۱ص۴۱۸۔

"یَوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدَاہُ"۔ (۱)

خلاصہ یہ کہ ایذاء رسانی خواہ ہاتھ سے ہو یا کسی اور عضو سے دونوں حرام ہیں۔

ایک تعارض کا ازالہ

سوال: اس حدیث میں مسلمانوں کو اپنے ہاتھ اور زبان سے محفوظ رکھنے کو افضل الاعمال قرار دیا گیا ہے اور اسی باب کی پہلی حدیث میں اطعام الطعام کو خیر الاعمال فرمایا گیا ہے جبکہ صحیح مسلم کی کتاب الایمان میں آگے صفحہ ۶۲ پر ایک حدیث میں ایمان کو افضل الاعمال فرمایا ہے اور دوسری حدیث میں نماز کو اُس کے وقت پر ادا کرنے کو افضل الاعمال فرمایا ہے بظاہر اُن میں تعارض ہے۔

جواب:۔اس کے دو جواب ہیں:۔

۱ … احادیث میں جہاں کسی عمل کو افضل الاعمال قرار دیا گیا ہے وہاں اُس سے مراد من افضل الاعمال ہے یعنی افضل اعمال میں سے یہ عمل بھی ہے۔اور افضل اعمال ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں۔لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔

۲ … دوسرا جواب یہ ہے کہ احادیث کے اس اختلاف کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں:۔

۱ … کبھی یہ اختلاف پوچھنے والوں کے مختلف حالات کے اعتبار سے ہوتا ہے کہ کسی کے حق میں کوئی عمل افضل ہے اور دوسرے کے حق میں کوئی دوسرا عمل افضل ہے۔

۲ … کبھی یہ اختلاف وقت کے تقاضوں کے اعتبار سے ہوتا ہے کہ ایک وقت میں ایک عمل افضل ہے اور دوسرے وقت میں دوسرا عمل۔لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

۳ … شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف حیثیتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے مثلاً کھانا کھلانا اس حیثیت سے افضل ہے کہ یہ عمل باہمی محبت بڑھانے کا ذریعہ ہے اور تمام مذاہب میں پسندیدہ اور مرغوب ہے اور وقت پر نماز ادا کرنا اس حیثیت سے افضل ہے کہ اس میں بندے کی شانِ عبدیت سب سے زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔اسی طرح دیگر اعمال کا

(۱) سورۃ النباء:۴۰۔

افضل ہونا من وجہٍ دون وجہٍ ہے۔[۱]

۱۶۲۔ وَحَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ...(الی قوله)... عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟ قَالَ :مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ. (ص:۴۸،سطر:۱۳،۱۴)

تشریح

قوله : أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟ (ص:۴۸،سطر:۱۴)

أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟ ای أَيُّ اعمال الاسلام یعنی اسلام کے اعمال میں کونسا عمل افضل ہے؟

قوله : مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ. (ص:۴۸،سطر:۱۴)

یہاں من سے پہلے مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ عَمَلُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ ...الخ۔ اور اس عمل کا افضل ہونا بظاہر اس حیثیت سے ہے کہ جن اعمال کے ذریعے معاشرہ میں امن وامان قائم کرنے کی کوشش کی جائے یہ عمل اُن سب سے افضل اور سب سے زیادہ مؤثر ہے۔[۲]

باب بیان خصال من اتصف بهن وجده حلاوة الایمان

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ،...(الی قوله)...عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: مَنْ كَانَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللهُ مِنْهُ، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ. (ص:۴۹،سطر:۱،۲)

تشریح

قوله : ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ (ص:۴۹،سطر:۱)

یہاں ثلث مبتدا ہے اور آگے کا جملہ اس کی خبر ہے اور ثلاثٌ اگرچہ نکرہ ہے مگر اس کا مبتدا ہونا اس لئے جائز ہے کہ اس کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور تقدیر عبارت ثلث خصال ہے۔[۳] یعنی جس کے اندر یہ تین صفات ہوں اس کو ایمان کی لذت نصیب ہوگی۔

---

(۱) فتح الملہم ج۱ص۴۱۶۔

(۲) درس مسلم ج۱ص۳۷۵۔

(۳) کذا فی فتح الباری ج۱ص۲۵۔

قوله : حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ (ص:۴۹،سطر:۲)

ایمان کی لذت سے مراد یہ ہے کہ طاعات میں اگرچہ مشقت ہو مگر اُن میں لذت آنے لگتی ہے جیسے جہاد، تبلیغ اور تقویٰ، علم دین سیکھنا اور سکھانا اور دین کے کاموں میں محنت کرنا کہ اگرچہ ان میں مجاہدے ہیں پھر بھی محبوب ہو جاتے ہیں۔[1]

قوله : وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ، (ص:۴۹،سطر:۲)

آج کل محبت کا معیار اکثر وطن یا پارٹی، قوم یا قبیلہ ہوتا ہے۔ خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر۔ ہر حال میں اُسی کا ساتھ دیا جاتا ہے خواہ اس میں ظلم کی حمایت ہو رہی ہو اسی کا نام عصبیت ہے یہ جاہلانہ اور مشرکانہ رسم ہے جو سراسر ناجائز ہے۔ دین کی تعلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دوست ہمارا دوست اور اللہ تعالیٰ کا دشمن ہمارا دشمن ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی سے محبت ہو تو اللہ تعالیٰ کے واسطہ ہو۔

سوال وجواب

سوال: محبت تو غیر اختیاری ہے اور غیر اختیاری چیز کا انسان مکلّف نہیں؟

جواب: جواب یہ ہے کہ اگر یہاں محبت سے عقلی محبت مراد ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ وہ اختیاری ہے لیکن اگر یہاں محبتِ طبعیہ مراد ہو تو پھر جواب یہ ہے کہ محبتِ طبعی اگرچہ غیر اختیاری ہے لیکن اس کے اسباب اختیاری ہیں اس لئے اس کا مکلّف ہونا خلافِ شریعت نہیں۔ مثلاً: آدمی، بیوی، ماں، باپ، اولاد سب سے طبعاً محبت کرتا ہے لیکن اگر نیت اللہ تعالیٰ کے لئے کرلی جائے اور اس محبت کو شرعی احکام کے تابع کرلیا جائے تو یہ بھی عبادت بن جاتی ہے۔ شاگرد اور اُستاذ کے درمیان، اسی طرح مرید اور شیخ کے درمیان جو محبت ہوتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت میں داخل ہے۔[2]

قوله : وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ، (ص:۴۹،سطر:۲)

حدیث شریف کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اس شخص سے ہے جو پہلے کافر تھا پھر مسلمان ہو گیا اور مسلمان ہونے کے بعد کفر کی طرف لوٹنا اُس کے لئے ناگوار ہو۔ اور دلالت النص کے طور پر اس میں وہ شخص بھی داخل ہے جو ابتداء ہی سے مسلمان ہو۔[3]

(۱) فی اکمال اکمال المعلم (ج۱ص۱۴۲) عن الجنیدؒ اهل اللیل فی لیلهم ألذمن أهل اللهو فی لهو هم وعن ابن ادهمؒ والله انا لفی لذة لو علمها الملوك لجالدونا علیها بالسیوف۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۳۷۶،۳۷۷۔

(۳) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: مرقاۃ ج۱ص۱۴۸، کتاب الایمان۔

۱٦٤ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى،... (الی قوله)... عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ طَعْمَ الْإِيمَانِ... الخ (ص:۴۹، سطر:۲،۳)

قوله : طَعْمَ الْإِيمَان (ص:۴۹، سطر:۳)

ایمان کا مزہ یعنی ایسے شخص کو طاعات میں لذت آنے لگتی ہے اور گناہوں سے وحشت اور نفرت ہونے لگتی ہے۔(۱)

باب وجوب محبة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

۱٦٦ ـ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قال: نا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ، ح وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ (وَفِي حَدِيثِ عَبْدِ الْوَارِثِ: الرَّجُلُ) حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ.(ص:۴۹، سطر:۵،٦)

تشریح

قوله : لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ .....حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ (ص:۴۹، سطر:٦)

حاصل یہ ہے کہ تمام انسانوں کی محبت سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو۔ اور یہ تو طے شدہ بات ہے کہ یہاں حبِ اختیاری مراد ہے غیر اختیاری نہیں کیونکہ انسان اس کا مکلّف نہیں۔ لیکن حب اختیاری سے کیا مراد ہے اس میں دو احتمال ہیں:۔

۱ ... اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ کا یہ اعتقاد ہو کہ سب سے بڑی ذات مخلوق میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اس درجہ کا اعتقاد تو نفس ایمان کے لئے شرط ہے جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسا عقیدہ نہیں رکھتا وہ سرے سے مؤمن ہی نہیں کیونکہ ایسا اعتقاد ضروریاتِ دین میں سے ہے اور اس صورت میں لا یؤمن میں لا سے جنسِ ایمان کی نفی ہوگی۔

---

(۱) فتح الملہم ج۱ص۳۱۹، ۳۲۰۔

۲ ... دوسرا احتمال یہ ہے کہ حب سے مراد دل کا میلان ہو یعنی حبِ طبعی مراد ہو۔ اس صورت میں لا یؤمن میں کمالِ ایمان کی نفی ہوگی۔

اس دوسرے احتمال پر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ حُبِ طبعی تو غیر اختیاری ہے تو پھر اس پر کمالِ ایمان کیوں موقوف ہے؟

اس کا جواب بھی وہی ہے کہ اگرچہ حُبِ طبعی غیر اختیاری ہے لیکن اس کے اسباب اختیاری ہیں ان میں سے چند یہ ہیں: مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال، جمال، نوال، امت پر شفقت کرنا، امت پر احسانات، امت کے حق میں شفاعت کرنا وغیرہ۔ ان میں غور کرنے اور سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشقوں کی صحبت اختیار کرنے سے حبِ طبعی پیدا ہوجاتی ہے اور یہ سب امور اختیاری ہیں۔

یہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم شعب الایمان میں سے ہے اور یہ تمام احادیث مرجیہ کے مذہب کی تردید کررہی ہیں۔ کہ کسی کا ایمان اُس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ یہ باطنی اعمال واخلاق بھی حاصل نہ ہوں۔ (۱)

باب الدليل على أنّ من خصال الايمان...الخ

۱۶۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى،...(الى قوله)... عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ -أَوْ قَالَ: لِجَارِهِ -مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (ص:۵۰،سطر:۱،۲)

تشریح

قوله :حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ (ص:۵۰،سطر:۱،۲)

اس حدیث میں بھائی سے دینی بھائی مراد ہے۔ اور یہاں بظاہر لا یؤمن میں کمالِ ایمان کی نفی مراد ہے۔ یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک جو چیز اپنے لئے پسند کرے اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ (۲)

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص ۳۷۷،۳۷۸۔

(۲) فتح الملهم ج۱ص ۳۲۸۔

باب بیان تحریم ایذاء الجار

۱۶۹۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ،...(الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ. (ص:۵۰،سطر:۳،۴)

تشریح

قوله : لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ (ص:۵۰،سطر:۴)

اھل حق کا مذھب یہ ہے کہ جو شخص مسلمان تھا لیکن گناھوں کی زندگی میں اس کا انتقال ہوگیا تھا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے چاہے تو اس کو معاف فرما کر جنت میں داخل فرمادے یا ان گناہوں کی سزا کے بعد جنت میں داخل فرمادے اس لئے اس حدیثِ مبارک کے اس جملہ ''لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ'' کی ایک تاویل یہ کی گئی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو ایذاء کی حرمت کے معلوم ہونے کے باوجود اس کو حلال سمجھتا تھا وہ کافر ہے جنت میں کبھی داخل نہیں ہوگا۔ یا اس جملہ کا معنیٰ یہ ہے کہ جو شخص پڑوسیوں کو تکلیف دیتا تھا وہ دخولِ اولیٰ کے وقت جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ [1]

قوله : بَوَائِقَهُ (ص:۵۰،سطر:۴)

بوائق جمع ہے بائقة کی، شدید تکلیف کو کہتے ہیں [2] اس سے معلوم ہوا کہ پڑوسی کو شدید تکلیف پہنچانا جنت میں جانے سے مانع ہے یاد رکھئے! صرف نوافل ادا کرنے سے آدمی ولی نہیں بنتا بلکہ بڑی بڑی چیزوں کے ساتھ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بھی اہتمام رکھنے سے اور زندگی کے تمام شعبوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے سے ولی بنتا ہے۔

باب الحث علی اکرام الجار والضیف ولزوم الصحت...الخ

۱۷۰۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى،...(الی قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ

(۱) فتح الملہم ج۱ص۴۳۰۔

(۲) فتح الملہم ج۱ص۴۳۰

بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ. (ص:۵۰،سطر:۴تا۲)

تشریح

قوله : فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ، (ص:۵۰،سطر:۵)

یعنی جس بات میں دینی اور دنیاوی فائدہ نہ ہو اُس سے اجتناب کیا جائے۔[1]

قوله : فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ (ص:۵۰،سطر:۲)

بخاری شریف میں ہے کہ ضیافت تین دن تک ہے۔[2] اور اُن میں ایک دن، رات جائزہ ہے اور جائزہ کی تفسیر میں دو قول ہیں:۔

۱ ... پہلے ایک دن، رات کے کھانے میں تکلف کرنا یہ جائزہ ہے باقی دنوں میں جو کچھ حاضر ہے وہ پیش کر دینا کافی ہے۔

۲ ... جب مہمان جانے لگے تو اُسے ایک دن، رات کا توشہ یعنی کھانا دینا۔[3]

۱۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،...(الی قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ. (ص:۵۰،سطر:۲تا۸)

تشریح

قوله : فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ (ص:۵۰،سطر:۷)

یہ جملہ نافیہ ہے مگر یہاں نفی بمعنٰی نہی ہے مطلب یہ ہے کہ وہ شخص پڑوسی کو نقصان نہ پہنچائے۔[4]

قوله :فَلْيَقُلْ خَيْرًا (ص:۵۰،سطر:۸)

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الأدب باب اکرام الضیف وخدمته اياه بنفسه رقم الحدیث: ۶۱۳۵۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۳۸۰، علامہ ابی مالکیؒ نے امام شافعیؒ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ ینظر من یرید الکلام فان لم یر ضرراً تکلم وان راه او شك فیه سکت (اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۵۱) یعنی کلام کرتے وقت اس بات کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ اگر وہ بات کرنے سے نقصان نہ ہوگا تو وہ بات کرلینی چاہئے لیکن اگر وہ بات کرنے سے نقصان ہو یا نفع ونقصان میں شک ہو تو خاموش رہنا چاہئے۔

(۳) فتح الباری ج۵ص۵۳۳۔

(۴) فتح الملهم ج۱ص۴۳۲۔

اس میں فرض، واجب اور مستحب کلام سب داخل ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں مباح کلام ذکر نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ جس مباح کلام میں دین یا دنیا کا فائدہ نہ ہو اُس سے بھی اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ انجام کے اعتبار سے وہ بھی مباح نہیں رہتا بلکہ مکروہ یا ناجائز ہو جاتا ہے کیونکہ فضول گفتگو کرنے سے اپنا اور دوسرے کا وقت ضائع ہوتا ہے اور اُسے تکلیف پہنچتی ہے لہٰذا یہ بھی انجام کے اعتبار سے شر ہے خیر نہیں۔ (۱)

قوله : أَوْ لِيَسْكُتْ (ص:۵۰،سطر:۸)

اس عادت کو پیدا کرنے کے لئے بہت سے لوگوں کو بڑا مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اس کے بغیر عمل نہیں ہوسکتا۔ صوفیاء کرامؒ کے یہاں چار مجاہدے مشہور ہیں:

۱ ... قلتِ طعام۔ (کم کھانا)۔ ۲ ... قلتِ منام۔ (کم سونا)

۳ ... قلتِ کلام۔ (کم بولنا) ۴ ... قلتِ اختلاط مع الانام۔ (لوگوں سے کم ملنا)

ان میں سے آج کل پہلے دو مجاہدوں کے کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ کیونکہ قویٰ بہت ضعیف ہوگئے ہیں البتہ آخر کے دو مجاہدے بہر حال ضروری ہیں جو مرشد کی رہنمائی میں کرنے چاہئیں۔ اور ان سب کا مقصد انسان کو لایعنی امور سے اور گناہوں سے بچانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من حسن اسلام المرءِ ترکه مالا یعنیه" (۲)

"یعنی آدمی کے اسلام کی خوبی میں سے لایعنی امور سے بچنا ہے۔"

باب بيان كون النهي عن المنكر من الايمان...الخ

۱۷۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: نَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ...(الى قوله)...عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ (وَهَذَا حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ) قَالَ: أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ قَبْلَ الصَّلَاةِ مَرْوَانُ. فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ، فَقَالَ: الصَّلَاةُ قَبْلَ الْخُطْبَةِ، فَقَالَ :قَدْ تُرِكَ مَا هُنَالِكَ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ :أَمَّا هَذَا فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ،

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۳۸۱۔

(۲) جامع الترمذی باب منه من باب من تکلم بکلمة یضحك به الناس ، رقم الحدیث: ۲۳۱۷۔

وَذَٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ. (ص:۵۱،سطر:۱۰ تا ص:۵۱سطر:۲)

تشریح

قوله : قَالَ: أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ قَبْلَ الصَّلَاةِ (ص:۵۱،سطر:۱)

نمازِ عید میں سنت یہ ہے کہ نماز پہلے اور خطبہ بعد میں ہو لیکن مروان نے خطبہ پہلے اور نماز بعد میں پڑھانی شروع کردی یہ مروان بن حکم ہیں اور امام بخاریؒ نے مروان کی دو روایتیں اپنی کتاب میں نقل فرمائی ہیں (۱) ان کا تعلق بنوامیہ سے تھا یہ حضرت عثمانؓ کے چچازاد بھائی تھے اور داماد بھی، ان کی ولادت ہجرت کے دو یا چار سال بعد ہوئی۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث روایت کی ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع ثابت نہیں اور بقول امام بخاریؒ کے کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی حاصل نہیں اور یہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینہ طیبہ کے عامل (گورنر) تھے۔ (۲)

کہا جاتا ہے کہ مروان بن حکم نے خطبہ کو نماز سے شاید اس لئے مقدم کیا تھا کہ لوگ ان سے بعض سیاسی وجوہ کی بناء پر خوش نہ تھے۔ اس لئے مروان کو خطرہ ہوا کہ اگر نماز کے بعد خطبہ دیا تو یہ لوگ خطبہ نہ سنیں گے اور بعض حضرات نے اس عمل کی نسبت حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کی طرف کی ہے جو درست نہیں اور محدثینِ کرامؒ نے ان کے بجائے مسلم کی حدیث باب کو راجح قرار دیا ہے۔ جس میں صراحت ہے کہ یہ کام سب سے پہلے مروان نے کیا تھا۔ اور مروان نے یہ کام شاید اپنی مذکورہ بالا مصلحت سے کیا تھا یا احیاناً مقدم کرنے کے بجائے اُسے معمول بنالیا تھا۔ اسی لئے اُس کے عمل پر نکیر کی گئی اور مذکورہ بالا خلفاء پر نکیر نہیں کی گئی۔ (۳)

قوله : فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ، (ص:۵۱،سطر:۱)

اَی قَامَ مُتَوَجِّهاً اِلَیهِ رَجُلٌ یعنی ایک شخص اُس کی طرف رخ کر کے کھڑا ہوا۔ (۴)

قوله : الصلاة قبل الخطبة (ص:۵۱،سطر:۱)

---

(۱) دیکھئے: صحیح البخاری کتاب الوکالۃ باب اذا ذھب شیئاً لوکیل الخ۔ حافظ ابن حجرؒ نے ھدی الساری مقدمہ فتح الباری میں فرمایا ہے کہ صحیح البخاری میں مروان کی دو حدیثیں منقول ہیں، (ج۲ص۱۹۲)

(۲) کما فی فتح الملہم ج۱ص۴۳۳،۴۳۴۔

(۳) اکمال الاکمال للعلامہ السنوسی ج:۱،ص۴۳۴۔

(۴) درسِ مسلم ج۱ص۳۸۳۔

یہاں ان صاحب نے صرف مسئلہ بیان کیا کوئی بحث نہیں کی اور نہ ہی کوئی جھگڑا کیا، اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ عالم کا بنیادی فریضہ نرمی اور خیر خواہی سے مسئلہ بتلانا ہے اور صحیح بات کی ترغیب دینا ہے۔ علماء کا فریضہ منکر کے مقابلے میں برائی کو ہاتھ سے مٹانا نہیں ہے بلکہ زبان سے منع کرنا ہے اور وہ بھی نرمی اور خیر خواہی کے ساتھ۔

قوله : قَدْ تُرِکَ مَا هُنَالِکَ، (ص:۵۱،سطر:۱)

یہاں هنالك ظرفِ زمان کے طور پر استعمال ہوا ہے یعنی وہ عمل جو زمانہ نبوی اور عہدِ صدیقی میں تھا وہ اب متروک ہوگیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنے والا میں پہلا انسان نہیں ہوں بلکہ پہلے بھی ایسا کیا گیا ہے۔[1]

قوله : أَمَّا هَذَا (ص:۵۱،سطر:۱)

یعنی یہ شخص جس نے نکیر کی ہے۔

قوله : فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ (ص:۵۱،سطر:۱)

اس نے اپنے اوپر عائد ہونے والے فریضہ نهی عن المنکر کو ادا کردیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کے اس ارشاد سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ جب ایک شخص امر بالمعروف کرلے اور اس کو دوسروں کی تائید کی ضرورت ہو تو اس کی تائید کرنی چاہئے۔[2] دوسری بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ ''الصلاة قبل الخطبة'' کا جملہ کہہ دینا ہی زبان سے برائی مٹانے کے لئے کافی تھا۔ حالانکہ وہ اس کو پکڑ کر زبردستی مصلے سے ہٹا بھی سکتے تھے لیکن یہ اس لئے نہیں کیا کہ اس سے فتنہ برپا ہو جاتا معلوم ہوا کہ اُس وقت ان کا فریضہ زبان سے نکیر کرنے کا تھا منکر کو ہاتھ سے مٹانے کا نہ تھا۔

یہ حدیث امر بالمعروف (یعنی اچھی بات کا حکم دینا) اور نهی عن المنکر (یعنی بری بات سے منع کرنے) سے متعلق ہے جو دین کا اہم ستون اور اس کی بنیاد ہے اگر یہ ختم ہو جائے تو دین درھم برھم ہو جائے لہٰذا اس کا جامع خلاصہ سمجھنے کی ضرورت ہے یاد رکھئے! یہ فریضہ جتنا اہم ہے اتنا ہی اس کی حدود و شرائط بھی اہم ہیں۔ ہمارے حضرت بانیؒ دارالعلوم کراچی فرمایا کرتے تھے کہ نماز کی بہت سی

---

(۱) درس مسلم ج۱ص۳۸۴۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۵۳۔

تفصیلات قرآنِ کریم میں نہیں ہیں بلکہ احادیث میں ہیں مثلاً: تعدادِ رکعات اور ترتیبِ ارکان وغیرہ لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں بہت ساری تفصیلات قرآنِ کریم میں بتائی گئی ہیں وجہ یہ ہے کہ اس میں لوگوں کے افراط وتفریط میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ تھا چنانچہ اس بارے مین لوگوں کی تین قسمیں ہیں ایک درست اور دو غلط۔ بعض لوگ اس میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ سنتِ انبیاء کے مطابق حکمت وخیر خواہی اور نرم کلامی کا اہتمام نہیں کرتے بلکہ سختی اور غصے سے کام لیتے ہیں اور موقع محل کی رعایت نہیں کرتے۔ اور بعض لوگ بالکل چپ شاہ بن جاتے ہیں کہ ان کے گھر والے حرام دنا جائز کام کرتے رہتے ہیں مگر یہ کچھ نہیں بولتے، اُن کو بالکل منع نہیں کرتے دوسروں کے ساتھ بھی ان کا یہی طرزِ عمل ہوتا ہے یہ دونوں قسمیں غلط ہیں اور دین کو کمزور کرنے کا ذریعہ ہیں قرآنِ کریم میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اپنی اپنی قوموں کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے جو مکالے نقل کئے گئے ہیں وہ اس کام میں سنت انبیاء علیہم السلام کی تشریح کے لئے کافی ہیں۔ ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کو دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا اس وقت انہیں تلقین فرمائی ''فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا''[1] (اور فرعون سے نرم بات کہنا) اس کے بارے میں حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم حضرت موسیٰ اور ہارونؑ سے بڑے مصلح نہیں اور ہمارے مخاطب فرعون سے زیادہ گمراہ اور سرکش نہیں لیکن جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو فرعون کے مقابلے میں سخت کلامی کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ نرم بات کہنے کا حکم دیا تو ہمیں اپنے مخاطبین سے سخت کلامی کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔ لہٰذا وعظ ونصیحت میں نرمی اختیار کرنی چاہئے۔

قرآنِ کریم نے انبیاء کرام علیہم السلام کے اپنی قوموں سے جو مکالے جگہ جگہ نقل فرمائے ہیں ان سے بھی دین کی دعوت اور تبلیغ کرنے والے کے لئے یہ ہدایت اور رہنمائی ملتی ہے کہ ایسے موقع پر حق بات کہنے والے کو صبر وتحمل کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لینا چاہئے۔ جو لوگ اس پر عمل کرتے ہیں وہ حق پر ہیں اور ان کی دعوت وتبلیغ سے فائدہ ہوتا ہے۔

اسی طرح بعض لوگ کبھی کبھی دعوت کے کام کو اس خیال سے چھوڑ دیتے ہیں کہ دعوت دینے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ لوگ حق بات کو قبول نہیں کرتے اس بارے میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا کہ یہ

---

(۱) سورۂ طٰہٰ: آیت ۴۴

ان کی سب سے بڑی غلط فہمی اور شیطان کا دھوکہ ہے۔ کیونکہ جب بھی دعوت دی جاتی ہے اس کا فائدہ ضرور ہوتا ہے کیونکہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:۔

"وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ"۔ (۱)

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اس نفع کے پہنچنے میں مختلف اوقات اور اشخاص کے اعتبار سے فرق ہو کہ کسی پر بالکل اثر نہ ہو اور کسی پر زیادہ اثر ہو اور کسی پر کم، کسی کو فوراً فائدہ پہنچ جائے اور کسی کو بعد میں، لیکن ایک حد تک فائدہ ضرور ہوتا ہے۔ البتہ فائدہ پہنچنے کی تین شرطیں ہیں۔

۱ ... بات حق ہو یعنی شریعت کے مطابق درست ہو۔

۲ ... نیت حق ہو۔ یعنی مخاطب کی خیر خواہی اور اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو، اپنی بڑائی جتانا یا مخاطب کی تذلیل وتحقیر مقصود نہ ہو۔

۳ ... طریقہ حق ہو۔ یعنی سنتِ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے مطابق خیر خواہانہ اور حکیمانہ گفتگو ہو، انداز نرم ہو، سخت کلامی نہ ہو۔ جب ان میں سے کوئی شرط مفقود ہوگی تو ہوسکتا ہے کہ فائدہ نہ ہو ورنہ ضرور فائدہ ہوتا ہے۔ (۲)

خلاصہ یہ کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی مذکورہ بات نہایت اہم اور قرآن وسنت کی تعلیمات کا نچوڑ ہے کہ جب حق بات حق نیت سے اور حق طریقہ سے کہی جاتی ہے تو فائدہ ضرور ہوتا ہے خواہ کم ہو یا زیادہ اور فوراً ہو یا تاخیر سے۔ سب سامعین کو ہو یا بعض کو اس لئے ان تین شرطوں کے ساتھ وعظ وتبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہنا چاہئے۔

قوله : فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ (ص:۵۱، سطر:۲)

یہاں ید سے مراد قوت ہے اس کے معنٰی ہوں گے "لہٰذا اپنی طاقت سے اس کو بدلے" اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام بعض حالات میں فرضِ عین اور بعض حالات میں فرضِ کفایہ ہوتا ہے عام حالات میں فرض کفایہ ہے کیونکہ یہاں منکم میں من تبعیضیہ ہے اور آیت "ولتکن منکم امۃ" سے بھی معلوم ہوا کہ اس کام کے لئے بڑی جماعت ہونی چاہئے یہ بھی فرض کفایہ ہونے کی دلیل ہے البتہ اگر کوئی شخص کسی منکر کو دیکھ رہا ہے۔ تو اُس شخص پر تغییرِ منکر کی کوشش بقدرِ استطاعت فرض

(۱) سورۃ الذاریات:۵۵

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۳۸۷۔

عین ہو جاتی ہے اور حدیثِ باب میں مروان کے واقعہ سے استطاعت کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے۔ بہر حال برائی کو ہاتھ سے مٹانے کی استطاعت کا مطلب یہ ہے کہ یہ بدلنا اس طرح ہو کہ اس کے نتیجے میں کوئی بڑا منکر یا فتنہ مسلمانوں میں پیدا نہ ہو اور تفرقہ نہ ہو ورنہ ایسی صورت مین منکر کو ہاتھ سے بدلنا فرض تو کیا جائز بھی نہیں اور جو حکم ہاتھ سے بدلنے کا ہے وہی حکم زبان سے بدلنے کا ہے۔ یعنی اگر زبان سے بدلنے اور روکنے کے نتیجہ میں بڑا فتنہ پھیلنے کا اندیشہ ہو تو سکوت واجب ہے مگر اُس وقت دل سے منکر کو بدلے اور دل سے منکر کو بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ دل سے اس منکر کو برا سمجھے، اور یہ نیت اور عزم بھی رکھے کہ اگر کبھی مجھے قدرت ہوئی تو ہاتھ اور زبان سے بھی منکر کو تبدیل کروں گا۔ اور اُس سے منع کروں گا بلکہ اُس منکر کے ازالہ کی دعا کرنا بھی دل سے بدلنے میں داخل ہے۔ (۱)

قولہ : وَذٰلِکَ أَضْعَفُ الْإِیمَانِ (ص:۵۱، سطر:۲)

ای اضعف اعمال الایمان یعنی دل سے برائی روکنے سے منع کرنے سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں کیونکہ اگر دل سے بھی ایسے منکر کو برا نہیں سمجھتا جس کے منکر ہونے کا علم ضروری حاصل ہو چکا ہے تو یہ حلال کو حرام سمجھنا ہے۔ اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔

ہمارے اکابر کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ردّ بدعت کا طریقہ نہایت معتدل تھا۔ دلائل اور خیر خواہی سے اور انبیاء علیہم السلام والے طریقے کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے۔ چنانچہ جب تک ہمارے بزرگ زندہ رہے وہی غالب رہے اور سنتیں زندہ ہوتی رہیں۔ اور جب سے ردِّ بدعت کے نام پر یا عشقِ رسول کے نام پر تقریروں میں سخت کلامی اور تشدد شروع ہوا اس سے بدعات کو فروغ ملا اور اب یہ ہو رہا ہے کہ کسی منکر کے ازالے کے لئے سنتِ انبیاء کے بجائے تشدد کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں اور متعدد منکرات کھڑے ہو گئے ہیں اس طرزِ عمل سے بچنا لازم ہے۔ (۲)

۱۷۶۔ حَدَّثَنِی عَمْرٌو النَّاقِدُ، (الی قولہ) عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَکَمِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْمِسْوَرِ، عَنْ أَبِی رَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَا مِنْ نَبِیٍّ بَعَثَهُ اللهُ فِی أُمَّةٍ

(۱) اکمال الاکمال للعلامہ السنوسیؒ ج۱ص۱۵۲۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۳۸۹۔

قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ، وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ، ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ، وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ.

قَالَ أَبُو رَافِعٍ: فَحَدَّثْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ فَأَنْكَرَهُ عَلَيَّ، فَقَدِمَ ابْنُ مَسْعُودٍ فَنَزَلَ بِقَنَاةَ فَاسْتَتْبَعَنِي إِلَيْهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يَعُودُهُ، فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ فَلَمَّا جَلَسْنَا سَأَلْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ، فَحَدَّثَنِيهِ كَمَا حَدَّثْتُهُ ابْنَ عُمَرَ، قَالَ صَالِحٌ: وَقَدْ تُحُدِّثَ بِنَحْوِ ذَلِكَ عَنْ أَبِي رَافِعٍ، (ص:۵۲،سطر:۲تا۶)

تشریح

قوله : عَنْ أَبِي رَافِعٍ، (ص:۵۲،سطر:۳)

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور ان کا نام اسلم ہے۔ (۱)

قوله : حَوَارِيُّونَ، (ص:۵۲،سطر:۴)

یہ حواری کی جمع ہے اور حواری مخلص ساتھی کو کہتے ہیں یہ حور (حاء اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ) سے مشتق ہے اور وہ شدید سفیدی کو کہتے ہیں اور وہ لوگ خلوصِ نیت اور باطن کی صفائی کی وجہ سے حواری کہلائے۔

ایک سوال اور جواب

سوال: ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض نبی ایسے دکھائے گئے کہ ان کے ساتھ ایک دو پیروکار تھے اور بعض کے ساتھ ایک بھی، پیروکار نہ تھا (۲) اور اس حدیثِ باب میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر ان کی امت میں سے کچھ حواری اور احباب ایسے تھے جو ان کی سنت کو اختیار کرتے تھے" بظاہر ان میں تعارض ہے۔

جواب: یہاں حدیثِ باب میں نبی سے اکثر نبی مراد ہیں۔ ایسے نبی جن کا کوئی پیروکار نہ تھا

---

(۱) فتح الملھم ج۲ ص۴۳۶۔

(۲) مسند ابی عوانہ ج۱ ص۸۵۔

(۳) اکمال اکمال المعلم ج۱ ص۱۵۵۔

شاذ ہیں والشاذ کالمعدوم۔ [۳]

قوله : خُلُوفٌ (ص:۵۲،سطر:۴)

یہ خَلْفٌ بسکون اللام کی جمع ہے بُرے جانشین کو کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ''[۱] اور خَلَفٌ بفتح اللام اچھے جانشین کو کہتے ہیں اور اس کی جمع اخلاف آتی ہے جیسے سلف کی جمع اسلاف آتی ہے۔ [۲]

قوله : يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ، (ص:۵۲،سطر:۴)

یعنی ''کہتے ہونگے وہ بات جو کرتے نہیں ہونگے''۔۔۔ اس کے ظاہر کو دیکھ کر بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طاعت پر آدمی خود عمل نہیں کرتا تو دوسروں کو بھی اس کی دعوت نہ دے۔ خوب سمجھ لو کہ ایسا سمجھنا غلط ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی نے مختصر الفاظ میں قرآنِ کریم کی آیت ''لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ''[۳] کی تشریح یہ فرمائی ہے کہ یہاں دعوے کی مذمت ہے دعوت کی نہیں [۴] یعنی قول سے مراد جھوٹا دعویٰ کرنا ہے مثلاً تہجد نہیں پڑھتے لیکن دعویٰ کرتے ہیں کہ تہجد گزار ہیں متقی ہیں نہیں لیکن متقی ہونے کا دعویٰ کریں یہ غلط ہے حاصل یہ ہے کہ دعوت دینے کی مذمت نہیں بلکہ دعوے کی مذمت ہے۔ لہٰذا جس طاعت پر عمل نہ ہو اور دوسروں کو اس کی دعوت دینا درست ہے اور یہ اس آیت کے خلاف نہیں۔ [۵]

قوله : فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ (ص:۵۲،سطر:۴)

یہاں جہاد کے تین درجے بیان کئے گئے ہیں۔

۱ ... جهاد باليد۔

۲ ... جهاد باللسان۔

۳ ... جهاد بالقلب۔

---

(۲) سورۂ مریم: آیت ۵۹۔

(۳) فتح المنهم ج ۱۔ص ۴۳۶

(۳) سورة الصف:۲

(۴) بیان القرآن ج ۳ ص ۶۱ تحت هذه الآية۔

(۵) درسِ مسلم ج ۱ ص ۳۹۱۔

اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے اور یہ رضا بالمعصیت ہے اور جب اس کے معصیت ہونے کا علم ضروری حاصل ہو چکا ہو تو اس پر راضی ہونا کفر ہے، لیکن یہاں جہاد سے مراد قتال (لڑائی) نہیں ہے۔ بلکہ کوشش اور مجاہدہ مراد ہے کیونکہ یہاں جہاد باللسان اور جہاد بالقلب کا بھی ذکر ہے اور زبان اور قلب سے قتال نہیں ہوتا نیز پیچھے حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث سے بھی معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان کے سامنے حق بات کو بذریعہٗ زبان بیان کر دینا کافی ہے۔

قوله : قَالَ أَبُو رَافِعٍ: فَحَدَّثْتُ عَبْدَ اللّٰهِ ...الخ (ص:۵۲،سطر:۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس انکار کی وجہ وہ ہے جو حضرت گنگوہیؒ نے بیان فرمائی ہے۔ کہ حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت یعنی حدیثِ باب پر نکیر کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ اس حدیث کا ظاہر دیگر روایات سے معارض ہے کیونکہ اس حدیث میں اہلِ اسلام سے قتال (لڑائی) کی ترغیب کی طرف ذہن جاتا ہے جو کہ درست نہیں۔ [1]

قوله : فَنَزَلَ بِقَنَاةَ (ص:۵۲،سطر:۵)

قناۃ مدینہ منورہ کی وادیوں میں سے ایک وادی کا نام ہے۔ [2]

قوله : قَالَ صَالِحٌ: وَقَدْ تُحُدِّثَ ...الخ (ص:۵۲،سطر:۶)

یعنی حضرت ابو رافعؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے واسطے کے بغیر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح روایت کرتے ہیں۔ [3]

باب تفاضل أهل الايمان فيه ورجحان اهل اليمن فيه

۱۷۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،...(الى قوله)...عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ، قَالَ: أَشَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ نَحْوَ الْيَمَنِ، فَقَالَ: أَلَا إِنَّ الْإِيمَانَ هٰهُنَا، وَإِنَّ الْقَسْوَةَ وَغِلَظَ الْقُلُوبِ فِي الْفَدَّادِينَ، عِنْدَ أُصُولِ أَذْنَابِ الْإِبِلِ، حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ فِي رَبِيعَةَ، وَمُضَرَ. (ص:۵۲،سطر:۸تا۱۰)

تشریح

قوله : فَقَالَ: أَلَا إِنَّ الْإِيمَانَ هٰهُنَا، (ص:۵۲،سطر:۶)

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الملهم ج۱ص۴۳۷، ۴۳۸ وشرح النووی ج۱ص۵۲ درس مسلم ج۱ص۳۹۲ تا ۳۹۳۔

(۲) معجم البلدان ج۶ص۳۰۱۔

(۳) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۵۶۔

حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے یمن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہاں ایمان ہے۔ اور قلوب کی سختی فدادین میں ہے۔

سوال

یہاں سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث سے اہلِ یمن کی کمال وایمان میں افضیلت معلوم ہوتی ہے حالانکہ مہاجرین وانصار کی افضیلت قرآنِ کریم سے ثابت ہے؟

جواب

اس کے دو جواب ہیں:۔

۱ ... ایک جواب یہ ہے کہ یہاں اہلِ یمن کا مقابلہ اہلِ مشرق کے قبیلے ربیعہ اور مضر کے لوگوں سے ہورہا ہے لہٰذا ان کی افضیلت درحقیقت قبیلۂ ربیعہ اور مضر کے مقابلے میں بیان فرمانا مقصود ہے۔ یا مہاجرین وانصار کے علاوہ باقی قبائل عرب پر اہلِ یمن کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔

۲ ... دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ فضیلتِ جزئیہ ہے یعنی صرف رقتِ قلب کے اعتبار سے ہے جس کی تفصیل آگے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی کلام میں آرہی ہے۔[1]

قولہ : اَلْفَدَّادِيْنَ (ص:۵۲،سطر:۱۰)

فدّاد بالتشدید کی جمع ہے۔ فداد کے کئی معنیٰ آتے ہیں ایک وہ شخص جو چیخنے چلانے والا ہو۔ چنانچہ کہا جاتا ہے ''فد الرجل فديداً'' جب کوئی شخص اپنے کھیت میں اور اپنے مویشیوں کے پیچھے چیخے اور چلائے۔

دوسرے وہ شخص جو فدید والا ہو اور فدید کہتے ہیں بہت اونٹ والے کو تو فداد کے معنیٰ ہوئے وہ شخص جو بہت اونٹ والا ہو اور فداد کے تیسرے معنیٰ ہیں ''کثیر المال'' خواہ وہ اونٹ ہوں یا کوئی اور مال لیکن اس حدیث میں آگے چونکہ اذناب الابل آرہا ہے لہٰذا یہاں پہلے معنیٰ واضح ہیں یعنی زیادہ زور سے بولنے اور چلانے والے۔[2]

قولہ : عِنْدَ اُصُوْلِ اَذْنَابِ الْاِبِلِ، (ص:۵۲،سطر:۱۰)

(۱) درسِ مسلم ج۱ ص۳۹۵۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج۱ ص۱۵۸۔

یہ ترکیب میں فدا دین کے لئے ظرف ہے[1] یعنی وہ لوگ اونٹوں کو ہانکنے کے لئے ان کی دموں کے پاس چیخنے چلانے والے ہیں۔

قوله : الْقَسْوَةَ وَغِلَظَ الْقُلُوبِ (ص:۵۲،سطر:۱۰)

دونوں کے معنٰی ہیں سختی یعنی یہ لوگ نصیحت کو سن کر جلدی سے اس کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ اس کے مقابل دل کی نرمی یہ ہے کہ حق بات ونصیحت سن کر اس کی طرف جلدی مائل ہوجاتے ہیں۔

قوله : يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ (ص:۵۲،سطر:۱۰)

القرنان سر کے سینگ اور سر کی دو جانب کو کہتے ہیں قرن اس کا واحد ہے۔ ہوسکتا ہے حقیقت مراد ہو کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ طلوعِ آفتاب کے وقت شیطان کھڑا ہوجاتا ہے تاکہ وہ اس کے قرنین کے درمیان سے نمودار ہو مگر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ آفتاب ہر وقت کسی نہ کسی علاقے میں طلوع ہورہا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ آفتاب ہر وقت میں قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ کے درمیان میں رہے۔

اس کے دو جواب ہوسکتے ہیں:۔

۱ … آپ نے یہ جملہ اہلِ مدینہ کے افقِ شرعی کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ کے مشرق میں جو علاقے ہیں وہاں آفتاب بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ طلوع ہوتا ہے اس صورت میں قرنان کے حقیقی معنٰی مراد ہیں اور شیطان اس مقصد سے کھڑا ہوتا ہوگا کہ جو شخص اس وقت نماز پڑھے وہ شیطان کے لئے سجدہ کرتے ہوئے نظر آئے۔

۲ … قرنین سے مراد جماعتین ہے یعنی شیطان کی دو جماعتیں ہیں جو اس کی پیروکار ہیں بظاہر اس سے مراد ربیعہ اور مضر کے قبیلے ہیں جو اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔[2]

قوله : فِي رَبِيعَةَ، وَمُضَرَ. (ص:۵۲، سطر:۱۰)

یہ فی الفداد ین کا بدل ہے[3] کیونکہ یہ لوگ اونٹ پالتے تھے ان میں یہ صفات دل کی سختی وغیرہ اُس وقت موجود تھیں اور ربیعہ وہی قبیلہ ہے جس کا ذکر وفد عبد القیس میں آیا ہے جن کی

---

(۱) مکمل اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۵۸، علامہ سنوسیؒ نے "عند اصول اذناب الابل" کے ذیل میں دلوں میں نرمی اور اچھے اچھے اخلاق پیدا کرنے کے لئے فقہ اور حکمت کی مجالس کو لازم پکڑنے اور اہل دل اور اہل عمل مشائخ کی صحبت کو اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور غفلت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی مجالست اور ایسے اشغال وغیرہ جو ہر خیر سے دور کرنے والے ہیں، ان سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ (ج۱ص۱۵۸،۱۵۹)

(۲) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۵۹ وفتح الملهم ج۲ص۴۔

(۳) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۵۹

شاذ ہیں والشاذ کالمعدوم۔ (۳)

قوله : خُلُوفٌ (ص:۵۲،سطر:۴)

یہ خَلْفٌ بسکون اللام کی جمع ہے بُرے جانشین کو کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ'' (۱) اور خَلَفٌ بفتح اللام اچھے جانشین کو کہتے ہیں اوراس کی جمع اخلاف آتی ہے جیسے سلف کی جمع اسلاف آتی ہے۔ (۲)

قوله : يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ، (ص:۵۲،سطر:۴)

یعنی ''کہتے ہونگے وہ بات جو کرتے نہیں ہونگے'' — اس کے ظاہر کو دیکھ کر بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طاعت پر آدمی خود عمل نہیں کرتا تو دوسروں کو بھی اس کی دعوت نہ دے۔ خوب سمجھ لو کہ ایسا سمجھنا غلط ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی نے مختصر الفاظ میں قرآنِ کریم کی آیت ''لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ'' (۳) کی تشریح یہ فرمائی ہے کہ یہاں دعوے کی مذمت ہے دعوت کی نہیں (۴) یعنی قول سے مراد جھوٹا دعویٰ کرنا ہے مثلاً تہجد نہیں پڑھتے لیکن دعویٰ کرتے ہیں کہ تہجد گزار ہیں متقی ہیں نہیں لیکن متقی ہونے کا دعویٰ کریں یہ غلط ہے حاصل یہ ہے کہ دعوت دینے کی مذمت نہیں بلکہ دعوے کی مذمت ہے۔ لہٰذا جس طاعت پر عمل نہ ہو اور دوسروں کو اس کی دعوت دینا درست ہے اور یہ اس آیت کے خلاف نہیں۔ (۵)

قوله : فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ (ص:۵۲،سطر:۴)

یہاں جہاد کے تین درجے بیان کئے گئے ہیں۔

۱ ... جهاد باليد۔

۲ ... جهاد باللسان۔

۳ ... جهاد بالقلب۔

---

(۲) سورۂ مریم: آیت ۵۹۔

(۳) فتح الملهم ج ۱۔ ص ۴۳۶

(۳) سورة الصف: ۲

(۴) بیان القرآن ج ۳ ص ۲۱ تحت هذه الآية۔

(۵) درسِ مسلم ج ۱ ص ۳۹۱۔

حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے یمن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہاں ایمان ہے۔ اور قلوب کی سختی فدادین میں ہے۔

سوال

یہاں سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث سے اہلِ یمن کی کمال وایمان میں افضیلت معلوم ہوتی ہے حالانکہ مہاجرین وانصار کی افضیلت قرآنِ کریم سے ثابت ہے؟

جواب

اس کے دو جواب ہیں:۔

۱ ... ایک جواب یہ ہے کہ یہاں اہلِ یمن کا مقابلہ اہلِ مشرق کے قبیلے ربیعہ اور مضر کے لوگوں سے ہو رہا ہے لہٰذا ان کی افضیلت درحقیقت قبیلۂ ربیعہ اور مضر کے مقابلے میں بیان فرمانا مقصود ہے۔ یا مہاجرین وانصار کے علاوہ باقی قبائل عرب پر اہلِ یمن کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔

۲ ... دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ فضیلتِ جزئیہ ہے یعنی صرف رقتِ قلب کے اعتبار سے ہے جس کی تفصیل آگے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کیکلام میں آرہی ہے۔ [۱]

قولہ : اَلْفَدَّادِیْنَ (ص:۵۲،سطر:۱۰)

فدّاد بالتشدید کی جمع ہے۔ فداد کے کئی معنٰی آتے ہیں ایک وہ شخص جو چیخنے چلانے والا ہو۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "فد الرجل فدیداً" جب کوئی شخص اپنے کھیت میں اور اپنے مویشیوں کے پیچھے چیخے اور چلائے۔

دوسرے وہ شخص جو فدید والا ہو اور فدید کہتے ہیں بہت اونٹ والے کو تو فداد کے معنٰی ہوئے وہ شخص جو بہت اونٹ والا ہو اور فداد کے تیسرے معنٰی ہیں "کثیر المال" خواہ وہ اونٹ ہوں یا کوئی اور مال لیکن اس حدیث میں آگے چونکہ اذناب الابل آرہا ہے لہٰذا یہاں پہلے معنٰی واضح ہیں یعنی زیادہ زور سے بولنے اور چلانے والے۔ [۲]

قولہ : عِنْدَ اُصُوْلِ اَذْنَابِ الْاِبِلِ، (ص:۵۲،سطر:۱۰)

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۳۹۵۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۵۸۔

یہ ترکیب میں فدا دین کے لئے ظرف ہے[1] یعنی وہ لوگ اونٹوں کو ہانکنے کے لئے ان کی دموں کے پاس چیخنے چلانے والے ہیں۔

قوله : اَلْقَسْوَةَ وَغِلَظَ الْقُلُوْبِ (ص:۵۲، سطر:۱۰)

دونوں کے معنٰی ہیں سختی یعنی یہ لوگ نصیحت کو سن کر جلدی سے اس کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ اس کے مقابل دل کی نرمی یہ ہے کہ حق بات و نصیحت سن کر اس کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں۔

قوله : يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ (ص:۵۲، سطر:۱۰)

القرنان سر کے سینگ اور سر کی دو جانب کو کہتے ہیں قرن اس کا واحد ہے۔ ہوسکتا ہے حقیقت مراد ہو کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ طلوعِ آفتاب کے وقت شیطان کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ وہ اس کے قرنین کے درمیان سے نمودار ہو مگر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ آفتاب ہر وقت کسی نہ کسی علاقے میں طلوع ہو رہا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ آفتاب ہر وقت میں قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ کے درمیان میں رہے۔

اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں:۔

۱ ... آپ نے یہ جملہ اہلِ مدینہ کے افقِ شرعی کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ کے مشرق میں جو علاقے ہیں وہاں آفتاب بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ طلوع ہوتا ہے اس صورت میں قرنان کے حقیقی معنٰی مراد ہیں اور شیطان اس مقصد سے کھڑا ہوتا ہوگا کہ جو شخص اس وقت نماز پڑھے وہ شیطان کے لئے سجدہ کرتے ہوئے نظر آئے۔

۲ ... قرنین سے مراد جماعتین ہے یعنی شیطان کی دو جماعتیں ہیں جو اس کی پیروکار ہیں بظاہر اس سے مراد ربیعہ اور مضر کے قبیلے ہیں جو اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔[2]

قوله : فِي رَبِيعَةَ، وَمُضَرَ. (ص:۵۲، سطر:۱۰)

یہ فی الفداد ین کا بدل ہے[3] کیونکہ یہ لوگ اونٹ پالتے تھے ان میں یہ صفات دل کی سختی وغیرہ اُس وقت موجود تھیں اور ربیعہ وہی قبیلہ ہے جس کا ذکر وفد عبد القیس میں آیا ہے جن کی

(۱) مکمل اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۵۸، علامہ سنوسیؒ نے ''عند اصول اذناب الابل'' کے ذیل میں دلوں میں نرمی اور اچھے اچھے اخلاق پیدا کرنے کے لئے فقہ اور حکمت کی مجالس کو لازم پکڑنے اور اہل دل اور اہل عمل مشائخ کی صحبت کو اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور غفلت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی مجالست اور ایسے اشغال دنیویہ جو ہر خیر سے دور کرنے والے ہیں، ان سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ (ج۱ص۱۵۸، ۱۵۹)

(۲) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۵۹ وفتح الملہم ج۲ص۴۔

(۳) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۵۹

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف کی تھی۔

سوال

جب ان کے دلوں میں سختی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کیسے فرمائی؟

جواب

اس کے دو جواب ہیں:۔

۱ ... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ ارشاد وفد عبد القیس کے آنے سے پہلے فرمایا ہوگا یعنی ان میں یہ یہ سختی اسلام لانے سے پہلے تھی بعد میں باقی نہ رہی۔ [۱]

۲ ... اگر وفد عبد القیس کے آنے کے بعد فرمایا تو یہ ارشاد ان کے اکثر افراد کے اعتبار سے ہوگا جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔

۱۸۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ،...(الی قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :جَاءَ أَهْلُ الْيَمَنِ، هُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً، الْإِيمَانُ يَمَانٍ، وَالْفِقْهُ يَمَانٍ، وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ (ص:۵۳،سطر:۱،۲)

قوله : جَاءَ أَهْلُ الْيَمَنِ، (ص:۵۳،سطر:۱)

یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت موسیٰ اشعری اور انکے رفقاء مدینہ طیبہ آئے تھے اس وقت آپ نے جاء اہل یمن فرمایا۔ [۲]

قوله : هُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً، (ص:۵۳،سطر:۱)

ارق اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں زیادہ نرم اور افئدۃ فواد کی جمع ہے اور فواد اس جھلی کو کہتے ہیں جو دل کے اوپر ہوتی ہے [۳] یعنی ان کے دل زیادہ نرم اور نصیحت کو جلدی قبول کر لیتے ہیں۔ [۴]

قوله : الْإِيمَانُ يَمَانٍ، ...الخ (ص:۵۳،سطر:۱)

---

(۱) لامع الدراری ج۳،ص۲۲۔

(۲) فتح الملهم ج۲ص۵۔

(۳) معجم الوسیط ج۲ص۷۰۰۔

(۴) مکمل اکمال الاکمال ج۱ص۱۲۰۔

یمان اصل میں یمانی تھا یائے نسبت حذف کردی گئی یعنی قابل تعریف ایمان یمن والوں کا ہے اور ایمان کی صفت فقہ اور حکمت دوسروں کی نسبت ان میں زیادہ پائی جاتی ہے۔[1]

۱۸۲۔ حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ،...(الی قوله)...عَنِ الْأَعْرَجِ، قَالَ :قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ أَضْعَفُ قُلُوبًا وَأَرَقُّ أَفْئِدَةً، الْفِقْهُ يَمَانٍ، وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ (ص:۵۳،سطر:۳،۴)

تشریح

قوله : أَضْعَفُ قُلُوبًا (ص:۵۳،سطر:۴)

اس سے مراد ارق قلوباً ہے یعنی نرم دل ہونا اور ان کی یہ فضیلت جزئیہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کے مختلف آثار ہیں کسی کو ایک اثر کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ اور کسی کو دوسرے اثر کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”میری امت میں سب سے زیادہ رحمدل ابوبکر ہیں۔ اور دین کے معاملے میں سب سے زیادہ سخت اور مضبوط عمر ہیں اور سب سے بڑھ کر حیاء میں حضرت عثمانؓ ہیں اور ان میں سب سے زیادہ بڑھ کر فیصلہ کرنے کی صلاحیت حضرت علی میں ہے اور اس امت کے امین ابو عبیدہ بن جراح ہیں دیکھئے یہ سب صحابی ہونے کی فضیلت میں برابر ہیں لیکن خاص خاص آثار کی وجہ سے ان کی علیحدہ علیحدہ جزوی فضیلت ہے جو ہر ایک کی الگ الگ بیان فرمائی ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ خاص اثر دوسرے صحابی میں بالکل نہ تھا اسی طرح مہاجرین کو افضلیت اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے اور ایمان لانے میں سبقت کرنے کے اعتبار سے ہے، انصار کو نصرت کے اعتبار سے افضلیت حاصل ہے اور اہل یمن کو رقتِ قلب کے اعتبار سے افضلیت حاصل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اہلِ یمن کی فضیلت جزوی اعتبار سے ہے ورنہ مجموعی طور پر مہاجرین وانصار کو دین کی خاطر عظیم قربانیوں کی وجہ سے اور اسلام لانے میں سبقت کرنے کی وجہ سے افضلیت حاصل ہے خلاصہ یہ کہ اہل یمن کی افضلیت جزوی اعتبار سے ہے۔[2]

۱۸۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى،...(الی قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :رَأْسُ الْكُفْرِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ، وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي

(۱) فتح الملہم ج۲ ص۶۔
(۲) حوالۂ بالا۔

أَهْلِ الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ الْفَدَّادِينَ، أَهْلِ الْوَبَرِ وَالسَّكِينَةُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ. (ص:۵۳،سطر:۴)

تشریح

قوله : رَأْسُ الْكُفْرِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ (ص:۵۳،سطر:۴)

مدینہ منورہ سے مشرق میں نجد، عراق، ایران اور قبیلہ ربیعہ ومضر واقع ہیں علامہ عثمانیؒ نے فرمایا کہ حدیث کے الفاظ میں عموم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق میں کفر زیادہ ہوگا چنانچہ قبیلہ ربیعہ ومضر کفر میں سخت تھے اگرچہ عبدالقیس بعد میں مسلمان ہوگئے اور ایرانی مجوس بھی کفر میں سخت تھے تاتاری فتنہ بھی مشرق سے اٹھا تھا، قتلِ حسینؓ جنگِ جمل وصفین بھی عراق میں ہوئیں جو مشرق میں ہے دجال کا ظہور بھی مشرق یعنی ایران وعراق سے ہوگا یاجوج ماجوج کا فتنہ بھی تقریباً مشرق سے ظاہر ہوگا[۱] اور ہم اہل پاکستان بھی مدینہ منورہ سے مشرق میں واقع ہیں لہٰذا بہت اہتمام کے ساتھ فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہئے۔

قوله : أَهْلِ الْوَبَرِ (ص:۵۳،سطر:۵)

یعنی اونٹوں کی کھال اور بالوں سے بنائے جانے والے خیموں میں رہنے والے۔[۲]

قوله : وَالْخُيَلَاءُ فِي أَهْلِ الْخَيْلِ والابل ...والسكينة فى اهل الغنم (ص:۵۳،سطر:۴)

سکینت یعنی اطمینان وسکون (نووی[۳]) سیدی حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کی عادات واخلاق پر صرف انسان ہی کے صحبت کے اثرات نہیں بلکہ جانوروں کی صحبت کے بھی اثرات پڑتے ہیں۔[۴]

یمن والے بکری پالتے تھے۔ ان کی صحبت کا ایک اثر یہ تھا کہ ان کے دلوں میں نرمی تھی اونٹ اور گھوڑوں کے پالنے والوں میں سختی تھی کیونکہ جانوروں کی صحبت اور ماحول کا اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے اسی طرح مختلف پیشوں کے بھی مختلف اثرات ہوتے ہیں۔ مثلاً قصائی بڑے سخت دل ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ گھوڑا اونٹ وغیرہ پالنا جائز نہیں یا قصائی کا پیشہ برا ہے اُسے اختیار کرنا

(۱) فتح الملہم ج۲ص۶۔
(۲) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۶۱۔
(۳) شرح النووی ج۲ص۵۳۔
(۴) فتح الملہم ج۱ص۷۔

جائز نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے اخلاق واعمال کی اصلاح میں اسلام زیادہ احتیاط کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا ان پیشے والوں کو احتیاط کرنی چاہئے۔ (۱)

۱۹۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی،...(الی قوله)...عَنِ الْأَعْمَشِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، مِثْلَ حَدِيثِ جَرِيرٍ وَزَادَ :وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي أَصْحَابِ الْإِبِلِ، وَالسَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ فِي أَصْحَابِ الشَّاءِ (ص:۵۳،سطر:۱۳)

تشریح

قوله : وَالسَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ فِي أَصْحَابِ الشَّاءِ (ص:۵۳،سطر:۱۳)

تقریباً تمام انبیاء علیہم السلام نے بکریاں چرائی ہیں تاکہ ان میں تواضع وانکساری پیدا ہو سکون اور وقار کی صفت حاصل ہو جوامت کی رہنمائی کے لئے ناگزیر ہے۔

۱۹۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (الی قوله) أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :غِلَظُ الْقُلُوبِ، وَالْجَفَاءُ فِي الْمَشْرِقِ، وَالْإِيمَانُ فِي أَهْلِ الْحِجَازِ (ص:۵۳،سطر:۱۳،۱۴)

قوله : الْجَفَاءُ (ص:۵۳،سطر:۱۴)

کسی سے اعراض برتنا اور بدسلوکی کرنا۔ جفا یجفو جفاءً سے ہے۔

قوله : فِي أَهْلِ الْحِجَازِ (ص:۵۳،سطر:۱۴)

پچھلی روایت میں اہلِ یمن کے ایمان کی فضیلت بیان ہوئی ہے یہاں اہلِ حجاز کے ایمان کی اور ان میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ ایک کی فضیلت دوسرے کی نفی نہیں کرتی۔ ہر ایک کی فضیلت الگ حیثیت سے ہے جیسا کہ فتح الملهم کے حوالے سے پیچھے گزرا۔

باب بيان أنه لايدخل الجنة الا المؤمنون...الخ

۱۹۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتّٰى تَحَابُّوا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ (ص:۵۴،سطر:۱،۲)

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۳۹۹۔

تشریح

قولہ : وَلَا تُؤْمِنُوا حَتّٰی تَحَابُّوا، (ص:۵۴،سطر:۲،۱)

لا تومنوا اصل میں لا تومنون تھا۔ ہوسکتا ہے کہ تحابوا کے ہم شکل ہونے کی وجہ سے نون کو حذف کردیا گیا ہو علامہ سیوطیؒ اور علامہ اُبّیؒ نے کہا ہے کہ یہ بھی ایک معروف لغت ہے جس میں نون کو حذف کردیا جاتا ہے اور یہاں بھی نفی نہی کمالِ ایمان کی ہے نفس ایمان کی نہیں۔(۱)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ محبت اگرچہ غیر اختیاری ہے لیکن اسبابِ محبت اختیاری ہیں۔ جن میں سے ایک سلام کرنا بھی ہے ایک خاص بات یہاں پر یہ ہے کہ واجب کا ثواب سنت مؤکدہ سے زیادہ ہوتا ہے قاعدہ اگرچہ یہ ہے لیکن یہاں معاملہ الٹ ہے کہ سلام میں پہل کرنا سنت مؤکدہ ہے اور سلام کا جواب واجب ہے مگر سلام میں پہل کرنے کا ثواب سلام کے جواب دینے سے زیادہ ہے۔ سلام کرنے کے بہت سے فوائد ہیں ان میں سے تین یہ ہیں:۔

۱ ... سلام خیر الاعمال میں سے ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں پیچھے حدیث گزر چکی۔

۲ ... اس سے آپس میں محبت بڑھتی ہے جیسا کہ حدیثِ باب میں ہے۔

۳ ... بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ سلام میں پہل کرنا کبر کا علاج ہے۔(۲)

باب بیان الدین النصیحة

۱۹۴ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ الْمَكِّيُّ، قال حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ :قُلْتُ لِسُهَيْلٍ: إِنَّ عَمْرًا حَدَّثَنَا عَنِ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِيكَ، قَالَ :وَرَجَوْتُ أَنْ يُسْقِطَ عَنِّي رَجُلًا، قَالَ :فَقَالَ :سَمِعْتُهُ مِنَ الَّذِي سَمِعَهُ مِنْهُ أَبِي كَانَ صَدِيقًا لَهُ بِالشَّامِ، ثُمَّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :الدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا :لِمَنْ؟ قَالَ :لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ. (ص:۵۴،سطر:۳ تا ۵)

تشریح

قولہ : تَمِيمٍ الدَّارِيِّ (ص:۵۴، سطر:۵)

---

(۱) الدیباج ج۱ص۵۴ و اکمال اکمال المعلم ج۱ص؟؟؟

(۲) شعب الایمان للبیہقیؒ ج۶ ص۴۳۳، باب فی مقاربة و موادة اهل الدین۔

حضرت تمیم داریؓ صحابی ہیں اور ان کی ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث جساسة ان سے نقل فرمائی ہے جو آگے جلدِ ثانی میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ غالبًا یہ فضیلت کسی اور صحابی کو حاصل نہیں۔

قوله : اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ (ص:۵۴،سطر:۵)

یہ جوامع الکلم میں سے ہے اور پورا دین اس میں آجاتا ہے۔ نصیحت کے معنٰی ہیں "کسی کے ساتھ اخلاص کے ساتھ خیر خواہی اور اچھا سلوک کرنا" بعض اوقات اچھا سلوک تو ہوتا ہے لیکن اخلاص نہیں ہوتا بلکہ خوشامد اور چاپلوسی ہوتی ہے یا کوئی دنیاوی غرض ہوتی ہے۔ وہ النصیحة نہیں۔ اور بعض شراح نے النصیحة کو چوتھائی دین کہا ہے اور اس پر الدین کے اطلاق کو مجاز قرار دیا ہے۔

لیکن غور کرنے سے اور بعض شارحین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مجاز نہیں بلکہ حقیقت ہی مراد ہے اور پورا دین خیر خواہی ہے۔ (۱)

قوله : لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ (ص:۵۴، سطر:۵)

اس میں ایمان، اسلام اور احسان سب کچھ آجاتا ہے۔ اگر صرف للہ ہوتا تب بھی پورا دین اس میں آجاتا۔ اور اللہ تعالیٰ سے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے متعلق صحیح عقیدہ رکھے اُس سے محبت رکھے، اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی کتاب پر عمل کرے اور اس کی صفات کمال کا عقیدہ رکھے یہ سب کچھ اس میں داخل ہے۔ اس کے بعد ولکتابہ فرمایا کہ اس کی کتاب کے ساتھ خیر خواہی کی جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے۔ اس کی تلاوت کرے، اس کو حفظ کرے، اس کا عالم بنے اور اس کی تعلیم و تبلیغ کرے اور اس کے احکام و ہدایات پر عمل کرے۔ (۲)

قوله : وَلِرَسُولِهِ (ص:۵۴،سطر:۵)

اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، اُن سے محبت کرے، ان کا اتباع کرے، اُن کی تعلیمات کو عام کرے وغیرہ۔ (۳)

قوله : وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ (ص:۵۴،سطر:۵)

---

(۱) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۶۳۔

(۲) فتح الملہم ج۲ص۹

(۳) حوالہ بالا۔

اولوا الامر سے کون مراد ہیں؟

اس میں دو احتمال ہیں:۔

۱ ... الائمہ سے مراد اولی الامر یعنی حکام ہوں اور عام طور پر یہی مراد لئے جاتے ہیں۔[۱]

۲ ... ائمہ سے مراد فقہاء اور مجتہدین ہوں یہ بھی ائمة المسلمین میں داخل ہیں۔[۲]

قرآن مجید میں اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

"یَا اَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اَطِیعُوا اللّٰهَ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ"[۳]

یہاں منکم ای من المسلمین کی قید ہے متقی وغیرہ کی قید نہیں چنانچہ مسلم حکام کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ نیک اور جائز کاموں میں ان کی اطاعت کی جائے اگرچہ وہ خود ظالم اور بدعمل ہوں۔ ہاں اُن کے ناجائز حکم پر عمل کرنا جائز نہیں کیونکہ حدیث میں ہے۔

"لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق"[۴]

اور بشرطِ قدرت ان کو سنتِ انبیاء کے مطابق امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا جائے۔ائمہ فقہاء کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ ان کی فقہ کی تدوین ترویج کی جائے اور عوام ان کے فتاوی پر عمل کرے ان کے نیک کاموں میں اُن کے ساتھ تعاون کی جائے،[۵] حضرت والاؒ نے معارف القرآن میں اولی الامر کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کر کے فرمایا کہ دراصل دونوں مراد ہیں یعنی علماء بھی اور حکمران بھی اس طرح کہ دنیا کے انتظامی امور میں حکام کی اطاعت کی جائے اور دینی امور میں علماءِ دین کی۔[۶]

قوله : وَعَامَّتِهِمْ (ص:۵۴،سطر:۵)

اور عوام کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اُن کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا جائے

---

(۱) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۶۴۔

(۲) الدیباج ج۱،ص:۱۸۰

(۳) سورة النساء:۵۹۔

(۴) سنن الکبری للبیهقی: ج۳،ص۱۴۱۔

(۵) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۶۴،

(۶) معارف القرآن ج۲ص۴۵۰۔

اُن کو راحت پہنچائی جائے، تکلیف نہ دی جائے یعنی حدیث ''من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ'' پر عمل کیا جائے اُن کے لئے وہی اچھی باتیں پسند کرے جو اپنے لئے کرتا ہے اور اُن کے لئے انہی بری چیزوں کو ناپسندیدہ سمجھے جن کو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے وغیرہ۔[1]

۱۹۷ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ :بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ

(ص:۵۵،سطر:۱،۲)

قوله : عَنْ جَرِيرٍ، (ص:۵۴، سطر:۵)

بعض روایات میں ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چالیس دن پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور بعض میں ہے کہ رمضان ۱۰ھ میں مسلمان ہوئے۔[2]

قوله : بَايَعْتُ (ص:۵۵،سطر:۱)

احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مختلف قسم کی بیعتیں کی تھیں اُن میں سے چار قسمیں یہ ہیں۔

۱ ... بہت سوں نے بیعتِ اسلام کی یعنی اسلام قبول کرنے کے لئے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

۲ ... بیعت علی الجهاد: صلح حدیبیہ میں جو بیعت رضوان ہوئی وہ بیعتِ قتال تھی کہ لڑائی میں فتح ہوگی یا شہادت۔

۳ ... بیعت علی التقویٰ: یعنی تقویٰ کے اہتمام پر بیعت کی چنانچہ خواتینِ اسلام سے بیعت لی گئی جس کا ذکر اس آیت میں ہے ''يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ''[3] یہ خواتین مسلمان تھیں لیکن اس کے باوجود کفر وشرک سے اور اعمالِ سیئہ سے بچنے پر بیعت لی گئی اسی طرح حدیثِ باب میں حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز قائم کرنے اور مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت لی گئی یہ بیعت علی التقویٰ تھی۔

۴ ... بیعت خلافت: ایسے ہی ایک بیعت خلافت ہے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے خلفاء کے

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۹۴۔

(۲) اسد الغابۃ، ج۱ص۳۳۳

(۳) سورۂ ممتحنہ :۱۲

ہاتھ پر ہوئی۔

سوال

صوفیاء کرام کے ہاں جو بیعت ہوتی ہے وہ کونسی ہے؟

جواب

یہ شریعت پر پابندی سے عمل کرنے پر بیعت ہوتی ہے اور یہ وہ بیعت ہے جو مذکورہ بالا خواتین نے اور حضرت جریرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کی یہ بیعت علی التقویٰ کہلاتی ہے اور یہ بیعت سنت ہے واجب نہیں کیونکہ اس کا حکم عام نہیں ہے۔ اصلاً شریعت کا اتباع واجب ہے۔ جو بیعت کے بغیر بزرگوں اور علماء کرام سے ہدایت لیتے رہنے سے بھی ہوسکتا ہے۔ البتہ اُن کے ہاتھ پر بیعت ہونے میں برکت ہوتی ہے اور قرآن وسنت کی ہدایات پر عمل آسان ہوجاتا ہے مرید اپنی دینی ذمہ داری کو زیادہ قوت کے ساتھ محسوس کرتا ہے۔ [1]

۱۹۹۔ حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ يُونُسَ، وَيَعْقُوبُ الدَّوْرَقِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ سَيَّارٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ: بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فَلَقَّنَنِي فِيمَا اسْتَطَعْتُ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ قَالَ يَعْقُوبُ فِي رِوَايَتِهِ: قَالَ: نَا سَيَّارٌ (ص:۵۵،سطر:۲،۳)

تشریح

قوله : هُشَيْمٌ، عَنْ سَيَّارٍ، (ص:۵۵،سطر:۳)

یہ ھشیم ثقہ ہیں مگر مدلس ہیں۔ اور مدلس کا عنعنہ قبول نہیں ہوتا [2] لہٰذا سند میں علت آگئی اس کا جواب خود امام مسلمؒ کے صنیع سے آگے آرہا ہے۔

قوله : فِيمَا اسْتَطَعْتُ، (ص:۵۵،سطر:۳)

اس میں مخاطب کا صیغہ استطعت اور متکلم کا صیغہ اور واحد متکلم صیغہ استطعت دونوں کا احتمال ہے اور دونوں طرح پڑھنا درست ہے پہلی صورت میں معنٰی ہونگے کہ سننے اور اطاعت کرنے کی

---

(۱) درس مسلم ج ا ص ۲۰۴۔

(۲) فتح الملهم ج ۲ ص ۱۱۔

بیعت اس حد تک کرو جتنی تمہارے اندر استطاعت ہو۔ اور دوسری صورت میں معنیٰ ہونگے کہ بیعت میں یوں کہو کہ میں سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کرتا ہوں۔ (۱)

قوله : قَالَ يَعْقُوبُ فِي رِوَايَتِهِ: قَالَ: نَا سَيَّارٌ (ص:۵۵،سطر:۳)

یہ اس علت کا جواب ہے کہ ھشیم کی سیار سے براہِ راست حدیث بیان کرنا بھی منقول ہے صرف عنعنہ ہی نہیں ہے۔ (۲)

حضرت جریرؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ انصح لکل مسلمین کا بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے، کسی سے سودا کرتے تو اُسے کہتے کہ میں نے یہ چیز تم سے خریدی ہے یہ مجھے زیادہ پسند ہے جو اُس ثمن کے مقابلے میں جو میں نے تمہیں دی ہے ایک مرتبہ اُن کے غلام نے ان کی فرمائش پر تین سو درھم میں گھوڑا خریدا یہ بائع کے پاس گئے اور کہا بھائی تم نے قیمت بہت کم لگائی ہے پھر خود ہی بڑھاتے بڑھاتے آٹھ سو درہم قیمت ادا کی۔ (۳)

باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی...الخ

۲۰۰۔ "حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عِمْرَانَ التُّجِيبِيُّ،...(الی قوله)...قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ :إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ :فَأَخْبَرَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُحَدِّثُهُمْ هَؤُلَاءِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، ثُمَّ يَقُولُ وَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُلْحِقُ مَعَهُنَّ :وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارَهُمْ حِينَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ." (ص:۵۵،سطر:۴تا۶)

تشریح

قوله : لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ...الخ (ص:۵۵،سطر:۵)

یہ قاعدہ ہے کہ جب لائے نفی قید اور مقید کے مجموعہ پر داخل ہو تو وہاں نفی قید کی ہوتی ہے۔

(۱) فتح الملھم ج۲ص۱۰،۱۱۔

(۱) فتح الملھم ج۲ص۱۱۔

(۳) شرح النووی ج۲ص۵۵۔

یہاں قید "وھو مؤمن" ہے اور اس سے پہلے کا جملہ مقید ہے۔ اور ان دونوں کے مجموعہ پر لا داخل ہے لہٰذا یہاں مطلب یہ ہے کہ زنا کی حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا، اسی طرح آدمی چوری کرنے اور شراب پینے کی حالت میں مومن نہیں ہوتا۔[1]

قوله : أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُحَدِّثُهُمْ هَؤُلَاءِ (ص:۵۵،سطر:۶)

اس میں ھولاء سے زنا، چوری اور شراب پینے کی طرف اشارہ ہے۔

قوله : وَلَا يَنْتَهِبُ (ص:۵۵،سطر:۶)

انتھاب زبردستی چھیننے اور ڈاکہ ڈالنے کو کہتے ہیں۔[2]

قوله : ذَاتَ شَرَفٍ (ص:۵۵،سطر:۶)

قیمتی چیز اور اہمیت والی چیز۔[3]

قوله : يَقُولُ وَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُلْحِقُ مَعَهُنَّ ...الخ (ص:۵۵،سطر:۶)

ان الفاظ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھا کلمہ حدیث مرفوع نہیں۔ حضرت ابوھریرہؓ کی طرف سے ادراج ہے لیکن خوب سمجھیں کہ چوتھا کلمہ بھی سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابوھریرہؓ سے حضرت ابو نعیم اصفھانیؒ کی مستخرج علی صحیح مسلم میں مرفوعاً منقول ہے۔[4]

ایک اشکال کے دو جواب

یہ حدیث لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ...الخ واضح طور پر خوارج اور معتزلہ کی دلیل ہے۔ اس لئے اس کی شرح میں شارحین نے تاویل کی ہے۔ چنانچہ اس کے جواب میں تیرہ اقوال ہیں اُن میں سے دو قول خاص ہیں جو درج ذیل ہیں۔

ایک قول وہ ہے جو علامہ شعرانیؒ نے شیخ اکبرؒ سے ایک حدیث [5] کے حوالہ سے نقل کیا ہے اس حدیث میں وھو مومن کا مطلب یہ ہے کہ اُن گناہوں کے ارتکاب کے وقت واقعی ایمان دل سے نکل جاتا ہے لیکن ایمان دل سے نکل کر اُس پر سایہ فگن ہوجاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ ہو لیکن جب

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الملھم ج۲ ص۱۲،۱۱۔

(۲) فتح الملھم ج۲ ص۱۳۔

(۳) اکمال اکمال المعلم ج۱ ص۱۲۶۔

(٤) ج۱، ص۱۲۷

(۵) اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "اذا زنی العبد خرج عنه الايمان حتى يصير عليه كالظلة فاذا أقلع رجع اليه الايمان" (فتح الملھم ج۲ ص۱۳)

یہ آدمی گناہ سے الگ ہوجاتا ہے تو ایمان واپس آجاتا ہے اور یہ حدیث جس کے حوالے سے مذکورہ جواب نقل کیا گیا ہے مستدرك حاكم میں ہے اور على شرط الشيخين ہے یعنی یہ حدیث صحیح ہے لہٰذا اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ [1] لہٰذا اس سے خوارج ومعتزلہ کا مذہب ثابت نہیں ہوسکتا۔

۲ ... دوسرا قول علامہ قرطبیؒ اور امام نوویؒ کا ہے انہوں نے فرمایا کہ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ...الخ کا مطلب یہ ہے کہ حالتِ زنا میں وہ کامل مومن نہیں ہوتا یعنی ایسا ایمان باقی نہیں رہتا جو دوزخ میں جانے سے بچاسکے خلاصہ یہ کہ لا یزنی وغیرہ میں لائے کمال کے لئے ہے نفیِ ایمان کے لئے نہیں۔ [2]

۲۰٤۔ حَدَّثَنَا محمد بن رافع قال: انا عبد الرزاق ، قال: انا معمر عن همام بن منبه ، عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم ...(الى قوله) وزاد "وَلَا يَغُلُّ أَحَدُكُمْ حِينَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، فَإِيَّاكُمْ إِيَّاكُمْ." (ص:۵۶،سطر:۶ تا ۸)

تشریح

قوله : لَا يَغُلُّ أَحَدُكُمْ حِينَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، ... (ص:۵۶،سطر:۸)

غلول بھی اگرچہ چوری کی ایک قسم ہے کیونکہ غلول کہتے ہیں مالِ غنیمت میں سے چوری کرنے کو اور چوری کا ذکر پہلے آچکا ہے مگر اس کو بطورِ خاص اس لئے ذکر کیا کہ مالِ غنیمت میں چوری کرنا آسان ہوتا ہے کیونکہ مالِ غنیمت میں تقسیم ہونے سے پہلے کوئی شخص انفرادی طور پر مالک نہیں ہوتا کہ وہ اس کی حفاظت کرے،

دوسری وجہ وہ ہے جو حضرت والاؒ [3] نے اپنی وفات سے ایک دو روز پہلے بیان فرمائی کہ غنیمت میں سے اگر کوئی چوری کرے تو اس کی توبہ نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ بہت سے مجاہدین کی مشترک ملکیت ہوتی ہے جب مجاہدینِ تقسیم غنیمت کے بعد اپنے اپنے وطن کو واپس چلے جائیں اب اُن سے فرداً فرداً معافی مانگنا یا وہ چوری کی ہوئی چیز یا اس کی قیمت سب میں تقسیم کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ دینی مدارس کا چندہ بھی اسی حکم میں ہے اس میں بے شمار لوگوں کا چندہ ہے اور بے شمار

---

(۱) اکمال المعلم ج۱ص۲۳۵ اور شرح النووی ج۱ص۵۵ وفتح الملهم ج۲ص۱۲،۱۳۔

(۲) اکمال المعلم ج۱ص۲۳۵ اور شرح النووی ج۱ص۵۵۔

(۳) یعنی حضرت اقدس مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔

لوگوں کا حق ہے۔ طلباء اساتذہ اور ملازمین کا۔ اسی لئے حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ مدارس کا پیسہ بہت خطرناک ہے۔ [1] متعدد احادیث سے جو آگے آرہی ہیں یہی ثابت ہے۔

باب خصال المنافق

۲۰۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،...(الی قوله)...عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَلَّةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَلَّةٌ مِنْ نِفَاقٍ حَتَّى يَدَعَهَا :إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ" (ص:۵۶، سطر:۱۱ تا ۱۳)

تشریح

قوله : أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، (ص:۵۶، سطر:۱۱)

اس جملے میں اربع موصوف اور من کن فیه صفت ہے صفت اور موصوف مل کر مبتدا ہے اور اگلا جملہ کان منافقاً خالصا اس کی خبر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے "من کن فیه اربع خصال کان منافقا خالصاً"

لفظ نفاق نفق سے بنا ہے اور نفق سرنگ کو کہتے ہیں۔ [1] اور شرعی اصطلاح میں اسکے معنٰی یہ ہیں کہ کوئی شخص اسلام ظاہر کرے اور باطن میں کفر رکھتا ہو۔

نفاق کے لغوی اور شرعی معنٰی میں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح سرنگ میں آدمی ایک طرف سے داخل ہوتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اندر ہے حالانکہ وہ دوسری طرف سے نکل چکا ہوتا ہے اسی طرح منافق ظاہراً اسلام میں داخل ہوتا ہے اور لوگ اس کو مسلمان سمجھتے ہیں حالانکہ وہ دل میں کفر چھپائے ہوئے ہوتا ہے اس طرح وہ اسلام سے نکل جاتا ہے [2] — لیکن حدیثِ باب میں اگر یہ مشہور معنٰی مراد لئے جائیں تو زبردست اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے تو یہ لازم آیا کہ ان چار گناہوں کی وجہ سے کافر ہوگیا اور دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا حالانکہ یہ اہلِ سنت والجماعت کا مذہب نہیں بلکہ

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۲۰۱۔

(۲) تاج العروس ج۷ص۷۹۔

(۳) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۶۸۔

معتزلہ وخوارج کا مذہب ہے کہ ارتکابِ کبیرہ سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔

اس اشکال کے تین جواب ہیں:۔

۱ ... نفاق کی دو قسمیں ہیں:۔(۱)...نفاق اعتقادی (یعنی ظاھراً مسلمان ہو اور باطن میں کافر ہو۔ (۲)...نفاق عملی (یعنی یہ کہ ظاھراً میں تو وعدہ کر رہا ہے مگر دل میں یہ نیت ہے کہ اس وعدہ پر عمل نہیں کرے گا اور نفاق عملی سے آدمی کافر نہیں ہوتا فاسق ہوتا ہے۔اور یہاں حدیثِ باب میں نفاق عملی مراد ہے نفاق اعتقادی مراد نہیں۔ (۱)

۲ ... حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ احادیث میں جہاں کہیں بھی کسی گناہ کے مرتکب کے بارے میں لا یومن یا فقد کفر جیسے صیغے آئے ہیں اُن میں کوئی تاویل نہ کی جائے بلکہ کہا جائے کہ واقعی اس نے کفر کیا اس طور پر کہ کفر وشرک ونفاق اور فسق میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔

(۱) ... وہ کفر جو دین سے خارج کرنے والا ہو۔

(۲) ... وہ کفر جو دین سے خارج کرنے والا نہ ہو۔

یہاں حدیث میں کفر سے دوسرا کفر مراد ہے یعنی یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ جرم اتنا شدید ہے کہ یہ کفر کے قریب ہے اور یہ الفاظ کسی حکمت کی بنیاد پر فرمائے گئے ہیں کہ جب کوئی آدمی یہ وعید سنے تو اُس گناہ کے قریب جانے سے بھی ڈرے۔ (۲)

۳ ... ان اعمال کو حلال سمجھتا ہو جبکہ اُسے ان کے بارے میں علم ضروری حاصل ہو چکا ہو کہ اسلام نے ان کو حرام قرار دیا ہے اور وہ اس کے باوجود ان کو حلال سمجھتا ہو۔تو وہ حقیقۃً کافر ہے۔ (۳)

قولہ : وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، (ص:۵۶،سطر:۱۲)

اگر وعدہ کرتے وقت یہ ارادہ ہو کہ اس کو پورا نہیں کرے گا تو یہ حرام و ناجائز ہے اور نفاق عملی ہے اور اگر وعدہ کرتے وقت تو وعدہ پورا کرنے کا ارادہ تھا لیکن بعد میں کوئی عذر پیش آگیا تو وعدہ پورا نہ کرنے سے گناہگار نہ ہوگا لیکن بلا عذر وعدہ پورا نہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (۴)

---

(۱) فتح الملھم ج۲ص۲۵۰۔

(۲) الصلاۃ وحکم تارکھا لابن القیمؒ ص ۷۳ ومدارك السالکین ج۱ص۳۳۶۔

(۳) درس مسلم ج۱ص۴۱۱،۴۱۲۔

(۴) تفصیل کے لئے دیکھئے:عمدۃ القاری کتاب الایمان ج۱ص۳۳۹۔

قوله : وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ (ص:۵٦،سطر:۱۲)

اس کے معنٰی ہیں کہ جب جھگڑا کرے تو حد سے تجاوز کرے کیونکہ فجور کے لغوی معنٰی ہیں حد سے تجاوز کرنا اور حق سے اعراض کرنا۔ (۱)

۲۰۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، (الى قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ :إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ. (ص:۵٦،سطر:۱۳تا۱۵)

تشریح

قوله : آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ (ص:۵٦،سطر:۱۳)

پہلی حدیث میں اربع کا ذکر ہے یہاں تین کا۔ مگر اس میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ کم کا عدد اکثر نفی نہیں کرتا۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے تین کا علم دیا گیا تھا بعد میں چار کا علم دے دیا گیا تھا لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔ (۲)

قوله : وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ (ص:۵٦،سطر:۱۳)

امانت کا تعلق صرف روپے پیسے ہی کے ساتھ نہیں بلکہ اس کی متعدد صورتیں ہیں مثلاً مشورہ امانت ہے۔ مروجہ الیکشن (انتخابات) میں ووٹ امانت ہے۔ دوسرے کا راز آپ کے پاس امانت ہے۔ کوئی عہدہ یا منصب آپ نے لیا ہے وہ بھی امانت ہے اسی طرح اور بھی امانت کی متعدد قسمیں ہیں۔ (۳)

باب بيان حال ايمان من قال لأخيه المسلم يا كافر

۲۱۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،(الى قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا كَفَّرَ الرَّجُلُ أَخَاهُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا. (ص:۵۷،سطر:۱تا۲)

تشریح

قوله : إِذَا كَفَّرَ الرَّجُلُ أَخَاهُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا (ص:۵۷،سطر:۱)

(۱) فتح الملهم ج۱ص۱٦۔

(۲) اکمال المعلم ج۱ص۳۱٦ وشرح النووی ج۱ص۵٦۔

(۳) درسِ مسلم ج۱ص۳۱۳۔

اس حدیث میں بہا کی ضمیر مؤنث کا مرجع اکفر کا مصدر اکفاراً ہے جو بمعنی تکفیر ہے۔ یعنی کفر نہیں لوٹتا بلکہ تکفیر لوٹتی ہے۔[1] لہٰذا جس کی تکفیر کی گئی ہے اگر وہ واقعی کافر ہے تو یہ تکفیر اس کی طرف لوٹتی ہے اور اُس کا کفر ظاہر ہو جاتا ہے اور اگر وہ واقعی کافر نہیں ہے تو تکفیر کا یہ گناہ قائل کی طرف لوٹتا ہے۔ جو کبھی فسق کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی کفر کی صورت میں مثلاً اگر کسی نے دوسرے کے بارے میں کہا کہ وہ کافر ہے اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ ہے حالانکہ وہ گستاخ نہیں تو یہ تکفیر قائل کی طرف ایک مسلمان پر تہمت لگانے کی وجہ سے لوٹے گی جو کہ فسق ہے یعنی تکفیر کرنے والا فاسق ہو جائے گا۔ اور اگر کسی نے دوسرے کو مثلاً اس لئے کافر کہا کہ وہ نماز پڑھتا ہے تو اس صورت میں وہ تکفیر قائل کی طرف کفر کی صورت میں لوٹے گی یعنی وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اُس نے نماز کو کفر قرار دے دیا۔

رہی یہ بات کہ کب تکفیر قائل کے فسق کی صورت میں اور کب کفر کی صورت میں لوٹے گی اس کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ اگر تکفیر ضروریاتِ دین کے انکار کو شامل ہو تو یہ قائل کی طرف کفر کی صورت میں لوٹے گی جیسے اوپر نماز کی مثال میں ہے ورنہ فسق کی صورت میں لوٹے گی جیسے اوپر کافر کہنے کی مثال میں ہے۔[2]

۲۱۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ جَمِيعًا، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى :أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ، يَقُولُ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَيُّمَا امْرِءٍ قَالَ لِأَخِيهِ :يَا كَافِرُ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا، إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ، وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ" (ص:۵۷،سطر:۲،۳)

تشریح

قوله : إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ، (ص:۵۷،سطر:۳)

یعنی جس کے بارے میں کافر کہا گیا ہے اگر واقعۃً وہ کافر ہے تو کافر کہنا درست ہے۔

قوله : وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ (ص:۵۷،سطر:۳)

(۱) المفہم ج۱ص۲۵۳۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۳۱۳۔

اور اگر وہ کافر نہیں ہے تو کہنے والے کی طرف کافر کہنے لوٹے گا اور اس پر اس کا وبال پڑے گا جو کبھی کفر کی صورت میں اور کبھی فسق کی صورت میں جس کا ضابطہ اوپر مذکور ہوا۔

۲۱۴۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ،(الی قوله) عَنْ أَبِي ذَرٍّ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُهُ إِلَّا كَفَرَ، وَمَنِ ادَّعَى مَا لَيْسَ لَهُ فَلَيْسَ مِنَّا، وَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ، أَوْ قَالَ :عَدُوُّ اللهِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ إِلَّا حَارَ عَلَيْهِ. (ص:۵۷،سطر:۳،۵)

تشریح

قوله : لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ (ص:۵۷،سطر:۴،۵)

اس حدیث میں من تاکیدِ نفی کے لئے ہے اور یہاں بھی وہی تفصیل ہے جو پیچھے گزری یعنی کفر سے کفر کے قریب ہونا مراد ہے یا کفر سے کفرانِ نعمت مراد ہے۔

قوله : ادَّعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُهُ إِلَّا كَفَرَ، (ص:۵۷،سطر:۴)

حدیث کے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص غیر باپ کی طرف باپ ہونے کی جھوٹی نسبت دانستہ کرے تو اس نے کافرانہ عمل کیا اس حکم میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ آدمی اپنے نسب کو دوسرے قبیلہ یا کسی دوسری قوم کی طرف منسوب کرے۔ (۱)

سوال: غیر باپ کی طرف اپنے کو منسوب کرنا گناہِ عملی ہے جو ضروریاتِ دین میں سے نہیں پھر اُس پر کفر کا حکم کیوں لگایا گیا ہے؟

اس کے متعدد جواب ہیں:۔

۱ ... یہاں غیر باپ کی طرف نسبت کرنے کو حلال سمجھنا مراد ہے۔ (۲) اس صورت میں واقعۃً وہ کافر ہوجائے گا۔

۲ ... جس طرح نفاق کی دو قسمیں ہیں اسی طرح کفر کی بھی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) کفرِ اعتقادی۔ (۲) کفرِ عملی۔ یہاں حدیث میں کفرِ عملی مراد ہے۔

۳ ... کفر سے کفرانِ نعمت مراد ہے۔ یعنی اس نے باپ جیسی عظیم نعمت کا انکار کیا۔ (۳)

(۱) [illegible]

(۲) فتح الملہم ج۲ص۱۹۔

(۳) فتح الملہم ج۲ص۱۹۔

۴ ... اس حدیث میں کفر سے یہ مراد ہے کہ وہ کفر کے قریب ہوگیا اور عربی میں ایسا بکثرت ہوتا ہے جیسے قریبُ الموت کو مردہ کہہ دیا جاتا ہے۔

قوله : وَمَنِ ادَّعَى مَا لَيْسَ لَهُ فَلَيْسَ مِنَّا، (ص:۵۷،سطر:۵)

مثلاً کسی کی تصنیف یا شعر کو یا کسی کے مال کو اپنی طرف منسوب کرنا۔ غرض کہ کسی بھی ایسی چیز کا دعویٰ کرنا اس وعید میں داخل ہے بعض لوگ غلط بیانی سے کام لے کر کسی نسب کو اپنی طرف لگا لیتے ہیں حالانکہ وہ نسب اُن کا نہیں ہوتا جیسے ہمارے زمانے کے جولا ہے عموماً عربوں کی اولاد نہیں انہوں نے اپنے آپ کو انصاری کہلانا شروع کر دیا اسی طرح قصائیوں نے قریشی کہلانا شروع کر دیا حالانکہ وہ قریش کی اولاد سے نہیں یہ حرام ہے، البتہ ہم جو اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں وہ نسب کے طور پر نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم امام اعظم ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہیں اس لئے حنفی کہلاتے ہیں لہٰذا یہ درست ہے۔[1]

باب بيان حال ايمان من رغب عن ابيه...الخ

حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا هُشَيْمُ بْنُ بَشِيرٍ، أَخْبَرَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، قَالَ: لَمَّا ادُّعِيَ زِيَادٌ لَقِيتُ أَبَا بَكْرَةَ، فَقُلْتُ لَهُ :مَا هَذَا الَّذِي صَنَعْتُمْ؟ إِنِّي سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ، يَقُولُ :سَمِعَ أُذُنَايَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُولُ :مَنِ ادَّعَى أَبًا فِي الْإِسْلَامِ غَيْرَ أَبِيهِ، يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيهِ، فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ. فَقَالَ أَبُو بَكْرَةَ :أَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (ص:۵۷،سطر:۵)

تشریح

قوله : لَمَّا ادُّعِيَ زِيَادٌ لَقِيتُ أَبَا بَكْرَةَ، (ص:۵۷،سطر:۷)

اس حدیث کے سمجھنے کے لئے اس کا پس منظر سمجھنا ضروری ہے وہ یہ کہ حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ اور زیاد دونوں ماں شریک بھائی ہیں۔ دونوں سمیہ نامی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے اور سمیہ حارث بن کلدہ طبیب کی باندی تھی۔ اُسی کے پاس سمیہ کے بطن سے حضرت ابوبکرہؓ پیدا ہوئے جو کہ صحابی ہیں۔

(۱) درس مسلم ج۱ص۴۱۵۔

زیاد صحابی نہیں ہیں۔ اور زیاد کے باپ کا شروع میں لوگوں کو علم نہ تھا کہ کون ہے؟ اس لئے کوئی اُسے زیاد بن عبید ثقفی کہتا اور کوئی زیاد بن ابیه کہتا اور کوئی زیاد بن امه کہتا۔ [1] وجہ یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں مختلف قسم کے نکاح ہوتے تھے۔ بعض کچھ دن کے لئے ہوتا۔ پھر کسی اور سے کچھ دن کے لئے نکاح ہو جاتا اسلام نے ان نکاحوں کو باطل قرار دیا لیکن ان نکاحوں سے زمانۂ جاہلیت میں جو بچے پیدا ہو چکے تھے وہ ثابت النسب کہلاتے تھے۔ اسلام نے بھی دورِ جاہلیت کے ایسے نکاحوں سے پیدا ہونے والے بچوں کو ثابت النسب قرار دیا۔

زمانۂ جاہلیت میں ایک نکاح اس طرح بھی ہوتا تھا کہ کسی باندی سے اس کا مالک بھی مباشرت کرتا اور نکاح کی بناء پر دوسرے لوگ بھی اس سے رجوع کرتے اور ایسی باندی کے بچوں کے ثبوتِ نسب کا طریقہ یہ تھا کہ وہ باندی مباشرت کرنے والے جس مرد کو متعین کر دیتی تھی وہی اُس بچہ کا باپ مانا جاتا تھا۔ اور بچہ اُسی کی طرف منسوب ہوتا تھا جب اسلام آیا تو اسلام نے ایسے بچوں کو ثابت النسب قرار دیا لیکن آئندہ کے لئے ثبوت النسب کے قوانین وضع کر دیئے اور قاعدہ یہ مقرر کر دیا کہ ''الولد للفراش وللعاهر الحجر'' [2] یعنی جس کے نکاح میں بچہ پیدا ہوگا وہ اُسی سے ثابت النسب ہوگا۔ اور زانی سے نسب ثابت نہ ہوگا۔

حضرت ابوسفیانؓ نے سمیہ سے نکاحِ جاہلیت کیا تھا جب سمیہ کے بطن سے زیاد پیدا ہوا تو سمیہ نے اس کو ابوسفیان کی طرف منسوب کیا اور ابوسفیان نے بھی مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے زمانۂ جاہلیت ہی میں اقرار کیا تھا کہ یہ اُن کا بچہ ہے اور کچھ لوگوں کو خفیہ طور پر اس کا گواہ بھی بنایا تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔

حضرت ابوسفیان حضرت معاویہؓ کے والد ہیں جب حضرت معاویہؓ کا دورِ حکومت آیا اُس وقت تک زیاد کے ابوسفیان کا بیٹا ہونے کی بات مخفی تھی زیاد بڑا ذہین، مدبر، منتظم اور شجاع تھا حضرت علیؓ کا ساتھی تھا انکے دورِ خلافت میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہا۔

جب حضرت معاویہؓ کا دور آیا تو اس نے گواہوں کو بھیجا کہ حضرت معاویہؓ کو بتاؤ کہ زیاد تمہارا باپ شریک بھائی ہے اور گواہوں کی تعداد ۱۰ تھی جن میں ایک جلیل القدر صحابی حضرت مالک بن ربیعہ

---

(۱) شرح النووی ج۱ص۵۷۔

(۲) صحیح البخاری کتاب الحدود باب للعاهر الحجر رقم الحدیث: ۶۳۱۹۔

سلولیؓ بھی تھے جو بیعت رضوان میں شریک رہ چکے تھے۔

اب حضرت معاویہؓ کے لئے یہ اہم مسئلہ بن گیا ظاہر ہے بھائی بنانے میں عار بھی تھی۔ اور بدنامی بھی ہوسکتی تھی لیکن جب یہ مسئلہ دس گواہوں کے ذریعہ مدلل ہوکر سامنے آیا تو حضرت معاویہؓ نے انہیں اپنا بھائی بنالیا اور اپنے والد حضرت ابوسفیان سے اس کا نسب لاحق کردیا جن لوگوں کو یہ صورتحال معلوم نہ تھی ان کو حیرانی ہوئی اور انہوں نے اعتراض کیا چنانچہ ان معترضین میں یہ ابوعثمان بھی تھے جن کا ذکر یہاں حدیثِ باب میں ہے۔

یاد رہے کہ زیاد ابوبکرہؓ کے ماں شریک بھائی ہیں اور حضرت معاویہؓ کے باپ شریک بھائی ہیں۔ چنانچہ ابوسفیان ابوبکرہؓ سے ملے وہ سمجھتے تھے کہ شاید ابوبکرہ خود بھی اس نسب کے لاحق کرنے پر راضی ہیں اسی لئے انہوں نے حضرت ابوبکرہؓ سے بطورِ اعتراض کے یہ سوال کیا۔ اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں یہ ابوبکرہؓ بھی نسب لاحق کرنے پر ناراض تھے اور ناراضی کی وجہ یہ بتاتے تھے "واللہ ماعلمت سمیة رات اباسفیان قطُّ"[1] خدا کی قسم میں نہیں جانتا سمیہ کو کہ اُس نے ابوسفیان کو دیکھا بھی ہو۔

خلاصہ یہ کہ جو حضرات شروع میں اس نسب کے لاحق کرنے پر اعتراض فرمارہے تھے ان کا اعتراض یہ نہیں تھا کہ زیاد حرامی ہے لہٰذا اس کا ابوسفیان سے نسب ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ اُن کا اعتراض یہ تھا کہ ابوسفیان نے کبھی سمیہ سے مباشرت یا نکاحِ جاہلی کیا ہی نہیں تھا۔

ہمارے زمانے سے کچھ پہلے جماعتِ اسلامی کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم گزرے ہیں انہوں نے اپنی مشہور کتاب خلافت وملوکیت میں تاریخی واقعات سے یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ نے سمیہ سے نکاحِ جاہلی نہیں بلکہ زنا کیا تھا لہٰذا زیاد حضرت ابوسفیانؓ کا ولد الحرام ہے۔ کیونکہ شریعت میں زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا حدیث مرفوع ہے:

"الولد للفراش وللعاھر الحجر" (الحدیث)

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنی کتاب "حضرتِ معاویہؓ اور تاریخی حقائق" میں اس کا سنجیدہ اور مدلل جواب دیا ہے اور اُسی زمانے میں بانیٔ جامعہ دارالعلوم کراچی نے "مقامِ صحابہ" نامی کتاب لکھی اور اُس میں واضح کیا کہ تاریخی حقائق سے کوئی عقیدہ ثابت نہیں

(۱) الاستیعاب لابن عبد البر تحت الاصابہ ج ا ص ۵۵۰۔

ہوسکتا اس کا ثبوت قرآنِ کریم اور حادیثِ متواترہ سے ہوسکتا ہے اور تمام صحابہ کا عادل ہونا ایک اجماعی عقیدہ ہے لہٰذا جو تاریخی روایات قرآنِ کریم یا سنتِ متواترہ کے خلاف ہیں۔ وہ یقیناً جھوٹی ہیں [1] لہٰذا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم نے ان تاریخی روایات کی بنیاد پر زیاد کو ولد الحرام لکھا ہے یہ درست نہیں۔ جیسے کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ [2]

باب قول النبی ﷺ سباب المسلم فسوق وقتاله كفر

۲۱۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارِ بْنِ الرَّيَّانِ، (الی قوله)... عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ. (ص:۵۸،سطر:)

تشریح

قوله : سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ (ص:۵۸،سطر:۲)

سب یسب کا مصدر سبًا و سبابًا آتا ہے اس کے معنٰی ہیں گالی گلوچ کرنا۔ [3]

پہلے ایمان کے شعبوں کا بیان ہوا تھا اور پچھلے کئی باب سے کفر کے شعبوں کا بیان چل رہا ہے۔ ان میں سے یہ بھی ہے۔

فسوق کے لغوی معنٰی ہیں خروج یعنی نکلنا [4] اور اصطلاحِ شرع میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نکلنے کو کہا جاتا ہے۔ [5] یہاں حدیث میں مسلمان کے ساتھ متقی اور صالح کی قید نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی بھی مسلمان سے گالی گلوچ کرنا جائز نہیں۔

باب بیان معنی قول النبی ﷺ لاترجعوا بعدی كفاراً ...الخ

۲۲۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، جَمِيعًا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، ح وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ، وَاللَّفْظُ لَهُ

---

(۱) مقام صحابہؓ ص۱۳،۱۴۔

(۲) خلاصہ درس مسلم: ج۱،ص۲۰۹

(۳) لسان العرب ج۶ ص۱۳۷۔

(۴) المعجم الوسیط ج۲ ص۶۸۸۔

(۵) فتح الملهم ج۲ ص۲۱۔

حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ، سَمِعَ أَبَا زُرْعَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ جَدِّهِ جَرِيرٍ، قَالَ :قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ :اسْتَنْصِتِ النَّاسَ ثُمَّ قَالَ :لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ. (ص:۵۸، سطر:۲)

تشریح

قوله : اسْتَنْصِتِ النَّاسَ (ص:۵۸، سطر:۵)

اس کے معنیٰ ہیں لوگوں کو خاموش کرو۔[۱]

قوله : لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا (ص:۵۸، سطر:۵)

میرے بعد لوٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں یعنی ایک دوسرے کو قتل کرنے لگیں۔

قوله : يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (ص:۵۸، سطر:۵)

سوال: اگر یہ پچھلے لفظ کفاراً کی تفسیر ہو تو پھر سوال ہوگا کہ قتال گناہِ عملی ہے اعتقادی نہیں اس سے لوگ کیسے کافر ہو جائیں گے؟

جواب: اس حدیث میں کفر سے مراد کفر کے قریب ہونا یا کفرانِ نعمت ہے۔ یا یہ مستحل پر محمول ہے۔[۲]

ایک تنبیہ

ایمان کا مدار اگر چہ تصدیقِ قلبی پر ہے لیکن بعض اعمال، اقوال اور افعال ایسے ہو سکتے ہیں جن کی بنیاد پر انہیں کافر کہا جائے مثلاً کوئی شخص زبان سے لا الہ الا اللّٰہ کا صاف صاف انکار کرے اگر چہ تصدیقِ قلبی موجود ہو۔ لیکن چونکہ دل کا حال معلوم نہیں اس لئے اُسے بھی کافر کہیں گے کیونکہ اس کا یہ عمل کفر کی صراحت کرتا ہے چنانچہ اسی بنیاد پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے تارکِ نماز کو کافر کہا ہے

---

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ (اھلِ حق) علماء کی بات کو غور سے سننا اور ان کی عزت کرنا متعلمین کے لئے لازم ہے اس لئے کہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کی قرأۃ کے وقت خاموشی اختیار کرنا واجب ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الملھم ج ۲ ص ۲۳۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۷۸۔

اگر چہ دوسرے ائمہ نے اس سے اختلاف کیا ہے کیونکہ عہدِ رسالت میں تارکِ صلاۃ کو کافر سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں ترکِ صلاۃ صرف کافر ہی کرتا تھا۔ (۱)

۲۲۲۔ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: وَيْحَكُمْ (أَوْ قَالَ: وَيْلَكُمْ) لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ. (ص:۵۸، سطر:۶، ۷)

تشریح

قوله : وَيْحَكُمْ (أَوْ قَالَ: وَيْلَكُمْ) (ص:۵۸، سطر:۷)

یہ کبھی ہلاکت کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے یعنی اُس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو ہلاکت کے قریب ہو چکا ہو اور اُسے بچانے کے لئے خبردار کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور کبھی کسی کی حالت پر رحم اور تعجب کا اظہار مقصود ہوتا ہے یہاں اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ (۲)

باب اطلاق اسم الكفر على الطعن فى النسب و النياحة

۲۲۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ...(الى قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ :الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ. (ص:۵۸، سطر:۸تا۱۰)

تشریح

قوله : اثْنَتَانِ فِي النَّاسِ (ص:۵۸، سطر:۹)

اى خصلتان اثنتان یعنی دو عادتیں۔ (۳)

کسی کے نسب پر طعن و تشنیع حرام ہے اور کفر کا شعبہ ہے۔ جس طرح اپنا جھوٹا نسب بیان کرنا حرام ہے اسی طرح دوسرے کے نسب پر طعنہ زنی حرام ہے۔

قوله : وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ (ص:۵۸، سطر:۱۰)

---

(۱) درس مسلم ج۱ص۳۲۱۔

(۲) فتح الملهم ج۲ص۲۳۔

(۳) اكمال المعلم ج۱ص۳۲۶۔

یعنی اور میت پر نوحہ خوانی۔

یہاں بھی بھم کفر میں وہی تاویلات ہونگی جو پیچھے بار بار بیان ہو چکی ہیں یعنی کفر سے کفر کے قرب ہونا یا کفرانِ نعمت مراد ہے۔ یا یہ حدیث حرمت کا علم ہونے کے باوجود اُس کو حلال سمجھنے والے پر محمول ہے۔

باب تسمية العبد الابق كافراً

۲۲۵۔ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، قال: نَا إِسْمَاعِيلُ (يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ) عَنْ مَنْصُورِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَرِيرٍ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ :أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ مِنْ مَوَالِيهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَيْهِمْ. قَالَ مَنْصُورٌ :قَدْ وَاللهِ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنِّي أَكْرَهُ أَنْ يُرْوَى عَنِّي هَاهُنَا بِالْبَصْرَةِ. (ص:۵۸،سطر:۱۰،۱۱)

تشریح

قوله : أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ مِنْ مَوَالِيهِ فَقَدْ كَفَرَ... (ص:۵۸،سطر:۱۱)

ابق میں باء کا فتحہ بھی جائز ہے اور کسرہ بھی لیکن فتحہ زیادہ فصیح ہے [1] اور کفر میں یہاں بھی وہی تفصیل ہے جو پیچھے بار بار بیان ہوئی۔ یعنی کفرانِ نعمت یا کفر کے قریب ہونا یا حرام ہونے کے باوجود حلال سمجھنا۔

قوله : قَالَ مَنْصُورٌ :قَدْ وَاللهِ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنِّي أَكْرَهُ أَنْ يُرْوَى عَنِّي هَاهُنَا بِالْبَصْرَةِ. (ص:۵۸،سطر:۱۱)

منصور کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ میں نے یہ حدیث عام لوگوں کے سامنے تو مرفوعاً نہیں سنائی بلکہ موقوفاً علی جریر روایت کی ہے مگر درحقیقت یہ حدیث مرفوع ہے یعنی حضرت جریرؓ نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے ظاہر سے اپنے باطل مذہب کی تائید کا دعویٰ کر سکتے تھے حالانکہ اس کے ظاہری معنٰی مراد نہیں ہیں اس لئے منصور نے اس کو بصرہ میں مرفوعاً بیان کرنا پسند نہیں کیا کیونکہ بصرہ خوارج کا گڑھ تھا وہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے حق

(۱) شرح النووی ج۱ص۵۹۔

میں استعمال کرسکتے تھے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ جب اور جہاں صحیح روایت کا بیان کرنا دینی مصلحت کے خلاف ہو مثلاً یہ اندیشہ ہو کہ بعض سامعین اس حدیث کا مطلب غلط سمجھ بیٹھیں گے یا دوسروں کو گمراہ کرنے کے لئے غلط مطلب بتائیں گے وہاں ایسی حدیث بیان نہ کرنا چاہئے کیونکہ ہر حدیثِ صحیح کو ہر جگہ بیان کرنا مناسب نہیں ہوتا لہٰذا موقع محل دیکھ کر بیان کرنا چاہئے۔

۲۲۶ـ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ دَاوُدَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ. (ص:۵۸،سطر:۱۲)

تشریح

قوله : فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ (ص:۵۸،سطر:۱۲)

اس حدیث میں ذمۃ سے مراد ضمانت، حمایت، حفاظت اور امان ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ غلام فرار ہونے سے پہلے اپنے مالک کی قید اور سزا سے شرعاً محفوظ تھا مگر اب بھگوڑا ہونے کی وجہ سے محفوظ اور مامون نہ رہا۔[2]

۲۲۷ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ : كَانَ جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِذَا أَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ. (ص:۵۸،سطر:۱۲،۱۳)

تشریح

قوله : لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ (ص:۵۸،سطر:۱۳)

یہاں صحتِ اسلام کی نفی مراد نہیں۔ قبولیت کی نفی مراد ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ نماز تو ہو جائیگی یعنی ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا مگر ثواب نہ ملے گا۔[3]

---

(۱) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۳۲۸۔

(۲) فتح الملہم ج۲ص۲۵۔

(۳) فتح الملہم ج۱ص۴۹۔

باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء

۲۲۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ فِي إِثْرِ السَّمَاءِ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ :هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا :اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: قَالَ :أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ :مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَرَحْمَتِهِ فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ (ص:۵۹،سطر:۲)

تشریح

قوله : فِي إِثْرِ السَّمَاءِ (ص:۵۹،سطر:۲)

اس میں لفظِ اثر اور اَثر دونوں ہم معنٰی الفاظ ہیں۔اور بَعْد کے معنٰی میں ہیں اور سماء ہر اوپر والی چیز کو کہتے ہیں چنانچہ بادل کو بھی کہتے ہیں مگر یہاں بارش مراد ہے [۱] اور فِي إِثْرِ السَّمَاءِ کا مطلب یہ ہے ''بارش کے بعد''۔

قوله : مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا (ص:۵۹،سطر:۳)

ناء ینوء نوءاً طلوع وغروب دونوں معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔اور یہ اضداد میں سے ہے [۲] اور کذا و کذا سے ستارے مراد ہیں اور یہ کل اٹھائیس ستارے ہیں جو منازلِ قمر کہلاتے ہیں جب اُن میں سے ایک ستارہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے تو اُسی وقت ایک ستارہ مغرب میں غروب ہوتا ہے یہاں تک کہ سال بھر میں ان کا یہ عمل پورا ہوجاتا ہے اور ہر ستارے کے حصہ میں تقریباً تیرہ دن آتے ہیں جن کو باہم ضرب دینے سے ۳۶۴ دن ہوجاتے ہیں۔ [۳]

زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بارش ان ستاروں کے طلوع وغروب سے ہوتی ہے اور اسے وہ بارش کے لئے علت اور مؤثرِ حقیقی مانتے تھے۔ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ کفر ہے کیونکہ ضروریاتِ

---

(۱) صیانۃ صحیح مسلم ص۲۵۰۔

(۲) مجمع بحار الانوار ج۴ص۸۱۵۔

(۳) فتح الملہم ج۲ص۲۵۔

دین کے خلاف ہے ـــــ لیکن اگر کوئی شخص علت اور مؤثر حقیقی اللہ ہی کو مانتا ہو مگر بطورِ علامت یا سبب کے اس کو کسی ظاہری علامت یا سبب کی طرف نسبت کر دے تو یہ کفر نہیں مثلاً آج کل محکمۂ موسمیات والے کہتے ہیں کہ فلاں علاقے میں ہوا کے دباؤ کی کمی کی وجہ سے بارش ہوگی یا بارش ہونے کا امکان ہے یہ اسی میں داخل ہے اور کفر نہیں کیونکہ یہ سبب کی طرف نسبت ہے یہی حکم دواؤں کے بارے میں ہے کہ ان کو شفا کے لئے علت اور مؤثر حقیقی ماننا کفر ہے اور سبب کے درجہ میں ماننا کفر نہیں۔ [1]

۲۳۰۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ بَرَكَةٍ إِلَّا أَصْبَحَ فَرِيقٌ مِنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِينَ، يُنْزِلُ اللهُ الْغَيْثَ فَيَقُولُونَ :الْكَوْكَبُ كَذَا وَكَذَا "وَفِي حَدِيثِ الْمُرَادِيِّ :بِكَوْكَبِ كَذَا وَكَذَا. (ص:۵۸،سطر:۵،۶)

تشریح

قوله : مِنْ بَرَكَةٍ (ص:۵۸،سطر:۶)

یعنی بارش۔

۲۳۱۔ حَدَّثَنِي عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ،... (الی قوله) ...حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ :مُطِرَ النَّاسُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَصْبَحَ مِنَ النَّاسِ شَاكِرٌ وَمِنْهُمْ كَافِرٌ، قَالُوا :هَذِهِ رَحْمَةُ اللهِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ :لَقَدْ صَدَقَ نَوْءُ كَذَا وَكَذَا" قَالَ: فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ :(فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ) حَتَّى بَلَغَ: (وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ). (ص:۵۹، سطر:۷تا۹)

تشریح

قوله : لَقَدْ صَدَقَ (ص:۵۹،سطر:۹)

اس کے معنٰی ہیں سچ کر دکھایا یعنی اثر کیا۔

قوله : "أَصْبَحَ مِنَ النَّاسِ شَاكِرٌ وَمِنْهُمْ كَافِرٌ، (ص:۵۹،سطر:۹)

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۳۲۵، علم نجوم کے بارے میں تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ فرمائیں: فتح الملہم ج۲ص۲۷تا۳۰۔

قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ اس حدیث میں ''شاکر'' کے معاملے میں ''کافر'' کا آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کفر سے مراد کفرانِ نعمت اور انکارِ نعمت ہے حقیقی کفر یعنی اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا مراد نہیں ہے۔ (۱)

قولہ : وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ ...الخ (ص:۵۹،سطر:۹)

یعنی تم نعمت کا یہ شکر ادا کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے لگے ہو۔(۱)

باب الدليل على أن حب الانصار وعليؓ من الايمان...الخ

۲۳۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى،...(الى قوله)... عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَبْرٍ، قَالَ :سَمِعْتُ أَنَسًا، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :آيَةُ الْمُنَافِقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ، وَآيَةُ الْمُؤْمِنِ حُبُّ الْأَنْصَارِ (ص:۵۹،سطر:۹،۱۰)

تشریح

قولہ :آيَةُ الْمُنَافِقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ، وَآيَةُ الْمُؤْمِنِ حُبُّ الْأَنْصَارِ (ص:۵۹،سطر:۳)

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر کوئی آدمی دل میں ایمان نہ رکھتا ہو لیکن انصار سے محبت رکھتا ہو تو کیا وہ شخص مؤمن ہو جائے گا، اسی طرح اگر ایک شخص مؤمن ہے مگر کسی انصار سے جھگڑا ہو گیا اور دشمنی ہوگئی تو کیا وہ شخص کافر ہو جائے گا؟

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہاں آیۃ بمعنٰی علامت فرمایا ہے کہ انصار سے بغض منافق ہونے کی علامت ہے اور انصار سے محبت مؤمن ہونے کی علامت ہے اور محبت اور بغض ایمان یا نفاق کی علت نہیں فرمایا اور آپ کو معلوم ہے کہ کبھی علامت علامت والے سے جدا بھی ہو جاتی ہے لہٰذا کوئی اشکال کی بات نہیں۔ (۳)

۲۳۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ، يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقَارِيَّ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا يُبْغِضُ الْأَنْصَارَ رَجُلٌ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (ص:۶۰،سطر:۳،۴)

---

(۱) اکمال المعلم ج۱ص۳۳۲۔

(۲) تفسیر معارف القرآن ج۸ص۲۸۲، تفسیر سورۃ الواقعہ۔

(۳) فتح الملہم ج۲ص۳۰،۳۱۔

تشریح

قوله : اَلْقَارِیُّ (ص:۶۰،سطر:۴)

اس میں یا پر تشدید ہے قاریّ جو قبیلہ قارہ کی طرف منسوب ہے۔ (نووی[1]) اردو میں قاری جس معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے وہ یہاں مراد نہیں۔

۲۳۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَاللَّفْظُ لَهُ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ زِرٍّ، قَالَ :قَالَ عَلِيٌّ: وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ، وَبَرَأَ النَّسَمَةَ، إِنَّهُ لَعَهْدُ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيَّ :أَنْ لَا يُحِبَّنِي إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يُبْغِضَنِي إِلَّا مُنَافِقٌ. (ص:۶۰،سطر:۵تا۷)

تشریح

قوله : وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ، (ص:۶۰،سطر:۶)

الحبّ بیج اور دانہ کو کہتے ہیں۔ یعنی قسم ہے اُس ذات کی جس نے بیج کو پھاڑ کر اس سے کونپل اور پودے اُگائے۔ اس قسم میں ایسے افعال ذکر کئے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہیں اور ان کے بنانے سے انسان عاجز ہے۔

قوله : وَبَرَأَ (ص:۶۰،سطر:۶)

یعنی پیدا کیا۔[2]

قوله : النَّسَمَةَ، (ص:۶۰،سطر:۶)

یعنی جاندار۔[3]

سوال: بظاہر یہ حدیث مشکل ہے اور شیعہ اس کی بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ ہم حضرت علیؓ سے سب سے زیادہ محبت رکھنے والے ہیں۔

---

(۱) شرح النوویؒ ج۱ص۶۰۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۸۴۔

(۳) الدیباج ج۱ص۱۸۸۔

اوّلاً تو انکا محبت کا دعویٰ ہی نا قابلِ تسلیم ہے کیونکہ یہ لوگ بہت سی ایسی باتوں کے قائل ہیں اور ایسے اعمال کو اپنے مذہب کا حصہ بنائے ہوئے ہیں جو حضرت علیؓ کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہیں اور جو اپنے محبوب کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہو وہ ان کا محبّ کیسے ہوسکتا ہے اور ثانیاً اصل جواب یہ ہے کہ ان کو حضرت علیؓ سے اگر محبت ہے تو وہ ایسی طبعی محبت ہے جو شریعت کے مطابق نہیں مثلاً ایسی محبت کرنا کہ حضرت علیؓ کے خدا ہونے کا دعویٰ کرنے لگیں یا شریعت کے خلاف کوئی اور عمل یا قول اختیار کرنے لگیں۔ خلاصہ یہ کہ یہاں محبت سے مراد ایسی محبت ہے جو شرعی حدود میں ہو اور جو محبت شرعی حدود سے باہر ہو وہ شریعت کی اصطلاح میں محبت نہیں اور شیعہ کی محبت ایسی ہی ہے۔ (۱)

قوله : وَلَا يُبْغِضَنِي إِلَّا مُنَافِقٌ (ص:۶۰،سطر:۷)

سوال: اس سے شیعہ حضرت معاویہؓ کے نفاق پر استدلال کرتے ہیں، کیونکہ ان کی حضرت علیؓ سے جنگ ہوئی تھی۔ جس کو جنگ صفین کہتے ہیں۔

جواب: جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی آپس میں جو جنگِ صفین ہوئی وہ بغض کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک شرعی مسئلے میں اجتہادی اختلاف کی بنیاد پر تھی۔ (۲) جس کے متعدد دلائل اور قرائن ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جنگِ صفین کے موقع پر حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ کل ہمارا حضرت معاویہؓ سے مقابلہ ہے۔ اگر ہمارا کوئی آدمی مارا گیا تو وہ شہید ہوگا یا نہیں؟ فرمایا وہ شہید ہوگا پھر پوچھا کہ اگر حضرت معاویہؓ کے آدمی مارے گئے؟ فرمایا تو وہ بھی شہید ہونگے۔ یہی سوال حضرت معاویہؓ سے بھی کیا گیا انہوں نے بھی اس کا وہی جواب دیا جو حضرت علیؓ نے دیا تھا (۳) اور اسی قسم کے سوال وجواب جنگِ جمل میں بھی ہوئے تھے۔ جس میں حضرت عائشہؓ سے جنگ ہوئی تھی۔

باب نقصان الایمان بنقص الطاعات...الخ

۲۳۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ الْمِصْرِيُّ،...(الی قوله)...عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ :يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ، تَصَدَّقْنَ وَأَكْثِرْنَ الِاسْتِغْفَارَ، فَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ

(۱) درس مسلم: ج۱،ص۴۲۷۔
(۲) فتح الملهم ج:۲،ص:۵۲۔
(۳) مقدمہ ابن خلدون ص۳۸۵فصل:۳۰۔

جَزْلَةٌ :وَمَا لَنَا يَا رَسُولَ اللهِ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ؟ قَالَ :تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ، وَمَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَغْلَبَ لِذِي لُبٍّ مِنْكُنَّ قَالَتْ :يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَالدِّينِ؟ قَالَ: "أَمَّا نُقْصَانُ الْعَقْلِ :فَشَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ تَعْدِلُ شَهَادَةَ رَجُلٍ فَهَذَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ، وَتَمْكُثُ اللَّيَالِيَ مَا تُصَلِّي، وَتُفْطِرُ فِي رَمَضَانَ فَهَذَا نُقْصَانُ الدِّينِ. (ص:۶۰،سطر:۷تا۱۰)

تشریح

قوله : رَأَيْتُكُنَّ (ص:۶۰،سطر:۸)

یہ دیکھنا معراج میں یا نمازِ کسوفِ شمس کے وقت تھا۔ (۱)

قوله : جَزْلَةٌ (ص:۶۰،سطر:۸)

عقل مند عورت۔ (۲)

قوله : وَمَا لَنَا (ص:۶۰،سطر:۸)

اس کے معنٰی ہیں کیا سبب پیش آیا؟

قوله : تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، (ص:۶۰،سطر:۸)

معلوم ہوا کہ عورتوں کی عادت کثرت سے لعن وطعن کرنے کی بہت پرانی ہے۔

قوله : الْعَشِيرَ، (ص:۶۰،سطر:۹)

عشرت کا یعنی زندگی کا ساتھی یعنی شوہر مراد ہے۔ (۳)

قوله : لِذِي لُبٍّ (ص:۶۰،سطر:۹)

خالص عقل والا لُبّ خالص عقل کو کہتے ہیں (۴) معنٰی یہ ہیں کہ خالص عقل والے پر تم سے زیادہ غالب آنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ عقل ودین میں ناقص ہونے کے باوجود بڑے بڑے عقل مند آدمی عورتوں کے فتنہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ مشاہدہ اور واقعات اس پر گواہ ہیں۔ بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بالکل برحق ہے۔

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۳۲۸۔

(۲) فتح الملهم ج۲،ص۳۳۔

(۳) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۱۸۶۔

(۴) مجمع بحار الانوار ج۴ص۴۷۰۔

ایک سوال اور جواب

سوال: یہ تو مردوں کا قصور ہے کہ وہ عورتوں کے فتنہ میں آجاتے ہیں اس کی وجہ سے عورت کیوں جہنم میں جاتی ہے؟

جواب: جہنم میں جانے کی وجہ دین وعقل میں ناقص ہونا یا مردوں کا ان کے فتنہ میں مبتلا ہوجانا نہیں کیونکہ یہ وصف عورتوں کا اختیاری نہیں بلکہ اس کی وجہ وہ ہے جو اسی حدیث میں پہلے بتائی گئی ہے یعنی کثرت سے لعنت کرنا اور شوہر کی ناشکری کرنا۔ رہی یہ بات کہ عقل مند مردوں پر غالب آنا تو یہ بات دو وجہ سے ارشاد فرمائی۔ ایک تو یہ کہ مردوں کو نصیحت کرنا مقصود ہے کہ دیکھو عورتوں کے معاملہ میں احتیاط کرنا ان کے فتنہ میں مبتلا نہ ہونا۔ دوسرے عورتوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ تم ایسے کام اختیار نہ کرو جس کی وجہ سے مرد فتنے میں مبتلا ہوجائیں خلاصہ یہ ہے کہ مرد بھی احتیاط سے کام لیں اور عورتیں بھی۔ (۱)

قوله : قَالَتْ :يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَمَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَالدِّينِ؟ (ص:۶۰،سطر:۹)

یہ سوال بھی خود کم عقلی کی دلیل ہے کیونکہ بکثرت لعنت کرنا اور شوہر کی ناشکری کرنا بھی عقل ودین کی کمی کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرماسکتے تھے کہ اس کا جواب میرے پہلے جملہ میں آچکا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آسانی کے لئے از راہِ شفقت ورحمت زیادہ واضح دلیل ارشاد فرمائی۔ کہ عقل کی کمی کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر قرار دی گئی ہے (۲) اور دین کی کمی یہ ہے کہ عورتیں بہت سے رات ودن اس طرح گزارتی ہیں کہ نفاس اور ماہواری کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتیں اور رمضان میں روزہ نہیں رکھتیں اور یہ کمی اس وجہ سے ہے کہ نماز کی تو قضا نہیں لہٰذا ان دنوں کی نماز کے ثواب سے محروم رہی اور رمضان کے روزوں کی قضا اگرچہ کرتی ہیں مگر رمضان کی فضیلت سے محروم ہیں۔

تنبیہ

بعض مردوں کی عادت ہوگئی ہے کہ وہ عورتوں کو ناقصات العقل والدین کہتے رہتے ہیں مقصود ان کو ملامت کرنا اور ان کو نیچے دکھانا اور ان کا مذاق اڑانا ہوتا ہے اس نیت سے عورتوں کو ایسا کہنا

---

(۱) فتح الملهم (بالاختصار) ج۲ص۳۴،۳۵۔

(۲) سورة البقرة: آیت۲۸۲۔

ناجائز اور حرام ہے اور ایذاءِ مسلم میں داخل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ملامت کے طور پر نہیں بلکہ اس لئے فرمایا تھا کہ وہ اپنی عقل کی کمی کی تلافی اس طرح کریں کہ اپنی عقلوں پر زیادہ بھروسہ نہ کریں بلکہ اپنے خیر خواہ مردوں سے بھی مشورہ کرلیا کریں اور دین کے جو اعمال ان کے کم ہو گئے ہیں ان کی تلافی دوسرے اعمال سے کریں مثلاً صدقہ، خیرات اور کثرت استغفار وغیرہ سے کرنے چنانچہ اسی حدیث کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقہ اور کثرتِ استغفار کی نصیحت فرمائی اور یہ مقصود تھا کہ وہ لعن وطعن اور شوہر کی ناشکری کے گناہ سے بچنے کی کوشش کریں اور مردوں کو فتنہ میں مبتلا کرنے سے اجتناب کریں اور دوسری طرف مردوں کو تنبیہ کرنا بھی مقصود تھا۔ کہ وہ اپنی عقلوں کا استعمال کریں اور فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ عورتوں کا عقل و دین میں ناقص ہونا ان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے اور ملامت غیر اختیاری امور میں نہیں ہوتی۔ (۱)

باب اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ

۲۴۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا :حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي، يَقُولُ :يَا وَيْلَهُ (وَفِي رِوَايَةِ أَبِي كُرَيْبٍ :يَا وَيْلِي) أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ، وَأُمِرْتُ بِالسُّجُودِ فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ . (ص:۶۱،سطر:۱تا۳)

تشریح

قوله : إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ (ص:۶۱،سطر:۱،۲)

ای ایۃ السجدۃ (۲) یعنی سجدہ کی آیت پڑھتا ہے۔

قوله : يَا وَيْلَى (ص:۶۱،سطر:۲)

یہ لام کے فتحہ کے ساتھ ہے آخر میں الف، الف ندبہ کا ہے۔ اور اُسے لام کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے (۳) یعنی ہائے میری ہلاکت، ہائے میری بربادی۔

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۳۳۶،۳۳۷۔

(۲) الدیباج ج۱ص۹۰۔

(۳) شرح النووی ج۱ص۶۱۔

۲۴۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، كِلَاهُمَا عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ يَحْيَى :أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، قَالَ :سَمِعْتُ جَابِرًا، يَقُولُ :سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ (ص:۶۱،سطر:۳ تا ۵)

تشریح

قوله : إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ (ص:۶۱،سطر:۵)

اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز چھوڑنا آدمی اور کفر وشرک کے درمیان ہے یعنی نماز چھوڑنے کا گناہ آدمی اور کفر وشرک کے درمیان واسطہ اور ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس واسطہ کے ذریعے اور اس کے وبال کی وجہ سے کسی بھی وقت وہ کفر میں داخل ہوسکتا ہے[1] کیونکہ اس خطرناک عادت کی وجہ سے اس کا ایمان کمزور ہوجاتا ہے اور وہ کفر کے قریب ہوجاتا ہے۔ واللہ اعلم

باب بيان كون الايمان بالله تعالىٰ افضل الاعمال

۲۴۴۔ حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ أَبِي مُزَاحِمٍ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ح، وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ زِيَادٍ، أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ، يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ :إِيمَانٌ بِاللهِ ، قَالَ :ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ :الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ قَالَ :ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ :حَجٌّ مَبْرُورٌ ، وَفِي رِوَايَةِ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ :إِيمَانٌ بِاللهِ وَرَسُولِهِ (ص:۶۲،سطر:۱،۲)

تشریح

قوله : إِيمَانٌ بِاللّٰهِ (ص:۶۲،سطر:۲)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایمان ہر اعتبار سے سب سے افضل ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ اگلی حدیث کے تحت بیان ہوگی۔

۲۴۶۔ حَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ

---

(۱) فتح الملہم ج۲ص۳۷۔

عُرْوَةَ، ح وَحَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ -وَاللَّفْظُ لَهُ -حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي مُرَاوِحٍ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ :قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ :الْإِيمَانُ بِاللهِ وَالْجِهَادُ فِي سَبِيلِهِ قَالَ: قُلْتُ :أَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ :أَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا وَأَكْثَرُهَا ثَمَنًا قَالَ :قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ أَفْعَلْ؟ قَالَ :تُعِينُ صَانِعًا أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ قَالَ :قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ ضَعُفْتُ عَنْ بَعْضِ الْعَمَلِ؟ قَالَ :تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلَى نَفْسِكَ (ص:۶۲،سطر:۵)

تشریح

قوله : أَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ (ص:۶۲،سطر:۵)

یعنی جو مالکوں کے نزدیک زیادہ عمدہ ہو۔ دلیل اللہ کا ارشاد ہے:۔

"لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ"[1]

قوله : تُعِينُ صَانِعًا (ص:۶۲،سطر:۵)

صانع کہتے ہیں ہنر مند کو۔ یعنی ہنر مندوں کی مدد کرو۔ مدد کرنے کے بہت سے طریقے ہوسکتے ہیں بعضوں کو جسمانی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعضوں کو مال کی اور بعضوں کو سفارش یا مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے اس حدیث سے صنعت وہنر کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے، اور اس کے لئے کسی ہنر مند کی مدد کرنے کی فضیلت بھی ظاہر ہے۔[2]

قوله : تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ (ص:۶۲،سطر:۵)

اخرق غیر ہنر مند کو کہتے ہیں اس کا مؤنث خرقاء ہے۔[3]

قوله : تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ (ص:۶۲،سطر:۵)

اس میں الناس عام ہے لہٰذا ذمی اور مستامن کو بھی شامل ہے کہ ان کو بھی تکلیف دینا جائز نہیں البتہ حربی جب حالتِ جنگ میں ہو وہ اس میں شامل نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شر اور برائی سے رکنا اور بچنا ہی انسان کے فعل اور کسب میں داخل ہے چنانچہ اس پر ثواب بھی ملتا ہے مگر اس کا ثواب نیت کے بغیر نہیں ملتا جیسا کہ امام قرطبیؒ نے

(۱) آل عمران :۹۲۔

(۲) فتح الملهم ج۲ص۴۳۔

(۳) بحوالہ بالا۔

فرمایا ہے۔[1]

۲۴۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ الْعَيْزَارِ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِيَاسٍ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ :سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا قَالَ :قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ :بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ :قُلْتُ :ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَمَا تَرَكْتُ أَسْتَزِيدُهُ إِلَّا إِرْعَاءً عَلَيْهِ (ص:۶۲،سطر:۷تا۹)

تشریح

قوله :أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ :الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا قَالَ :قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ :بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ :قُلْتُ :ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ :الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ (ص:۶۲،سطر:۸،۹)

سوال: احادیث میں ای الاعمال افضل کے جواب میں مختلف اعمال ذکر کئے گئے ہیں۔ اور پیچھے ایک حدیث میں اطعام الطعام وقراءۃ السلام کو افضل الاعمال قرار دیا گیا تھا اس کے بعد ایک حدیث میں المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ کو افضل المسلمین فرمایا گیا اور یہاں ایمان کو افضل فرمایا گیا ہے اور اسی باب میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت میں الصلاۃ لوقتھا کو افضل الاعمال فرمایا گیا ہے بظاہر یہ تعارض ہے۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں:۔

۱ ... مختلف اعمال کو افضل فرمانا دریافت کرنے والوں کے حالات کے اعتبار سے ہے۔ یا وقت کے تقاضوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے اس لئے ان میں کوئی تعارض نہیں۔

۲ ... شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا کہ مختلف حیثیتوں سے مختلف اعمال کو افضل الاعمال قرار دیا گیا ہے مثلاً کھانا کھلانے اور سلام کرنے کی افضلیت اس اعتبار سے ہے کہ اس سے لوگوں میں بھائی چارہ اور محبت پیدا ہوتی ہے اور کھانا کھلانے کو تمام مذاہب میں پسند کیا جاتا ہے جو بالآخر باھمی محبت کا سبب بنتا ہے اور من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ کے عمل کو اس حیثیت سے افضل قرار دیا گیا ہے کہ یہ معاشرہ میں امن وامان پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔[2]

باب بيان كون الشرك اقبح الذنوب وبيان اعظمها بعدهٗ

۲۵۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ إِسْحَاقُ :أَخْبَرَنَا

(۱) فتح الملهم ج۲ص۴۴۔

(۲) كذا في فتح الملهم ج:۲،ص:۳۳۵،۳۳۶۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الملهم ج۱ص۲۱۵تا۲۱۷۔

جَرِيرٌ، وَقَالَ عُثْمَانُ :حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيلَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ؟ قَالَ :أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قَالَ :قُلْتُ لَهُ :إِنَّ ذَلِكَ لَعَظِيمٌ، قَالَ :قُلْتُ :ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ :ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مَخَافَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قَالَ :قُلْتُ :ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ :ثُمَّ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ. (ص:۶۳،سطر:۱،۲)

تشریح

قوله : أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا (ص:۶۳،سطر:۱،۲)

یہ نون کے کسرہ کے ساتھ ہے ندا، مثل کو کہتے ہیں [۱] مراد شریک ہے۔

قوله : ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَکَ مَخَافَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَکَ (ص:۶۳،سطر:۳،۴)

ولد کا لفظ لڑکا اور لڑکی دونوں پر بولا جاتا ہے لہٰذا اردو میں اس کا صحیح ترجمہ ''بچہ'' ہے ولد کے قتل کو اعظم الکبائر میں اس لئے شمار فرمایا ہے کہ یہ متعدد گناہوں کا مجموعہ ہے: مثلاً:

۱ ... معصوم جان کا قتل جو بذاتِ خود گناہِ کبیرہ ہے۔

۲ ... یہ ایسی معصوم جان پر ظلم ہے جو اپنی اولاد میں سے ہے جو شفقت اور توجہ کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

۳ ... قتل کی بنیاد بخل اور خودغرضی ہے کہ اس بات کو برداشت نہیں کرتا کہ وہ باپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہو۔

۴ ... اللہ رب العزت کی صفتِ رزاقیت پر بھروسہ نہ کرنا جس نے ہر جاندار کو روزی دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ [۲]

ضبطِ ولادت کی شرعی حیثیت

آج کل ضبط ولادت کی جوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور اس مقصد کے لئے ایک بڑا سرمایہ خرچ کیا جاتا ہے اہلِ حق اور علماءِ کرام اس مہم کی حوصلہ شکنی کرتے آئے ہیں اس لئے کہ ضبطِ ولادت کی مہم کی

(۱) شرح نوویؒ: ج۱ص۶۳

(۲) فتح الملهم ج۲ص۳۶۔

بنیادی وجہ یہ ہے کہ اہل مغرب اور دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کو ڈرایا ہے کہ اگر آبادی بڑھ گئی تو ان کے لئے اسبابِ معاش مہیا کرنا تمہارے لئے مشکل ہوجائے گا اور دراصل وہ اس مہم کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف سازش کررہے ہیں کہ کسی طرح دنیا کے اندر مسلمانوں کی تعداد کم سے کم ہو مسلمانوں کی افرادی قوت ختم ہوجائے اور وہ اہل مغرب سے ٹکرانے کے بجائے اس کی غلامی کا ہار گردن میں ڈالنے پر مجبور ہوجائیں۔ ضبطِ ولادت کی تحریک میں متعدد نقصانات ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:۔

۱ ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد انّی مکاثر بکم الامم [1] یعنی میں دوسری امتوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا، کے خلاف ہے۔

۲ ... توکل علی اللہ کے خلاف ہے۔

۳ ... اس سے زنا کاری اور بدکاری کا دروازہ کھلتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس عمل کی نظیر عزل ہے جس کا شرعی حکم یہ ہے کہ عذر کی وجہ سے جائز اور بغیر عذر کے مکروہ تنزیہی ہے یہی حکم ضبط ولادت کی دوسری تدابیر کا ہے بشرطیکہ عقیدہ اللہ تعالیٰ صفت کی رزّاقیت کے خلاف نہ ہو۔ البتہ آپریشن کے ذریعہ بچہ دانی کو نکلوا دینا شدید عذر کے بغیر جائز نہیں۔ [2] اس مسئلے کی پوری تفصیل ہمارے حضرت والاؒ کی کتاب ''ضبط ولادت کی شرعی حیثیت'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

قوله : أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ (ص:۶۳، سطر:۴)

یہ تزانی باب مفاعلہ سے ہے زانی یزانی مزاناۃ۔ مزاناۃ کا مطلب یہ ہے کہ زنا کے لئے دوستی اور تعلق قائم کرنا حلیلة کہتے ہیں بیوی کو اور جار پڑوسی کو، اسکو بھی اعظم الکبائر میں اس لئے شمار فرمایا کہ یہ بھی متعدد گناہوں کا مجموعہ ہے۔

۱ ... زنا خود گناہِ کبیرہ۔

۲ ... منکوحہ عورت سے زنا میں شوہر کی شدید حق تلفی ہے۔

۳ ... شوہر بھی وہ جو خود تمہارا پڑوسی ہے تمہارے حُسنِ سلوک اور خیر خواہی کا زیادہ مستحق ہے۔

---

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی "رقم الحدیث": ۵۱۱۳۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص ۳۳۸۔

۴ ... پڑوسی کی عورت کو اپنی طرف راغب کیا اور اس سے دوستی قائم کی جس کے نتیجے میں عورت کی توجہ خاوند سے ہٹ گئی جس کی وجہ سے ان کی ازدواجی زندگی برباد ہوجائے گی۔ (۱)

باب الكبائر وأكبرها

٢٥٥ـ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بُكَيْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ سَعِيدٍ الْجُرَيْرِيِّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ ثَلَاثًا الْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ (أَوْ قَوْلُ الزُّورِ) وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا، فَجَلَسَ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلْنَا :لَيْتَهُ سَكَتَ. (ص:۶۳،سطر:۱،۲)

تشریح

قوله : وَشَهَادَةُ الزُّورِ (ص:۶۳،سطر:۲)

یعنی جھوٹی گواہی۔ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے عدلیہ کا سارا نظام بیکار ہوجاتا ہے اور انصاف کے بجائے ظلم اور ناانصافی عوام کا مقدر بن جاتے ہیں۔ (۲)

٢٥٨ـ حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ :حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قِيلَ :يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا هُنَّ؟ قَالَ :الشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَأَكْلُ الرِّبَا، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصِنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ. (ص:۶۴،سطر:۶ تا ۸)

تشریح

قوله : السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ (ص:۶۳،سطر:۷)

(۱) فتح الملہم ج۲ص۳۶۔
(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: الملہم: ج۱ص۲۸۲۔

یہ موبقہ کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں ہلاک کرنے والی۔[1]

قوله : وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، (ص:۶۳،سطر:۷)

زحف کولہوں کے بل چلنا۔ پھر اُسے لشکر کے معنیٰ میں استعمال کیا جانے لگا کیونکہ جس طرح کولہوں کے بل چلنے والا آہستہ چلتا ہے اسی طرح بڑا لشکر بھی آہستہ چلتا ہے اور لشکر ذریعہ ہوتا ہے جنگ کا اس لئے زحف جنگ کو بھی کہتے ہیں اور یہاں زحف سے جنگ ہی مراد ہے۔[2]

قوله : الْغَافِلَاتِ (ص:۶۳،سطر:۸)

اس کے معنیٰ ہیں بھولی بھالی۔[3]

۲۵۹ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ الْهَادِ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوا :يَا رَسُولَ اللهِ، وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ :نَعَمْ يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ. (ص:۶۳،سطر:۹)

تشریح

قوله : هَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ (ص:۶۳،سطر:۹)

شتم اور سب کے دونوں کے معنیٰ ہیں گالی دینا[4] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ عام طور پر آدمی خود تو اپنے والدین کو گالی نہیں دیتا لیکن دوسرے کے والدین کو دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اس کے والدین کو گالی دینے لگتا ہے اس طرح سے یہ سبب بنتا ہے اپنے والدین کو گالی دینے کا۔ گویا اس نے اپنے والدین کو گالی دی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح گناہ حرام ہے اسی طرح گناہ کا جان بوجھ کر سبب بننا بھی حرام ہے۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اہلِ باطل کے بڑوں کو گالی دینا درست نہیں۔ قرآنِ

---

(۱) المفهم ج۲ص۲۸۲۔

(۲) مجمع بحار الأنوار ج۲ص۳۴۲۔

(۳) علامہ عثمانیؒ نے فرمایا: الغافلات ای عن الاهتمام بالفاحشة، كناية عن البريئات، فان البرئ غافل عما بهت به۔(فتح الملهم ج۲ص۵۴)

(۴) فتح الملهم عن الغزالیؒ ج۲ص۵۴۔

کریم میں ہے:

"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ"(۱)

اس میں مشرکین کے بتوں کو بھی گالی دینے سے اسی لئے منع فرمایا گیا ہے۔(۲)

باب تحريم الكبر وبيانه

۲۶۱ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ دِينَارٍ، جَمِيعًا عَنْ يَحْيَى بْنِ حَمَّادٍ، قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى :حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبَانَ بْنِ تَغْلِبَ، عَنْ فُضَيْلٍ الْفُقَيْمِيِّ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ :إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً، قَالَ :إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ، وَغَمْطُ النَّاسِ. (ص:۶۵،سطر:۱تا۳)

تشریح

قوله : مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ (ص:۶۵،سطر:۲)

اگر یہ شخص مؤمن ہے جس کے دل میں ذرا سا بھی کبر ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اسے جنت میں دخولِ اوّلی نصیب نہ ہوگا۔(۳)

قوله : بَطَرُ الْحَقِّ، (ص:۶۵،سطر:۳)

اس میں باء اور طاء دونوں پر فتحہ ہے اور بطر اسے کہتے ہیں کہ حق کو جاننے کے بعد حق بات کو ٹھکرانا۔(۴) یہ تکبر کی علامت ہے اور اس کا نتیجہ ہے۔

قوله : وَغَمْطُ النَّاسِ. (ص:۶۵،سطر:۳)

---

(۱) سورۃ الانعام:۱۰۸۔

(۲) اکمال المعلم ج۱ص۳۵۸،۵۳۷۔

(۳) فتح الملهم ج۲ ۵۵۲۔

(۴) النهاية ج۱ص۱۳۵۔

اس کے معنیٰ ہیں لوگوں کو حقیر سمجھنا۔

حقیقت تکبر کی یہی ہے کہ دوسرے کو حقیر سمجھے۔ چنانچہ کسی کافر ومشرک اور کتے کو بھی اپنے سے حقیر سمجھنا کبر میں داخل ہے۔

ایک سوال اور جواب

سوال: قرآنِ مجید میں ہے:۔

"وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ"(۱)

حالانکہ ابھی کہا گیا ہے کہ کسی مشرک کو بھی اپنے سے حقیر سمجھنا کبر میں داخل ہے۔

جواب

کسی مشرک کو حقیر سمجھنا کبر میں اس وقت داخل ہے کہ جب مومن یہ سمجھے کہ میں مآل اور انجام کے اعتبار سے بھی کافر ومشرک سے افضل ہوں حالانکہ مآل اور انجام کا کسی کو بھی علم نہیں، ممکن ہے کہ معاملہ الٹ ہوجائے کہ مشرک کا خاتمہ ایمان پر ہو اور مومن کا خاتمہ شرک پر۔ اور قرآنِ کریم میں جو فرمایا گیا ہے کہ عبدِ مومن بہتر ہے عبدِ مشرک سے۔ یہ مآل اور انجام کے اعتبار سے ہے البتہ نفسِ کفر وشرک کو ہر حال میں نفسِ ایمان سے حقیر ہی سمجھنا ضروری ہے نہ کہ کافر ومشرک کی ذات کو اپنے سے حقیر سمجھنا۔(۲)

۲۶۲۔ حَدَّثَنَا مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيمِيُّ،...(الی قوله)... عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ، وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرِيَاءَ. (ص:۶۵،سطر:۳،۴)

تشریح

قوله : لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ (ص:۶۵،سطر:۲)

اگر مومن گناہگار ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں داخل نہ ہوگا جو کفار کے ساتھ خاص ہے خلاصہ یہ کہ یہاں النار میں الف لام عہدِ خارجی کا ہے اور اس سے مراد

(۱) سورة البقرة :۲۲۱

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۴۴۱۔

ہمیشہ کی آگ ہے۔[1]

۲۶۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ. (ص:۶۵، سطر:۴،۵)

تشریح

قوله : لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ (ص:۶۵، سطر:۵)

یعنی کبر اتنا بڑا اور سنگین گناہ ہے اگر تھوڑا سا بھی کبر کسی کے دل میں ہوا تو جنت میں داخل نہ ہوگا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ مرض اس قدر مخفی ہے کہ اکثر صاحب مرض کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا کہ وہ تکبر میں مبتلا ہے۔ اسلام نے تواضع اور عزتِ نفس دونوں کا اہتمام کرنے کا حکم دیا ہے ان دونوں کو حد اعتدال کے ساتھ جمع کرنا بسا اوقات مشکل ہوتا ہے۔ مثلاً: تواضع حد سے بڑھ جائے تو نفس کو ذلیل کرنا ہے جو ممنوع ہے اور اگر عزتِ نفس حد سے بڑھ جائے تو وہ عجب یا تکبر بن جاتا ہے اس لئے اپنے آپ سے غافل نہ رہنا چاہئے اور اس مرض سے بچنے کے لئے شیخ کامل سے رجوع کرنا چاہئے۔

باب الدليل على أن من مات لايشرك بالله

۲۶۹۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ،... (الی قوله)... أَنَّ أَبَا الْأَسْوَدِ الدِّيلِيَّ حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا ذَرٍّ حَدَّثَهُ، قَالَ :أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ عَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضُ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَإِذَا هُوَ نَائِمٌ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ وَقَدِ اسْتَيْقَظَ فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: "مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ :لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ" قُلْتُ :وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ :وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ :وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ :وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ فِي الرَّابِعَةِ :عَلَى رَغْمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ قَالَ :فَخَرَجَ أَبُو ذَرٍّ وَهُوَ يَقُولُ :وَإِنْ رَغِمَ أَنْفُ أَبِي ذَرٍّ. (ص:۶۶، سطر:۷تا۱۰)

تشریح

قوله : ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذٰلِکَ (ص:۶۶، سطر:۹)

(۱) الدیباج ج۱ص۱۹۵ (بالاختصار)۔

اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

ایک یہ کہ مرتے وقت بھی اس نے کلمہ کو پڑھا اگر یہ معنٰی مراد لئے جائیں تو اس حدیث سے اُس مومن شخص کے حق میں جنت کی یہ بشارت ثابت نہ ہوگی جس کو مرتے وقت کلمہ پڑھنا نصیب نہ ہوا۔ جبکہ ایک حدیث جو پیچھے گزر چکی ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ "من قال لا اله الا الله دخل الجنة" اس سے یہ بشارت مذکورہ مومن کے لئے بھی ثابت ہے لہٰذا حدیثِ باب کا دوسرا مطلب جو دوسری احادیث کے زیادہ موافق ہے یہ ہے کہ اس کلمہ پر ایمان کیساتھ اس کا انتقال ہوا اور اس کے خلاف کوئی عقیدہ اور قول اختیار نہ کیا ہو اگر چہ مرتے وقت اس کی زبان پر یہ کلمہ نہ ہو۔[1]

قوله : عَلَى رَغْمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ　　(ص:۶۶، سطر:۹)

یعنی "باوجود ابو ذر کی ناک کے خاک آلود ہونے کے" اس جملہ سے رسوا ہونا مراد ہے کہ اگر چہ ابوذر اس میں اپنی رسوائی سمجھیں کہ ایسا شخص جنت میں کیوں داخل ہو گیا پھر بھی وہ جنت میں جائے گا[2] اور یہاں علیٰ بمعنٰی مع ہے۔

باب تحريم قتل الكافر بعد قوله لا اله الا الله

۲۷۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ،...(الى قوله)...عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَقَاتَلَنِي، فَضَرَبَ إِحْدَى يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا، ثُمَّ لَاذَ مِنِّي بِشَجَرَةٍ، فَقَالَ :أَسْلَمْتُ لِلَّهِ، أَفَأَقْتُلُهُ يَا رَسُولَ اللهِ، بَعْدَ أَنْ قَالَهَا؟ قَالَ :رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقْتُلْهُ قَالَ :فَقُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّهُ قَدْ قَطَعَ يَدِي، ثُمَّ قَالَ ذَلِكَ بَعْدَ أَنْ قَطَعَهَا، أَفَأَقْتُلُهُ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تَقْتُلْهُ فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ، وَإِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ كَلِمَتَهُ الَّتِي قَالَ۔ (ص:۶۷، سطر:۱تا۴)

---

(۱) درس مسلم ج۱ ص۳۴۳۔

(۲) صيانة صحيح مسلم ص۲۷۸۔

تشریح

قولہ : ثُمَّ لَاذَ مِنِّی (ص:۶۷،سطر:۲)

لا ذ،یلوذ، لوذاً کے معنٰی میں ہیں پناہ لینا ترجمہ یہ ہوگا کہ پھر اُس نے مجھ سے بچنے کے لئے درخت کی پناہ لی۔ (۱)

قولہ : أَفَأَقْتُلُهُ؟ (ص:۶۷،سطر:۲)

اس لئے کہ ظاہر سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ وہ محض اپنی جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے دل میں ایمان نہیں یعنی تقیہ کر رہا ہے۔

قولہ : لَا تَقْتُلْهُ (ص:۶۷،سطر:۳)

کیونکہ دل کا حال تمہیں معلوم نہیں تم کسی کے باطن کی جستجو کرنے کے مکلف نہیں بلکہ ظاہر کے مکلف ہو۔ (۲)

قولہ : فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِکَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ، (ص:۶۷،سطر:۴)

یعنی وہ تیرے اس درجہ پر پہنچ جائے گا جہاں تم اس کو قتل کرنے سے پہلے تھے یعنی بے گناہ تھے تو اب وہ بے گناہ ہوجائے گا کیونکہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے پچھلے گناہ معاف ہوگئے اب اُسے قتل کرنا ناحق ہوگا۔ (۳)

قولہ : وَإِنَّکَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ یَقُولَ کَلِمَتَهُ الَّتِی قَالَ... (ص:۶۷،سطر:۴)

اور تو اُس مقام پر پہنچ جائے گا جہاں وہ اسلام سے پہلے تھا اور وہ مقامِ کفر ہے۔پچھلے جملہ میں تو کوئی اشکال نہیں تھا البتہ اس دوسرے جملہ میں اشکال ہے کہ وہ قتل کے جرم کی وجہ سے کافر ہوجائے گا حالانکہ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں ہوتا بخلاف خوارج کے ان کے نزدیک کافر ہوجاتا ہے۔

لہٰذا اہلِ سنت والجماعت نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ اس میں مکمل مشابہت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ کلمہ اسلام پڑھنے سے پہلے مقتول میں دو خرابیاں تھیں ایک کفر دوسرے

---

(۱) المفہم ج۱ص۲۹۳ وفتح الملہم ج۲ص۶۰۔

(۲) درسِ مسلم ج۱ص۳۳۳۔

(۳) المفہم ج۱ص۲۹۴۔

مسلمان سے لڑنا۔ یہاں دوسری خرابی بیان کرنا مقصود ہے یعنی تو مسلمانوں سے لڑانے والا ہوجائے گا۔ (۱)

اس تاویل کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ قرآن وحدیث کے واضح دلائل سے ثابت ہے کہ ارتکاب کبیرہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔

سوال

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث میں اور اس جیسی دوسری احادیث اور بعض قرآنی آیات میں قاتل کے متعلق ایسے الفاظ کیوں استعمال کئے گئے ہیں جن کا ظاہر مراد نہیں۔ اگر ایسے الفاظ استعمال نہ کئے جاتے تو کسی تاویل کی ضرورت ہی نہ ہوتی؟

جواب

جواب یہ ہے کہ ایسے الفاظ قصداً اس مصلحت سے استعمال کئے گئے ہیں کہ ان کو سن کر شروع ہی میں لوگ ڈر جائیں اور اس گناہ سے بچنے کی پوری کوشش کریں۔ (۲)

۲۷۱۔حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا :أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ح، وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ ح، وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ جَمِيعًا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ .أَمَّا الْأَوْزَاعِيُّ، وَابْنُ جُرَيْجٍ فَفِي حَدِيثِهِمَا قَالَ :أَسْلَمْتُ لِلَّهِ كَمَا قَالَ اللَّيْثُ .وَأَمَّا مَعْمَرٌ فَفِي حَدِيثِهِ :فَلَمَّا أَهْوَيْتُ لِأَقْتُلَهُ قَالَ :لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ. (ص:۶۷،سطر:۴تا۶)

تشریح

قوله : فَلَمَّا أَهْوَيْتُ لِأَقْتُلَهُ (ص:۶۷،سطر:۶)

یعنی جب میں اس کی طرف قتل کرنے کے لئے مائل ہوا۔ (۳)

۲۷۲۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ :أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ

(۱) كذا في اكمال المعلم ج۱،ص۳۶۸۔

(۲) فتح الملهم ج۱،ص۲۰ بالاختصار۔

(۳) النهاية ج۵ص۲۸۵۔

ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ :حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ ثُمَّ الْجُنْدَعِيُّ، أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ أَخْبَرَهُ أَنَّ الْمِقْدَادَ بْنَ عَمْرِو ابْنِ الْأَسْوَدِ الْكِنْدِيَّ، وَكَانَ حَلِيفًا لِبَنِي زُهْرَةَ، وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ اللَّيْثِ. (ص:۶۷،سطر:۷تا۹)

تشریح

قوله : أَنَّ الْمِقْدَادَ بْنَ عَمْرِو ابْنِ الْأَسْوَدِ الْكِنْدِيَّ، (ص:۶۷،سطر:۸)

ابن کا ھمزہ جب دو ناموں کے درمیان آجائے تو لکھنے اور بولنے دونوں میں ساقط ہوجاتا ہے البتہ چند مواقع مستثنیٰ ہیں جن میں سے چند یہ ہیں کہ ابن جب ماقبل کی صفت نہ ہو تو ایسی صورت میں ابن کا ھمزہ لکھنے سے ساقط نہ ہوگا یہاں یہی صورت ہے کیونکہ مقداد عمرو کے بیٹے ہیں اور اسود کندی کے متبنیٰ ہیں اس لئے بعض مرتبہ ان کو مقداد بن عمرو اور بعض مرتبہ مقداد بن اسود کہا جاتا ہے اور کبھی دونوں کو ذکر کردیا جاتا ہے جیسے یہاں عمرو اور اسود دونوں کا ذکر ہے چنانچہ یہاں ابن الاسود میں ابن کو منصوب پڑھا جائے گا کیونکہ یہ مقداد کی صفت ہے نہ کہ عمرو کی اور اسی وجہ سے ابن کے ھمزہ کو کتابت میں ساقط نہیں کیا گیا۔ (۱)

۲۷۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ ح، وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ،...(الى قوله)...عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ (وَهَذَا حَدِيثُ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ) قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ، فَصَبَّحْنَا الْحُرَقَاتِ مِنْ جُهَيْنَةَ، فَأَدْرَكْتُ رَجُلًا فَقَالَ :لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، فَطَعَنْتُهُ فَوَقَعَ فِي نَفْسِي مِنْ ذَلِكَ، فَذَكَرْتُهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَقَتَلْتَهُ؟ قَالَ :قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السِّلَاحِ، قَالَ: أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا؟ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتَّى تَمَنَّيْتُ أَنِّي أَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ، قَالَ :فَقَالَ سَعْدٌ :وَأَنَا وَاللهِ لَا أَقْتُلُ مُسْلِمًا حَتَّى يَقْتُلَهُ ذُو

(۱) صیانۃ صحیح مسلم ص۲۸۶ والدیباج ج۱ص۱۹۷۔

الْبُطَيْنِ يَعْنِي أُسَامَةَ، قَالَ :قَالَ رَجُلٌ :أَلَمْ يَقُلِ اللهُ: (وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ)؟ فَقَالَ سَعْدٌ :قَدْ قَاتَلْنَا حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ، وَأَنْتَ وَأَصْحَابُكَ تُرِيدُونَ أَنْ تُقَاتِلُوا حَتَّى تَكُونَ فِتْنَةٌ. (ص:۶۷،سطر۹،۱۰تاص:۶۸،سطر:۳)

تشریح

قوله : فَصَبَّحْنَا (ص:۶۸،سطر:۱)

یعنی حضرت اُسامہ نے صبح کے وقت حملہ کیا[1] اور شب خون مارا اور رات میں حملہ عموماً رات کے آخری حصہ میں کیا جاتا ہے جس کے فوراً بعد صبح ہو جاتی ہے۔

قوله : الْحُرَقَاتِ مِنْ جُهَيْنَةَ، (ص:۶۸،سطر:۱)

الحرقات یہ قبیلۂ جهينة کی ایک شاخ ہے۔[2]

قوله : فَوَقَعَ فِي نَفْسِي مِنْ ذَلِكَ، (ص:۶۸،سطر:۱)

یعنی میرے دل میں خوف پیدا ہوا کہ میں نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا ہے۔

قوله : أَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَقَتَلْتَهُ؟ (ص:۶۸،سطر:۱،۲)

یہ استفہامِ توبیخ ہے۔ یعنی ڈانٹ ڈپٹ کے لئے سوال ہے۔

قوله : إِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السِّلَاحِ (ص:۶۸،سطر:۲)

حضرت اُسامہ کا یہ عذر آپ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا[3] جیسے کہ اگلے جملہ سے ظاہر ہے۔

قوله : أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ (ص:۶۸،سطر:۱)

یعنی اگر مسلمان ہونے کا مدار دل ہی پر ہے تو تم نے اس کے سینہ کو چیر کر دل کیوں نہیں دیکھا اصل عبارت یہ ہے ''افلا شققت صدره عن قلبه'' یہ استفہامِ تعجیز ہے کہ تم اس کے دل کا حال سینہ چیر کر بھی معلوم نہیں کر سکتے تھے کہ اس میں ایمان تھا یا نہیں لہٰذا تم صرف ظاہر کے مکلف تھے باطن کے نہیں۔[4]

---

(۱) فتح الملهم ج۲ص۲۱۔

(۲) المفهم میں علامہ قرطبیؒ نے فرمایا: هو موضع معروف من بلاد جهينة يسمى بجمع المؤنث السالم كعرفات واذرعات" (۲۹۶/۱)

(۳) المفهم ج۱ص۲۹۶۔

(۴) المفهم ج۱ص۲۹۶۔

قوله : أَنِّي أَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ، (ص:۶۸،سطر:۲)

کیونکہ اگر آج مسلمان ہوتا تو الاسلام یھدم ما کان قبلہ کے قانون کے تحت یہ گناہ بھی معاف ہو جاتا۔[1]

قوله : فَقَالَ سَعْدٌ (ص:۶۸،سطر:۲)

معلوم ہوا کہ جس مجلس میں یہ حدیث بیان ہوئی اُس میں حضرت سعد بن وقاصؓ بھی موجود تھے۔

قوله : حَتَّى يَقْتُلَهُ ذُو الْبُطَيْنِ (ص:۶۸،سطر:۳)

البطین، بطن کی تصغیر ہے اور ذو البطین چھوٹے سے پیٹ والا۔ اس سے حضرت اُسامہ مراد ہیں۔[2] حاصل یہ ہے کہ حضرت سعد بن وقاصؓ نے فرمایا کہ جب تک اُسامہ کسی مسلمان کو قتل نہ کریں گے۔ اس وقت تک میں بھی کسی مسلمان کو قتل نہ کروں گا اور ظاہر ہے کہ مذکورہ واقعہ کے بعد حضرت اسامہؓ کسی مسلمان کو کیسے قتل کر سکتے تھے؟ جس کا حاصل یہ ہے کہ میں کسی مسلمان کو قتل نہیں کروں گا۔ حضرت سعدؓ نے یہ بات اُس وقت فرمائی جب چند جوشیلے لوگ مشاجراتِ صحابہ جیسے جنگِ جمل اور صِفّین کے زمانہ میں قتال کی تبلیغ کر رہے تھے۔

حضرت سعدؓ مشاجراتِ صحابہ کے وقت اُن صحابہٴ کرام میں شامل تھے جو قتال سے بالکل الگ رہے مشاجرات کے زمانہ میں حضراتِ صحابہٴ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عملاً تین جماعتیں ہو گئی تھیں۔

۱ ... کچھ حضرات علیؓ کے ساتھ تھے۔

۲ ... کچھ حضرات معاویہؓ کے ساتھ تھے۔

۳ ... کچھ ان دونوں سے الگ تھے۔

یعنی انہوں نے صحابہٴ کرام کی باہمی جنگوں میں باہم بالکل حصہ نہیں لیا حضرت سعد بن وقاصؓ اس تیسری جماعت میں شامل تھے۔

اللہ تعالیٰ کے عجیب وغریب تکوینی امور ہوتے ہیں مشاجراتِ صحابہ سے پہلے بہت زیادہ

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۳۲۸۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۳۷۳۔

فتوحات ہوئیں خصوصاً حضرت عمرؓ فاروق اور حضرت عثمانِ غنیؓ کے دورِ خلافت میں تو فتوحات کا نہ تھمنے والا سیلاب تھا۔ صحابہٴ کرام جہاد، اور انتظامی امور میں مصروف تھے اس وجہ سے علمی مشاغل کم ہونے لگے تھے۔ مشاجراتِ صحابہ کی وجہ سے بہت سے صحابہٴ کرام دونوں طرف سے یکسو ہوکر درس وتدریس میں مشغول ہوگئے اس زمانہ میں علمی کام بہت ہوئے۔ (۱)

قولہ : وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ (ص:۶۸، سطر:۳)

قاتلوھم کی ضمیرِ مفعول کا مرجع مشرکینِ عرب ہیں جن کے بارے میں حکم یہ تھا کہ یا تو وہ مقررہ مدت پر سرزمینِ عرب چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں یا اسلام قبول کرلیں یا پھر ان سے قتال کیا جائے گا لیکن مجلس میں کسی جوشیلے شخص نے اس ضمیر کو مسلمانوں کی طرف لوٹا دیا جو کہ درست نہیں۔ (۲)

قولہ: قَدْ قَاتَلْنَا حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً، (ص:۶۸، سطر:۳)

ہم نے قتال کیا یہاں تک کہ فتنہ ختم ہوگیا یعنی جزیرۂ عرب سے شرک ختم ہوگیا لیکن تم اور تمہارے ساتھی مسلمانوں سے قتال کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تاکہ فتنہ ہو یعنی کفار ومشرکین جو دشمنانِ اسلام ہیں ان کو فائدہ ہو۔

یہاں فتنہ کی تفسیر میں دو قول ہیں:۔

۱ ... یہاں فتنے سے مرادعقیدہ کی خرابی مراد ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جزیرہ نمائے عرب کے مشرکین سے قتال کرو۔ یہاں تک کہ شرک کا خاتمہ ہوجائے۔ (۳)

۲ ... فتنے سے مرادعذاب اور تکلیف ہو۔ مشرکینِ عرب نومسلموں کو ایذا دیتے تھے۔ تو حکم دیا کہ ان سے قتال کرو اور اتنا قتال کرو کہ یہ مشرکین نومسلموں کو تکلیف نہ پہنچا سکیں۔ (۴)

حضرت سعدؓ کا قول تریدون ان تقاتلوا حتی تکون فتنة (ص ۶۸، سطر ۳،۴) میں فتنہ سے مرادعقیدہ کی خرابی اور عذاب دونوں ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ آپس کی لڑائی سے کفار کو فائدہ اور غلبہ ہوگا لہٰذا وہ دوبارہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا شروع کردینگے یا یہ کہ کافروں کے غلبہ سے کفر کا فتنہ پھر پھیلتا چلا جائے گا۔ (۵)

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۴۴۸، ۴۴۹۔

(۲) فتح الملہم ج۲ص۶۲۔

(۳) بیان القرآن ج۹ص۶۱۔

(۴) تفسیر الطبری ج۹ص۲۴۸ وتفسیر بغوی ج۲ص۲۴۸۔

(۵) درسِ مسلم ج۱ص۴۵۰۔

۲۷۵۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ خِرَاشٍ،...(الی قوله)... عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ، أَنَّهُ حَدَّثَ أَنَّ جُنْدَبَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيَّ بَعَثَ إِلَى عَسْعَسِ بْنِ سَلَامَةَ زَمَنَ فِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، فَقَالَ :اجْمَعْ لِي نَفَرًا مِنْ إِخْوَانِكَ حَتَّى أُحَدِّثَهُمْ، فَبَعَثَ رَسُولًا إِلَيْهِمْ، فَلَمَّا اجْتَمَعُوا جَاءَ جُنْدَبٌ وَعَلَيْهِ بُرْنُسٌ أَصْفَرُ، فَقَالَ :تَحَدَّثُوا بِمَا كُنْتُمْ تَحَدَّثُونَ بِهِ حَتَّى دَارَ الْحَدِيثُ، فَلَمَّا دَارَ الْحَدِيثُ إِلَيْهِ حَسَرَ الْبُرْنُسَ عَنْ رَأْسِهِ، فَقَالَ :إِنِّي أَتَيْتُكُمْ وَلَا أُرِيدُ أَنْ أُخْبِرَكُمْ عَنْ نَبِيِّكُمْ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَى قَوْمٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، وَإِنَّهُمُ الْتَقَوْا فَكَانَ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِذَا شَاءَ أَنْ يَقْصِدَ إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ قَصَدَ لَهُ فَقَتَلَهُ، وَإِنَّ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ قَصَدَ غَفْلَتَهُ، قَالَ :وَكُنَّا نُحَدَّثُ أَنَّهُ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، فَلَمَّا رَفَعَ عَلَيْهِ السَّيْفَ قَالَ :لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فَقَتَلَهُ، فَجَاءَ الْبَشِيرُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَأَخْبَرَهُ، حَتَّى أَخْبَرَهُ خَبَرَ الرَّجُلِ كَيْفَ صَنَعَ، فَدَعَاهُ فَسَأَلَهُ فَقَالَ :لِمَ قَتَلْتَهُ؟ قَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَوْجَعَ فِي الْمُسْلِمِينَ، وَقَتَلَ فُلَانًا وَفُلَانًا، وَسَمَّى لَهُ نَفَرًا، وَإِنِّي حَمَلْتُ عَلَيْهِ، فَلَمَّا رَأَى السَّيْفَ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَقَتَلْتَهُ؟ قَالَ :نَعَمْ، قَالَ: فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، اسْتَغْفِرْ لِي، قَالَ :وَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: فَجَعَلَ لَا يَزِيدُهُ عَلَى أَنْ يَقُولَ :كَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟. (ص:۶۸،سطر:۱۳تا۷)

تشریح

قوله : أَنَّ جُنْدَبَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيَّ بَعَثَ إِلَى عَسْعَسِ بْنِ سَلَامَةَ زَمَنَ فِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، (ص:۶۸،سطر:۸)

فتنۂ ابن الزبیرؓ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد پیش آیا۔ یزید نے اہلِ شام سے اپنی خلافت کی بیعت لینے کے بعد اہلِ مدینہ سے بیعت لینے کے لئے اپنا آدمی مقرر کیا لیکن کچھ حضرات

راتوں رات مکہ مکرمہ چلے گئے اور حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ بھی مکہ مکرمہ چلے گئے پھر یزید نے ملک شام سے لشکر بھیجا تا کہ جبراً بیعت لی جائے لیکن اہلِ مدینہ نے بجائے بیعت کے یزید کے لشکر سے جنگ کی تیاری کرلی، اسی زمانہ میں حضرت جندب بن عبد اللّٰہ البجلیؓ نے عسعس کے پاس پیغام بھیجا کہ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں اور عسعس اس وقت اہلِ مدینہ کے جنگی قائدین میں سے تھے چنانچہ حضرت جندب بن عبد اللّٰہ البجلیؓ نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو حضرت اسامہ بن زیدؓ کا واقعہ سنایا۔ اور سنانے کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمانوں کے باہمی قتال سے باز آجائیں اور اہلِ شام سے قتال نہ کریں۔

قوله : وَعَلَيْهِ بُرْنُسٌ أَصْفَرُ، (ص:۶۸، سطر:۸)

برنس وہ جبہ کہلاتا ہے جس پر ٹوپی سلی ہوئی ہوتی ہے اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے[۱] کہ اس سے ٹوپی کو اتار کر ہاتھ میں لینا نہیں پڑتا بلکہ وہ پیچھے لٹک جاتی ہے آج کل اس قسم کا جبہ مراکش میں زیادہ رائج ہے سعودی عرب اور ہمارے ہاں بھی کم کم پایا جاتا ہے۔

قوله : وَلَا أُرِيدُ أَنْ أُخْبِرَكُمْ عَنْ نَبِيِّكُمْ، (ص:۶۸، سطر:۹)

اس جملہ کا ظاہری مقصد یہ ہے کہ میرا مقصد حدیث سنانے کا نہ تھا یعنی جب میں یہاں آیا تھا اس وقت تو میرا حدیث مرفوع سنانے کا ارادہ نہ تھا بلکہ اپنی طرف سے نصیحت کرنے کا ارادہ تھا لیکن اب یہ حدیث سنانے کا بھی ارادہ کرلیا اس لئے یہ حدیث سنا رہا ہوں۔[۲]

قوله : فَلَمَّا رَجَعَ عَلَيْهِ السَّيْفَ (ص:۶۸، سطر:۱۱)

ہوسکتا ہے کہ اس نے پہلے حضرت اسامہ پر حملہ کیا ہو اور اس کے جواب میں حضرت اسامہ نے تلوار چلائی اس لئے رجع کا لفظ استعمال کیا یا یہ مطلب ہے کہ حضرت اسامہ کی تلوار اس شخص کی طرف اُن مسلمانوں کی طرف سے لوٹی جو اس کے ہاتھوں شہید ہو چکے تھے۔[۳]

قوله : أَوْجَعَ فِي الْمُسْلِمِينَ، (ص:۶۸، سطر:۱۲)

یعنی اس نے مسلمانوں میں درد کی لہر دوڑادی تھی[۴] مطلب یہ کہ اس نے مسلمانوں کے

---

(۱) مجمع بحار الانوار ج ۱ص۱۷۸۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج ۱ص ۲۱۰۔

(۳) درسِ مسلم ج ۱ص ۳۵۲۔

(۴) حاشية شيخ النهنیؒ علی صحيح مسلم ج ۱ص۶۳۔

خلاف سخت لڑائی کی اور ان کو سخت جانی نقصان پہنچایا۔

قوله : اسْتَغْفِرْ لِی، (ص:۶۸،سطر:۱۳)

درخواست کرنے والے حضرت اسامہؓ پوتے کی طرح ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔ اور خود حضور رحمۃ للعالمین ہیں لیکن ان سب کے باوجود حضور نے حضرت اُسامہ کا عذر قبول نہیں فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ تم ظاہر کے مکلف تھے پھر تم نے اس کا اسلام قبول کیوں نہیں کیا۔ اور اس کو کیوں قتل کیا؟

باب قول النبی ﷺ من حمل علینا السلاح

۲۸۶۔ حَدَّثَنِی زُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله)... عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، ح وَحَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیَی (وَاللَّفْظُ لَهُ) قَالَ :قَرَأْتُ عَلَی مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ حَمَلَ عَلَیْنَا السِّلَاحَ فَلَیْسَ مِنَّا. (ص:۶۹،سطر:۱تا۳)

تشریح

قوله : مَنْ حَمَلَ عَلَیْنَا السِّلَاحَ (ص:۶۹،سطر:۳)

اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ جو شخص مسلمانوں سے قتال کرے وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے اس کے ظاہر سے معتزلہ اور خوارج اپنے مذہب پر استدلال کر سکتے ہیں۔

اس کے دو جواب ہیں:۔

۱ ... اس سے مراد ایسا شخص ہے جو مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کو حرام جاننے کے باوجود حلال سمجھے۔

۲ ... فلیس منا کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہمارے طریقہ پر نہیں [1] ہم اس سے بری ہیں یہ ایسا ہے جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر تو نے چوری کی تو تو میرا بیٹا نہیں ظاہر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ تیرا نسب مجھ سے باقی نہیں رہے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تو اس لائق نہیں کہ تجھے میرا بیٹا کہا جائے۔ تیرا طریقہ الگ ہے میرا طریقہ الگ ہے۔

جن آیات اور احادیث کے ظاہر سے گناہِ کبیرہ کے مرتکب کا کافر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اُن

(۱) صیانۃ صحیح مسلم ج۱ص۲۳۹۔

سے خوارج استدلال کرتے ہیں اور اہلِ سنت والجماعت ان میں تاویل کرتے ہیں۔ وہ تاویلات پیچھے بھی بار بار بیان ہو چکی ہیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غش فلیس منا

۲۸۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ،...(الی قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا، فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا فَقَالَ :مَا هَذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟ قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ :أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ، مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي. (ص:۷۰،سطر:۲تا۴)

تشریح

قوله : فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا (ص:۷۰،سطر:۳)

سوال: سوال ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کی ملکیت میں یہ تصرف کیوں فرمایا نیز یہ تفتیش اور تجسس ہے جو کہ ممنوع ہے۔

جواب: جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے حکام کو عام مسلمانوں کے مفاد میں بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت ایسا تصرف کرنے کی اجازت ہے اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے۔ [1]

باب تحریم ضرب الخدود...الخ

۲۸۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى،...(الی قوله)... عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ، أَوْ شَقَّ الْجُيُوبَ، أَوْ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ. (ص:۷۰،سطر:۴تا۶)

تشریح

قوله : شَقَّ الْجُيُوبَ، (ص:۷۰،سطر:۶)

اس کے معنٰی ہیں گریبانوں کو پھاڑے جیوب جیب کی جمع ہے اس کے معنٰی ہیں گریبان۔ [2]

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۳۵۴۔

(۲) فتح الملھم ج۲ص۶۶

قوله : دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ (ص:۷۰،سطر:۳)

یعنی نوحہ کرے۔[1]

۲۸۳ـ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى الْقَنْطَرِيُّ،...(الی قوله) ...حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ بْنُ أَبِي مُوسَى، قَالَ :وَجِعَ أَبُو مُوسَى وَجَعًا فَغُشِيَ عَلَيْهِ، وَرَأْسُهُ فِي حِجْرِ امْرَأَةٍ مِنْ أَهْلِهِ فَصَاحَتِ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِهِ، فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَرُدَّ عَلَيْهَا شَيْئًا، فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ :أَنَا بَرِيءٌ مِمَّا بَرِءَ مِنْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرِءَ مِنَ الصَّالِقَةِ، وَالْحَالِقَةِ، وَالشَّاقَّةِ.(ص:۷۰،سطر:۷تا ۱۰)

تشریح

قوله : الصَّالِقَةِ، (ص:۷۰،سطر:۹)

یہ صاد سے بھی آیا ہے اور سین سے بھی صالقة چیخنے چلانے والی عورت کو کہتے ہیں[2] اور یہاں عورتوں کی طرف نسبت اس لئے ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عام طور سے عورتیں نوحہ کرتی تھیں۔

قوله : وَالْحَالِقَةِ، (ص:۷۰،سطر:۹)

اپنے بال مونڈنے والی۔[3]

قوله : وَالشَّاقَّةِ (ص:۷۰،سطر:۱۰)

یعنی اپنے کپڑے یا گریبان پھاڑنے والی۔[4]

باب بيان غلظ تحريم النميمة

۲۸۶ـ حَدَّثَنِي شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ الضُّبَعِيُّ، قَالَا :حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ وَهُوَ ابْنُ مَيْمُونٍ، حَدَّثَنَا وَاصِلٌ الْأَحْدَبُ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ،

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الملہم ج۲ص۶۶۔

(۲) فتح الملہم ج۲ص۶۷۔

(۳) یعنی مصیبت کے وقت اپنے بال مونڈنے والی (فتح الملہم ج۲ص۶۷)

(۴) بحوالہ بالا۔

عَنْ حُذَيْفَةَ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلًا يَنِمُّ الْحَدِيثَ فَقَالَ حُذَيْفَةُ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ. (ص:۷۰،سطر:۱۵،۱۶)

تشریح

قوله : يَنِمُّ الْحَدِيثَ (ص:۷۰،سطر:۳)

نمّ ینمُّ نمًّا یہ باب نصر اور ضرب دونوں سے آتا ہے۔اور قتّ یقُتُّ قتًّا یہ باب نصر سے آتا ہے دونوں کے معنٰی ہیں چغلی کرنا یعنی فساد ڈالنے یا دوسرے کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے اس کی ایسی بات یا حال دوسروں پر ظاہر کرنا ہے جس کو وہ پسند نہیں کرتا۔ (۱)

۲۸۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ إِسْحَاقُ : أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ :كَانَ رَجُلٌ يَنْقُلُ الْحَدِيثَ إِلَى الْأَمِيرِ، فَكُنَّا جُلُوسًا فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ :الْقَوْمُ هَذَا مِمَّنْ يَنْقُلُ الْحَدِيثَ إِلَى الْأَمِيرِ، قَالَ :فَجَاءَ حَتَّى جَلَسَ إِلَيْنَا فَقَالَ حُذَيْفَةُ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ.(ص:۷۰،سطر:۱۶ تا ۱۸)

تشریح

قوله : لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ (ص:۷۰،سطر:۱۸)

نمّام اور قتات کے ایک ہی معنٰی ہیں یعنی چغلی کرنا لیکن بعض نے فرق بھی کیا ہے کہ نمام وہ ہے جس نے کسی کا اتفاقی طور پر مخفی قول سنا یا مخفی فعل دیکھا اور پھر آگے نقل کر دیا اور قتّات وہ شخص ہے جو قصداً دوسروں کی خفیہ باتیں یا کام معلوم کرنے کی جستجو کرے۔اور پھر اُسے آگے نقل کرے۔خلاصہ یہ کہ نمّام میں تجسس نہیں ہوتا جبکہ قتّات میں تجسس بھی ہوتا ہے دونوں میں مشترک چیز چغل خوری کرنا ہے۔ (۲)

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص۷۰۔

(۲) فتح الملہم ج۲ ص۶۸۔

غیبت اور چغل خوری میں فرق

غیبت کسی دوسرے کی عدم موجودگی میں صرف اس کی برائی کرنے کا نام ہے اور چغلی دوسری کی عدم موجودگی میں فساد پھیلانے کی نیت سے برائی پھیلانے کا نام ہے۔ تا کہ ان میں جھگڑا ہو۔ (۱)

۲۸۸ـ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، وَوَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، ح، وَحَدَّثَنَا مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيمِيُّ، وَاللَّفْظُ لَهُ، أَخْبَرَنَا ابْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ :كُنَّا جُلُوسًا مَعَ حُذَيْفَةَ فِي الْمَسْجِدِ، فَجَاءَ رَجُلٌ حَتَّى جَلَسَ إِلَيْنَا فَقِيلَ لِحُذَيْفَةَ :إِنَّ هَذَا يَرْفَعُ إِلَى السُّلْطَانِ أَشْيَاءَ فَقَالَ حُذَيْفَةُ إِرَادَةَ أَنْ يُسْمِعَهُ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ. (ص:۷۰،سطر:۱۸ تا ۲۰)

تشریح

قوله : إِلَى السُّلْطَانِ أَشْيَاءَ (ص:۷۰،سطر:۲۰)

یہاں سلطان سے مراد حضرت عثمان غنیؓ ہیں۔ (۲)

باب بيان غلظ تحريم اسبال الازار ...الخ

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالُوا :حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ خَرَشَةَ بْنِ الْحُرِّ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ قَالَ :فَقَرَأَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مِرَارًا، قَالَ أَبُو ذَرٍّ :خَابُوا وَخَسِرُوا، مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ:الْمُسْبِلُ، وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ

(ص:۷۱،سطر:۱ تا ۳)

---

(۱) فتح الباری ج۱۰ص۴۷۳ کتاب الادب باب ما یکرہ من النمیمۃ۔

(۲) فتح الملہم ج۲ص۶۹۔

تشریح

قوله : ثَلَاثَةٌ (ص:۷۱،سطر:۲)

ثلثة سے مراد تین قسم کے افراد ہیں۔ آگے کی روایات میں بھی ثلثة کا لفظ آیا ہے لیکن اُن میں کچھ اور قسم کے لوگوں کو شمار کیا گیا ہے جس کے باعث یہ اقسام تین سے زائد ہو جاتی ہیں لیکن ان میں کوئی منافات نہیں کیونکہ کم کا عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا۔ (۱)

قوله : لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ... (ص:۷۱،سطر:۲)

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے شفقت ورحمت والا کلام نہیں فرمائیں گے اسی طرح لا ینظر کا مطلب یہ ہے کہ ان پر نظرِ رحمت نہیں فرمائیں گے اور ان کو گناہوں سے پاک وصاف نہیں فرمائیں گے۔ (۲)

قوله : اَلْمُسْبِلُ، (ص:۷۱،سطر:۳)

اس کے معنٰی ہیں لباس کو لٹکانے والا اور اسبال کے معنٰی ہیں لٹکانا خواہ یہ لٹکانا تہہ بند کا ہو یا شلوار کا پاجامہ کا ہو یا پتلون کا، جبہ کا ہو یا عمامہ کا سب اس میں شامل ہیں کیونکہ اس حدیث میں لفظ مطلق ہے جو سب کو شامل ہے نیز یہاں تکبر کی بھی قید نہیں ہے چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہی ہے کہ اسبال بغیر تکبر کے بھی ناجائز ہے (۳) اور تکبر کے ساتھ ہو تو اور بھی بڑا گناہ ہے۔ البتہ اس وعید سے وہ شخص مستثنٰی ہے جس سے بے دھیانی میں کبھی کبھار تہہ بند وغیرہ ٹخنوں سے نیچے ہو جاتا ہو جیسا کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استثناء فرمایا تھا۔ (۴)

قوله : وَالْمَنَّانُ، (ص:۷۱،سطر:۳)

اس کے معنٰی ہیں احسان جتلانے والا اور عام طور سے احسان جتلانے والا بخیل ہوتا ہے کیونکہ اس کی نظر میں چھوٹا سا احسان بھی بہت بڑا ہوتا ہے (۵) اس موقع پر استاذِ محترم نے فرمایا کہ شریف آدمی کی علامت یہ ہے کہ احسان کر کے بھول جائے اور دوسرے کا احسان نہ بھولے اور رذیل

---

(۱) درس مسلم ج۱ص۴۵۷۔

(۲) فتح الملهم ج۲ص۶۹۔

(۳) فتاوی الشامية ج۱ص۲۳۹ وفتح الملهم ج۲ص۹۹۔

(۴) شرح النووی ج۱ص۷۱۔

(۵) فتح الملهم ج۲ص۶۹۔

اور کمینے آدمی کی علامت یہ ہے کہ دوسرے کا احسان بھول جائے اور اپنا کیا ہوا احسان یاد رکھے۔

قولہ : وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ (ص:۷۱، سطر:۳)

یعنی جو جھوٹی قسم کے ذریعے اپنے سامانِ تجارت کو شہرت دینے اور فروخت کرنے والا ہو۔

۲۹۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ (قَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ: وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ) وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ:شَيْخٌ زَانٍ، وَمَلِكٌ كَذَّابٌ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ.(ص:۷۱، سطر:۷)

تشریح

قولہ : شَيْخٌ زَانٍ، (ص:۷۱، سطر:۷)

یعنی بڈھا زانی اول تو زانی ہونا بڑی قباحت ہے پھر دوسری قباحت یہ ہے کہ وہ بڈھا بھی ہے۔ حالانکہ بڑھاپے میں ایسے گناہ کے تقاضے کمزور ہوجاتے ہیں تیسری یہ کہ بڑھاپے میں عقل کامل ہوجاتی ہے اس کے باوجود زنا کر رہا ہے چوتھی خرابی یہ ہے کہ یہ بھی معلوم ہے کہ وہ اب مرنے والا ہے ان سب کے باوجود وہ زنا کرتا ہے تو یہ ایمان کے کمزور ہونے کی اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے لاپرواہی کی علامت ہے۔[1]

قولہ : مَلِكٌ كَذَّابٌ، (ص:۷۱، سطر:۷)

جھوٹ کی ضرورت کسی کمزور کو ہوتی ہے اور بادشاہ جس کے اوپر کسی انسان کی حکومت نہیں اس کے باوجود جھوٹ بولے تو یہ جرم زیادہ سخت ہے کیونکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اسے شریعت کے احکام کی پروا اور اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں۔[2]

قولہ : عَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ. (ص:۷۱، سطر:۷)

اس کے معنٰی ہیں فقیر اور متکبر یعنی فقیر ہے اور متکبر ہے حالانکہ تکبر کسی مالدار کو ہو تو اس کا سبب کثرتِ مال موجود ہے بخلاف فقیر کے کہ اس میں یہ سبب موجود نہیں اس کے باوجود تکبر کرتا ہے یہ بھی

(۱) شرح النووی ج۱ص۷۱۔

(۲) حوالہ بالا۔

اس کے دین کے پرواہ اور اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہونیکی علامت ہے۔[1]

ان تینوں میں مشترک بات یہ ہے کہ ان میں مذکورہ گناہوں کی طرف بلانے والے اسباب موجود نہیں یا کمزور ہیں اس کے باوجود وہ گناہ کرتے ہیں۔ اس لئے ان کا یہ جرم بہت سخت ہے اور بظاہر یہ اصول ہر جگہ جاری ہوگا جہاں دواعیِ گناہ کمزور یا معدوم ہونے کے باوجود جو گناہ کیا جائے گا وہ زیادہ سخت ہوگا۔[2]

۲۹۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا :حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَهَذَا حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ :رَجُلٌ عَلَى فَضْلِ مَاءٍ بِالْفَلَاةِ يَمْنَعُهُ مِنَ ابْنِ السَّبِيلِ، وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ لَهُ بِاللهِ لَأَخَذَهَا بِكَذَا وَكَذَا فَصَدَّقَهُ وَهُوَ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ، وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِدُنْيَا فَإِنْ أَعْطَاهُ مِنْهَا وَفَى، وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا لَمْ يَفِ. (ص:۱۷،سطر:۷تا۱۰)

تشریح

قولہ : رَجُلٌ عَلَى فَضْلِ مَاءٍ (ص:۱۷،سطر:۸،۹)

فضل یہ فاضل یعنی زائد کے معنٰی میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت سے زائد پانی اس کے پاس موجود ہے۔[3]

قولہ : بِالْفَلَاةِ (ص:۱۷،سطر:۹)

صحراء وغیرہ غیر آباد اور بیابان جگہ کو کہتے ہیں۔[4] یعنی اول تو صحراء ہے کہ دوسری جگہ سے بیچارے مسافر کو پانی ملنا آسان نہیں اور پھر یہ ضرورت سے زائد بھی ہے اس کے باوجود نہ دینا یہ نہایت سنگ دلی اور بخل کی بات ہے اور اس کی علامت ہے کہ اس کے نزدیک دین کی کوئی اہمیت نہیں خوف

(۱) شرح النووی ج۱ص۷۱۔
(۲) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۳۸۳،۳۸۴۔
(۳) درس مسلم ج۱ص۴۶۱۔
(۴) شرح النووی ج۱ص۷۱۔

خدا نہیں اور رحم دلی نہیں۔

قولہ : بَعْدَ الْعَصْرِ (ص:۱/۷۱،سطر:۹)

عصر کی قید اس لئے لگائی کہ عصر کا وقت بڑی فضیلت والا ہے اس وقت میں رات اور دن کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے[(۱)] اس وقت میں عبادت کا ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے معصیت کا گناہ بھی زیادہ ہوتا ہے اب اول تو بیع میں جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا ایک مستقل گناہ ہے پھر اس پر قسم کھانا یہ مستقل گناہ ہے پھر یہ دونوں گناہ عصر کے وقت کئے تو اس میں اور شدت آگئی۔

قولہ : لَا یُبَایِعُهُ إِلَّا لِدُنْیَا (ص:۱/۷۱،سطر:۹)

یعنی حاکم سے اور امیر المؤمنین سے بیعت صرف دنیاوی مفاد کے لئے کرتا ہے۔[(۲)] آج کل بیعت تو نہیں ہوتی البتہ دو طریقے ہوتے ہیں۔

۱ ... اراکین اسمبلی اپنے میں سے کسی کو کثرت ووٹ سے صدر یا وزیر اعظم منتخب کرتے ہیں۔

۲ ... عوام اراکین اسمبلی کو ووٹ دے کر اپنا منتخب نمائندہ بناتے ہیں۔

دونوں کا حکم ایک ہے۔ دونوں میں ملک وملت کے مفاد کو پیشِ نظر رکھنا امانت داری ہے اور پیشِ نظر نہ رکھنا خیانت ہے اور اگر قومیت یا علاقائیت کی بنیاد پر صلاحیت سے قطع نظر کر کے کسی کو ووٹ دیا جائے تو یہ جاہلیت والی عصبیت ہے جو حرام ہے۔ اور معاوضہ لے کر یہ گناہ کیا جائے تو یہ معاوضہ رشوت ہے اور حرام ہے۔[(۳)]

باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسه...الخ

٢٩٦ـ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ...(الی قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ شَرِبَ سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ

---

(۱) شرح النووی ج۱ص۷۱۔

(۲) حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا: ہر وہ عمل جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا قصد نہ کیا جائے اور اس سے صرف دنیاوی مفاد کا قصد کیا جائے وہ فاسد ہے اور اس کے کرنے والا گناہ گار ہے۔ (فتح الملہم ج۲ص۷۱)

(۳) درسِ مسلم ج۱ص۳۶۱۔

فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَرَدَّى فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا. (ص:۷۲، سطر:۱ تا ۳)

تشریح

قوله : بِحَدِيدَةٍ (ص:۷۲، سطر:۱)

لوہا یا تیز دھار دار چیز جیسے چاقو، چھری یا خنجر وغیرہ۔

قوله : يَتَوَجَّأُ (ص:۷۲، سطر:۱)

گھونپے گا یعنی مار رہا ہوگا۔[1]

قوله : سُمًّا (ص:۷۲، سطر:۲)

زہر کو کہتے ہیں۔[2]

قوله : يَتَحَسَّاهُ (ص:۷۲، سطر:۱)

یعنی اس کو آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا کر کے پئے گا[3] جیسے کسی تکلیف دہ چیز کو بمشکل پیا جاتا ہے ان سب میں مشترک چیز یہ ہے کہ خودکشی کے لئے جو عمل کیا آخرت میں سزا بھی اسی عمل کے ذریعے دی جائے گی۔

قوله : خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، (ص:۷۲، سطر:۲،۳)

یہاں خودکشی کرنے والے کے لئے ہمیشہ جہنم میں ہونے کی وعید سے بظاہر خوارج ومعتزلہ کی تائید ہوتی ہے محدثین کرامؒ نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں ان میں سے تین یہ ہیں۔

۱ ... طریقۂ ترجیح وہ یہ ہے کہ ترمذی کی روایت میں خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، نہیں ہے اور وہی اصح ہے۔[4] کیونکہ یہ دوسری حدیث ان روایات کے موافق ہے جس میں صراحت ہے کہ کوئی مومن ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں ہوگا بالآخر ہر صاحب ایمان جنت میں داخل ہو جائے گا۔

۲ ... یہ حدیث خودکشی کو حلال سمجھنے والے پر محمول ہے۔

۳ ... اس سے طویل عرصہ جہنم میں رہنا مراد ہے۔[5]

---

(۱) فتح الملہم ج۲ ص۲۷۔

(۲) المفہم ج۲ ص۳۳۱۔

(۳) فتح الملہم ج۲ ص۲۷۔

(۴) جامع الترمذی: کتاب الطب باب ما جاء من قتل نفسه بسم او غیرہ ج۲ ص۲۵۔

(۵) المفہم ج۲ ص۲۱و۷۳۔

۲۹۷۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ،...(الی قوله) ...نَا شُعْبَةُ كُلُّهُمْ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ .وَفِي رِوَايَةِ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ :سَمِعْتُ ذَكْوَانَ. (ص:۷۲،سطر:۴،۳)

تشریح

قوله : وَفِي رِوَايَةِ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ :سَمِعْتُ ذَكْوَانَ. (ص:۷۲،سطر:۴)

سلیمانؒ سے مراد سلیمان اعمشؒ اور ذکوان سے مراد ابوؒ صالح ہے دراصل یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اعمش تو مدلس ہیں حالانکہ پیچھے تین اسانید میں اعمش نے بصیغہ عن حدیث روایت کی ہے پھر امام مسلمؒ نے مدلس کا عنعنہ کیسے قبول کرلیا؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں شعبہؒ کی روایت میں سلیمان اعمشؒ نے ابو صالحؒ ذکوان سے سماعت کی صراحت کردی ہے۔ لہٰذا اس روایت میں تدلیس کا احتمال ختم ہوگیا۔[1]

۲۹۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامِ بْنِ أَبِي سَلَّامٍ الدِّمَشْقِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، أَنَّ أَبَا قِلَابَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ ثَابِتَ بْنَ الضَّحَّاكِ، أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَايَعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ وَأَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَيْسَ عَلَى رَجُلٍ نَذْرٌ فِي شَيْءٍ لَا يَمْلِكُهُ. (ص:۷۲،سطر:۴تا۶)

تشریح

قوله : تَحْتَ الشَّجَرَةِ (ص:۷۲،سطر:۵)

اس سے بیعتِ رضوان مراد ہے۔[2]

قوله : مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ، (ص:۷۲، سطر:۵)

یعنی دینِ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی جھوٹی قسم کھائی تو وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے کہا۔

---

(۱) فتح الملهم ج۲ص۷۲،۷۳۔

(۲) المفهم ج۱ص۳۱۱۔

ایسی قسم کی دو قسمیں ہیں:۔

۱ ... ایک صورت یہ ہے کہ یوں قسم کھائے کہ میں دین یہودی کی قسم کھاتا ہوں کہ میں چور نہیں۔اس کا حکم یہ ہے کہ اگر دل سے معاذ اللہ دین یہودی کو محترم اور معظم سمجھتا ہے اس لئے قسم کھائی تو اس صورت میں قسم کھانے والا کافر ہو جائے گا اور اگر دین یہودی کو اچھا نہیں سمجھتا مگر غفلت کی وجہ سے قسم کھائی تو کافر نہ ہوگا، لیکن کلمۂ کفر بولنے کی وجہ سے سخت گناہگار ہوگا اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فھو کما قال پہلی شق پر محمول ہے۔

۲ ... دوسری صورت یہ ہے کہ یوں قسم کھائے اگر میں نے چوری کی تو میں یہودی ہوں۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس طرح قسم کھاتے وقت یہودی بننے کا ارادہ تھا تو کافر ہو جائے گا کیونکہ ارادۂ کفر بھی کفر ہے اور اگر دینِ یہودی سے بچنے کے لئے یہ قسم کھائی تھی تو کافر نہ ہوگا لیکن ایسی قسم کھانا بھی ایک قول میں حرام اور قولِ مشہور میں مکروہ ہے۔ (۱)

اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فھو کما قال کفر کا ارادہ کرنے کی صورت میں محمول ہے۔

قولہ : کاذباً (ص:۷۲،سطر:۵)

اور جب قسم تعلیق کی صورت میں ہو تو کاذباً قید احترازی ہوگی کیونکہ جب جھوٹی قسم کھائے اور یہودی ہونے کا ارادہ ہو تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اگر قسم جھوٹی نہ ہو یا جھوٹی ہو مگر کافر ہونے کا ارادہ نہ ہو۔تو قسم کھانے والا کافر نہیں ہوتا۔ (۲)

قولہ : لَيْسَ عَلَى رَجُلٍ نَذْرٌ فِي شَيْءٍ (ص:۷۲،سطر:۶)

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے کی چیز کو صدقہ کرنے کی نذر منعقد نہیں ہوتی۔اور اس کا پورا کرنا واجب نہیں ہوتا البتہ اگر مِلک یا سببِ مِلک کی طرف نسبت کر کے نذر مانی مثلاً یوں کہا کہ اگر میں اس کا مالک بنوں یا اگر میں اس غلام کو خریدوں تو مجھ پر اس غلام کا آزاد کرنا واجب ہے یا صدقہ کرنا واجب ہے تو نذر منعقد ہو جائے گی۔اگرچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی نذر کا پورا کرنا واجب نہیں۔ (۳)

---

(۱) فتح الباری ج۱، ص۵۳۹۔

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: الدر المختار مع الشامیۃ کتاب الحدود ج۴ ص۱۷۔

(۳) اکمال المعلم ج۱ ص۳۸۹۔

۲۹۹۔حَدَّثَنِی أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِیُّ، حَدَّثَنَا مُعَاذٌ وَهُوَ ابْنُ هِشَامٍ، قَالَ : حَدَّثَنِی أَبِی، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِی كَثِيرٍ، قَالَ :حَدَّثَنِی أَبُو قِلَابَةَ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَيْسَ عَلَى رَجُلٍ نَذْرٌ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَیْءٍ فِی الدُّنْيَا عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنِ ادَّعَى دَعْوَى كَاذِبَةً لِيَتَكَثَّرَ بِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللهُ إِلَّا قِلَّةً، وَمَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينِ صَبْرٍ فَاجِرَةٍ. (ص:۲،ج۷،سطر:۶ تا ۸)

تشریح

قوله : لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ، (ص:۲،ج۷،سطر:۲)

لعنت قتل کرنے کے مشابہ ہے[۱] اگر چہ دونوں کی سزا مختلف ہے لیکن حرام ہونے میں دونوں مشترک ہیں۔

قوله : لَمْ يَزِدْهُ اللهُ إِلَّا قِلَّةً (ص:۲،ج۷،سطر:۸)

یعنی قلت میں اضافہ ہوگا کثرت میں اضافہ نہیں ہوگا۔

سوال: سوال یہ ہے کہ بعض مرتبہ آدمی جھوٹے دعوے سے زمین وغیرہ حاصل کر لیتا ہے اس سے تو کثرت حاصل ہوگئی۔

جواب: جواب یہ ہے کہ کثرت سے مراد برکت ہے۔لہذا دنیا میں بھی برکت نہ ہوگی اور آخرت میں تو عذاب ہی عذاب ہے۔[۲]

قوله : وَمَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينِ صَبْرٍ فَاجِرَةٍ. (ص:۲،ج۷،سطر:۸)

اس سے مراد جھوٹی قسم ہے۔جس کے ذریعے دوسرے کا مال اپنے پاس روک لیا جائے مثلاً ایک شخص مجھ سے میرا قلم مستعار لے کچھ دن کے بعد میں نے اس سے واپسی کا مطالبہ کیا۔تو اس نے کہہ دیا کہ یہ قلم تو میرا ہے اگر تم کہتے ہو کہ تمہارا ہے تو گواہ لاؤ لیکن میرے پاس گواہ نہیں تو ظاہر ہے کہ اس پر قسم آئے گی مگر وہ جھوٹی قسم کھالیتا ہے کہ وہ قلم اس کا ہے اور وہ جھوٹی قسم کے ذریعے وہ میرا قلم لے لے۔تو اس قسم کو حدیث میں یمین صبر فاجرۃ فرمایا گیا ہے۔

(۱) اکمال المعلم ج۱ص۳۹۱۔
(۲) درس مسلم ج۱ص۴۶۶۔

صبر کے معنی ہیں روکنا اور یمین صبر فاجرۃ ''روکنے والی جھوٹی قسم'' یعنی منکر کی وہ جھوٹی قسم کہ مدعی کا بینہ نہ ہونے کی صورت میں وہ مدعی کے مال کو اپنے پاس روک لیتا ہے اور یہاں بھی اس حملہ کی جزا محذوف ہے اور اس کی جزا وہی ہے جو پہلے جملہ میں بیان ہوئی یعنی ''لم یزدہ اللّٰہ الا قلۃ''۔(۱)

۳۰۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رافعٍ،...(الی قولہ)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :شَهِدْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُنَيْنًا، فَقَالَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ يُدْعَى بِالْإِسْلَامِ: هَذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ ، فَلَمَّا حَضَرْنَا الْقِتَالَ قَاتَلَ الرَّجُلُ قِتَالًا شَدِيدًا، فَأَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ، فَقِيلَ :يَا رَسُولَ اللهِ، الرَّجُلُ الَّذِي قُلْتَ لَهُ آنِفًا :إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَإِنَّهُ قَاتَلَ الْيَوْمَ قِتَالًا شَدِيدًا، وَقَدْ مَاتَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِلَى النَّارِ، فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَرْتَابَ، فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى ذَلِكَ إِذْ قِيلَ :إِنَّهُ لَمْ يَمُتْ، وَلَكِنَّ بِهِ جِرَاحًا شَدِيدًا، فَلَمَّا كَانَ مِنَ اللَّيْلِ لَمْ يَصْبِرْ عَلَى الْجِرَاحِ، فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَأُخْبِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ، فَقَالَ :اللهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنِّي عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ ، ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَنَادَى فِي النَّاسِ :أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ، وَأَنَّ اللهَ يُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ. (ص:۷۲،سطر:۱۱تا۱۶)

تشریح

قولہ : حُنَيْنًا (ص:۷۲،سطر:۱۳)

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ امام ذہلیؒ نے روایت کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ خیبر کا ہے۔(۲)

قولہ : مِمَّنْ يُدْعَى بِالْإِسْلَامِ (ص:۷۲،سطر:۱۳)

یعنی ان لوگوں میں سے تھا جن کو مسلمان کہا جاتا تھا۔

قولہ : إِلَى النَّارِ (ص:۷۲،سطر:۱۴)

(۱) المفہم ج۱ص۳۱۵۔

(۲) اکمال المعلم ج۱ص۳۹۳۔

یعنی جہنم میں چلا گیا۔

قوله : فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَرْتَابَ، (ص:۷۲،سطر:۱۴)

یعنی یہ سن کر بعض مسلمانوں کو وسوسہ آنے لگا کہ شاید اسلامی تعلیمات میں تعارض ہے کیونکہ متعدد روایات میں شہید کو جنت کی بشارت دی گئی ہے اور یہاں اس کے لئے فرمایا جارہا ہے کہ الی النار کہ جہنم میں گیا۔[1]

قوله : فَقَتَلَ نَفْسَهُ (ص:۷۲،سطر:۱۵)

یعنی اس نے خودکشی کرلی۔

قوله : لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ (ص:۷۲،سطر:۱۵۔۱۶)

حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص منافق تھا۔[2]

قوله : بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ (ص:۷۲،سطر:۱۶)

الفاجر عام ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر۔[3]

۳۰۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ،...(الی قوله)...عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْتَقَى هُوَ وَالْمُشْرِكُونَ، فَاقْتَتَلُوا، فَلَمَّا مَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَسْكَرِهِ، وَمَالَ الْآخَرُونَ إِلَى عَسْكَرِهِمْ، وَفِي أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ لَا يَدَعُ لَهُمْ شَاذَّةً إِلَّا اتَّبَعَهَا يَضْرِبُهَا بِسَيْفِهِ، فَقَالُوا :مَا أَجْزَأَ مِنَّا الْيَوْمَ أَحَدٌ كَمَا أَجْزَأَ فُلَانٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: أَنَا صَاحِبُهُ أَبَدًا، قَالَ :فَخَرَجَ مَعَهُ، كُلَّمَا وَقَفَ وَقَفَ مَعَهُ، وَإِذَا أَسْرَعَ أَسْرَعَ مَعَهُ، قَالَ :فَجُرِحَ الرَّجُلُ جُرْحًا شَدِيدًا، فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ، فَوَضَعَ نَصْلَ سَيْفِهِ بِالْأَرْضِ وَذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ، ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَى سَيْفِهِ، فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَخَرَجَ الرَّجُلُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ، قَالَ :وَمَا

(۱) درس مسلم ج۱ص۳۶۷۔
(۲) المفہم ج۱ص۳۲۰۔
(۳) بحوالہ بالا۔

ذَاكَ؟ قَالَ :الرَّجُلُ الَّذِي ذَكَرْتَ آنِفًا :أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ ، فَأَعْظَمَ النَّاسُ ذٰلِكَ، فَقُلْتُ :أَنَا لَكُمْ بِهِ، فَخَرَجْتُ فِي طَلَبِهِ حَتّٰى جُرِحَ جُرْحًا شَدِيدًا، فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَوَضَعَ نَصْلَ سَيْفِهِ بِالْأَرْضِ وَذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ، ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَيْهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ :إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ.　(ص:۷۲،سطر:۱۶تا۲۲)

تشریح

قوله : وَمَالَ الْآخَرُونَ　(ص:۷۲،سطر:۱۷)

اس سے مشرکین مراد ہیں۔

قوله : نَصلَ سَيفِهِ　(ص:۷۲،سطر:۱۹)

تلوار کی دھار والا حصہ۔(۱)

قوله : ذُبَابَهُ　(ص:۷۲،سطر:۱۹)

ذبابة تلوار کی نوک۔(۲)

قوله : تَحَامَلَ　(ص:۷۲،سطر:۱۹)

اپنا بوجھ اُس پر ڈال دیا۔

قوله : وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ　(ص:۷۲،سطر:۱۹)

نتیجہ کے اعتبار سے وہ جہنمی ہے۔

۳۰۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، ...(الی قوله)...قال: نَا شَيْبَانُ، قَالَ سَمِعْتُ الْحَسَنَ، يَقُولُ: "إِنَّ رَجُلًا مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ خَرَجَتْ بِهِ قُرْحَةٌ، فَلَمَّا آذَتْهُ انْتَزَعَ سَهْمًا مِنْ كِنَانَتِهِ فَنَكَأَهَا، فَلَمْ يَرْقَأِ الدَّمُ حَتّٰى مَاتَ، قَالَ رَبُّكُمْ :قَدْ حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ ، ثُمَّ مَدَّ يَدَهُ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَقَالَ :إِي وَاللهِ، لَقَدْ حَدَّثَنِي بِهٰذَا

(۱) فتح الملهم ج۲ص۷۵۔

(۲) حوالۂ بالا۔

الْحَدِيثِ جُنْدَبٌ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ.
(ص:۲،۷۲سطر:۲۲تا۲۴)

قوله : قُرْحَةٌ (ص:۲،۷۲سطر:۲۳)
یہ خاء کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ ہے۔اس کے معنٰی ہیں دانہ، پھوڑا، پھنسی۔ [1]

قوله : مِنْ كِنَانَتِهِ (ص:۲،۷۲سطر:۲۳)
اپنے ترکش سے۔ [2]

قوله : فَنَكَأَهَا (ص:۲،۷۲سطر:۲۳)
پس اس نے اس پھوڑے یا دانہ کو چیر لیا۔ [3]

قوله : فِي هَذَا الْمَسْجِدِ (ص:۲،۷۲سطر:۲۴)
یہ مسجد بصرہ میں تھی۔ [4]

٣٠٤۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ، حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ :سَمِعْتُ الْحَسَنَ، يَقُولُ :حَدَّثَنَا جُنْدَبُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيُّ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ، فَمَا نَسِينَا، وَمَا نَخْشَى أَنْ يَكُونَ كَذَبَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَرَجَ بِرَجُلٍ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ خُرَّاجٌ، فَذَكَرَ نَحْوَهُ. (ص:۲،۷۲سطر:۲۴تا۲۶)

تشریح

قوله : خُرَّاجٌ (ص:۲،۷۲سطر:۱۹)
زخم کو کہتے ہیں۔ [5]

باب تحریم الغلول...الخ

٣٠٥۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ،...(الى قوله)...عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ :

---

(۱) فتح الملہم ج۲ص۷۶۔
(۲) حوالۂ بالا۔
(۳) حوالۂ بالا۔
(۴) فتح الملہم ج۲ص۷۷۔
(۵) حوالۂ بالا۔

حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، قَالَ :لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ، أَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا :فُلَانٌ شَهِيدٌ، فُلَانٌ شَهِيدٌ، حَتَّى مَرُّوا عَلَى رَجُلٍ، فَقَالُوا :فُلَانٌ شَهِيدٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :كَلَّا، إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا (أَوْ عَبَاءَةٍ) ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، اذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ، أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ ، قَالَ : فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ :أَلَا إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ. (ص:۷۴،سطر:۱تا۴)

تشریح

قوله : فِي بُرْدَةٍ (ص:۷۴،سطر:۳)

اس میں فی سببیہ ہے۔یعنی چادر کی وجہ سے۔[1]

۳۰۶۔ حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، قَالَ :أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدُّؤَلِيِّ، عَنْ سَالِمٍ أَبِي الْغَيْثِ، مَوْلَى ابْنِ مُطِيعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَهَذَا حَدِيثُهُ :حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ، عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى خَيْبَرَ، فَفَتَحَ اللهُ عَلَيْنَا فَلَمْ نَغْنَمْ ذَهَبًا وَلَا وَرِقًا، غَنِمْنَا الْمَتَاعَ وَالطَّعَامَ وَالثِّيَابَ، ثُمَّ انْطَلَقْنَا إِلَى الْوَادِي، وَمَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدٌ لَهُ، وَهَبَهُ لَهُ رَجُلٌ مِنْ جُذَامٍ يُدْعَى رِفَاعَةَ بْنَ زَيْدٍ مِنْ بَنِي الضُّبَيْبِ، فَلَمَّا نَزَلْنَا الْوَادِيَ، قَامَ عَبْدُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحُلُّ رَحْلَهُ، فَرُمِيَ بِسَهْمٍ، فَكَانَ فِيهِ حَتْفُهُ، فَقُلْنَا :هَنِيئًا لَهُ الشَّهَادَةُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :كَلَّا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، إِنَّ الشَّمْلَةَ لَتَلْتَهِبُ عَلَيْهِ نَارًا أَخَذَهَا مِنَ الْغَنَائِمِ يَوْمَ خَيْبَرَ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ ، قَالَ :فَفَزِعَ النَّاسُ، فَجَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ أَوْ شِرَاكَيْنِ فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَصَبْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :شِرَاكٌ مِنْ نَارٍ أَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ. (ص:۷۴،سطر:۴)

---

(۱) حاشیۃ الشیخ محمد اللحنی ج۱ص۳۹۔

تشریح

قوله : هَنِيئًا لَهُ الشَّهَادَةُ (ص:۷۴، سطر:۴)

کیونکہ سفر میں موت شہادت ہے اور یہ تو سفرِ جہاد تھا اور موت دشمن کے تیر سے ہوئی تھی اس لئے ان کے لئے شہادت کو مبارک کہا۔

قوله : الشَّمْلَةَ (ص:۷۴، سطر:۷)

اس کے معنٰی ہیں شال، چادر۔[1]

قوله : لَتَلْتَهِبُ عَلَيْهِ نَارًا (ص:۷۴، سطر:۷)

اس کے معنٰی ہیں آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔

قوله : بِشِرَاكٍ أَوْ شِرَاكَيْنِ (ص:۷۴، سطر:۸)

یہ راوی کو شک ہے کہ وہ چپل کی ایک پٹی لایا تھا یا دو پٹیاں۔

باب الدليل على أن قاتل نفسه لايكفر...الخ

۳۰۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،...(الى قوله)...عَنْ جَابِرٍ أَنَّ الطُّفَيْلَ بْنَ عَمْرٍو الدَّوْسِيَّ، أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، هَلْ لَكَ فِي حِصْنٍ حَصِينٍ وَمَنْعَةٍ؟ (قَالَ :حِصْنٌ كَانَ لِدَوْسٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ) فَأَبَى ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلَّذِي ذَخَرَ اللهُ لِلْأَنْصَارِ، فَلَمَّا هَاجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَدِينَةِ، هَاجَرَ إِلَيْهِ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو وَهَاجَرَ مَعَهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ، فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ، فَمَرِضَ، فَجَزِعَ، فَأَخَذَ مَشَاقِصَ لَهُ، فَقَطَعَ بِهَا بَرَاجِمَهُ، فَشَخَبَتْ يَدَاهُ حَتَّى مَاتَ، فَرَآهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فِي مَنَامِهِ، فَرَآهُ وَهَيْئَتُهُ حَسَنَةٌ، وَرَآهُ مُغَطِّيًا يَدَيْهِ، فَقَالَ لَهُ :مَا صَنَعَ بِكَ رَبُّكَ؟ فَقَالَ :غَفَرَ لِي بِهِجْرَتِي إِلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :مَا لِي أَرَاكَ مُغَطِّيًا يَدَيْكَ؟ قَالَ :قِيلَ لِي :لَنْ نُصْلِحَ مِنْكَ مَا أَفْسَدْتَ، فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اللَّهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ (ص:۷۴، سطر:۹ تا ۱۳)

---

(۱) حاشية الشيخ محمد الذهنيؒ ج۱ص۳۹۔

تشریح

قوله : أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، (ص:۷۴،سطر:۱۰)

یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

قوله : هَلْ لَکَ فِي حِصْنٍ حَصِينٍ (ص:۷۴،سطر:۱۰)

حصن بمعنٰی قلعہ اور حصین بمعنٰی محفوظ یعنی کیا محفوظ قلعہ کی طرف آپ کو رغبت ہے؟

قوله : وَمَنَعَةٍ (ص:۷۴،سطر:۱۰)

یہ مانع کی جمع ہے اس کے معنٰی ہیں حفاظت کرنے والی جماعت۔ (۱)

قوله : فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ (ص:۷۴،سطر:۴)

دوسرے واؤ پر ضمہ ہے۔ اور جمع کا صیغہ ہے (۲) ترجمہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے مدینہ کی آب وہوا کو ناموافق پایا۔ احتواء کے معنٰی آتے ہیں آب وہوا کا ناموافق ہونا۔

قوله : مَشَاقِصَ (ص:۷۴،سطر:۱۱)

یہ مشقص کی جمع ہے (۳) بمعنٰی قینچی چونکہ قینچی کے ایک سے زیادہ پھلکے ہوتے ہیں اس لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔ (۴)

قوله : بَرَاجِمَهُ (ص:۷۴،سطر:۱۱)

اس کا واحد ہے بُرْجُمَة یعنی انگلیوں کے پوروں کے جوڑ۔ (۵)

قوله : فَشَخَبَتْ (ص:۷۴،سطر:۱۲)

ای سال دمہا۔ (۶)

قوله : اللّٰهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِر (ص:۷۴،سطر:۱۳)

اس میں واؤ عاطفہ ہے مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! آپ نے اس کے باقی جسم کی مغفرت تو

---

(۱) شرح النووی ج۱،ص۷۴۔
(۲) فتح الملہم ج۱،ص۷۸،۷۹۔
(۳) فتح الملہم ج۱،ص۷۹۔
(۴) درس مسلم ج۱،ص۴۷۲۔
(۵) فتح الملہم ج۱،ص۷۹۔
(۶) فتح الملہم ج۲،ص۷۹۔

فرمادی اور اب اس کے ہاتھ کی بھی مغفرت فرمادیجئے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خودکشی کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں نہ ہوگا۔اس میں معتزلہ اور خوارج کی تردید ہے۔جو گناہ کبیرہ کرنے والے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنمی کہتے ہیں اور یہ واقعہ مرجیہ پر بھی حجت ہے۔جو کہتے ہیں کہ گناہ مومن کے لئے مضر نہیں کیونکہ اس حدیث میں اس شخص کے ہاتھوں پر عذاب ہونے کی صراحت ہے۔[۱]

سوال: خواب تو شرعی حجت نہیں پھر اس کو کیسے معتبر قرار دیا گیا؟

جواب: ویسے تو خواب حجتِ شرعیہ نہیں لیکن یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کی وجہ سے حجت بن گیا۔[۲]

باب الريح التى تكون فى قرب القيامة...الخ

۳۰۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، قال: نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، وَأَبُو عَلْقَمَةَ الْفَرْوِيُّ،...(الى قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللهَ يَبْعَثُ رِيحًا مِنَ الْيَمَنِ أَلْيَنَ مِنَ الْحَرِيرِ، فَلَا تَدَعُ أَحَدًا فِي قَلْبِهِ (قَالَ أَبُو عَلْقَمَةَ مِثْقَالُ حَبَّةٍ، وَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ :مِثْقَالُ ذَرَّةٍ) مِنْ إِيمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْهُ.

تشریح

قوله : إِلَّا قَبَضَتْهُ (ص:۷۵،سطر:۲)

یہ اللہ رب العزت کا اہل ایمان پر خصوصی انعام ہوگا کہ ریشم جیسی نرم لطیف ہوا کے ذریعے اہل ایمان کی روحیں قبض فرمالیں گے۔تاکہ یہ قیامت کی ہولناکیوں سے بچ جائیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے موقوفاً مروی ہے کہ اس واقعہ اور قیامت کے درمیان سو سال کا فاصلہ ہوگا۔[۳]

باب الحث على المبادرة بالاعمال قبل تظاهر الفتن

۳۰۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ،...(الى قوله) ...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ

(۱) شرح النووی ج۱،ص۷۶۔

(۲) درس مسلم ج۱ص۴۷۲،۴۷۳۔

(۳) ضمیمه التصریح بما تواتر فی نزول المسیح ص۲۹۶۔

الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا. (ص:۷۴، سطر:۲ تا ۴)

تشریح

قوله : كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، (ص:۷۴، سطر:۳،۴)

یعنی فتنے ایسے آئیں گے جس طرح اندھیری رات کا ٹکڑا۔ جس طرح اندھیری رات میں اچھی اور بری اور نافع اور مضر چیزوں کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے اس طرح ان فتنوں میں بھی پتہ لگانا دشوار ہوگا کہ حق کس طرف ہے اور باطل کس طرف۔ اور فتنوں کے زمانہ میں اول تو بہت سے اعمال کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اور اگر مل بھی جائے تو بعض اعمال کے بارے میں تردد ہوتا ہے کہ صحیح کر رہا ہوں یا غلط۔ (۱)

قوله : يُمْسِي كَافِرًا، أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا (ص:۷۴، سطر:۱۳)

یہ راوی کو شک ہے۔ (۲)

قوله : يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا (ص:۷۴، سطر:۴)

دین فروشی کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:۔

۱ ... مال وغیرہ لے کر اپنے دین کو چھوڑ دے اور باطل مذہب قبول کر لے۔ اس صورت میں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ جیسے کوئی مسلمان عیسائی ہو جائے۔ یا قادیانی ہو جائے وغیرہ۔

۲ ... ایمان کو باقی رکھ کر اعمالِ دین فروخت کر دے۔ مثلاً رشوت لے کر کوئی ناجائز کام کر دے اس صورت میں کافر تو نہ ہوگا مگر حرام کا مرتکب اور سخت گناہگار ہوگا۔ (۳)

باب مخافة المومن أن يحبط عمله ... الخ

۳۱۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ... (الى قوله) ... عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ" إِلَى آخِرِ الْآيَةِ، جَلَسَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ فِي بَيْتِهِ، وَقَالَ: أَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ،

(۱) شرح النووی ج۱ ص۷۵ (بالاختصار)

(۲) فتح الملهم ج۲ ص۸۰۔

(۳) درسِ مسلم ج۱ ص۳۷۴۔

وَاحْتَبَسَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَمْرٍو، مَا شَأْنُ ثَابِتٍ؟ اشْتَكَى؟ قَالَ سَعْدٌ: إِنَّهُ لَجَارِي، وَمَا عَلِمْتُ لَهُ بِشَكْوَى، قَالَ: فَأَتَاهُ سَعْدٌ، فَذَكَرَ لَهُ قَوْلَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ ثَابِتٌ: أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ، وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي مِنْ أَرْفَعِكُمْ صَوْتًا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَذَكَرَ ذَلِكَ سَعْدٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَلْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ. (ص:۷۴، سطر:۴تا۸)

تشریح

قوله : وَقَالَ : أَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ، (ص:۷۴، سطر:۴تا۸)

اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:۔

۱ ... سابقہ آواز کی بلندی کی وجہ سے میں اہلِ جہنم میں سے ہوگیا ہوں کیونکہ میرے اعمال کالعدم ہوگئے ہیں۔

۲ ... اگر میں آئندہ بلند آواز سے بولا تو میرے اعمال حبط ہو جائیں گے اور میں اہلِ جہنم میں سے ہو جاؤں گا۔[1]

قوله : اشْتَكَى؟ (ص:۷۴، سطر:۶)

یہ اصل میں ااشتکی تھا باب افتعال کا ھمزہ وصل ساقط ہوگیا اور ھمزہ استفھام باقی رہا اس کا مطلب یہ کہ کیا وہ بیمار ہوگیا ہے؟[2]

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرامؓ کی جستجو فرماتے تھے کہ کون کس حال میں ہے یہ محبت کا تقاضا بھی ہے اور انتظام کا بھی۔ اس حدیث سے طلبہ کی حاضری جو درس میں لی جاتی ہے اس کی اصل بھی معلوم ہوئی۔

قوله : بَلْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ (ص:۷۵، سطر:۸)

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الملھم ج۲ ص۸۱۔

(۲) حاشیۃ الشیخ محمد اللھنیؒ ج۱ ص۵۰۔

دیکھیں! خشیت کی وجہ سے کتنی بڑی دولت ملی کہ دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل گئی اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤاخذہ امور اختیاریہ پر ہوتا ہے غیر اختیاریہ پر نہیں۔

باب هل يوخذ بأعمال الجاهلية؟

٣١٤ـ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله)... عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :قَالَ أُنَاسٌ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَنُؤَاخَذُ بِمَا عَمِلْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ؟ قَالَ :أَمَّا مَنْ أَحْسَنَ مِنْكُمْ فِي الْإِسْلَامِ، فَلَا يُؤَاخَذُ بِهَا، وَمَنْ أَسَاءَ، أُخِذَ بِعَمَلِهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْإِسْلَامِ. (ص:۷۵،سطر:۱۲،۱۳)

تشریح

قوله : وَمَنْ أَسَاءَ، أُخِذَ بِعَمَلِهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْإِسْلَامِ (ص:۷۵،سطر:۱۲،۱۳)

اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اسلام قبول کرنے کے بعد اعمال اچھے نہ ہوئے تو اسلام قبول کرنے کے زمانے سے پہلے کے گناہوں کی سزا بھی ملے گی۔ حالانکہ دوسری روایت میں ہے (جو اگلے صفحہ پر آرہی ہے ان الاسلام يهدم ما كان قبله) بظاہران دونوں میں تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مذکور میں احسن یعنی احسان سے اخلاص اور اَسَاءَ میں اساء ۃ سے نفاق مراد ہے یعنی اگر دل سے اسلام قبول کیا تھا تو پچھلے اعمال کا مؤاخذہ نہ ہوگا اور اگر دل سے اسلام قبول نہ کیا اور دل میں ایمان نہ ہوا اور منافقانہ طور پر ایمان ظاہر کیا تو دونوں زمانوں کے اعمال کا مؤاخذہ ہوگا لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔ اس تعارض کے اور بھی جوابات ہیں لیکن یہ جواب سب سے زیادہ راجح اور اسلم معلوم ہوتا ہے۔[1]

باب كون الاسلام يهدم ما كان قبله...الخ

٣١٧ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ،...(الى قوله)...عَنِ ابْنِ شِمَاسَةَ الْمَهْرِيِّ، قَالَ :حَضَرْنَا عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ، وَهُوَ فِي سِيَاقَةِ الْمَوْتِ، يَبْكِي طَوِيلًا، وَحَوَّلَ وَجْهَهُ إِلَى الْجِدَارِ، فَجَعَلَ ابْنُهُ يَقُولُ :يَا أَبَتَاهُ، أَمَا بَشَّرَكَ رَسُولُ

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الباری كتاب استتابة المرتدين ، باب اثم من اشرك بالله الخ رقم الحديث: ۶۹۲۱۔

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَذَا؟ أَمَا بَشَّرَكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَذَا؟ قَالَ :فَأَقْبَلَ بِوَجْهِهِ، فَقَالَ :إِنَّ أَفْضَلَ مَا نُعِدُّ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، إِنِّي قَدْ كُنْتُ عَلَى أَطْبَاقٍ ثَلَاثٍ، لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَمَا أَحَدٌ أَشَدَّ بُغْضًا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنِّي، وَلَا أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أَكُونَ قَدِ اسْتَمْكَنْتُ مِنْهُ، فَقَتَلْتُهُ، فَلَوْ مُتُّ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ لَكُنْتُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَلَمَّا جَعَلَ اللّٰهُ الْإِسْلَامَ فِي قَلْبِي أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ :ابْسُطْ يَمِينَكَ فَلْأُبَايِعْكَ، فَبَسَطَ يَمِينَهُ، قَالَ :فَقَبَضْتُ يَدِي، قَالَ :مَا لَكَ يَا عَمْرُو؟ قَالَ :قُلْتُ :أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ، قَالَ :تَشْتَرِطُ بِمَاذَا؟ قُلْتُ :أَنْ يُغْفَرَ لِي، قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا؟ وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟ وَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا أَجَلَّ فِي عَيْنِي مِنْهُ، وَمَا كُنْتُ أُطِيقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنَيَّ مِنْهُ إِجْلَالًا لَهُ، وَلَوْ سُئِلْتُ أَنْ أَصِفَهُ مَا أَطَقْتُ؛ لِأَنِّي لَمْ أَكُنْ أَمْلَأُ عَيْنَيَّ مِنْهُ، وَلَوْ مُتُّ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ لَرَجَوْتُ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، ثُمَّ وَلِينَا أَشْيَاءَ مَا أَدْرِي مَا حَالِي فِيهَا، فَإِذَا أَنَا مُتُّ فَلَا تَصْحَبْنِي نَائِحَةٌ، وَلَا نَارٌ، فَإِذَا دَفَنْتُمُونِي فَشُنُّوا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا، ثُمَّ أَقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِي قَدْرَ مَا تُنْحَرُ جَزُورٌ وَيُقْسَمُ لَحْمُهَا، حَتَّى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ، وَأَنْظُرَ مَاذَا أُرَاجِعُ بِهِ رُسُلَ رَبِّي. (ص:۷۶،سطر:۱تا۹)

تشریح

قوله: وَهُوَ فِي سِيَاقَةِ الْمَوْتِ (ص:۷۶،سطر:۲)

یہ سین کے کسرہ کے ساتھ ہے اس کے معنیٰ ہیں موت کے آنے کا وقت۔ (۱)

قوله : يَبْكِي طَوِيلًا، (ص:۷۶،سطر:۳)

ای یبکی زمانا طویلا یعنی دیر تک روتے رہے۔ (۲)

---

(۱) فتح الملھم ج۲ص۸۴۔

(۲) درس مسلم ج۱ص۴۷۷،۴۷۸۔

قولہ : یا أبتاہ (ص:۷۶،سطر:۲)

یہ اصل میں یا ابت تھا آخر میں الف ندبہ کا ہے اور "ہ" برائے وقف کا اضافہ کیا ہے۔ [1]

اس روایت میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کم از کم دو بشارتوں کا ذکر ہے ہوسکتا ہے کہ صاحب زادہ نے اور بشارتیں بھی بیان کی ہوں بعد کے راوی نے ان کو ذکر نہ کیا ہو۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کا تعارف اور مقام

حضرت عمرو بن العاصؓ کا شمار جلیل القدر صحابہ کرامؓ میں ہے یہ انتہائی ذہین بہادر صاحب الرائی اور انتظامی صلاحیتوں کے مالک اور بڑے فصیح و بلیغ خطیب تھے۔ مصر کی فتح کا اعزاز بھی ان کو حاصل ہے حضرت فاروقِ اعظمؓ، حضرت عثمانِ غنیؓ اور حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت میں مصر کے عامل (گورنر) رہے۔ [2] لیکن بہت سے لوگوں نے ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مشاجراتِ صحابہ کے زمانہ میں انہوں نے حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیا تھا۔ روافض نے اپنی کتابوں میں ان پر بہت کیچڑ اچھالا ہے لیکن صحابہ کرامؓ کے فضائل ومناقب، قرآنِ حکیم کی نصوص اور احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے لہٰذا ان کی عظمت وعقیدت اور ان کے عادل ہونے کا نظریہ ہمارے عقیدہ کا جزء ہے اور یہ ضابطہ ہے کہ عقائد کے اندر نصوصِ قرآنیہ اور احادیثِ متواترہ ہی کا اعتبار ہے۔ خبرِ واحد پر کسی عقیدہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی تو جب عقائد کے مسئلہ میں خبر واحد کا حکم یہ ہے تو تاریخی روایات جن کی بناء پر ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا حالانکہ ان میں احادیث کی طرح اسناد کی بڑی شرائط کا کوئی وجود نہیں تو ان پر عقائد کی بنیاد کیسے رکھی جاسکتی ہے؟ [3]

قولہ : أطبَاقٍ ثَلٰثٍ (ص:۷۶،سطر:۴)

یعنی میری زندگی تین دور یا تین احوال پر مشتمل تھی۔

قولہ : أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟ (ص:۷۶،سطر:۶)

قبولِ اسلام کی وجہ سے تمام چھوٹے، بڑے گناہوں کے معاف ہونے میں تو کوئی شک نہیں لیکن حقوق العباد معاف نہیں ہوتے لہٰذا اگر کسی شخص نے اسلام قبول کرنے سے پہلے مثلاً کسی سے قرضہ

---

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۴۷۷۔

(۲) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ج۳ص۵۴۔

(۳) درسِ مسلم ج۱ص۴۷۷، ۴۷۸۔

لیا یا اسی طرح کے دیگر مالی حقوق اس کے ذمہ تھے تو مسلمان ہونیکے بعد ان کی ادائیگی بھی ضروری ہوگی اور یہاں ماء سے مراد معاصی وگناہ ہیں نہ کہ حقوق العباد کیونکہ حقوق العباد میں کچھ تفصیل ہے۔[1]

شارحین کے قول کے مطابق ہجرت یا حج سے صرف گناہِ صغیرہ کی معافی کا وعدہ ہے۔لیکن ان اعمال کی تاثیر یہ ہے کہ عموماً انکی وجہ سے کبائر سے بھی توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے اور توبہ سے کبائر بھی معاف ہوجاتے ہیں۔اس لئے یہاں یھدم ماکان قبلہ کوعلی الاطلاق ذکر فرمایا۔[2]

سوال: ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حج سے مظالم بھی معاف ہوجاتے ہیں حالانکہ ظلم تو گناہِ کبیرہ ہے۔اور حقوق العباد سے متعلق ہے۔

جواب ۱ ... اس کی سند ضعیف ہے۔لہٰذا قابل استدلال نہیں۔

۲ ... اس روایت میں تاویل کا احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک تھے یا وہ مغفرت کی بشارت توبہ کے ساتھ مشروط تھی۔یا مظالم سے ایسے مظالم مراد ہیں کہ جس کا تدارک ممکن نہیں۔[3]

قوله : مَا أَدْرِي مَا حَالِي فِيهَا، (ص:۷۶،سطر:۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ان سے کوئی خطا سرزد بھی ہوئی تھی تو وہ اجتہادی تھی دانستہ نہیں تھی۔

قوله : فَشُنُّوا عَلَيَّ التُّرَابَ (ص:۷۶،سطر:۷)

یہ سن، سین کے ساتھ بھی ہے اس کے معنٰی ہیں آہستہ آہستہ اور شنّ بالشین اس کے معنٰی ہیں ایسے زور سے مٹی ڈالنا کہ وہ مٹی بکھر جائے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ قبر پر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنے کا حکم فرمارہے ہیں معلوم ہوا کہ صاحبِ قبر کو زور سے مٹی ڈالنے سے ناگواری یا تکلیف ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے جسم کے ساتھ اس کی روح کا تعلق باقی رہتا ہے آگے کے جملوں سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔[4]

قوله : ثُمَّ أَقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِي (ص:۷۶،سطر:۱۰)

یعنی پھر میری قبر کے اردگرد قرآنِ کریم پڑھنے کے لئے ٹھہر جانا تاکہ قرآنِ کریم کی برکت

(۱) فتح الملہم ج۲ص۸۵۔

(۲) درس مسلم ج۱ص۲۷۸۔

(۳) المفہم ج۱ص۳۳۱،۳۳۲۔

(۴) کذا فی حل المفہم ج۱ص۳۵۔

سے میری قبر منور ہو جائے اور میں اس وحشت کے مقام میں مانوس ہو جاؤں۔ اور منکر و نکیر کے سوالوں کا جواب دینا میرے لئے آسان ہو جائے۔ اس قیام سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں تمہیں دیکھوں اور تمہاری بات سنوں۔ (۱)

۳۱۸۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُونٍ، (الی قوله) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الشِّرْكِ قَتَلُوا فَأَكْثَرُوا، وَزَنَوْا فَأَكْثَرُوا، ثُمَّ أَتَوْا مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا :إِنَّ الَّذِي تَقُولُ وَتَدْعُو لَحَسَنٌ، وَلَوْ تُخْبِرُنَا أَنَّ لِمَا عَمِلْنَا كَفَّارَةً، فَنَزَلَ : "وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا" وَنَزَلَ "يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ". (ص:۷۶، سطر:۹ تا ۱۱)

تشریح

قوله : وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللهِ إِلَهًا آخَرَ (ص:۷۶، سطر:۶)

سائلین کا سوال یہ تھا کہ آپ ایسا عمل ارشاد فرمائیں جو زمانۂ ماضی کے گناہوں کا کفارہ بن جائے تو اس کے جواب میں راوی نے جس آیت کا ذکر کیا ہے اس سے بظاہر یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ والذین لایدعون.... (الی قوله) یلق اثاماً سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص شرک، قتل اور زنا کے گناہ کا ارتکاب کرے گا اس کو عذاب ہوگا اس میں تو گناہ کے کفارہ کا ذکر نہیں۔

اس آیت سے اگلی آیت یہ ہے: "إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا ــ" (۲) اس میں کفارہ یعنی گناہوں کی معافی کا ذکر ہے تو گویا راوی نے آیت کا ابتدائی حصہ ذکر کر کے پوری آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۳)

باب بيان حكم عمل الكافر اذا أسلم بعده...الخ

۳۱۹۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، ...(الی قوله)... أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ، أَخْبَرَهُ،

---

(۱) كذا فی حل المفهم ج۱ص۳۵۔

(۲) سورۃ الفرقان آیت:۷۰۔

(۳) درس مسلم ج۱ص۲۸۰،۲۸۱۔

أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَرَأَيْتَ أُمُورًا كُنْتُ أَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ؟ هَلْ لِي فِيهَا مِنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَسْلَمْتَ عَلَى مَا أَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ وَالتَّحَنُّثُ :التَّعَبُّدُ. (ص:۷۶،سطر:۱۱تا۱۳)

تشریح

قوله : أَسْلَمْتَ عَلَى مَا أَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ (ص:۷۶،سطر:۶)

عَلٰی کے اندر دو احتمال ہیں۔

۱ ... علی سببیہ ہو۔[۱] ۲ ... مع کے معنٰی میں ہو۔

پہلی صورت میں معنٰی یہ ہونگے کہ تم نے ان اعمالِ خیر ہی کے سبب سے اسلام قبول کیا۔ جو زمانۂ جاہلیت میں کیے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کفار کے اعمالِ خیر بالکل بیکار نہیں جاتے۔ بلکہ ان سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ کسی کو ایمان کی توفیق ہوتی ہے جو دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے اور کسی کو دنیا میں فائدہ مل جاتا ہے۔

اور اگر علی بمعنٰی مع ہو تو اس صورت میں معنٰی یہ ہونگے کہ زمانۂ جاہلیت میں کیے ہوئے اعمالِ خیر کا بدلہ اور ثواب آخرت میں بھی تمہیں دیا جائے گا چنانچہ علامہ نوویؒ نے محققین سے نقل کیا ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد حالتِ کفر کی نیکیوں پر بھی ثواب ملتا ہے۔ دلیل حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ”جب کافر مسلمان ہوتا ہے اور اس کا اسلام لانا اچھا ہوتا ہے یعنی اخلاص سے ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر نیکی کا بدلہ دیتے ہیں اور اس کی ہر برائی کو مٹادیتے ہیں اس کے بعد اس کے ہر نیک عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا کر لکھا جاتا ہے اور گناہ ایک ہی لکھا جاتا ہے۔“[۲]

اور صحیح مسلم کی ایک حدیث مرفوع میں ہے کفار کو ان کے اعمالِ خیر کے نتیجہ میں اگر ایمان نصیب نہ ہو تب بھی دنیا کا فائدہ ضرور دیا جاتا ہے جیسا کہ آج کل اہلِ یورپ بعض اچھے اعمال بھی کر رہے ہیں تو ان کو اُن کا فائدہ مل رہا ہے مثلاً صنعت وتجارت اور ملازمت ومزدوری میں دھوکہ بازی

---

(۱) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۲۷۷۔

(۲) رواہ الدار قطنی بحوالۂ شرح النووی ص:۷۷،ج۱۔

اور کام چوری وغیرہ سے عموماً بچنے کی وجہ سے وہ ترقی کررہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ کفار کے اعمالِ خیر بھی بالکل بیکار نہیں جاتے۔ بلکہ یا تو ان کے نتیجہ میں ان کو ایمان کی دولت نصیب ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے ان کو حالتِ کفر کے اعمال کا ثواب آخرت میں بھی ملتا ہے۔ اور دنیا وآخرت کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اور اگر ایمان نصیب نہ ہو تب بھی دنیا میں اُن کا فائدہ اور بدلہ دے دیا جاتا ہے۔[1]

باب صدق الایمان واخلاصہ...الخ

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ، وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، وَوَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :لَمَّا نَزَلَتْ :"الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا" إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ شَقَّ ذَلِكَ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالُوا :أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّونَ، إِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ :(يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللهِ إِنَّ الشِّرْكَ) لَظُلْمٌ عَظِيمٌ. (ص۷۷سطر:۱،۲)

تشریح

قولہ : أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ؟ (ص۷۷سطر:۲)

ظلم کے لغوی معنٰی ہیں ’’وضع الشیء فی غیر محله‘‘ یعنی کسی چیز کو اس کی جگہ سے ہٹا کر رکھنا اس لحاظ سے ہر گناہ خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ ظلم ہے۔ کیونکہ اس میں اعضاء وجوارح کو غیر محل میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی ان سے وہ عمل کیا جاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے اس عموم کی وجہ سے یہ آیت مشقت والی محسوس ہوتی تو انہوں نے سوال کیا أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ؟ تو جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ یہاں ظلم سے ایک خاص ظلم یعنی شرک کرنا مراد ہے۔[2]

تفسیر وتشریح کے لئے محض ترجمہ جاننا کافی نہیں

مذکورہ واقعہ سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرامؓ جن کی مادری زبان عربی تھی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ

(۱) درس مسلم ج۱ص۴۸۲۔

(۲) فتح الملهم ج۲ص۸۹۔

علیہ وسلم کے زیرِ سایہ زندگی گزار رہے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے لئے محض ترجمہ ظاہری مفہوم قرآنِ کریم کو سمجھنے کے لئے کافی نہ ہوا تو آج کل ہم لوگ جو خیر القرون سے بہت دور ہیں اور عربی زبان کی بھی پوری طرح مہارت نہیں رکھتے تو محض ترجمہ کی بنیاد پر قرآنِ کریم کی تشریح کیسے کر سکتے ہیں؟ اسی لئے علماءِ کرام نے فرمایا کہ قرآنِ کریم کو محض ترجمہ کے ساتھ شائع نہ کرنا چاہئے بلکہ ضروری تفسیر بھی جو معتبر اور مستند ہو اس کے ساتھ ہونی چاہئے۔[۱]

باب بیان تجاوز اللّٰہ عن حدیث النفس...الخ

۳۲۵۔حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ الضَّرِیرُ، (الی قوله) عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ :لَمَّا نَزَلَتْ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "لِلّٰهِ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الْأَرْضِ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِی أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللهُ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَشَاءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَشَاءُ وَاللهُ عَلَى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیرٌ"، قَالَ :فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ بَرَكُوا عَلَى الرُّكَبِ، فَقَالُوا :أَیْ رَسُولَ اللهِ، كُلِّفْنَا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا نُطِیقُ، الصَّلَاةَ وَالصِّیَامَ وَالْجِهَادَ وَالصَّدَقَةَ، وَقَدِ أُنْزِلَتْ عَلَیْكَ هٰذِهِ الْآیَةُ وَلَا نُطِیقُهَا، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: أَتُرِیدُونَ أَنْ تَقُولُوا كَمَا قَالَ أَهْلُ الْكِتَابَیْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا؟ بَلْ قُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَیْكَ الْمَصِیرُ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَیْكَ الْمَصِیرُ، فَلَمَّا اقْتَرَأَهَا الْقَوْمُ، ذَلَّتْ بِهَا أَلْسِنَتُهُمْ، فَأَنْزَلَ اللهُ فِی إِثْرِهَا: آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَیْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَیْكَ الْمَصِیرُ"، فَلَمَّا فَعَلُوا ذٰلِكَ نَسَخَهَا اللهُ تَعَالَى، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : "لَا یُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِینَا أَوْ أَخْطَأْنَا" قَالَ نَعَمْ "رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِینَ مِنْ قَبْلِنَا" قَالَ :نَعَمْ "رَبَّنَا

(۱) درسِ مسلم ج۱ص۲۸۳۔

وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ "قَالَ نَعَمْ "وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ" قَالَ نَعَمْ."(ص:۷۷،سطر۲۴تا۸۲وص:۷۸سطر:۱تا۳)

تشریح

قولہ : "وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ" (ص:۷۷،سطر۵)

اس آیت میں ''مَا'' کے اندر عموم ہے، اس میں تمام اختیاری اور غیر اختیاری خیالات ھاجس سے لے کر عزم تک شامل ہوگئے، اِس عموم کی وجہ سے صحابہ کرامؓ پریشان ہوئے کہ غیر اختیاری وساوس وخطرات پر تو انسان کا کنٹرول نہیں، تو ان سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ تمہیں اللہ رب العزت کے کسی حکم پر اعتراض کا کوئی حق نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے مالکِ حقیقی ہیں، انہیں اپنی مملوکات میں ہر طرح کے تصرف کا پورا حق ہے۔

قولہ : "فَقَالُوا :أَیْ رَسُولَ اللّٰہِ!" (ص:۷۷،سطر۷)

یہ ''أی'' فتحہ اور سکون کے ساتھ ہے، اور یہ حرف نداء بھی ہے اور حرفِ تفسیر بھی[1]۔ یہاں نداء کے طور پر آیا ہے۔ یعنی یہ یارسول اللہ کے معنٰی میں ہے۔

قولہ : غُفْرَانَکَ" (ص:۷۷،سطر۸)

یہ فعلِ محذوف کا مفعول بہ ہے۔ ای نطلب غفرانک۔

قولہ : " ذَلَّتْ بِهَا أَلْسِنَتُهُمْ،" یعنی ان کی زبانوں نے اس کو مان لیا۔ (ص:۷۸،سطر۱)

یہ ماقبل کے جملے "اقتراها القوم" سے بدل ہے، یا جملۂ حالیہ بھی ہوسکتا ہے (کما قال السندی) اور لما کا جواب انزل اللّٰہ عزوجل فی اثرھا : "آمَنَ الرَّسُولُ" الخ سے آیات کے ختم تک ہے۔ یعنی جب لوگوں نے ''سمعنا و اطعنا'' کہہ لیا اور ان کی زبانوں نے اس کو مان لیا اور تابعداری کرلی تو اللہ پاک نے اس کو منسوخ فرما کر یہ آیت ''لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا'' الخ نازل فرمادی۔

قولہ : "فَلَمَّا فَعَلُوا ذٰلِكَ نَسَخَهَا اللّٰهُ تَعَالَى، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : "لَا

(۱) مغنی اللبیب ج۱ ص۷۱

قوله : يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا...الخ" (ص:۷۸،سطر۲)

یہاں "نسخ" سے کیا مراد ہے؟ شرح نووی اور فتح الملهم میں اس کے مختلف جوابات نقل کئے گئے ہیں، لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی توجیہ جس تفصیل و وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمائی ہے، وہ بہت اطمینان بخش ہے، حضرت تھانوی اور حضرت مفتی صاحبؒ نے بھی تفسیر معارف القرآن میں بنیادی طور پر اس کو اختیار کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی آیت سے اگر ایسے معنیٰ کا وہم پیدا ہوتا ہو جو عند اللّٰہ مراد نہیں تو اُس وہم کو دور کرنا متقدمین کی اصطلاح میں نسخ کہلاتا تھا اور یہاں نسخ کے یہی معنیٰ مراد ہیں یعنی دوسری آیت کے ذریعہ پہلی آیت سے پیدا ہونے والے وہم کو دور کرنا نسخ سے مراد ہے۔ (الحل المفهم)

۳۳۰۔حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ...(الى قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ :إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِسَيِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوهَا عَلَيْهِ، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا سَيِّئَةً، وَإِذَا هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوهَا حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا عَشْرًا." (ص:۷۸،سطر۱۱،۱۲)

تشریح

قوله : "إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِسَيِّئَةٍ " (ص:۷۸،سطر۱۲)

ھم اور عزم دونوں اختیاری ہیں، ان میں فرق یہ ہے کہ ھم کچے ارادے کو، اور عزم پختہ ارادے کو کہتے ہیں۔ عزم گناہ کا ہو یا نیکی کا، اس پر جزاء سزا مرتب ہوگی، اس لئے کہ یہ دل کا عمل ہے، بخلاف ھم کے کہ اگر گناہ کا ہے تو معاف اور اگر نیکی کا ہے تو اس پر بھی ایک نیکی ملے گی، جو محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ (کذا فی الحل المفهم)[1]۔

ایک اشکال اور جواب

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں قرآنِ حکیم میں جو ھمّ کا لفظ استعمال ہوا ہے: "ولقد همت به وهما بها" تو اگرچہ یہ ھمّ عام انسان کے اعتبار سے معاف ہے، لیکن شانِ نبوت سے کم تر ہونے کی وجہ سے اشکال ہوتا ہے کہ انھوں نے ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ اس کا جواب یہ ہے

(۱) ج۱ص۳۶،۳۷و أنظر أيضا اكمال المعلم ج۱ص۳۳۱۔

کہ اس آیت میں "وھَمَّ بِھَا" پر وقف نہیں ہے بلکہ "لَوْ لآ اَن رَّاٰی برھانَ رَبِّہٖ" پر وقف ہے اور یہاں یہ جملہ مکمل ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو کچا ارادہ کر لیتے، لیکن چونکہ انھوں نے برہانِ الٰہی کا مشاہدہ کر لیا تھا، اس لئے وہ "ھمّ" کرنے سے بھی محفوظ رہے[1]۔ اب کوئی اشکال نہیں۔

۳۳۲۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قال : نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ :هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ :إِذَا تَحَدَّثَ عَبْدِي بِأَنْ يَعْمَلَ حَسَنَةً، (الی قولہ) وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ :رَبِّ، ذَاكَ عَبْدُكَ يُرِيدُ أَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً، وَهُوَ أَبْصَرُ بِهِ، فَقَالَ :ارْقُبُوهُ فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ بِمِثْلِهَا، وَإِنْ تَرَكَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً، إِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَّاءِ یَ...الحدیث." (ص:۷۸،سطر۱۴،۱۷)

تشریح

قولہ : "مِنْ جَرَّاءِ یَ" (ص:۷۸،سطر۱۷) ای من اجلی یعنی میرے خاطر۔

باب بیان الوسوسة في الایمان...الخ

۳۳۸۔ "حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلُوهُ :إِنَّا نَجِدُ فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ، قَالَ: أَوَ قَدْ وَجَدْتُمُوهُ؟ قَالُوا :نَعَمْ، قَالَ :ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ." (ص:۷۹،سطر۱،۲)

تشریح

قولہ : "أَوَ قَدْ وَجَدْتُمُوهُ؟" (ص:۷۹،سطر۱)

وَجَدْتُمُوهُ کی ضمیر مفرد کا مرجع "تعاظم" ہے، تقدیرِ عبارت یوں ہوگی، :"أانتم

---

(۱) تفسیر القرطبی ج۹ص۱۶۶۔

تسئلون هذا وقد وجدتم ذلک التعاظم"، یعنی کیا تم اس حالت میں سوال کر رہے ہو کہ تم نے واقعی ان وساوس کا زبان پر لانا بھی بہت برا سمجھا؟

اور اگلے جملے "ذلک صریح الایمان" میں بھی "ذلک" کا مشارٌ الیه، تعاظم ہے۔[1] مطلب یہ ہے کہ ان وساوس کو تمہارا برا سمجھنا دل میں ایمان ہونے کی علامت ہے، لہٰذا ان وساوس کا آنا کچھ مضر نہیں۔

۳۴۰۔حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ الصَّفَّارُ...(الی قوله)...عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ :سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوَسْوَسَةِ، قَالَ: تِلْكَ مَحْضُ الْإِيمَانِ. (ص:۷۹،سطر۳،۴)

تشریح

قوله : "عَنِ الْوَسْوَسَةِ، قَالَ :تِلْکَ مَحْضُ الْإِيمَانِ" (ص:۷۹،سطر۴)

ای الوسوسة علامة محض الایمان یعنی وسوسہ آنا ایمانِ خالص کی علامت ہے، کیونکہ مؤمن کے دل میں وساوس اس لئے آتے ہیں کہ اس کے دل میں ایمان موجود ہے، اگر ایمان نہ ہوتا تو یہ وساوس نہ آتے، کیونکہ شیطان ایسے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنے کی کوشش کرتا ہے جو دولتِ ایمان سے مالا مال ہوں، اور جو اس نعمتِ عظمٰی سے محروم ہیں جیسے کافر ومشرک، تو ان کے دلوں میں وساوس ڈالنے کی شیطان کو کوئی ضرورت حاجت نہیں، کیونکہ ان کے دلوں میں تو وہ وساوس کے بجائے کفر وشرک اور گناہ ڈالتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ کا وسوسہ کی حد تک رہنا یعنی عقیدہ اور عمل کا اس کے مطابق نہ ہونا ایمان کی ایک علامت ہے۔[2]

۳۴۳۔حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله) أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُولَ :مَنْ خَلَقَ كَذَا وَكَذَا؟ حَتَّى يَقُولَ لَهُ :مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ؟ فَإِذَا بَلَغَ ذَلِكَ، فَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ وَلْيَنْتَهِ." (ص:۷۹، سطر۷،۸)

---

(۱) فتح الملهم ج۲ص۲۰۸ والحل المفهم ج۱ص۳۷ وشرح النووی ج۱ص۷۹۔

(۲) ؟؟؟

تشریح

قولہ : "وَلْيَنْتَهِ" (ص:۷۹،سطر۸)

یعنی اس خیال سے رک جائے اور ادھر ذہن ہٹالے اور دھیان ہٹانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنے ذہن کو کسی اور کام میں لگادے، ورنہ کسی بھی طرح بھی اس قسم کے خیالات سے چھٹکارا حاصل نہ ہوگا۔

باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة بالنار

۳۵۱۔ "حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، (الى قوله) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ، فَقَدْ أَوْجَبَ اللهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ :وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيرًا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ :وَإِنْ قَضِيبًا مِنْ أَرَاكٍ." (ص:۸۰،سطر۱تا۳)

تشریح

قولہ : "مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ" (ص:۸۰،سطر۲)

یہاں یمین سے بظاہر "منکر کی قسم مراد" ہے کہ جب مدعی بیّنہ سے اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکے تو منکر سے قسم لے کر قاضی اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہے۔ حضرات فقہاء کرام کے درمیان یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ قاضی اگر جھوٹے گواہوں پر اعتماد کر کے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے تو قاضی صرف ظاہراً نافذ ہوتا ہے یا ظاہراً وباطناً بھی؟ جمہور کے نزدیک ایسے فیصلے کا نفاذ صرف ظاہراً ہوتا ہے باطناً نہیں، جبکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ظاہراً وباطناً دونوں اعتبار سے اس کا نفاذ ہوتا ہے، لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے لئے چند شرائط ہیں۔ من جملہ ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ فیصلہ جھوٹی قسم کی بنیاد پر نہ ہوا ہو، بلکہ جھوٹے گواہوں کی بنیاد پر ہوا ہو۔ لہٰذا امام صاحبؒ کا مسلک اس حدیث باب کے خلاف نہیں۔ (اس مسئلہ کی پوری تفصیل دلائل کے ساتھ صحیح مسلم کی جلدِ ثانی میں ملاحظہ فرمائیں۔)

قولہ : "وَإِنْ قَضِيبًا مِنْ أَرَاكٍ" (ص:۸۰،سطر۳)

یعنی پیلو کے درخت کی لکڑی، یعنی مسواک۔ ہمارے نسخوں میں قضیبٌ مرفوع ہے، اس کی تقدیرِ عبارت یہ ہے: "وان اخذ قضیبٌ" اور بعض نسخوں میں منصوب ہے، اس کی تقدیرِ عبارت یہ ہوگی: "وان کان المأخوذ قضیبا".

۳۵۳۔حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينِ صَبْرٍ، يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ ، قَالَ :فَدَخَلَ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ، فَقَالَ :مَا يُحَدِّثُكُمْ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ؟ قَالُوا :كَذَا وَكَذَا، قَالَ :صَدَقَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ، فِيَّ نَزَلَتْ، كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ أَرْضٌ بِالْيَمَنِ، فَخَاصَمْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :هَلْ لَكَ بَيِّنَةٌ؟ فَقُلْتُ :لَا، قَالَ :فَيَمِينُهُ ، قُلْتُ :إِذَنْ يَحْلِفُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذَلِكَ :مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينِ صَبْرٍ، يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَنَزَلَتْ :(إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا) إِلَى آخِرِ الْآيَةِ." (ص:۸۰،سطر۳تا۸)

تشریح

قوله : "يَمِينِ صَبْرٍ" (ص:۸۰،سطر۵)

"یمین صبر" وہ قسم ہے جس کے ذریعہ مال کو اپنے پاس روک لیا جائے، جیسا کہ پیچھے اس کا بیان گزرا۔

۳۵۴۔ "حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ يَسْتَحِقُّ بِهَا مَالًا، هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ ، ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ الْأَعْمَشِ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ :كَانَتْ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ خُصُومَةٌ فِي بِئْرٍ، فَاخْتَصَمْنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :شَاهِدَاكَ أَوْ يَمِينُهُ." (ص:۸۰،سطر۸،۹)

تشریح

قوله : "فِي بِئْرٍ" (ص:۸۰،سطر۹)

ماقبل کی روایت میں "أرض" کا لفظ تھا اور اس میں "فِي بِئْرٍ" ہے، ہوسکتا ہے کہ جس زمین میں جھگڑا ہو، اس میں کنواں بھی ہو، تو کبھی زمین کی طرف نسبت کی اور کبھی کنویں کی طرف، لہٰذا تعارض نہ رہا۔

۳۵٦۔ "حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الى قوله) عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ هَذَا قَدْ غَلَبَنِي عَلَى أَرْضٍ لِي كَانَتْ لِأَبِي، فَقَالَ الْكِنْدِيُّ :هِيَ أَرْضِي فِي يَدِي أَزْرَعُهَا لَيْسَ لَهُ فِيهَا حَقٌّ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِيِّ :أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟ قَالَ :لَا، قَالَ :فَلَكَ يَمِينُهُ ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِي عَلَى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ، وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ، فَقَالَ :لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذَلِكَ ، فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَدْبَرَ :أَمَا لَئِنْ حَلَفَ عَلَى مَالِهِ لِيَأْكُلَهُ ظُلْمًا، لَيَلْقَيَنَّ اللهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ." (ص:۸۰،سطر۱۱تا۱۵)

تشریح

قوله : "فَانْطَلَقَ" (ص:۸۰،سطر۱۴) یعنی قسم کھانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی طرف چلا۔ کیونکہ اس زمانہ میں قسم کی تاکید وتوثیق کے لئے منکر کو منبرِ نبوی کے پاس لاکر حلف لیا جاتا تھا، اور اگر مزید تاکید مقصود ہوتی تو عصر کے بعد قسم لی جاتی تھی، کیونکہ وہ وقت زیادہ فضیلت کا ہے۔

۳۵۷۔ "حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (الى قوله) عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، قَالَ :كُنْتُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَاهُ رَجُلَانِ يَخْتَصِمَانِ فِي أَرْضٍ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا :إِنَّ هَذَا انْتَزَى عَلَى أَرْضِي يَا رَسُولَ اللهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ -وَهُوَ امْرُؤُ الْقَيْسِ بْنُ عَابِسٍ الْكِنْدِيُّ، وَخَصْمُهُ رَبِيعَةُ بْنُ عِبْدَانَ

قَالَ: بَيِّنَتُكَ قَالَ :لَيسَ لِي بَيِّنَةٌ، قَالَ :يَمِينُهُ قَالَ :إِذَنْ يَذْهَبُ بِهَا، قَالَ :لَيسَ لَكَ إِلَّا ذَاكَ ، قَالَ :فَلَمَّا قَامَ لِيَحْلِفَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنِ اقْتَطَعَ أَرْضًا ظَالِمًا، لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ ، قَالَ إِسْحَاقُ فِي رِوَايَتِهِ: رَبِيعَةُ بْنُ عَيْدَانَ." (ص:۸۰،سطر۱۵تا۱۸)

تشریح

قولہ: "بَيِّنَتُكَ" (ص:۸۰،سطر۱۷) أی بینتک مطلوبة. یعنی تمہارے گواہ چاہئیں۔

قولہ: "يَمِينُهُ" (ص:۸۰،سطر۱۷) یعنی تمہارے ذمہ قسم کھانا ہے۔

باب الدليل على أن من قصد أخذ مال غيره....الخ

۳۵۹۔حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ، (الی قوله) أَنَّ ثَابِتًا مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ لَمَّا كَانَ بَيْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَبَيْنَ عَنْبَسَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ مَا كَانَ تَيَسَّرُوا لِلْقِتَالِ، فَرَكِبَ خَالِدُ بْنُ الْعَاصِ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو فَوَعَظَهُ خَالِدٌ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو :أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ." (ص:۸۱،سطر۲تا۵)

تشریح

قوله : "لَمَّا كَانَ بَيْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَبَيْنَ عَنْبَسَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ مَا كَانَ" (ص:۸۱،سطر۳)

حضرت عبد اللہؓ بن عمر بن العاص اور حضرت عنبسہؓ بن ابی سفیان کے درمیان یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت عنبسہؓ بن ابی سفیان اپنے بھائی حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے طائف کے گورنر تھے، طائف میں حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی بھی زمین تھی، حضرت عنبسہؓ نے طائف کے چشمہ سے ایک نالہ نکالا جس سے کسی زمین کو سیراب کرنا مقصود تھا، نالے کے راستے میں حضرت ابن عمروؓ کی زمین تھی، جب حضرت عنبسہؓ نے اس نالے کو حضرت ابنِ عمروؓ کی زمین میں کھود کر اس سے گزارنا چاہا تو انہوں نے منع کردیا، وہ زبردستی نکالنا چاہتا تھے اور یہ راضی نہ تھے، جس کے نتیجہ میں

دونوں مسلسل لڑائی کے لئے تیار ہوگئے۔ اور خالد بن العاص حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کے چچا تھے، وہ ابنِ عمروؓ کو سمجھانے کے لئے ان کی طرف روانہ ہوئے۔[1]

باب استحقاق الوالی الغاش لرعیة النار

٣٦٢۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى...(الى قوله)...دَخَلَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ زِيَادٍ، عَلَى مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، وَهُوَ وَجِعٌ، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ :إِنِّي مُحَدِّثُكَ حَدِيثًا لَمْ أَكُنْ حَدَّثْتُكَهُ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا يَسْتَرْعِي اللهُ عَبْدًا رَعِيَّةً، يَمُوتُ حِينَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهَا، إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ ، قَالَ :أَلَّا كُنْتَ حَدَّثْتَنِي هَذَا قَبْلَ الْيَوْمِ؟ قَالَ :مَا حَدَّثْتُكَ ، أَوْ لَمْ أَكُنْ لِأُحَدِّثَكَ." (ص:۸۱،سطر۷ تا۹)

تشریح

قوله : "وَهُوَ وَجِعٌ" (ص:۸۱،سطر۸) یعنی وہ بیمار تھے۔

٣٦٤۔حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ إِسْحَاقُ :أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الْآخَرَانِ :حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ :حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ زِيَادٍ عَادَ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ فِي مَرَضِهِ، فَقَالَ لَهُ مَعْقِلٌ :إِنِّي مُحَدِّثُكَ بِحَدِيثٍ لَوْلَا أَنِّي فِي الْمَوْتِ لَمْ أُحَدِّثْكَ بِهِ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :مَا مِنْ أَمِيرٍ يَلِي أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ، ثُمَّ لَا يَجْهَدُ لَهُمْ، وَيَنْصَحُ، إِلَّا لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ" (ص:۸۱،سطر۱۰ تا۱۲)

تشریح

قوله : "لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ" (ص:۸۱،سطر۱۲)

"مَعَهُمْ" کی قید سے معلوم ہوا کہ دھوکہ باز سلطان دُخولِ اوّلی کے ساتھ جنت میں نہیں

(۱) فتح الباری ج۵ص۱۲۳ والاصابة ج۲ص۲۴۰ والمحلی لابن حزم ج۱۱ص۹۹۔

جائے گا، لہٰذا یہاں مطلق دخولِ جنت کی نفی نہیں ہے، اور ماقبل کی روایت میں جملہ "حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ" کے اندر بھی یہ قید ملحوظ ہوگی۔ یعنی اللہ تعالیٰ جنت میں دخولِ اولیٰ اس پر حرام کردیں گے۔

باب رفع الأمانة والايمان من بعض القلوب...الخ

۳۶۵۔ "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ (الى قوله) عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَيْنِ قَدْ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا، وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ حَدَّثَنَا: أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ، ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْآنُ، فَعَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ، وَعَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ، ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِ الْأَمَانَةِ قَالَ: يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ الْوَكْتِ، ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ، فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلَى رِجْلِكَ فَنَفِطَ، فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ -ثُمَّ أَخَذَ حَصًى فَدَحْرَجَهُ عَلَى رِجْلِهِ -فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ لَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ حَتَّى يُقَالَ: إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا، حَتَّى يُقَالَ لِلرَّجُلِ: مَا أَجْلَدَهُ مَا أَظْرَفَهُ مَا أَعْقَلَهُ وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ وَلَقَدْ أَتَى عَلَيَّ زَمَانٌ وَمَا أُبَالِي أَيَّكُمْ بَايَعْتُ، لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا لَيَرُدَّنَّهُ عَلَيَّ دِينُهُ، وَلَئِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا أَوْ يَهُودِيًّا لَيَرُدَّنَّهُ عَلَيَّ سَاعِيهِ، وَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ لِأُبَايِعَ مِنْكُمْ إِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا." (ص:۸۲، سطر۱تا۵)

تشریح

قولہ: "عَنْ حُذَيْفَةَ" (ص:۸۲، سطر۱)

یہ مشہور صحابی ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو "مدائن" کا عامل (گورنر) مقرر فرمایا تھا، "مدائن" فتحِ عراق سے پہلے کسریٰ کا دارالحکومت تھا۔

قولہ: "قَدْ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا، وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ" (ص:۸۲، سطر۲)

یعنی میں نے ان میں سے ایک مصداق دیکھ لیا دوسری کا انتظار ہے۔

قولہ: "جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ" (ص:۸۲، سطر۲) یعنی لوگوں کے دلوں کی جڑ میں۔[1]

---

(۱) مختار الصحاح ج۱ص۴۱ ولسان العرب ج۴ص۱۲۳۔

قوله : "فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ" (ص:۸۲،سطر۲) یعنی امانت نکال لی جائے گی۔ (ص:۸۲،سطر۲)

سوال:۔ یہاں سوال ہوتا ہے کہ رفعِ امانت تو غیر اختیاری ہے، اس لئے کہ یہ من جانب اللہ ہوا، تو اس کی مذمت کیوں کی گئی ہے؟

جواب:۔ یہ رفعِ امانت گناہوں کی وجہ سے ہے، جیسے مالِ حرام سے نیک کاموں کی توفیق کم یا سلب ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ امر غیر اختیاری نہ رہا، کیونکہ اس کا سبب اختیاری ہے۔

قوله : "الوكت" (ص:۸۲،سطر۳)

یہ واؤ اور کاف کے سکون کے ساتھ ہے اس کے معنیٰ ہیں نقطے کی طرح چھوٹا سا نشان۔[1]

قوله : "الْمَجْلِ" (ص:۸۲،سطر۳) آبلہ اور چھالہ۔[2]

قوله : "فَنَفِطَ" (ص:۸۲،سطر۳) پس پھول جاتا ہے۔

قوله : "مُنْتَبِرًا" (ص:۸۲،سطر۳) اُبھرا ہوا، (فتح الملہم)۔[3]

قوله : "لَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ" (ص:۸۲،سطر۴)

اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ کوئی بھی امانت ادا کرنے کے قریب نہیں ہوگا، یعنی اداءِ امانت کے قریب ہونے کی نفی ہے، مگر یہاں یہ مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ لوگ امانت ادا کریں گے لیکن اتنی کم ادا کریں گے یا اتنے کم لوگ ادا کریں گے کہ وہ ادا نہ کرنے کے قریب ہوں گے۔

قوله : "مَا أَجْلَدَهُ مَا أَظْرَفَهُ مَا أَعْقَلَهُ" (ص:۸۲،سطر۴)

یہ تینوں تعجب کے صیغے ہیں جو بطورِ تحسین کے استعمال ہوئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اُس زمانہ میں اچھائی و برائی کے معیار بدل جائیں گے، اور ایسے لوگوں کی تعریفیں کی جائیں گی جن میں قوت وطاقت اور ذہانت وظرافت جیسی صفات اگرچہ ہوں گی مگر امانت کالعدم ہوگی جس کے باعث مذکورہ بالا اچھی صفات کا استعمال غلط ہوگا۔

قوله : "ساعيه" (ص:۸۲،سطر۵)

(۱) الغریب لابن سلام ج۳ص۱۱۷ وفتح الملہم ج۲ص۲۳۳۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) فتح الملہم ج۲ص۲۳۳۔

اُس کا حاکم، یعنی میرا حق اس کا حاکم مجھے دلا دے گا۔

۳۶۷۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ،(الى قوله) عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ :كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ، فَقَالَ :أَيُّكُمْ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ الْفِتَنَ؟ فَقَالَ قَوْمٌ :نَحْنُ سَمِعْنَاهُ، فَقَالَ :لَعَلَّكُمْ تَعْنُونَ فِتْنَةَ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَجَارِهِ؟ قَالُوا :أَجَلْ، قَالَ :تِلْكَ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصِّيَامُ وَالصَّدَقَةُ، وَلَكِنْ أَيُّكُمْ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ الَّتِي تَمُوجُ مَوْجَ الْبَحْرِ؟ قَالَ حُذَيْفَةُ :فَأَسْكَتَ الْقَوْمُ، فَقُلْتُ :أَنَا، قَالَ :أَنْتَ لِلّٰهِ أَبُوكَ.

قَالَ حُذَيْفَةُ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوبِ كَالْحَصِيرِ عُودًا عُودًا، فَأَيُّ قَلْبٍ أُشْرِبَهَا، نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، وَأَيُّ قَلْبٍ أَنْكَرَهَا، نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ حَتَّى تَصِيرَ عَلَى قَلْبَيْنِ، عَلَى أَبْيَضَ مِثْلِ الصَّفَا فَلَا تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ، وَالْآخَرُ أَسْوَدُ مُرْبَادًّا كَالْكُوزِ، مُجَخِّيًا لَا يَعْرِفُ مَعْرُوفًا، وَلَا يُنْكِرُ مُنْكَرًا، إِلَّا مَا أُشْرِبَ مِنْ هَوَاهُ.

قَالَ حُذَيْفَةُ :وَحَدَّثْتُهُ، أَنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا يُوشِكُ أَنْ يُكْسَرَ ، قَالَ عُمَرُ :أَكَسْرًا لَا أَبَا لَكَ؟ فَلَوْ أَنَّهُ فُتِحَ لَعَلَّهُ كَانَ يُعَادُ، قُلْتُ :لَا بَلْ يُكْسَرُ ، وَحَدَّثْتُهُ أَنَّ ذَلِكَ الْبَابَ رَجُلٌ يُقْتَلُ أَوْ يَمُوتُ حَدِيثًا لَيْسَ بِالْأَغَالِيطِ قَالَ أَبُو خَالِدٍ فَقُلْتُ لِسَعْدٍ :يَا أَبَا مَالِكٍ، مَا أَسْوَدُ مُرْبَادٌّ؟ قَالَ :شِدَّةُ الْبَيَاضِ فِي سَوَادٍ، قَالَ :قُلْتُ :فَمَا الْكُوزُ مُجَخِّيًا؟ قَالَ :مَنْكُوسًا." (ص:۸۲،سطر۶ تا ۱۳)

تشریح

قوله : "عَنْ رِبْعِيٍّ(حراش)" (ص:۸۲،سطر۷)

یہ مشہور تابعی ہیں، انہوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مجھے اپنے جنتی ہونے کا علم نہ ہوگا اُس وقت تک ہنسوں گا نہیں، چنانچہ عمر بھر نہیں ہنسے، پھر جب انتقال ہوا تو ہنسے۔[1]

قوله "فِتْنَةَ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ" (ص:۸۲،سطر۷)

(۱) سیر أعلام النبلاء ج۴ ص۳۶۱۔

یعنی انکی وجہ سے حقوق اللہ صحیح ادا نہ ہوں کہ محبت میں غلو سے کام لیا جائے، یا حقوق العباد ٹھیک طور پر ادا نہ ہوں گے۔

قولہ : "تَمُوجُ مَوْجَ الْبَحْرِ؟" (ص:۸۲،سطر۸)

اس میں دو وجہ سے تشبیہ دینا متصور ہے۔

۱ ... جس طرح سمندر کے کنارے نئی آنے والی موج پہلی موج کے مقابلہ میں سخت ہوتی ہے جس کے سامنے پہلی موج ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے، اسی طرح ہر آنے والا فتنہ پہلے سے بڑا ہوگا کہ لوگ اس بڑے فتنے کے سامنے پچھلے فتنے کو ہلکا سمجھیں گے۔

۲ ... جس طرح وسطِ سمندر میں مختلف سمتوں سے موجیں آتی ہیں، اسی طرح یہ فتنے بھی مختلف اطراف سے آئیں گے۔

قولہ : "فَأَسْكَتَ الْقَوْمُ،" (ص:۸۲،سطر:۸)

اہلِ لغت نے اس کے دو معنٰی بیان کئے ہیں : ایک "خاموش ہوگئے" یعنی "اسکت" "سکت" کے معنیٰ میں ہے، اور دوسرے معنٰی ہیں گردن جھکالی، یعنی یہ لفظ اطرق کے معنیٰ میں ہے (نووی)۔[1]

قولہ : "كَالْحَصِيرِ عُودًا عُودًا" (ص:۸۲،سطر:۹)

جس طرح چٹائی بنتے وقت اس میں استعمال کی جانے والی پتیاں پے در پے ایک دوسرے کے ساتھ جڑتی چلی جاتی ہیں، اسی طرح یہ فتنے بھی پے در پے آتے جائیں گے۔

قولہ : "علی قلبین" (ص:۸۲،سطر:۱۰) یعنی قلوب کی دو قسمیں ہوں گی۔

قولہ : "مادامت السموات والارض" (ص:۸۲،سطر:۱۰) یعنی موت تک۔[۲]

قولہ : "مُرْبَادًّا" (ص:۸۲،سطر:۱۰)

اس کے معنٰی ہیں سیاہ رنگ جو سفیدی مائل ہو، اسے اردو میں سیلٹی رنگ اور انگریزی میں گرے کہتے ہیں۔

---

(۱) شرح النووی ج۱ص۸۳۔

(۲) الحل المفهم ج۱ص۳۸۔

قوله : "كالكوز مجخيا" کوز کے معنیٰ لوٹا اور مجخیا کے معنیٰ اُلٹا۔ (ص:۸۲، سطر:۱۰)

یعنی جب لوٹے کو اُلٹا کیا جائے تو اس میں جس طرح پانی باقی نہیں رہتا سوائے کچھ تری اور نمی کے جو اُس کے اندر لگی رہ جاتی ہے، اسی طرح قلوب میں بھی امانت کالعدم ہو جائے گی۔

قوله : "لا أبالک" (ص:۸۲، سطر:۱۱)

اس کے لفظی معنیٰ ہیں "تیرا باپ نہیں ہے۔" مراد یہ ہے کہ ہوشیار ہو جاؤ، اس کے لفظی معنیٰ سے مناسبت یہ ہے کہ جب تک باپ زندہ ہوتا ہے تو آدمی کو فکر نہیں ہوتی، اس لئے کہ مشکل امور میں باپ آگے ہوتا ہے اور اولاد کو پیچھے رکھتا ہے، یا کم از کم خصوصی معاونت کرتا ہے، اور جس کا باپ زندہ نہ ہو اُسے اپنی مشکلات کا خود مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اور ظاہر ہے کہ آدمی مشکلات کا مقابلہ اُسی وقت کر سکتا ہے جب وہ ہوشیار ہو۔

قوله : "أن ذلک الباب رجل يقتل أو يموت" (ص:۸۲، سطر:۱۱)

امام نووی اور علامہ شبیر احمد عثانی رحمہما اللہ نے فرمایا ہے[1]: اس حدیث میں رجل سے مراد حضرت عمرؓ ہیں، اور حضرت حذیفہؓ نے ان کے قتل یا موت کے بارے میں جس شک کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے حضرت حذیفہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح شک کے ساتھ سنا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت حذیفہؓ کو معلوم ہو کہ حضرت عمرؓ قتل کیے جائیں گے، مگر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اس کو صاف صاف بیان کرنا پسند نہ کیا ہو اور ادب کی خاطر یہ تعبیر اختیار فرمائی ہو، (كذا في فتح الملهم)[2]۔

قوله : "ليس بالأغاليط" (ص:۸۲، سطر:۱۱)

یہ جمع ہے أغلوطة کی، اسکے معنیٰ ہیں وہ معمہ جس کے ذریعہ دوسرے کو غلط فہمی میں مبتلا کیا جائے[3]، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد یہ تھی کہ جو بات میں نے امیر المؤمنینؓ کے سامنے بیان کی وہ ان کے لئے معمہ نہیں تھی بلکہ وہ اس کو پوری طرح سمجھ رہے تھے۔

قوله : "شدة البياض في سواد" (ص:۸۲، سطر:۱۲)

---

(۱) فتح الملهم ج۲ ص۲۳۲ و شرح النووی ج۱ ص۸۳۔

(۲) فتح الملهم ج۲ ص۲۳۲۔

(۳) غريب الحديث للخطابی ج۱ ص۳۵۴ و الفائق ج۳ ص۷۳۔

یہ نسخہ کی غلطی ہے، صحیح لفظ "شبه البیاض فی السواد" ہے، [1] یعنی سیاہی میں سفیدی یہ مُرباڈٌ کا صحیح ترجمہ ہے۔

۳۶۸۔حَدَّثَنِی ابْنُ أَبِی عُمَرَ، (الی قوله) عَنْ رِبْعِیٍّ، قَالَ :لَمَّا قَدِمَ حُذَیْفَةُ مِنْ عِنْدِ عُمَرَ جَلَسَ، فَحَدَّثَنَا، فَقَالَ :إِنَّ أَمِیرَ الْمُؤْمِنِینَ أَمْسِ لَمَّا جَلَسْتُ إِلَیْهِ سَأَلَ أَصْحَابَهُ، أَیُّكُمْ یَحْفَظُ قَوْلَ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْفِتَنِ؟ وَسَاقَ الْحَدِیثَ." (ص:۸۲،سطر:۱۳تا۱۵)

تشریح

قوله : "إِنَّ أَمِیرَ الْمُؤْمِنِینَ أَمْسِ" (ص:۸۲،سطر:۱۳)

امس سے مراد زمانہ ماضی ہے، یعنی پچھلے دنوں، کیونکہ امیر المومنین ؓ کے ساتھ مجلس مدینہ طیبہ میں ہوئی تھی، اور حضرت حذیفہ ؓ نے اس مجلس کا یہ حال عراق پہنچ کر وہاں کے لوگوں کو سنایا۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی مستقل رہائش عراق ہی میں تھی (فتح الملهم)۔

باب بیان أن الاسلام بدأ غریباً وسیعود غریباً...الخ

۳۷۰۔ "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ، (الی قوله) عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِیبًا، وَسَیَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِیبًا، فَطُوبَی لِلْغُرَبَاءِ." (ص:۸۴،سطر:۱تا۲)

تشریح

قوله : "غریبا" (ص:۸۴،سطر:۲)

"غریب" عربی میں اجنبی کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں شرک کا دور دورہ تھا، توحید خالص کا عقیدہ اور اسلام کی تعلیمات پوری دنیا کے لئے اجنبی تھی، اور اسلام کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے والے بھی دنیا کو اجنبی لگتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دنیا میں پھیلایا تو یہ اجنبیت دور ہوگئی، آخر زمانے میں پھر ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ لوگ اسلام کی تعلیمات کو اجنبی سمجھنے لگیں گے اور ان تعلیمات پر عمل کرنے والوں کو بھی اجنبی سمجھا جائے گا۔

---

(۱) فتح الملهم ج۲ ص۲۴۴۔

دورِ حاضر کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس اجنبیت کا آغاز ہو چکا ہے کہ اہلِ حق پر انتہا پسندی، رجعت پسندی، تنگ نظری اور اس طرح کے دیگر طعنے کسے جاتے ہیں۔

قوله : "فَطُوْبیٰ"　　(ص:۸۴،سطر:۲)

طوبیٰ اصل میں طُیبیٰ تھا، یا کو واؤ سے وجوباً بدلا، طوبیٰ ہوگیا۔ بروزنِ فُعلیٰ، یہاں اس کا موصوف محذوف ہے، أی حیاۃ طوبیٰ۔ قرآن کریم میں ہے:۔"فطوبی لھم وحسن ماٰب"[1] طوبیٰ کی ایک تفسیر خوشیوں کی زندگی سے کی گئی ہے اور ایک تفسیر جنت سے کی گئی ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے جنت کا ایک درخت مراد ہے۔[2]

۳۷۱۔حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ،(الی قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِیبًا وَسَیَعُودُ غَرِیبًا کَمَا بَدَأَ، وَهُوَ یَأْرِزُ بَیْنَ الْمَسْجِدَیْنِ، کَمَا تَأْرِزُ الْحَیَّةُ فِی جُحْرِهَا　　(ص:۸۴،سطر:۲،۳)

تشریح

قوله : "وھو یأرز بین المسجدین"　　(ص:۸۴،سطر:۳)

مسجدین سے مراد مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی ہیں، اور یأرز راء کے کسرہ کے ساتھ ہے، اس کے معنیٰ ہیں: سکڑنا، اور سمٹنا، اور یہاں سانپ کے ساتھ تشبیہ صرف سکڑنے میں ہے اور کسی اعتبار سے نہیں۔

فتح الملہم[3] میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ یہ کیفیت دجال کے زمانہ میں ہوگی، یعنی اُس زمانے میں حرمین شریفین میں اہلِ اسلام فتنۂ دجال اور اس کے رُعب سے محفوظ ہوں گے، کیونکہ دجال حرمین شریفین میں داخل نہ ہو سکے گا۔

باب ذھاب الایمان اٰخر الزمان

۳۷۲۔ حَدَّثَنِی زُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

(۱) الرعد آیت:۲۹

(۲) فتح الملہم ج۲ص۲۳۵۔

(۳) فتح الملہم ج۲ص۲۳۶۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يُقَالَ فِي الْأَرْضِ :اللهُ، اللهُ (ص:۸۴، سطر:۵،۶)

تشریح

قوله : "لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يُقَالَ فِي الْأَرْضِ :اللّٰهُ، اللّٰهُ" (ص:۸۴،سطر:۶)

یہاں لفظ "اللّٰهُ، اللّٰهُ" دونوں مرتبہ مرفوع ہے۔ اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی، یعنی کفار پر جن میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہیں ہوگا۔ جیسا کہ پیچھے "باب الريح التى تكون فى قرب القيامة" میں حدیث آچکی ہے کہ "ان اللّٰه يبعث ريحا من اليمن ألين من الحرير، فلاتدع احداً فى قلبه مثقال حبة(وفى رواية) مثقال ذرّةٍ من ايمان الا قبضتهُ"۔

ان احادیث کے بارے میں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ بظاہر یہ اُس حدیث کے معارض ہیں جس میں ہے کہ: "لا تزال طائفة من امتى ظاهرين على الحق الى يوم القيامة" کیونکہ اسکا حاصل یہ ہے کہ مؤمنین قیامت تک باقی رہیں گے۔

جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں "الى يوم القيامة" سے مراد وہی نرم ولطیف ہوا ہے جو قربِ قیامت میں تمام مؤمنین کی روحیں قبض کرلے گی۔ اس میں خاص قیامت کا برپا ہونا مراد نہیں۔ قاله النوویؒ۔[1]

باب جواز الاستسرار بالايمان للخائف

۳۷۵۔"حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،(الى قوله) عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ :كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَحْصُوا لِي كَمْ يَلْفِظُ الْإِسْلَامَ، قَالَ: فَقُلْنَا :يَا رَسُولَ اللهِ، أَتَخَافُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ مَا بَيْنَ السِّتِّمِائَةِ إِلَى السَّبْعِمِائَةِ؟ قَالَ :إِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ لَعَلَّكُمْ أَنْ تُبْتَلَوْا ، قَالَ :فَابْتُلِينَا حَتَّى جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّا لَا يُصَلِّي إِلَّا سِرًّا." (ص:۸۴،سطر:۷تا۹)

(۱) هذا كله ماخوذ من شرح مسلم للنووىؒ، ج:۱ص۷۵ص:۵۔۷۵۔وص:۸۴۔

تشریح

قولہ : "أَحْصُوا لِي كَمْ يَلْفِظُ الْإِسْلَامَ" (ص:۸۴،سطر:۸)

اسلام قبول کرنا عام ہے تو بظاہر اس میں منافقین بھی شامل ہوں گے۔

ایک سوال اور دو جواب

سوال:-اس روایت میں چھ سو سے سات سو تک کی تعداد کا ذکر ہے، جبکہ بخاری شریف کی روایت میں پندرہ سو کی تعداد مذکور ہے[1] اس طرح دونوں میں تعارض ہے۔

اس کے دو جواب ہیں:-

۱ ... یہاں مسلم کی روایت مین صرف لڑنے والوں کی تعداد مذکور ہے، جبکہ بخاری شریف میں لڑنے اور نہ لڑنے والوں کی تعداد کا بیان ہے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

۲ ... ہوسکتا ہے کہ یہ مردم شماری دو مرتبہ ہوئی ہو، پہلی مرتبہ کی تعداد چھ اور سات سو کے درمیان ہو اور دوسری مرتبہ پندرہ سو تک پہنچ چکی ہو۔

مردم شماری کی اصل

دورِ حاضر میں تقریباً تمام ممالک کے اندر مردم شماری کی جاتی ہے، اس حدیث میں اس کی اصل حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے ہوئی۔

قولہ : "لا يصلى الا سرا" (ص:۸۴،سطر:۸)

یہ حضرت حذیفہؓ کا قول ہے، اور بہ ظاہر اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں بنو امیہ کے بعض اُمراء احیاناً اپنی تقریر اتنی لمبی کر دیتے تھے کہ نماز تاخیر سے پڑھاتے تھے، یا پوری طرح سنت کے مطابق نہ پڑھاتے تھے، تو بعض متقی حضرات نماز گھر میں خفیہ طور پر اصل وقت میں پڑھ لیتے تھے، پھر مسجد میں جا کر جماعت میں بھ بہ نیت نفل شریک ہوجاتے تھے تاکہ فتنہ پیدا نہ ہو۔[2]

---

(۱) صحيح البخاری، کتاب الجهاد، باب كتابة الامام الناس، رقم الحديث: ۳۰۶۰۔

(۲) فتح الباری ج۶ ص۱۷۸ وشرح ابن ماجة للسيوطی ج۱ ص۲۹۱ وشرح النووی ج۱ ص۸۴، والديباج، ج۱ ص۱۶۸۔

باب تألف قلب من يخاف على ايمانه لضعفه...الخ

۳۷۶۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، ...(الی قوله)... عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :قَسَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسْمًا، فَقُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَعْطِ فُلَانًا فَإِنَّهُ مُؤْمِنٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَوْ مُسْلِمٌ أَقُولُهَا ثَلَاثًا، وَيُرَدِّدُهَا عَلَيَّ ثَلَاثًا أَوْ مُسْلِمٌ ، ثُمَّ قَالَ :إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ، وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ، مَخَافَةَ أَنْ يَكُبَّهُ اللهُ فِي النَّارِ" (ص:۸۵،سطر:۱،۲)

قوله : "أَوْ مُسْلِمٌ" (ص:۸۵،سطر:۱)

یہاں أو واو کے سکون کے ساتھ ہے فتحہ کے ساتھ نہیں ہے اور علامہ ابن الاعرابیؒ نے اپنی معجم میں اس حدیث کی روایت میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ:"لا تقل مؤمن بل مسلم"[1] اس سے معلوم ہوا کہ مراد یہ ہے کہ جس شخص کی باطنی حالت کی تحقیق نہ ہو اُس کے لئے"مؤمن" کے بجائے "مسلم" کا لفظ استعمال کرنا بہتر ہے، کیونکہ ظاہر سے صرف اسلام ہی معلوم ہوسکتا ہے، (کذا فی فتح الملهم)[2]۔

بندۂ ناچیز کو اس کی ایک وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگلی روایت میں حضرت سعدؓ نے قسم بھی کھائی، ان بھی داخل کیا اور لامِ تاکید کو بھی ذکر کیا، اور أراه کا لفظ بھی استعمال کیا، ھمزہ کے فتحہ کے ساتھ، جو یقین کے معنٰی میں آتا ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں فواللّٰہ انی لأراه مؤمنا۔ تو آپ نے اس تاکید کی ممانعت فرمائی کیونکہ ایمان کوئی نظر آنے والی چیز نہیں کہ تم اتنے یقین سے دعویٰ کرو کہ فلاں شخص ضرور بالضرور مؤمن ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسا دعویٰ کرنا اور بھی زیادہ نامناسب تھا۔

قوله : "وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ" (ص:۸۵،سطر:۲)

اس حدیث میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ میرا کسی کو مال دینا یا محروم کرنا محبت اور عدمِ محبت کی بنیاد پر نہیں بلکہ کبھی تالیفِ قلب کی مصلحت سے بھی کسی کو مال دیتا ہوں۔

---

(۱) فتح الباری ج۱ص۸۰اوفی المعجم الأوسط ج۵ص۲۵۸، رقم الحدیث:۵۲۵۴۔

(۲) فتح الملهم ج۲ص۲۵۲۔

قولہ : "مَخَافَةَ أَنْ يَكُبَّهُ اللهُ فِي النَّارِ" (ص:۸۵،سطر:۲)

کب یکب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ مجرد میں متعدی ہے جس کے معنی ہیں اوندھے منہ گرانا اور مزید فیہ کے باب افعال میں لازمی ہے جس کے معنی ہیں اوندھے منہ گرنا۔(۱)

۳۷۷۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، ...(الی قولہ)... عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ سَعْدٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى رَهْطًا وَسَعْدٌ جَالِسٌ فِيهِمْ، قَالَ سَعْدٌ :فَتَرَكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ مَنْ لَمْ يُعْطِهِ، وَهُوَ أَعْجَبُهُمْ إِلَيَّ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ، مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ؟ فَوَاللهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوْ مُسْلِمًا قَالَ فَسَكَتُّ قَلِيلًا ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ، فَقُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ؟ فَوَاللهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَوْ مُسْلِمًا، قَالَ فَسَكَتُّ قَلِيلًا ثُمَّ غَلَبَنِي مَا عَلِمْتُ مِنْهُ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ، مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ؟ فَوَاللهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مُسْلِمًا، إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ، خَشْيَةَ أَنْ يُكَبَّ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِ.(ص:۸۵، سطر:۲تا۶)

تشریح

قولہ : "مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ؟" (ص:۸۵،سطر:۵)

یعنی آپ اس کو مال دینے سے کیوں اعراض فرما رہے ہیں؟

قولہ : "إِنِّي لَأَرَاهُ" (ص:۸۵،سطر:۵)

اگر یہ ھمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کے معنی ہیں: یقین کرنا، اور اگر ھمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کے معنی ہیں گمانِ غالب کرنا، اور یہاں یہ ھمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

۳۷۹۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ، ...(الی قولہ)... سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ سَعْدٍ يُحَدِّثُ هَذَا، فَقَالَ فِي حَدِيثِهِ :فَضَرَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

(۱) النہایۃ لابن الأثیر ج۴ص۱۳۸۔

وَسَلَّمَ بِيَدِهِ بَيْنَ عُنُقِي وَكَتِفِي، ثُمَّ قَالَ أَقِتَالًا؟ أَيْ سَعْدُ إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ.

(ص:۸۵،سطر:۲تا۶)

تشریح

قوله : "أَقِتَالًا؟ أَيْ سَعْدُ" (ص:۸۵،سطر:۹)

یعنی اے سعد تم کیا مجھ سے لڑنا چاہتے ہو؟ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ سفارش میں اتنا اصرار نہیں کرنا چاہئے۔

باب زيادة طمانينة القلب بتظاهر الأدلة

۳۸۰ـ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، (الى قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ قَالَ : "رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ :أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي"، قَالَ :وَيَرْحَمُ اللهُ لُوطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ، وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ طُولَ لَبْثِ يُوسُفَ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ" (ص:۸۵،سطر:۱۰تا۱۳)

تشریح

قوله : "نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ" (ص:۸۵،سطر:۱۰)

یعنی اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام شک کرتے تو ہم شک کرنے کے ان سے زیادہ حق دار تھے، لیکن جب ہم نے شک نہیں کیا تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی یقیناً شک نہیں کیا۔ لیکن اس صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوتی ہے جو موجب اشکال ہے!

اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضعاً ایسا فرمایا یا اس وقت تک آپ کو اس بات کا علم نہیں دیا گیا تھا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں۔[1]

قوله : "لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ" (ص:۸۵،سطر:۱۱)

(۱) فتح الملهم ج۲ص۲۵۹۔

"رکن" کے لغوی معنیٰ ہیں عزت، حفاظت کرنے والی جماعت، اور قوت دینے والی چیز۔

اس حدیث کے دو مطلب ہیں:۔

۱ ... پہلا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لوط علیہ السلام کے صبر اور سختیاں برداشت کرنے پر اُن پر رحم کا اظہار فرمایا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام تو اپنی قوم میں مبعوث ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشکلات کے وقت قوم کے بعض افراد نے ان کا ساتھ بھی دیا، لیکن حضرت لوط علیہ السلام غیر قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے وہاں اُن کا دفاع اور حفاظت کرنے والی کوئی جماعت اور اپنی قوم موجود نہیں تھی، جس کی وجہ سے ان پر احساس تنہائی کا اتنا سخت امتحان گزرا کہ وہ بے اختیار کہہ اُٹھے: "لو ان لی بکم او اوی اِلٰی رُکْنٍ شَدِیدٍ"[1] یہاں رکن شدید سے مراد اپنی قوم ہے۔

مگر رحم کے اظہار کے ساتھ حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ قومی مدد کی تمنا کرنا حضرت لوط علیہ السلام کے رتبہ سے کم درجے کی بات تھی، اگرچہ غیر اختیاری تھی، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے لئے رحمت کی دعاء فرمائی، چنانچہ بعض روایاتِ صحیح میں "یغفر اللّٰہ للوط"[2] کے الفاظ ہیں۔

۲ ... اس حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنی پیغمبرانہ شان کے مطابق اللہ رب العزت ہی کی طرف متوجہ تھے اور اپنی قوم اور قبیلے کی مدد کی تمنا دل سے نہیں کر رہے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے پناہ طلب کر رہے تھے اور یہ معنیٰ "لقد کان یاوی الخ" کے جملہ سے واضح ہیں۔[3] البتہ مہمانوں کے سامنے اپنا عذر کرنے کے لئے ایسا فرمایا کہ میں ان کا تحفظ نہیں کر سکتا اس لئے کہ میرا قبیلہ اور کنبہ یہاں آباد نہیں۔[4] لہٰذا حضرت لوط علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ "لَوْ کَانَ لی بکم قوّۃً اوی اِلیٰ رُکْنٍ شَدِیدٍ،" ان کے مقام نبوت کے خلاف نہیں۔

قولہ: وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ طُولَ لَبْثِ یُوسُفَ (ص:۸۵، سطر:۱۱و۱۲)

---

(۱) ھود آیت: ۸۰۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الأنبیاء، باب ولوطا اذ قال لقومہ ...الخ، رقم الحدیث: ۳۱۹۵ وصحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل ابراھیم الخلیل، رقم الحدیث: ۶۱۰۰ وسنن سعید بن منصور، ج۵ ص۳۵۶، تفسیر سورہ ھود الآیۃ قولہ: "قال لو أنّ بکم قوۃ او اوی الی رکن شدید" رقم الحدیث: ۱۰۹۷ ومسند أحمد بن حنبل ج۱۴ ص۳۱، رقم الحدیث: ۸۲۷۸، من مسند أبی ھریرۃ۔

(۳) اکمال اکمال المعلم ج۱ص۲۵۹۔

(۴) شرح النووی ج۱ ص۸۵۔

علامہ عینیؒ کے قول کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام سات سال، سات ماہ، سات دن اور سات گھنٹے جیل میں رہے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بھی دو توجیہات ہو سکتی ہیں:۔

۱ … آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و استقامت کی تعریف کی کہ اتنا عرصہ جیل میں رہنے کے باوجود رہائی کے پیغام کو فوراً قبول نہیں کیا بلکہ پہلے اپنے اوپر لگائی گئی تہمت سے اپنی صفائی کا مسئلہ حل فرمایا پھر جیل سے باہر آئے، اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو فوراً باہر آجاتا۔

اِس توجیہ پر اشکال ہوتا ہے کہ اس صورت میں تو حضرت یوسف علیہ السلام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افضلیت ظاہر ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ جزوی فضیلت ہے یا آپ نے یہ ارشاد اس زمانہ میں فرمایا جب آپ کو اس بات کا علم نہیں دیا گیا تھا کہ آپ تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں۔[1]

۲ … دوسری توجیہ یہ ہے کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر اس جگہ میں ہوتا تو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور تسلیم سے کام لیتا کہ غیر اختیاری طور پر جب من جانب اللہ رہائی کا انتظام ہوا تھا تو اپنی براءت کے اظہار کے بجائے اللہ رب العزت کا انعام سمجھ کر فوراً قبول کر لیتا، اور یہ بات تسلیم و تفویض اور مقام رضاء و عبدیت کے زیادہ قریب ہے۔[2] واللہ اعلم بالصواب.

باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد ﷺ الی جمیع الناس...الخ

۳۸۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا قَدْ أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَى اللهُ إِلَيَّ، فَأَرْجُو أَنْ

(۱) عمدة القاری ج۱۵ص۳۶۹، کتاب الأنبیاء، باب قوله عزوجل : ونبئهم عن ضیف ابراهیم ...الخ وفتح الملهم ج۲ص۲۶۴۔

(۲) فتح الباری ج۶ص۴۱۳ تحت الحدیث رقم : ۳۳۷۲۔

(۳) عمدة القاری ج۱۵ص۳۶۹۔

أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (ص:۸٦،سطر:۱،۲)

تشریح

قوله : "اوتيت وحياً" (ص:۸٦،سطر:۲)

یعنی جو خاص معجزہ مجھے دیا گیا وہ وحی ہے اور وحی سے مراد قرآنِ حکیم ہے، اگرچہ وحی پچھلے انبیاء علیہم السلام پر بھی آئی لیکن اس کا مقصد صرف تعلیم دینا تھا، اس وحی کو معجزہ بنانا مقصود نہ تھا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ حکیم کو تعلیم اور معجزہ دونوں مقاصد کے لئے اُتارا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس کلام سے یہ ہے کہ میرا خاص معجزہ قرآنِ حکیم ہے، اس کی وجہ سے میرے متبعین بھی سب سے زیادہ ہوں گے۔ وجہ ظاہر ہے کہ پچھلے انبیاءؑ کے معجزات وقتی واقعات تھے جو بعد میں نہیں دیکھے جاسکے، کیونکہ باقی نہ رہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ دائمی ہے کہ ہر زمانے کے لوگ اسے دیکھ کر اور سمجھ کر اسلام قبول کر سکتے ہیں۔ (كذا في فتح الملهم ج۲ ص۲۲۴)

۳۸۵ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، ...(الى قوله)... عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ :رَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ خُرَاسَانَ سَأَلَ الشَّعْبِيَّ، فَقَالَ :يَا أَبَا عَمْرٍو، إِنَّ مَنْ قِبَلَنَا مِنْ أَهْلِ خُرَاسَانَ يَقُولُونَ فِي الرَّجُلِ إِذَا أَعْتَقَ أَمَتَهُ، ثُمَّ تَزَوَّجَهَا :فَهُوَ كَالرَّاكِبِ بَدَنَتَهُ، فَقَالَ الشَّعْبِيُّ :حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ بْنُ أَبِي مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ :رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ، وَأَدْرَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَآمَنَ بِهِ وَاتَّبَعَهُ وَصَدَّقَهُ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَعَبْدٌ مَمْلُوكٌ أَدَّى حَقَّ اللهِ تَعَالَى وَحَقَّ سَيِّدِهِ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَرَجُلٌ كَانَتْ لَهُ أَمَةٌ فَغَذَاهَا، فَأَحْسَنَ غِذَاءَ هَا، ثُمَّ أَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ أَدَبَهَا، ثُمَّ أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ "، ثُمَّ قَالَ الشَّعْبِيُّ لِلْخُرَاسَانِيِّ :خُذْ هَذَا الْحَدِيثَ بِغَيْرِ شَيْءٍ، فَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يَرْحَلُ فِيمَا دُونَ هَذَا إِلَى الْمَدِينَةِ" (ص:۸٦،سطر:۳ تا ۷)

قوله : "من اهل خراسان" (ص:۸٦،سطر:۴)

آج کل خراسان ایران کا ایک صوبہ ہے، لیکن اُس زمانہ میں اس میں ایران اُزبکستان، تاجکستان اور بلوچستان کے کچھ علاقے بھی شامل تھے۔

قولہ : "کالرّاکب بدنته" (ص:۸۶،سطر:۵)

ان کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح حرمِ مکہ میں ذبح کرنے کے لئے بھیجے گئے قربانی کے جانور پر سواری کرنا مکروہ ہے اسی طرح باندی کو آزاد کر کے نکاح کرنا بھی مکروہ ہے، کیونکہ دونوں میں مشترک بات یہ ہے کہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نام پر ہو چکی ہیں اور اب ان کو ذاتی استعمال میں لایا جا رہا ہے۔ حضرت امام شعبیؒ نے فرمایا کہ تمہارا یہ خیال صحیح نہیں، اور دلیل میں انہوں نے یہ حدیث سنائی جس میں دو گنے ثواب کا ذکر ہے۔

قولہ : "یؤتون اجرھم مرتین" (ص:۸۶،سطر:۵)

ایک سوال اور دو جواب

سوال:- یہاں پر دو اعمال کی وجہ سے دو ثواب کی خوشخبری سنائی گئی ہے، حالانکہ جہاں بھی دو عمل پائے جائیں گے وہاں اجر بھی دو ہی ہوں گے، تو پھر اس حدیث میں بیان کیے گئے تین اعمال کی کیا خصوصیت ہوئی؟

اس کے درج ذیل دو جوابات ہیں:-

۱ ... یہاں دراصل ایک شبہ کا ازالہ مقصود ہے، شبہ یہ ہو سکتا تھا کہ شاید ان کو ایک عمل کا ثواب ملے گا، دوسرے کا نہیں، مثلاً اہلِ کتاب کو صرف حضور کی شریعت پر ایمان لانے اور عمل کرنے کا ثواب ملے لیکن اپنے سابق مذہب پر یقین و عمل کا کوئی ثواب نہ ملے، اس لئے کہ وہ منسوخ ہو چکا۔ اسی طرح غلام کو حق اللہ کی ادائیگی پر تو ثواب ملے لیکن مولیٰ کی اطاعت پر نہ ملے، اس لئے کہ یہ اطاعت اس کی مجبوری ہے۔ اسی طرح مولیٰ کو باندی سے حسنِ سلوک اور آزاد کرنے کا اجر تو ملے لیکن نکاح کرنے کا اسے خصوصی ثواب نہ ملے، اس لئے کہ نکاح کرنے میں یہ عام انسانوں کی طرح ہے۔ تو اس شبہ کا ازالہ فرمایا کہ نہیں، ان کو دونوں اعمال کا ثواب ملے گا۔

۲ ... "مرتین" سے مراد یہ ہے کہ ان کو ہر عمل کا دگنا دگنا ثواب ملے گا، اس لئے کہ ان کے لئے ان اعمال کی ادائیگی میں مشقت زیادہ ہے[1]، مثلاً اہل کتاب کے لئے اپنا سابق مذہب چھوڑ اسلام قبول کرنا بہت مشکل ہے، کیونکہ پہلے جس نبی کی اتباع کر رہے تھے وہ بھی نبی برحق تھے، اور انسان کو اپنا

(۱) البخاری بشرح الکرمانی ج۲ص۹۰، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل أمته وأھله، رقم الحدیث: ۹۷ وعمدۃ القاری تحت ھذا الحدیث ج۲ص۱۲۰۔

مذہب چھوڑنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ اسی طرح غلام کے لئے حقوق اللہ کی ادائیگی مشکل ہے، کیونکہ اُسے مولیٰ کی خدمت سے فرصت بہت کم ملتی ہے، اسی طرح باندی جس کے حقوق بیوی کی طرح پہلے واجب نہ تھے جو بہت زیادہ ہوتے ہیں، اب اُسے آزاد کر کے رفیقۂ حیات بنانا اور اس کے حقوق کو اپنے اوپر لاگو کرنا بہت مشکل کام ہے، اس لئے ان کو دونوں اعمال میں سے ہر ایک پر دو دو ثواب ملیں گے، واللہ اعلم

باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام حاکماً بشریعة نبینا...الخ

۳۸۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، ...(الی قوله)... عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَكَمًا مُقْسِطًا، فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ، وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ، وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ“
(ص:۸۷،سطر:۱،۲)

تشریح

قولہ : ”حَكَمًا مُقْسِطًا“ (ص:۸۷،سطر:۲)

یعنی انصاف کرنے والے حاکم ہوں گے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حاکم اور عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے، نئی شریعت لے کر نہیں آئیں گے۔

قولہ : ”فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ“ (ص:۸۷،سطر:۲)

یعنی وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیروں کو قتل کریں گے تاکہ عملاً بھی عیسائی مذہب کی تردید ہو جائے۔(فتح الملہم)۔[1]

قولہ : ”وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ“ (ص:۸۷،سطر:۲)

یعنی اس زمانہ میں صرف دو عمل ہوں گے، اسلام قبول کرنا اور قبول نہ کرنے کی صورت میں قتال اور لڑائی جزیہ قبول کر کے ذمی بنانے کا حکم باقی نہ رہے گا۔

(۱) فتح الملہم ج۲ص۲۸۵۔

سوال:۔ اس پر سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ اس سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ایک حکم جزیہ قبول کرنے کا منسوخ ہونا لازم آئے گا، حالانکہ آپ کی شریعت تا قیامت ہے۔

جواب:۔ اس زمانہ میں حضور کی شریعت کا بھی یہی حکم ہوگا کہ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں جزیہ قبول نہ ہوگا صرف قتال کیا جائے اور اس کا شرعی حکم ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی حدیث سے ثابت ہے۔

۳۸۸۔ "حَدَّثَنَاهُ عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ،...(الی قوله)... وَفِي حَدِيثِهِ مِنَ الزِّيَادَةِ: وَحَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ : اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ : "وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ" الْآيَةَ۔" (ص:۸۷،سطر:۳تا۵)

تشریح

قوله : "حَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا"

(ص:۸۷سطر:۴)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اب بھی ایک سجدہ دنیا ومافیہا سے افضل اور بہتر ہے، لیکن فقر وفاقہ وافلاس اور دنیا کی محبت کی وجہ سے اس کا استحضار اکثر مسلمانوں کے دلوں میں نہیں، اُس زمانہ میں جب مال کی فراوانی عام ہوجائے گی اور لوگوں کے دلوں میں مال ودولت وزر کی کوئی اہمیت نہ رہے گی، اور آخرت کی فکر بڑھ جائے گی تو اُس اس حقیقت کا استحضار رہنے لگے گا، اور لوگوں میں عبادت کا شوق وذوق مال ودولت کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوجائے گا۔[1]

قوله : "وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ" (ص:۸۷سطر:۵)

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:۔

۱ ... پہلا قول اکثر علما سے منقول ہے کہ "بہ" کی ضمیر مفرد کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اور "قبل موتہ" میں ضمیر کا مرجع بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اس صورت کا مطلب یہ ہے کہ

---

(۱) المفہم ج۱ص۳۷۱ وفتح الملہم ج۲ص۲۸۷۔

اہلِ کتاب کا ہر فرد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد اُن کی موت سے پہلے پہلے ان پر ضرور ایمان لائے گا، اور ان پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مسلمان ہو جائے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کی ہے اور وہ اُس وقت بھی کریں گے۔

۲ ... دوسرا قول محمد بن الحنفیہ کا ہے کہ "بہ" کی ضمیر کا مرجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور "قبل موتہ" کی ضمیر اہلِ کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے، اس صورت کا مطلب یہ ہوگا کہ اہلِ کتاب کا ہر فرد اپنی موت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ضرور ایمان لائے گا۔ اس تفسیر کی روشنی میں اس آیت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوگا۔[1]

لیکن حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی تفسیر کو صحیح قرار دیا ہے۔[2]

۳۸۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، ...(الی قولہ) ... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :وَاللهِ، لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَادِلًا، فَلَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيبَ، وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيرَ، وَلَيَضَعَنَّ الْجِزْيَةَ، وَلَتُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعَى عَلَيْهَا، وَلَتَذْهَبَنَّ الشَّحْنَاءُ وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ، وَلَيَدْعُوَنَّ إِلَى الْمَالِ فَلَا يَقْبَلُهُ أَحَدٌ" (ص:۸۷، سطر:۵تا۷)

تشریح

قولہ : "وَلَتُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ" (ص:۸۷، سطر:۶)

یہاں "قلاص" قاف کے کسرہ کے ساتھ ہے اور **قلوص بفتح القاف** کی جمع ہے، نوجوان اونٹنی کو کہتے ہیں[3] حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں اونٹوں کا استعمال باقی نہ رہے گا حتی کہ نوجوان اونٹنی جو سب سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے اس کا استعمال بھی متروک ہو جائے گا، اس لئے کہ ان کی ضرورت باقی نہ رہے گی، اور ضرورت نہ ہونے کے دو اسباب ہو سکتے ہیں:۔

۱ ... اس زمانہ میں نئی ایجاد شدہ سواریاں اس قدر ہوں گی کہ لوگ اونٹنی کو استعمال نہ کریں گے۔

---

(۱) تفسیر طبری ج۶ ص۱۸ وما بعدھا، وتفسیر ابن کثیر ج۱ ص۵۷۷، والدر المنثور ج۲ ص۷۳۳ واکمال اکمال المعلم ج۱ ص۲۶۷۔

(۲) فتح الملہم ج۲ ص۲۸۹۔

(۳) مجمع بحار الأنوار ج۴ ص۳۱۸۔

۲ ... سواری کے دو اسباب زیادہ نمایاں ہوتے ہیں:-

(۱) تجارت کے لئے سفر۔ (۲) تبلیغ و جہاد کے لئے سفر۔

اُس زمانہ میں اِن دونوں کی ضرورت نہ رہے گی، اس لئے کہ مال و دولت عام ہوگا اور پورے عالم میں صرف دینِ اسلام ہی ہوگا، لہٰذا نہ سفرِ تجارت کی ضرورت ہوگی، نہ سفرِ جہاد و تبلیغ کی، واللہ اعلم۔[1]

قولہ : "فلا یسعیٰ علیھا" یعنی ان پر محنت نہیں کی جائے گی۔ (ص:۸۷،سطر۲)

اس کے دو مطلب ہیں:-

۱ ... اِن اُونٹنیوں کا استعمال اور ان کو پالنے کا رواج ختم ہو جائے گا، کیونکہ ان کی ضرورت نہ رہے گی جیسا کہ ابھی اُوپر بیان ہوا۔

۲ ... ان کی زکوٰۃ وصول نہ کی جائے گی، کیونکہ سعی کے معنیٰ زکوٰۃ وصول کرنے کے بھی آتے ہیں، اسی مناسبت سے زکوٰۃ وصول کرنے والے کو ساعی کہتے ہیں، لیکن علامہ نوویؒ نے اس دوسری توجیہہ کو مسترد کر دیا ہے۔[2]

اور اس حدیث میں "قلوص" کا خاص طور پر اس لئے ذکر فرمایا کہ یہ عرب میں بہترین سال ہوتا تھا۔ جب ان کی زکوٰۃ وصول نہ کی جائے گی تو دوسری عمر کے جانوروں پر بدرجۂ اولیٰ زکوٰۃ وصول نہ کی جائے گی۔

قولہ : "الشحناء" (ص۸۷سطر۶) عداوت اور دشمنی[1] (ص:۸۷،سطر۲)

علاماتِ قیامت

یہاں مسلسل چند احادیث میں علاماتِ قیامت بیان ہوئی ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علاماتِ قیامت کو زمانہ کی ترتیب کے اعتبار سے مختصراً بیان کر دیا جائے۔

چنانچہ علاماتِ قیامت کی تین قسمیں ہیں:-

(۱) بعیدہ (۲) متوسطہ (۳) قریبہ

---

(۱) درس مسلم ص۱۵۰، ج۱۔

(۲) شرح النووی ج۱ص۸۷۔

(۳) نووی: ج:۱،ص:۸۷۔

علاماتِ بعیدہ

علاماتِ بعیدہ وہ ہیں جن کا ظہور قیامت سے بہت پہلے ہو چکا ہے، ان کو علاماتِ بعیدہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے اور قیامت کے درمیان زمانہ کا فاصلہ بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے چند اہم علامات درج ذیل ہیں:۔

(۱) ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا۔[۱]

(۲) ... چاند کے دو ٹکڑے ہونا۔[۲]

(۳) ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہونا۔[۳]

(۴) ... بیت المقدس کا فتح ہونا۔[۴]

(۵) ... جنگِ صفین۔

(۶) ... فتنۂ تاتار کا ظاہر ہونا۔

(۷) ... حجاز سے آگ کا نکلنا۔ وغیرہ[۵]

علاماتِ متوسطہ

قیامت کی علاماتِ متوسطہ وہ ہیں جن میں سے کچھ کا آغاز صدیوں پہلے ہو چکا ہے اور اب ان میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، اور ہوتا جائے گا یہاں تک کہ تیسری قسم کی علامات ظاہر ہونے لگیں گی، ان کی فہرست بہت طویل ہے، بطورِ نمونہ ان میں سے چند یہ ہیں:۔

۱ ... دین پر جمنا اس طرح مشکل ہو جائے گا جس طرح ہاتھ میں انگارہ رکھنا۔

۲ ... لیڈر، منافق، رذیل اور فاسق لوگ ہوں گے۔[۶]

۳ ... پولیس کی کثرت ہوگی۔[۷]

۴ ... لڑکے حکومت کرنے لگیں گے۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت أنا والساعۃ کھاتین، رقم الحدیث: ۶۰۴۳۔

(۲) سورۃ القمر، آیت:۱،۲۔

(۳ و ۴) سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب أشراط الساعۃ رقم الحدیث: ۴۰۴۲۔

(۵) صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب لاتقوم الساعۃ حتی تخرج نار من أرض الحجاز۔

(۶) جامع الترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی النھی عن سب الریاح، رقم الحدیث :۲۱۸۶۔

(۷) جامع الترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی علامۃ حلول المسخ والخسف۔

۵ ... تجارت بہت پھیل جائے گی۔[1]

۶ ... ناپ تول میں کمی ہوگی۔

۷ ... قتل کی کثرت ہوگی۔[2]

۸ ... بیوی کی اطاعت اور والدین کی نافرمانی ہوگی۔[3]

۹ ... سود، جوا، گانے بجانے کے آلات اور زنا کی کثرت ہوگی۔[4]

۱۰ ... ناگہانی اور اچانک اموات کی کثرت ہوگی، وغیرہ وغیرہ۔

علاماتِ قریبہ

علاماتِ قریبہ کا آغاز قیامت کے قریب حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور سے ہوگا، اور انہی کے زمانے میں دجال نکلے گا، اور فتنۂ دجال انسانی تاریخ کا سخت ترین فتنہ ہوگا۔ پھر ایک دن صبح کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، اس وقت امام مہدیؓ نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھ چکے ہوں گے، نماز کی اقامت ہو چکی ہوگی، امام مہدیؓ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھانے کے لئے دعوت دیں گے مگر وہ انکار کر دیں گے، لہٰذا اس وقت فجر کی نماز حضرت امام مہدیؓ پڑھائیں گے۔

نماز کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام لشکرِ اسلام کی قیادت فرمائیں گے، اور بعد کی نمازوں میں بھی امامت فرمائیں گے، دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی پگھلنے لگے گا جس طرح پانی میں نمک گھلتا ہے، جنگ ہوگی، دجال بھاگے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بابِ "لُدّ" پر اُسے قتل کر دیں گے، واضح رہے کہ "لُدّ" فلسطین کا ایک شہر ہے، اور وہاں اب بھی اسرائیل کا ایئرپورٹ ہے جو اسی نام سے موسوم ہے۔ دجال کے یہودی ساتھیوں کو مسلمان چن چن کر قتل کریں گے، اور باقی تمام اہلِ کتاب ایمان لے آئیں گے، پھر لوگ امن وسکون کی زندگی گزار رہے ہوں گے کہ یاجوج ماجوج نکل پڑیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کو کوہِ طور پر لے جائیں گے، یاجوج ماجوج شہروں کو پامال کر ڈالیں گے اور زمین میں تباہی مچائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی محصور ہو جائیں گے اور غذا کی قلت سے سخت پریشان ہوں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام یاجوج ماجوج کے لئے بددعا کریں گے تو ان کی گردنوں

(۱) سنن النسائی، کتاب البیوع، باب التجارۃ، رقم الحدیث:۴۳۸۰۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب ظہور الفتن، رقم الحدیث:۶۵۳۷۔

(۳و۴) جامع الترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی علامۃ حلول المسخ والخسف۔

میں ایک پھوڑا نکل آئے گا جس سے وہ سب کے سب ہلاک ہوجائیں گے۔

پھر زمین ثمرات وبرکات سے بھر جائے گی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام امت کے امام ہوں گے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر خود بھی عمل کریں گے اور لوگوں کو بھی اس پر چلائیں گے، اُس وقت پوری دنیا میں ''دین'' صرف اسلام ہوگا۔

بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وصال ہوجائے گا، پھر ان کے خلیفہ حکومت کریں گے۔ پھر آہستہ آہستہ فسق وفجور پھیلنا شروع ہوگا۔ پھر قیامت کی یہ علامت ظاہر ہوگی کہ ایک روز آفتاب مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا اُس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا، جو لوگ اُس وقت یا اس کے بعد ایمان لائیں گے ان کا ایمان معتبر نہ ہوگا، اور جو پہلے سے مؤمن تھے، مگر گناہوں سے توبہ نہ کی تھی اب ان کی توبہ قبول نہ ہوگی، اس واقعہ کے ایک روز پہلے یا ایک روز بعد ایک جانور (دابة الارض) زمین سے نکلے گا۔

آخری علامتِ قیامت یہ ہوگی کہ ایک لطیف ہوا یمن سے آئے گی جو تمام مؤمنین کی روح قبض کرلے گی، پھر دنیا میں کوئی ''اللّٰه، اللّٰه'' کہنے والا باقی نہ رہے گا، (جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے) اور بالآخر انہی بدترین لوگوں پر قیامت قائم ہوگی جو ایمان نہیں رکھتے ہوں گے۔

۳۹۳۔ ''حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ شُجَاعٍ، (الى قوله) جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ :سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، قَالَ : فَيَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُولُ أَمِيرُهُمْ :تَعَالَ صَلِّ لَنَا، فَيَقُولُ :لَا، إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ أُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللهِ هَذِهِ الْأُمَّةَ'' (ص:۸۷سطر:۱۱تا۱۳)

تشریح

قوله : ''لا تزال طائفة من أمتي'' (ص:۸۷،سطر۲)

اس حدیث میں حضور کی امت کے ایک طائفہ کا ذکر ہے اس طائفہ سے کون سی جماعت مراد ہے؟ اس میں متعدد اقوال ہیں، راجح قول وہ ہے جس کو علامہ نوویؒ نے بیان فرمایا ہے[1] کہ اس سے ایسا

---

(۱) من فتح الملهم ج۲ ص۲۹۴، بزيادة۔

کوئی خاص طبقہ یا ایسی کوئی جماعت مراد نہیں جیسی آج کل کی جماعتیں اور تنظیمیں ہوتی ہیں، بلکہ اس سے دین پر عمل کرنے والے لوگ مراد ہیں خواہ وہ الگ الگ ہوں یا اکٹھے یہ دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والے لوگ ہوں گے، مثلاً: کچھ علماء، کچھ مبلغین، کچھ مجاہدین، کچھ بزرگانِ دین وغیرہ وغیرہ کہ ان سب کا مجموعہ ایک جماعت ہے، اور ہر زمانہ میں ایسے لوگوں کی تعداد اتنی ہوگی کہ دشمنانِ اسلام ان کو اور دینِ حق کو مٹانے میں ناکام رہیں گے۔

قوله : "یقاتلون علی الحق" (ص:۸۷،سطر۲)

یعنی وہ حق کے خاطر لڑتے ہوں گے، حق کے خاطر لڑنا۔

ایک سوال دو جواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق کی خاطر لڑنا ہر زمانہ میں نہیں ہوتا، کبھی کبھی کچھ عرصہ کے لئے اس میں وقفہ بھی آجاتا ہے۔ تو اس کے دو جواب ہیں:۔

(۱) ... پہلا جواب یہ ہے کہ یہ درمیان میں کبھی کبھی آنے والا معمولی وقفہ معتبر نہیں ہے مثلاً: کوئی بڑی جنگ جو ایک ماہ تک جاری رہی۔

(۲) ... دوسرا جواب یہ ہے کہ قتال سے عام معنیٰ مراد ہیں، یعنی وہ قتال جو جنگ کی صورت میں ہو یا معنوی قتال مراد ہو جو جنگ کے علاوہ دوسری جدوجہد کی صورت میں ہوتا ہے چنانچہ اس میں دین کی سربلندی کے لئے کی جانے والی ہر کوشش داخل ہے، مثلاً تصنیف و تألیف، وعظ و تقریر، اور موجودہ زمانے میں اس مقصد کے لئے سیاسی جدوجہد بھی شامل ہے۔[1]

قوله : "ظاهرین" یعنی جو غالب ہوں گے مغلوب نہیں۔ (ص:۸۷،سطر:۱۳)

قوله : "الی یوم القیامة" (ص:۸۷،سطر۲)

یعنی قیامت کے قریب ہوسکتا ہے کہ یہاں "یوم القیٰمۃ" سے مراد وہ لطیف ہوا ہو جو تمام مؤمنین کی روح قبض کرلے گی، جس کا ذکر پیچھے مستقل باب میں آچکا ہے۔ (فتح الملهم)۔

باب بیان الزمن الذی لایقبل فیه الایمان

۳۹۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ...(الی قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ

(۱) شرح النووی ج۱ ص۸۷۔

رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ إِذَا خَرَجْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ، أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا :طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَالدَّجَّالُ، وَدَابَّةُ الْأَرْضِ" (ص:۷۸،سطر۲)

تشریح

قوله : "ثَلَاثٌ" (ص:۷۸،سطر۲)

"أی امارات ثلاث" یعنی تین علامات کے ظاہر ہونے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہوگا:۔

(۱) دجال کا نکلنا۔ (۲) جانور کا زمین سے نکلنا۔ (۳) سورج کا مغرب سے نکلنا۔

۳۹۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، ...(الی قوله) ... عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمًا :أَتَدْرُونَ أَيْنَ تَذْهَبُ هَذِهِ الشَّمْسُ؟ قَالُوا :اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ : إِنَّ هَذِهِ تَجْرِي حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَى مُسْتَقَرِّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ، فَتَخِرُّ سَاجِدَةً، فَلَا تَزَالُ كَذَلِكَ حَتَّى يُقَالَ لَهَا :ارْتَفِعِي، ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَرْجِعُ فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَطْلِعِهَا، ثُمَّ تَجْرِي حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَى مُسْتَقَرِّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ، فَتَخِرُّ سَاجِدَةً، وَلَا تَزَالُ كَذَلِكَ حَتَّى يُقَالَ لَهَا :ارْتَفِعِي، ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَرْجِعُ فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَطْلِعِهَا، ثُمَّ تَجْرِي لَا يَسْتَنْكِرُ النَّاسَ مِنْهَا شَيْئًا حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَى مُسْتَقَرِّهَا ذَاكَ تَحْتَ الْعَرْشِ، فَيُقَالُ لَهَا : ارْتَفِعِي أَصْبِحِي طَالِعَةً مِنْ مَغْرِبِكِ، فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَغْرِبِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَدْرُونَ مَتَى ذَاكُمْ؟ ذَاكَ حِينَ "لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا."

تشریح

قوله : "قَالَ يَوْمًا :أَتَدْرُونَ أَيْنَ تَذْهَبُ هَذِهِ الشَّمْسُ؟" (ص:۷۸،سطر۲)

اس حدیث میں ہے، سورج چلتے چلتے عرش کے نیچے اپنے ٹھکانہ پر جاتا ہے اور سجدہ کرتا ہے اور پھر اجازت ملنے پر دوبارہ بلند اور طلوع ہوتا ہے، لیکن قیامت کے قریب ایک دن ایسا ہوگا کہ جب

وہ اپنے ٹھکانہ پر پہنچ کر سجدہ کر کے طلوع ہونے کی اجازت مانگے گا تو اس کو اجازت نہ ملے گی بلکہ حکم ہوگا کہ جہاں سے آئے ہو اُدھر واپس لوٹ جاؤ چنانچہ وہ مغرب کی جانب سے طلوع ہوگا جس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

جدید اور قدیم علم فلکیات کے نظریات اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہیں، جس کی وجہ سے یہاں متعدد اعتراضات وارد ہوتے ہیں:۔

سوال:۔ ان میں سے سب سے بڑا اور مشہور اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث کی رو سے سورج اپنے مدار سے ہٹ کر عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا میں ہر ۲۴ گھنٹے کے بعد ایک طویل مدت تک اندھیرا رہنا چاہئے، کیونکہ عرش ساتویں آسمان کے اوپر ہے تو سورج سات آسمانوں کو عبور کر کے جب عرش کے نیچے پہنچے گا، اور وہاں مسجد میں پڑا رہے گا اور اجازت ملنے پر پھر سات آسمانوں کو عبور کرتا ہوا واپس آئے گا تو سورج کو طویل مدت تک دنیا میں غائب رہنا چاہئے حالانکہ یہ واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔

جواب:۔ اس کا مختصر اور جامع جواب یہ ہے کہ سورج کا ٹھکانہ عرش کے نیچے ہے جس طرح کہ خود سورج اور دیگر تمام اجرامِ فلکیہ عرش کے نیچے ہیں، اور ان سب کا مدار جس پر یہ گردش کرتے ہیں ہو بھی عرش کے نیچے ہے، لہٰذا سورج کو سجدہ کرنے کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں، وہ اپنے مدار پر رہتے ہوئے بھی سجدہ کر سکتا ہے۔ اور سجدہ کرنے کے لئے سورج کا رکنا کوئی ضروری نہیں۔

(۲) ... ہر مخلوق کا سجدہ اور عبادت اس کی شان اور ہیئت کے مطابق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ **"وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم"**[1] البتہ ان کا طریقہ ہمیں یقینی طور پر معلوم نہیں۔ اور اس طریقہ کے معلوم ہونے پر ہمارا کوئی عقیدہ یا عمل موقوف بھی نہیں۔ اس لئے جب حدیثِ صحیح میں سورج کا عرش کے نیچے سجدہ کرنے کا ذکر ہے اور قرآن وحدیث میں سورج کے سجدہ کرنے کی کیفیت مذکور نہیں تو ہمیں بھی اس کی حقیقت جاننے کی اور فنی تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سورج کے سجدہ کرنے کی جو بھی صورت ہو ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کو درست سمجھتے ہیں۔ تو سجدہ کرنے کے لئے اور طلوع ہونے کی اجازت طلب کرنے اور ملنے میں بھی کچھ وقت لگے گا، اور ہم دیکھتے ہیں کہ سورج کی حرکت ایک سیکنڈ

---

(۱) بنی اسرائیل آیت:۴۴۔

کے لئے بھی بند نہیں ہوتی۔

باب بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ

۴۰۱۔ حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ ...(الی قوله)... عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ :حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةَ فِي النَّوْمِ،...(الی قوله)... قَالَ وَرَقَةُ بْنُ نَوْفَلٍ :يَا ابْنَ أَخِي، مَاذَا تَرَى؟ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَآهُ، فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ :هَذَا النَّامُوسُ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى مُوسَى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا، يَا لَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا حِينَ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ؟ قَالَ وَرَقَةُ :نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِيَ، وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا۔" (ص:۸۸،سطر:۱۶،۲۴)

تشریح

قوله : "يَا لَيْتَنِي فِيهَا" (ص:۸۸،سطر۲۴)

ای فی أیام نبوتک ،یعنی نبوت ملنے کے زمانہ میں۔[1]

قوله : "جَذَعًا" (ص:۸۸،سطر۲۴)

یہ جیم اور ذال کے فتحہ کے ساتھ ہے اس کے معنی ہیں جوان۔[2]

۴۰۴۔ حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، ...(الی قوله)... أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيَّ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُحَدِّثُ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ -قَالَ فِي حَدِيثِهِ فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ، فَرَفَعْتُ رَأْسِي، فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسًا عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ،قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

(۱) ج۱ص۳۸۹۔

(۲) اکمال المعلم بفوائد مسلم ج۱ص۳۸۸۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَجُئِثْتُ مِنْهُ فَرَقًا، فَرَجَعْتُ، فَقُلْتُ :زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي، فَدَثَّرُونِي، فَأَنْزَلَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: "يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ" فَاهْجُرْ وَهِيَ الْأَوْثَانُ قَالَ :ثُمَّ تَتَابَعَ الْوَحْيُ. (ص:۹۰،سطر۲تا۷)

تشریح

قولہ : "فَجُئِثْتُ" (ص:۹۰،سطر۶)

اس روایت میں جیم کے بعد ہمزہ مکسورہ ہے مگر اگلی سے اگلی روایت میں جیم کے بعد ہمزہ کے بجائے بھی ثاء ہے، اور اس کے بعد بھی ثاء ہے، یعنی جیم کے بعد دو ثاء ہیں، دونوں صورتوں میں اس کے معنیٰ ایک ہی ہیں، یعنی "فزعت ورعبت" یعنی میں گھبرا گیا، اور مرعوب ہوگیا۔(نووی)[1]

قولہ : "يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ" (ص:۹۰،سطر۷)

غارِ حرا میں نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی "اقرأ باسم ربک الخ" میں تعلیم وتعلم کا حکم تھا تبلیغ کا حکم نہیں تھا، سورۂ مدثر کی ان آیات میں تبلیغ کا حکم بھی آگیا تعلیم وتعلم کے حکم سے تقریباً تین سال بعد دعوت دینے کا اور اس کام کا آغاز ہوا۔

۳۰۷۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ،... (الی قوله)... يَحْيَى، يَقُولُ :سَأَلْتُ أَبَا سَلَمَةَ أَيُّ الْقُرْآنِ أُنْزِلَ قَبْلُ؟ قَالَ :يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، فَقُلْتُ :أَوِ اقْرَأْ؟ فَقَالَ :سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَيُّ الْقُرْآنِ أُنْزِلَ قَبْلُ؟ قَالَ :يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، فَقُلْتُ :أَوْ اقْرَأْ؟ قَالَ جَابِرٌ : أُحَدِّثُكُمْ مَا حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ......الحديث۔"(ص:۹۰،سطر۱۱تا۱۵)

قولہ : "أَيُّ الْقُرْآنِ أُنْزِلَ قَبْلُ؟ قَالَ :يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ" (ص:۹۰،سطر۱۲)

یہ کسی راوی کا وہم ہے، اور باطل ہے کیونکہ اس باب کی پچھلی روایات سے واضح طور پر ثابت ہے کہ سب سے پہلے سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیات نازل ہوئی ہیں، اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پچھلی روایات میں صراحت ہے کہ سورۃ المدثر کا نزول "فترۃ الوحی" کے بعد ہوا ہے۔

(۱) شرح صحیح مسلم للنوویؒ ج۱ص۹۰۔

۳۰۹۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، ...(الى قوله)... عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :أُتِيتُ بِالْبُرَاقِ، وَهُوَ دَابَّةٌ أَبْيَضُ طَوِيلٌ فَوْقَ الْحِمَارِ، وَدُونَ الْبَغْلِ، يَضَعُ حَافِرَهُ عِنْدَ مُنْتَهَى طَرْفِهِ ، قَالَ :فَرَكِبْتُهُ حَتَّى أَتَيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ ، قَالَ :فَرَبَطْتُهُ بِالْحَلْقَةِ الَّتِي يَرْبِطُ بِهِ الْأَنْبِيَاءُ...(الى قوله)... ثُمَّ عَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ :مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ :جِبْرِيلُ، قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قِيلَ :وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ :قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِيُوسُفَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا هُوَ قَدِ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ، (الى قوله) ثُمَّ ذَهَبَ بِي إِلَى السِّدْرَةِ الْمُنْتَهَى، وَإِذَا وَرَقُهَا كَآذَانِ الْفِيَلَةِ، وَإِذَا ثَمَرُهَا كَالْقِلَالِ ، قَالَ فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ أَمْرِ اللهِ مَا غَشِيَ ...الحديث." (ص:۹۱،سطر ۱تا۱۱)

تشریح

قوله : "يَضَعُ حَافِرَهُ عِنْدَ مُنْتَهَى طَرْفِهِ" (ص:۹۱،سطر۱)

یعنی براق اتنی تیز رفتار تھا کہ اپنی نظر کی رفتار سے اُڑ رہا تھا، سائنسی تحقیقات سے تیز رفتاری کی ابھی تک کوئی حد مقرر نہیں ہوسکی، لیکن اتنی بات ثابت ہے کہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے، لہٰذا یہ بات قطعی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ براق کی رفتار روشنی کی رفتار سے بہت زیادہ تھی، کیونکہ زمین سے آسمانوں تک کا فاصلہ نہایت طویل ہے اور آسمان تک پہنچنے میں ان کو عبور کرنے کے لئے بہت ہی طویل عرصہ چاہئے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی رات میں آنے جانے کا یہ سارا سفر مکمل کر کے واپس تشریف لائے ،تو معلوم ہوا کہ آپ کی رفتار روشنی کی رفتار سے اتنی زیادہ تھی کہ اُس کا حساب کرنا ممکن نہیں بہر حال حدیثِ باب میں براق کی رفتار اُس کی نظر کی رفتار کے برابر بتائی گئی ہے، مگر اُس کی نظر کی رفتار کیا تھی؟ وہ اس حدیث میں بیان نہیں کی گئی، لیکن ماننا پڑے گا کہ اُس کی نظر کی رفتار روشنی کی رفتار سے بہت زیادہ تھی جس کا حساب لگانا بھی ہمارے لئے اب تک ممکن نہیں۔

قولہ : "فَرَبَطْتُهُ بِالْحَلْقَةِ" (ص:۹۱، سطر:۲)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ براق تو آیا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لئے تھا اور اُسے آپ کے لئے تابع کردیا گیا تھا، پھر اسے باندھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے براق کو باندھنے کا یہ عمل امت کو اسباب اختیار کرنے کی تعلیم دینے کے لئے کیا۔

قولہ : "وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟" (ص:۹۱، سطر:۲) اس میں واو عطف کا عطف ہے اور حرف استفہام مقدر ہے، یعنی کیا اُن (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف پیغام (یہاں آنے کا) بھیجا گیا ہے۔ (فتح الملہم)۔

قولہ : "فَإِذَا أَنَا بِآدَمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (ص:۹۱، سطر:۳)

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ تو زمین میں ہیں، پھر یہ آسمانوں میں کیسے چلے گئے؟ جواب یہ ہے کہ یا تو ان کی ارواح ہی کو وہاں جسم کی شکل دے دی گئی تھی، یا ان کے جسموں کو بھی زمین سے وہاں پہنچا دیا گیا تھا، تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرسکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزید اعزاز واکرام ہو۔ اس دوسرے احتمال کی تائید حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو حافظؒ نے فتح الباری میں نقل کی ہے کہ "**وبعث له آدم فمن دونه من الأنبياء**" **فافهم، كذا في الفتح** (فتح الملہم ج۲ ص۳۲۹، وص:۳۷۳)۔

قولہ : "وَإِذَا هُوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ" (ص:۹۱، سطر:۶)

شطر کے کئی معانی ہیں، یہاں "نصف" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

بیہقی کی روایت میں حضرت ابو سعیدؓ سے اور طبرانی کی روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً یہ منقول ہے کہ: "**فاذا انا برجل أحسن ما خلق الله، قد فضل الناس بالحسن كالقمر ليلة البدر على سائر الكواكب**" اس روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام سب انسانوں سے زیادہ حسین تھے، لیکن ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ: "**ما بعث الله نبياً الا حسن الوجه حسن الصوت، وكان نبيكم أحسنهم وجهاً وأحسنهم صوتاً**" لہٰذا ترمذی کی اس روایت کی بناء پر بیہقی اور طبرانی کی روایت کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اُس میں "الناس" سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی انسان ہیں۔

اور حدیثِ باب کا جواب یہ ہے کہ اس میں ''شطر الحسن'' سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حسن دیا گیا تھا حضرت یوسف علیہ السلام کو اُس کا نصف دیا گیا۔[1]

ہمارے حضرت والا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے شمائل ترمذی کے درس میں ایک قول یہ بیان فرمایا تھا کہ ''حسن'' تو یوسف علیہ السلام کا زیادہ تھا اور ''جمال'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ تھا۔[2]

حسن اور جمال میں فرق

''حسن'' اور جمال'' میں فرق یہ ہے کہ اگر حسنِ کامل ہو تو نظر پڑتے ہی آدمی اسپر قربان اور حیران ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں عورتوں پر یہ کیفیت طاری ہوئی تھی اور جمال سے آدمی شروع میں مرعوب ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ جب صاحب جمال سے قرب اور تعلق بڑھتا ہے تو رعب کی جگہ محبت لے لیتی ہے۔[3] جیسا کہ شمائلِ نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی صفت بیان کی گئی ہے۔[4]

قوله : ''ثُمَّ ذَهَبَ بِي إِلَى السِّدْرَةِ الْمُنْتَهَى،'' (ص:۹۱،سطر:۱۰)

سورۃ المنتہیٰ ایک بیری کا درخت ہے، جس کی حیثیت ایک درمیانی چوکی کی طرح ہے کہ اس سے نیچے والے فرشتے زمین کے احوال و واقعات وہاں تک پہنچاتے ہیں اور وہاں سے دوسرے فرشتے اوپر لے جاتے ہیں، اسی طرح اوپر کے فرشتے اس مقام پر احکام لاکر پہنچا دیتے ہیں، اور نیچے والے فرشتے ان احکامات کو یہاں سے وصول کر کے زمین پر نافذ کرتے ہیں، تو یہ بیری کا درخت دونوں طرح کے فرشتوں کا منتہیٰ ہے، اسی لئے اس کو ''سدرۃ المنتہیٰ'' کہتے ہیں، اور دیگر روایات کے مجموعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان پر اور شاخیں ساتویں آسمان میں ہیں۔[5]

قوله : ''فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ أَمْرِ اللهِ مَا غَشِيَ'' (ص:۹۱،سطر:۱۱)

سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپنے والی کیا چیز تھی؟ دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرشتے تھے جو

---

(۱) كذا في فتح الملهم ج۲ص ۳۵۰۔

(۲) فيض القدير ج۵ ص ۷۰۔

(۳) فتح الملهم ج۲ ص ۳۵۱۔

(٤) شمائل ترمذی مع اردو شرح خصائل نبوی ص۱۳، باب ماجاء فی خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

(٥) مجمع بحار الأنوار ج۳ص۵۵ واكمال اكمال المعلم ج۱ص۳۰۹۔

چھوٹے چھوٹے پروانوں کی شکل میں اس کے اوپر جمع ہوگئے تھے، اور ان سب کا آنا اس لئے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرسکیں اور ان کو چھوٹے چھوٹے پروانوں کی شکل میں اس لئے تبدیل کیا گیا تاکہ وہ سب اس جگہ پر سماسکیں[1]۔ کیونکہ ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اگر اپنی اصل شکل میں آتے تو اس پر سمانہیں سکتے تھے۔

۴۱۰۔ حَدَّثَنِی عَبْدُ اللهِ بْنُ هَاشِمٍ الْعَبْدِیُّ، حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ، حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ بْنُ الْمُغِیرَةِ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :أُتِیتُ فَانْطَلَقُوا بِی إِلَی زَمْزَمَ، فَشُرِحَ عَنْ صَدْرِی، ثُمَّ غُسِلَ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ أُنْزِلْتُ" (ص:۹۲، سطر:۱)

تشریح

قوله : "ثُمَّ أُنْزِلَت" (ص:۹۲، سطر:۱) یہاں "**أُنْزِلَت**" سے کیا مراد ہے؟ اس میں درج ذیل چند احتمالات ہیں۔

۱ ... **انزلت** بمعنیٰ **ترکت** ہے۔ یعنی دل کو دھونے کے بعد مجھ کو چھوڑ دیا گیا، (وکذا فی فتح الملهم عن القاضی عیاض)۔

۲ ... **أنزلت** اپنے مشہور معنیٰ میں ہے یعنی مجھے اتار دیا گیا، یعنی جہاں سے مجھے اٹھایا گیا تھا دھونے کے بعد وہیں اُتارا گیا۔ (فتح الملهم عن القاضی عیاض)[2]۔

۳ ... صحیح بات یہ ہے کہ یہ لفظ "**أنزلت**" ہے۔ اور یہاں روایتِ مسلم ناقص ہے، اصل روایت میں ۔جیسے **فتح الملهم**[3] میں ہے، پورا جملہ یوں ہے: "**ثم انزلت علی طست من ذهب مملوئة حکمة وایمانا**" یعنی پھر سونے کی ایک تشتری میرے پاس لائی گئی جو ایمان وحکمت سے بھری ہوئی تھی۔

۴۱۱۔ حَدَّثَنَا شَیْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، ...(الی قوله)... عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ جِبْرِیلُ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یَلْعَبُ مَعَ

---

(۱) تفسیر معارف القرآن ج۸ ص۱۹۲، بحواله الدر المنثور۔ رفیع

(۲) فتح الملهم ج۲ ص۳۶۲۔

(۳) فتح الملهم ج۲ ص۳۶۳۔

الْغِلْمَانِ، فَأَخَذَهُ فَصَرَعَهُ، فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهِ، فَاسْتَخْرَجَ الْقَلْبَ، فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً، فَقَالَ :هٰذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ، ثُمَّ غَسَلَهُ فِي طَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ لَأَمَهُ، ثُمَّ أَعَادَهُ فِي مَكَانِهِ، وَجَاءَ الْغِلْمَانُ يَسْعَوْنَ إِلَى أُمِّهِ -يَعْنِي ظِئْرَهُ- فَقَالُوا :إِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ، فَاسْتَقْبَلُوهُ وَهُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ، قَالَ أَنَسٌ : وَقَدْ كُنْتُ أَرَى أَثَرَ ذٰلِكَ الْمِخْيَطِ فِي صَدْرِهِ (ص:۹۲،سطر:۲تا۴)

تشریح

قوله : "فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهِ" (ص:۹۲،سطر:۲)

فتح الملہم میں ہے کہ شق صدر کا واقعہ معتبر روایات کے مطابق تین مرتبہ پیش آیا۔

۱ ... پہلی مرتبہ بچپن کے زمانہ میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے یہاں زمانۂ قیام میں، جیسا کہ صحیح مسلم کی عنقریب آنے والی روایت میں صراحت کے ساتھ آرہا ہے۔

۲ ... دوسری مرتبہ شقِ صدر کا واقعہ غارِ حراء میں پہلی وحی کے وقت پیش آیا۔

۳ ... تیسری بار معراج کے وقت پیش آیا جیسا کہ بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی وغیرہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، اور اس بارے میں روایات متواتر اور مشہور ہیں۔

قوله : "ثُمَّ لَأَمَهُ" یہ لام اور ہمزہ کے ساتھ ہے، **اى اصلح موضع شقه**، یعنی شگاف کو جوڑ دیا، پھر آگے جو جملہ ہے: "**ثم أعاده في مكانه**" (ص:۹۲سطر:۳) یعنی پھر دل کو اس کی جگہ رکھ دیا، اس میں لفظ "ثم" اپنے اصل معنی میں نہیں، کیونکہ ظاہر بات ہے کہ شگاف کو جوڑنا تو دل کو اُس کی جگہ پر رکھنے کے بعد ہوا ہے، (**كذا في فتح الملهم**) لہٰذا لامحالہ ثم کو یہاں واو عاطفہ کے معنیٰ میں یعنی "اور" کے معنیٰ میں ہے۔

٤١٢ ـحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ،...(الى قوله)... شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ، قَالَ :سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يُحَدِّثُنَا عَنْ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ، أَنَّهُ جَاءَهُ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ قَبْلَ أَنْ يُوحَى إِلَيْهِ وَهُوَ نَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ بقصته...الحديث." (ص:۹۲، سطر:۴،۵)

تشریح

قوله : "قَبْلَ أَنْ يُوحَى إِلَيْهِ" (ص:۹۲،سطر:۵)

یہاں پر راوی شریک بن عبداللہ کو وہم ہوا ہے اس لئے کہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ اسراء کا واقعہ وحی نبوت کے آغاز کے بعد پیش آیا۔[1]

قوله : "وَهُوَ نَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" (ص:۹۲،سطر:۵)

اس سلسلہ میں روایات متعدد اور ظاہراً متعارض ہیں، ان سب کے درمیان تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ پہلے آپ ﷺ حضرت ام ہانیؓ کے گھر میں تھے۔ جسے اگلی روایت میں "بیتی" فرمایا گیا ہے۔ آپ وہاں آرام فرما رہے تھے، وہاں پر چھت کھولی گئی اور آپ کو اٹھا کر حطیم کعبہ میں لاکر لٹا دیا گیا اور آپ سوگئے، پھر دوبارہ ملائکہ آئے اور زمزم کے کنویں پر لے گئے اور وہاں شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔

۴۱۳۔حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى التُّجِيبِيُّ... (الى قوله)... عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :كَانَ أَبُو ذَرٍّ يُحَدِّثُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فُرِجَ سَقْفُ بَيْتِي وَأَنَا بِمَكَّةَ... (الى قوله)... فَلَمَّا عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا، فَإِذَا رَجُلٌ عَنْ يَمِينِهِ أَسْوِدَةٌ، وَعَنْ يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ،...(الى قوله)... وَلَمْ يُثْبِتْ كَيْفَ مَنَازِلُهُمْ، غَيْرَ أَنَّهُ ذَكَرَ أَنَّهُ قَدْ وَجَدَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا، وَإِبْرَاهِيمَ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ...(الى قوله)... قَالَ ابْنُ شِهَابٍ، وَأَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ، وَأَبَا حَبَّةَ الْأَنْصَارِيَّ، يَقُولَانِ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :ثُمَّ عَرَجَ بِي حَتَّى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى أَسْمَعُ فِيهِ صَرِيفَ الْأَقْلَامِ،

قَالَ ابْنُ حَزْمٍ، وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَفَرَضَ اللهُ عَلَى أُمَّتِي خَمْسِينَ صَلَاةً ، قَالَ :فَرَجَعْتُ بِذَلِكَ حَتَّى أَمُرَّ بِمُوسَى، فَقَالَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ :مَاذَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلَى أُمَّتِكَ؟ قَالَ :قُلْتُ :فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسِينَ صَلَاةً، قَالَ لِي مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ :فَرَاجِعْ رَبَّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا

(۱) شرح النووی ج۱ص۹۲۔

تُطِيقُ ذَلِكَ، قَالَ :فَرَاجَعْتُ رَبِّي، فَوَضَعَ شَطْرَهَا، قَالَ :فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَأَخْبَرْتُهُ قَالَ :رَاجِعْ رَبَّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذَلِكَ، قَالَ : فَرَاجَعْتُ رَبِّي، فَقَالَ:هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُونَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ، ...الحديث." (ص:۹۳،سطر:۵تا۸،وص۹۴سطر:۱تا۹)

قوله : "أسودة" یہ سواد کی جمع ہے اس کے معنی لشکر اور جماعت کے ہیں۔ (ص:۷۸، سطر۲)

''سواد'' اصل میں سیاہی کو کہتے ہیں، اور جہاں بہت بڑی جماعت یا لشکر ہو اگر اُسے دور سے دیکھا جائے تو وہاں سائے کی کثرت کی وجہ سے سیاہی، روشنی کے مقابلے میں زیادہ محسوس ہوتی ہے، اس لئے ایسی بڑی جماعت کو بھی ''سواد'' کہتے ہیں۔

قوله : "وابراهيم في السماء السادسة" (ص:۹۳،سطر:۳)

اس باب کی سب سے پہلی روایت میں گزرا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ساتویں آسمان میں تھے، اور اس روایت میں چھٹے آسمان کا ذکر ہے ان میں پہلی روایت راجح ہے، کیونکہ اُس کے راوی نے جزم سے بیان کیا ہے اور کسی شک کا اظہار نہیں کیا، جبکہ اِس روایت میں راوی نے خود صراحت کی ہے کہ اُسے ان انبیائے کرام کے منازل کی ترتیب یاد نہیں رہی، **حيث قال:"ولم يثبت كيف منازلهم"**۔

قوله : "أسمع فيه صريف الأقلام" (ص:۹۳،سطر:۲)

لکھتے وقت لکڑی کے قلم سے جو آواز نکلتی ہے اُسے **صريف الأقلام** کہتے ہیں، اِس مقام پر ملائکہ اُمورِ الٰہیہ اور احکامِ خداوندی کو لوحِ محفوظ سے نقل کر رہے تھے۔

قوله : "لا يبدل القوى لدىّ" (ص:۹۳،سطر:۹)

سوال:۔ یہاں سوال ہوسکتا ہے کہ بظاہر قول تو بدل گیا، اس لئے کہ شروع میں اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں مقرر فرمائیں اور پھر کرتے کرتے صرف پانچ نمازوں کا حکم باقی رکھا گیا؟

جواب:۔ دراصل لوحِ محفوظ میں اسی طرح لکھا تھا کہ شروع مین پچاس نمازوں کا حکم دیا جائے گا پھر کم کرتے کرتے آخر میں صرف پانچ نمازیں باقی رکھی جائیں گی[1]۔ اس لئے قول نہیں بدلا۔

---

(۱) عمدة القاري، كتاب الصلوٰة، باب كيف فرضت الصلاة في الاسراء۔

۴۱۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى...(الى قوله) ...عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، (لَعَلَّهُ قَالَ): عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ، (رَجُلٍ مِنْ قَوْمِهِ[1]) قَالَ :قَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :بَيْنَا أَنَا عِنْدَ الْبَيْتِ بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ، إِذْ سَمِعْتُ قَائِلًا يَقُولُ: أَحَدُ الثَّلَاثَةِ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، فَأُتِيتُ فَانْطُلِقَ بِي،...(الى قوله) ... فَأَتَيْتُ عَلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ :مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ، فَلَمَّا جَاوَزْتُهُ بَكَى، فَنُودِيَ :مَا يُبْكِيكَ؟ قَالَ :رَبِّ، هَذَا غُلَامٌ بَعَثْتَهُ بَعْدِي يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِهِ الْجَنَّةَ أَكْثَرُ مِمَّا يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي، قَالَ :ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، فَأَتَيْتُ عَلَى إِبْرَاهِيمَ ، وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ :وَحَدَّثَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ رَأَى أَرْبَعَةَ أَنْهَارٍ يَخْرُجُ مِنْ أَصْلِهَا نَهْرَانِ ظَاهِرَانِ، وَنَهْرَانِ بَاطِنَانِ، فَقُلْتُ :يَا جِبْرِيلُ، مَا هَذِهِ الْأَنْهَارُ؟ قَالَ :أَمَّا النَّهْرَانِ الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِي الْجَنَّةِ، وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ :فَالنِّيلُ وَالْفُرَاتُ، ثُمَّ رُفِعَ لِي الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ، فَقُلْتُ :يَا جِبْرِيلُ مَا هَذَا؟ قَالَ :هَذَا الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ، إِذَا خَرَجُوا مِنْهُ لَمْ يَعُودُوا فِيهِ آخِرُ مَا عَلَيْهِمْ،...الحديث

تشریح

قوله : "أحد الثلاثة بين الرجلين" (ص:۹۳،سطر:۱۱)

آپ دو آدمیوں کے درمیان لیٹے ہوئے تھے اور **فتح الملهم** میں صراحت ہے کہ وہ دو حضرات، حضرت حمزہؓ اور حضرت جعفرؓ تھے۔[2]

قوله : "فلما جاوزته بكى" (ص:۹۳،سطر:۱۵)

یہ رونا حسد کی وجہ سے نہیں بلکہ رشک کی وجہ سے تھا۔

قوله : "ما هذه الانهار؟" (ص:۹۴،سطر:۱)

عربی میں نہر کا لفظ عام ہے، دریا کو بھی کہتے ہیں اور اس سے نکلنے والی نہروں کو بھی ، یہاں

---

(۱) أى من قوم أنس بن مالك، كما هو ثابت فى فتح الملهم۔

(۲) فتح الملهم ج۲ص۳۷۹۔

دریا مراد ہے۔

قولہ : "فالنیل والفرات" (ص:۹۴،سطر:۲)

سوال:۔ دریائے نیل اور دریائے فرات تو زمین پر ہیں، وہاں آسمانوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کیسے دکھائے گئے؟

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں:۔

۱ ... وہاں بھی نیل اور فرات کے نام سے دو دریا ہوں گے۔

۲ ... دنیا کے نیل اور فرات کا پانی انہی دریاؤں سے آتا ہو، یعنی وہاں کے نیل اور فرات کا پانی برف بن کر دنیا کے ان پہاڑوں کی چوٹیوں پر ڈال دیا جاتا ہو جن کی برف پگھل کر دریائے نیل اور فرات میں پہنچ جاتی ہے۔

قولہ: "آخر ما علیھم" (ص:۹۴،سطر:۲) لفظ "آخر" کی روایت رفع کے ساتھ بھی ہے اور نصب کے ساتھ بھی، رفع کی صورت میں یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی، ای **"ذالک آخرُ ما علیھم من دخول البیت"** اور نصب کی صورت میں یہ مفعول فیہ ہوگا، ای **فی اٰخر زمان یأتی علیھم** (فتح الملھم)۔

٤١٦ ۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى... (الی قولہ)... أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :فَذَكَرَ نَحْوَهُ، وَزَادَ فِيهِ: فَأُتِيتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِءٍ حِكْمَةً وَإِيمَانًا، فَشُقَّ مِنَ النَّحْرِ إِلَى مَرَاقِّ الْبَطْنِ، فَغُسِلَ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ مُلِءَ حِكْمَةً وَإِيمَانًا." (ص:۹۴،سطر:۳،۴)

تشریح

قولہ : "فشق من النحر الی مراق البطن" (ص:۹۴،سطر:۴)

نحر ہنسلی کی دو ہڈیوں کے درمیان گڑھا، اور "مراق" میم کے فتحہ اور قاف کی تشدید کے ساتھ ہے، اس کا واحد مَرَقٌّ ہے، پیٹ کا وہ حصہ جس کی کھال نرم ہوتی ہے۔ یعنی حلق کے نیچے سے پیٹ کے نرم حصہ تک کاٹا گیا۔ (فتح الملھم)[1]

(۱) ج ۲ ص ۳۸۲، ۳۸۳ والنھایۃ لابن الأثیرؒ ج۴ ص ۳۲۱۔

۴۱۷۔ "حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّی... (الی قوله) ...ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ :ذَکَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِینَ أُسْرِیَ بِهِ، فَقَالَ :مُوسَی آدَمُ، طُوَالٌ، کَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ.

وقال عیسی جعد مربوع، وذکر مالکا خازن جهنم وذکر الدجال."

(ص:۹۴،سطر:۴تا۶)

تشریح

قوله : "آدَمُ" (ص:۹۴،سطر:۵) اس کے معنیٰ ہیں گندمگوں، یعنی گندمی رنگ والے اور طوال کے معنیٰ ہیں طویل اور لمبے۔[1]

قوله : "شنوئة" (ص:۹۴،سطر:۵)

یہ یمن کے مشہور قبیلے "الازد" کی ایک شاخ کا نام ہے، یہ لوگ لمبے قد والے ہونے میں مشہور تھے۔(فتح الملهم)۔[2]

قوله : "عیسیٰ جعدٌ مربوعٌ" (ص:۹۴،سطر:۵)

جعد، گھنگریالے بال والا، اس کا مصدر جعودة ہے، اور مضبوط جسم والے کو بھی جعد کہتے ہیں۔[3] مربوع کے معنیٰ ہیں معتدل قد والے اور ربعة بھی اسی معنیٰ میں آتا ہے۔[4]

۴۱۸۔ "حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَیْدٍ...(الی قوله)...عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِی الْعَالِیَةِ، حَدَّثَنَا ابْنُ عَمِّ نَبِیِّکُمْ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :مَرَرْتُ لَیْلَةَ أُسْرِیَ بِی عَلَی مُوسَی بْنِ عِمْرَانَ عَلَیْهِ السَّلَامُ، رَجُلٌ آدَمُ طُوَالٌ جَعْدٌ کَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ، وَرَأَیْتُ عِیسَی ابْنَ مَرْیَمَ مَرْبُوعَ الْخَلْقِ إِلَی الْحُمْرَةِ وَالْبَیَاضِ، سَبْطَ الرَّأْسِ ، وَأُرِیَ مَالِکًا خَازِنَ النَّارِ، وَالدَّجَّالَ فِی آیَاتٍ أَرَاهُنَّ اللهُ إِیَّاهُ، "فَلَا تَکُنْ فِی مِرْیَةٍ مِنْ لِقَائِهِ"، قَالَ :کَانَ

(۱) فتح الملهم ج۲ص۸۳۔

(۲) فتح الملهم ج۲ص۳۸۳۔

(۳) مجمع بحار الأنوار ج۱ص۳۶۰۔

(۴) مجمع بحار الأنوار ج۲ص۲۸۴۔

قَتَادَةُ يُفَسِّرُهَا أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ لَقِيَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ." (ص:۹۴،سطر:۶ تا ۸)

قوله : "مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عَلَى مُوسَى" (ص:۹۴،سطر:۷)

حیات النبی کی وجہ سے بعض دنیوی احکام کا جاری ہونا

قرآنِ کریم اور احادیث طیبہ سے ثابت ہوا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی روحِ مبارک کا آپ کے جسمِ مبارک کے ساتھ نہایت مضبوط اور قوی تعلق ہے، جس کی وجہ سے بعض دنیوی احکام بھی اس پر مرتب ہوتے ہیں۔

مثلاً: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر کوئی شخص سلام پڑھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خود سنتے ہیں، اور اگر کوئی درود وسلام پڑھے تو وہ آپ کی خدمت مین پیش کر دیا جاتا ہے، روح مبارک کے جسمِ مبارک کے ساتھ اس خاص اور مضبوط تعلق کی وجہ سے اس میں سننے کی صلاحیت پائی جاتی ہے، اور ہر نبی کے مزار پر یہی بات ہے۔

○ ... اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک جیسے آج سے چودہ سو سال پہلے قبر مبارک میں رکھا گیا تھا، ویسے ہی آج بھی صحیح سالم اور تر وتازہ موجود ہے، قبر کی مٹی میں دفن ہونے کی وجہ سے اس جسم میں کوئی فرق نہیں آیا، یہ اس روح کے جسم کے ساتھ قوی تعلق کی وجہ سے ہے، ورنہ عام طور پر انسانی جسم قبر میں گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے۔

○ ... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ کی ازواجِ مطہرات سے کسی کا نکاح نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہیں، یہ اس قوی حیات کا نتیجہ ہے جو اور لوگوں کو حاصل نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہیں ہوئی، کیونکہ وراثت مردہ کی تقسیم ہوتی ہے نہ کہ زندہ کی۔

ان دلائل قطعیہ، صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں حیات ہیں اور انکی حیات دنیوی حیات کے مشابہ ہے، اور اس حیات کے برزخی ہونے کا مطلب یہ ہیکہ انہیں یہ حیات عالمِ برزخ میں حاصل ہے، لہٰذا یہ وہ عام برزخی حیات

نہیں ہے جو تمام انسانوں کو حاصل ہے یہ اھل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے، اس کا انکار کرنے والا فاسق اور گمراہ ہے[1] واللہ اعلم

(۱) … حیاتِ انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ کا جامع خلاصہ

شبِ معراج کے جو واقعات یہاں صحیح مسلم میں آئے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متعدد پیغمبروں سے ملاقات کرنے کا ذکر ہے، ان سے اور دیگر صحیح احادیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کا اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونا ثابت ہے اور ان کی یہ حیات دنیا کی حیات کے مشابہ ہے، بغیر مکلّف ہونے کے، اور یہ حیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ خاص ہے اور یہ وہ برزخی حیات نہیں ہے جو تمام مسلمانوں، بلکہ تمام انسانوں کو حاصل ہے، البتہ اس لحاظ سے اس کو برزخی کہہ سکتے ہیں کہ یہ زندگی انہیں عالمِ برزخ میں حاصل ہے یہ اھلِ سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے۔ (عقائد علماءِ اھل سنت دیوبند بتصرف ص۳۰)

اس عقیدے سے ہمارے زمانہ کے بعد لوگوں نے اختلاف کیا ہے جن کو مماتی اور پتھری کہتے ہیں جو پاکستان کے صوبہ پنجاب میں زیادہ پائے جاتے ہیں اور بعض غیر مقلد، سلفی اور توحید میں غلو کرنے والے بھی اس عقیدہ کو نہیں مانتے اور حیاتِ انبیاء کرام علیہ السلام کے عیقدہ کا انکار کرتے ہیں جو درست نہیں، ذیل میں اھلِ سنت والجماعت کے مذکورہ عقیدے کے درست اور برحق ہونے کے چند دلائل بیان کئے جاتے ہیں، لیکن دلائل سے پہلے بطورِ تمہید یہ سمجھ لیں کہ!

(۲) … قبر میں حضراتِ انبیاء کرامؑ کی حیات کا مطلب

انبیاءِ کرام علیہم السلام کو قبر کے اندر جو دنیوی حیات کے مشابہ حیات حاصل ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انبیاءِ کرام کی روح کا ان کے جسم کے ساتھ خاص، قوی اور گہرا تعلق ہے، روح اور جسم کا یہ گہرا تعلق انبیاء کرام کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں، انبیاءِ کرام علیہم السلام کے علاوہ اوروں کی روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے لیکن اس کے درجات مختلف ہیں، جیسے شہداء کی ارواح کا ان کے جسموں سے تعلق بھی گہرا ہوتا ہے لیکن انبیاء کرام سے کمتر ہوتا ہے، جبکہ عام مسلمانوں کی ارواح کا تعلق ان کے جسم سے کسی نہ کسی درجے کا ہوتا ہے، اسی لئے قبرستان میں داخل ہوتے وقت مردوں کو سلام کرنے کا حکم ہے،

(۱) خلاصہ تکملۃ فتح الملہم ص۲۸ تا ۳۳۔

یہ حکم اسی لئے ہے کہ وہ سلام سنتے ہیں، اور سننا اسی بناء پر ہے کہ ان کی روحوں کا ان کے جسموں کے ساتھ کسی نہ کسی درجے میں تعلق ہے۔

اسی طرح عام انسانوں اور کفار وغیرہ کی روحوں کا تعلق بھی ان کے جسموں سے باقی رہتا ہے، لیکن وہ تعلق اس قدر کمزور ہوتا ہے کہ قبر کے اندر کا جسم بھی گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے۔

پتھری اور مماتی لوگ روح کے جسم کے ساتھ اس تعلق کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں مرنے کے بعد روح مقامِ علیین میں چلی گئی، اور جسم مزار میں رہ گیا، لہٰذا وہ پتھر کی طرح (العیاذ باللہ) بے حس اور بے جان ہے، اس میں کوئی شعور نہیں ہے لہٰذا مزار پر جا کر سلام پڑھیں تو وہ جسم سلام وغیرہ نہیں سنتا، یہی مماتیوں کی بنیادی غلطی ہے اور کھلی گمراہی ہے جو توحید میں غلو کرنے کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے۔

(۳) ... حیاتِ انبیاءؑ کے دلائل

حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام کے بہت سے دلائل ہیں اور علماءِ امت نے انہیں تفصیل سے لکھا ہے اور اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جیسے حضرت امام بیہقیؒ کا رسالہ "حیاتِ انبیاء" اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا رسالہ انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء، شیخ بارزی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی جو علامہ سیوطیؒ نے مذکورہ رسالہ میں نقل کیا ہے، اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ پر مشہور اور منفرد رسالہ "آبِ حیات" ہے ان میں سے چند دلائل یہ ہیں:۔ حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام کا ثبوت کتاب اللہ سے بھی ہے، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہے اور ائمہ اربعہؒ کے اتفاق واجماع سے بھی ہے،

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں فرمایا: "**ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله أموات بل أحیاء ولکن لاتشعرون**"(۱) جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو جاتے ہیں، تم ان کو مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے، وہ شعور یہی ہے کہ ان کی روح کا ان کے جسم کے ساتھ کچھ ایسا قوی اور گہرا تعلق ہے کہ تم اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے، اس آیت کی رو سے جب شہید اپنی قبر میں زندہ ہے تو نبی کا درجہ اس سے بھی بڑھ کر ہے، لہٰذا نبی کو بدرجۂ اولیٰ آل سے اعلیٰ درجہ کی حیات حاصل ہوگی، تو کتاب اللہ سے دلالۃ حیاتِ انبیاء کرام علیہم

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت: ۱۵٤۔

السلام ثابت ہوئی۔

احادیثِ طیبہ سے بھی حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام ثابت ہے: ان میں سے ایک حدیث یہ ہے

"عن انس بن مالکؓ ان رسول الله ﷺ قال اتیت وعن روایة هدّاب مررت علی موسیٰ لیلة اسری بی عن کثیب الأحمه وهو قائم یصلی فی قبره.

(صحیح مسلم ص٢٦٨ ج٢)

ترجمہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں شب معراج میں لال ریت کے ٹیلے کے پاس سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں،

اگر روح کا جسم کے ساتھ بالکل بھی تعلق نہ ہوتو پھر جسم بالکل بے جان ہوگا وہ کیسے نماز پڑھ سکتا ہے؟ اور بغیر جسم کے صرف روح بھی نماز نہیں پڑھ سکتی۔ معلوم ہوا کہ حضر موسیٰ علیہ السلام کی روح جسم کے ساتھ تھی اس لئے حضور نے انہیں قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

۲ ... دوسری حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "الأنبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون..."[1] یہ حدیث صحیح اور مرفوع ہے، کیونکہ علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں علامہ بیہقیؒ نے اپنے رسالۂ خاص حیات انبیاء میں اور علامہ مناویؒ نے فیض القدیر میں اس کو صحیح کہا ہے۔ اور یہ حدیث انبیاء کرام علیہ السلام کے اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونے پر نہایت صاف اور صریح ہے۔ کیونکہ نماز زندہ جسم چاہتی ہے ورنہ بغیر زندہ جسم کے نماز نہیں ہوسکتی۔

۳ ... تیسری حدیث بھی مشہور ومعروف ہے، جو حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ:

قال رسول الله ﷺ وانّ احدا لن یصلی علیّ الا عرضت علی صلاته حتی یفرغ منها: قال (ای قال ابوالدرداء) قلت وبعد الموت؟ قال وبعد الموت، ان الله حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی الله حی یرزق۔

ترجمہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی امتی مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اس کے فارغ

(۱) مسند أبی یعلی: رقم الحدیث ٣٤٢٥ بحواله تکملة فتح الملهم ۲۸/۵۔

ہوتے ہی وہ مجھ پر پیش کردیا جاتا ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا حضور! آپ کی وفات کے بعد بھی آپ نے فرمایا میری وفات کے بعد بھی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے انبیاءِ کرام علیہم السلام کے جسموں کو زمین پر حرام کردیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اس کو روزی دی جاتی ہے۔ قبر کی مٹی انکے جسم کو خراب کرے۔

اس حدیث کے آخری الفاظ ہیں: فنبی اللہ حی یرزق، اللہ تعالیٰ کے نبی زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے[1]، تو رزق دیا جانا انکے حیات کی دلیل ہے، کیونکہ بغیر روح کے جسم کو اور بغیر جسم کے روح کو رزق کی کوئی ضرورت نہیں یہ حدیث بھی حیات انبیاءؑ پر بالکل واضح ہے۔

۴ ... چوتھی حدیث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبکوئی شخص میرے روضے پر سلام پڑھتا ہے تو اسے میں خود سنتا ہوں اور اگر دور سے پڑھتا ہے تو اسے میرے پاس پہنچایا جاتا ہے[2]۔

اس سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک میں حیات ثابت ہوئی، کیونکہ سماع کا تعلق جسم سے ہے۔ اور آپ پر جو درود وسلام پیش کیا جاتا ہے وہ روح اور جسم دونوں کے مجموعہ پر پیش ہوتا ہے۔

قولہ : "سَبْطَ الرَّأْسِ" (ص:۹۴، سطر:۷)

اس کی باء پر فتحہ اور کسرہ دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں، سیدھے بالوں والا، اس کا مصدر سُبوطۃ ہے۔ (فتح الملھم)۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ پیچھے حدیث میں جعد (بمعنیٰ گھنگھریالے بال) فرمایا گیا تھا اور یہاں ہے کہ بال سیدھے تھے۔

جواب یہ ہے کہ بال من وجہ سیدھے تھے اور من وجہ گھنگھریالے تھے اور بالوں کے اندر دونوں چیزوں کا جمع ہونا بالوں کی خوبی ہے، اس سے بال زیادہ حسین معلوم ہوتے ہیں۔

۴۱۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، (الی قولہ) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِوَادِي الْأَزْرَقِ، فَقَالَ :أَيُّ وَادٍ هَذَا؟ فَقَالُوا :هَذَا وَادِي

(۱) سنن ابن ماجه كتاب ماجاء في الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ۱۶۲۷۔

(۲) كنز العمال رقم الحديث: ۲۱۹۷، حرف الهمزة، اس حدیث مبارک میں یہ بھی ہے کہ وہ اس کے دنیا وآخرت کے کاموں کے لئے کافی ہوجائے گا اور میں اس کے لئے سفارشی ہوں گا۔

الْأَزْرَقِ، قَالَ :كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ هَابِطًا مِنَ الثَّنِيَّةِ، وَلَهُ جُؤَارٌ إِلَى اللهِ بِالتَّلْبِيَةِ ، ثُمَّ أَتَى عَلَى ثَنِيَّةِ هَرْشَى، فَقَالَ :أَيُّ ثَنِيَّةٍ هَذِهِ؟ قَالُوا :ثَنِيَّةُ هَرْشَى، قَالَ :كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى يُونُسَ بْنِ مَتَّى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ جَعْدَةٍ عَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوفٍ، خِطَامُ نَاقَتِهِ خُلْبَةٌ وَهُوَ يُلَبِّي ، (الی قوله) قَالَ هُشَيْمٌ :يَعْنِي لِيفًا" (ص:۹۴،سطر:۸تا۱۰)

تشریح

قوله : "مَرَّ بِوَادِي الْأَزْرَقِ،" (ص:۹۴،سطر:۹)

یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔

قوله : "كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ هَابِطًا مِنَ الثَّنِيَّةِ، وَلَهُ جُؤَارٌ إِلَى اللهِ " (ص:۹۴،سطر:۹)

یعنی گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ ثنیہ یعنی بلندی سے اُتر رہے تھے، اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری کرتے ہوئے۔

اس جملہ کی تشریح تین طرح سے ہوسکتی ہے:۔

۱ ... لیلۃ الاسراء میں بیت المقدس کی طرف جاتے یا آتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس مقام پر دیکھا تھا اور وہ دیکھنا مجھے اس طرح یاد ہے گویا کہ میں اب دیکھ رہا ہوں۔

۲ ... خواب کے اندر اس مقام پر یہ منظر کبھی دیکھا تھا، اور اب وادیٔ ازرق کو دیکھ کر ایسے لگ رہا ہے جیسے میں موسیٰ علیہ السلام کو اب ثنیّہ سے اُترتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

۳۔ اِن انبیاء کرام کا جو واقعہ ان کی زندگی میں پیش آچکا تھا، اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کی صورتِ مثالیہ بیداری میں دکھائی گئی، اسی لئے آپ نے "**كأني أنظر الى موسىٰ**" اور "**كأني أنظر الى يونس**" فرمایا،[1] (فتح الملهم)۔

قوله : "على ثنية هرشا " (ص:۹۴سطر:۹، ۱۰) ثَنِیَة پہاڑ میں بلند راستہ کو کہتے ہیں یا دو

(۱) فتح الملهم ج۲ص۳۹۱۔ نیز ملاحظہ فرمایئے: فتح الباری ج۳ص۴۱۵ والديباج ج۱ص۲۱۲۔

پہاڑوں کے درمیانی راستہ کا نام ہے جسے گھاٹی بھی کہتے ہیں اور هَرْشیٰ الف مقصورہ کے ساتھ جُحْفَة کے پاس ایک گھاٹی کا نام ہے۔(فتح الملہم ص : ۳۸۶)

قوله: "عليه جبة من صوف خطام ناقته خلبة، وهو يلبى" (ص:۹۴،سطر:۱۰)

خِطَامٌ اور زِمَامٌ اُونٹ کی مُہار اور نکیل کو کہتے ہیں اور "خُلْبَةٌ" جس کو "لِیْفٌ" بھی کہا جاتا ہے، کھجور کے درخت کی چھال کو کہتے ہیں جس سے مُہار بنائی جاتی ہے۔

سوال:۔ یہ کیسے جائز ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام جبہ پہنے ہوئے بھی ہیں اور تلبیہ بھی پڑھ رہے ہیں۔ حالانکہ تلبیہ سے تو اِحرام شروع ہوتا ہے، اور اِحرام میں سلا ہوا کپڑا پہننا ممنوع ہے؟

جواب:۔ وہ اپنی شریعت پر عمل کر رہے ہوں گے، اور ان کی شریعت میں یہ جائز ہوگا۔ نیز یہ بھی ہوسکتا ہے انہوں نے اُس جُبّہ کو پہنا ہوا نہ ہو بلکہ کندھوں پر ڈال رکھا ہو، اور یہ پہنے بغیر بدن پر ڈالنا ہماری شریعت میں بھی اِحرام کے منافی نہیں، (فتح الملہم)۔

٤٢٢۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ،(الى قوله) عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: عُرِضَ عَلَيَّ الْأَنْبِيَاءُ، فَإِذَا مُوسَى ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ .... الحديث." (ص:۹۴،سطر:۴،۵)

تشریح

قوله : "ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ" (ص:۹۴،سطر:۵)

ضَرْبٌ ایسا شخص جو درمیانے جسم والا ہو، نہ موٹا، نہ دُبلا۔

٤٢٣۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :حِينَ أُسْرِيَ بِي لَقِيتُ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ -فَنَعَتَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَجُلٌ حَسِبْتُهُ قَالَ مُضْطَرِبٌ، رَجِلُ الرَّأْسِ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ ، قَالَ :وَلَقِيتُ عِيسَى فَنَعَتَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -فَإِذَا رَبْعَةٌ أَحْمَرُ، كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيمَاسٍ يَعْنِي حَمَّامًا. (ص:۹۵،سطر:۷تا۹)

قوله:"مُضْطَرِبٌ" (ص:۹۵،سطر:۸) لمبے قد والے (نووی)[1]،(ص:۹۵،سطر:۹)

---

(۱) شرح صحیح مسلم للنووی ج:۱ص:۹۵۔

قولہ: "رَبْعَةً" (ص:۹۵سطر:۹) ربعة اور مربوع دونوں ہم معنیٰ ہیں، یعنی درمیانے قد والے۔

قولہ: "كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيمَاسٍ يَعْنِي حَمَّامًا" (ص:۹۵سطر:۹)

اگلی حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بالوں سے اُس وقت پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

نیز ایک روایت میں یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اُٹھایا گیا تھا تو اُس وقت آپ غسل کر کے تشریف لائے تھے اور پانی کے قطرے آپ کے بالوں سے گر رہے تھے، تو اسی کیفیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا، اور روایات میں آتا ہے کہ جب قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو اس وقت بھی آپ کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے۔[1]

٤٢٤ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَرَانِي لَيْلَةً عِنْدَ الْكَعْبَةِ، فَرَأَيْتُ رَجُلًا آدَمَ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ، لَهُ لِمَّةٌ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنَ اللِّمَمِ، قَدْ رَجَّلَهَا فَهِيَ تَقْطُرُ مَاءً، (الی قوله) فَقِيلَ: هَذَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ، ثُمَّ إِذَا أَنَا بِرَجُلٍ جَعْدٍ قَطَطٍ، أَعْوَرِ الْعَيْنِ الْيُمْنَى كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ، فَسَأَلْتُ مَنْ هَذَا؟ فَقِيلَ: هَذَا الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ. (ص:۹۵سطر:۱۰تا۱۲)

تشریح

قولہ: "أَرَانِي لَيْلَةً عِنْدَ الْكَعْبَةِ" (ص:۹۵سطر:۱۰)

یہ رُؤیت خواب میں ہوئی ہے، کیونکہ اگلی روایت میں تصریح ہے کہ "أرانی الليلة فی المنام، (ص:۹۶سطر:۲)۔ رات میں نے خواب میں دیکھا۔

قولہ: " رجلا ادم" (ص:۹۵سطر:۱۱) یعنی مرد۔

قولہ: "من ادم الرجال" (ص:۹۵،سطر۱۱)

(۱) فتح الباری ج:۲ص:۴۸۴ والتصریح بما تواتر فی نزول المسیح۔

اُدْم: اسمیں ھمزہ پہ ضمہ اور دال ساکن ہے۔ جو، آدم کی جمع ہے، جیسے اَحْمَر کی جمع حُمْر[1] آتی ہے۔

قوله : "لِمَّة" (ص:۹۵ سطر:۱۱)

اسمیں لام ہے کسرہ اور میم پر تشدید ہے، سر کے وہ بال جو کان کی لو سے گزر کر کندھوں تک پہنچ گئے ہوں، اور اگر کندھوں سے بھی نیچے پہنچ جائیں تو اُن کو "جُمَّة" کہا جاتا ہے، اور جو بال "لِمَّة" سے کم ہوں وہ "وِفْرَة" کہلاتے ہیں۔[2]

قوله : "جعد قطط" (ص:۹۵ سطر:۱۱)

اس میں قاف اور پہلی طاء فتحہ ہے، اور کبھی پہلی طاء کو مکسور بھی پڑھا جاتا ہے، یہ جعد کی تأکید ہے یعنی اس کے بال سخت گھنگھریالے اور گول مول تھے۔

٤٢٩ ـ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ، فَسَأَلَتْنِي عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا، فَكُرِبْتُ[3] كُرْبَةً مَا كُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ ، قَالَ: فَرَفَعَهُ اللهُ لِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ، مَا يَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ بِهِ، وَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي جَمَاعَةٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، فَإِذَا مُوسَى قَائِمٌ يُصَلِّي، (الى قوله) وَإِذَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ يُصَلِّي، (الى قوله) وَإِذَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ يُصَلِّي، أَشْبَهُ النَّاسِ بِهِ صَاحِبُكُمْ يَعْنِي نَفْسَهُ فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَأَمَمْتُهُمْ،(ص:۹۶ سطر:۱۰ تا ۱۲)

تشریح

یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب لیلة الاسراء کے اگلے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے سامنے اسراء اور معراج کے واقعات بیان فرمائے۔

(۱) فتح الملہم ج:۲ ص:۳۹۶۔

(۲) فتح الملہم ج:۲ ص:۳۹۷۔

(۳) قوله "كربتُ" أي أحزنت ، وقوله : "كربة" بالضم الغم الذي يأخذ النفس لشدّته۔ (فتح الملہم ج۲ ص۴۰۴) یعنی میں بہت غمگین ہوا۔

قوله: "رَأَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ" (ص:۹۶ سطر:۱۱) یعنی حطیم میں اور حطیم کا پرانا نام حِجر ہے۔ اللہ رب العزت نے مسجد اقصیٰ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیسے ظاہر فرمایا؟ اس میں دو احتمال ہیں:۔

۱ ... مسجد اقصیٰ کی تصویر دکھائی ہو۔

۲ ... مسجد اقصیٰ کے اور آپ کے درمیان کے سارے پردے ہٹا دیئے ہوں، جس کی وجہ سے آپ براہِ راست اس کو دیکھ رہے ہوں۔

قوله : "وقد رأيتني في جماعة من الأنبياء" (ص:۹۶ سطر:۱۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء علیہم السلام کو یہ دیکھنا بالاتفاق اُس دیکھنے کے علاوہ ہے جو آسمانوں میں ہوا۔(۱)

قوله : "فحانت الصلوٰة فأممتهم" (ص:۹۶ سطر:۱۳)

فتح الملہم میں ہے کہ نماز کا وقت داخل ہوا اور اس نماز سے کون سی نماز مراد ہے؟ اسمیں تین احتمال ہیں:۔

۱۔ ایک یہ کہ شاید اس نماز سے شکرانہ کی نماز مراد ہو۔

۲۔ یا بطورِ خاص معراج والی نماز مراد ہو۔

۳۔ یا یہ کہ بیت المقدس میں جو نماز ادا کی تھی وہ مراد ہو جسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں پر تشریف لے گئے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آسمانوں سے واپسی پر آپ نے یہ نماز ادا فرمائی ہو جس میں شرکت کے لئے انبیاء اکرام علیہم السلام یہاں تشریف لائے ہوں۔ واللہ اعلم

۴۳۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :لَمَّا أُسْرِيَ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، انْتُهِيَ بِهِ إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى، وَهِيَ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ، إِلَيْهَا يَنْتَهِي مَا يُعْرَجُ بِهِ مِنَ الْأَرْضِ فَيُقْبَضُ مِنْهَا، وَإِلَيْهَا يَنْتَهِي مَا يُهْبَطُ بِهِ مِنْ فَوْقِهَا فَيُقْبَضُ مِنْهَا ، قَالَ: (إِذْ يَغْشَى) السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى، قَالَ :فَرَاشٌ مِنْ ذَهَبٍ ، قَالَ: فَأُعْطِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا:

---

(۱) فتح الملہم ج۲ص۳۰۵۔

أُعْطِيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ، وَأُعْطِيَ خَوَاتِيمَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، وَغُفِرَ لِمَنْ لَمْ يُشْرِكْ بِاللهِ مِنْ أُمَّتِهِ شَيْئًا، الْمُقْحِمَاتُ۔" (ص:۹۷سطر:۱تا۴)

تشریح

قوله: "فراش من ذهب" (ص:۹۷سطر:۳)

فراش فا کے فتحہ کے ساتھ ہے اسکے معنیٰ ہیں پروانے۔

قوله: "أعطى الصلوات الخمس" (ص:۹۷سطر:۳)

یعنی پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔[1]

قوله: "خواتيم سورة البقرة"(ص:۹۷سطر:۳) یعنی سورۃ البقرۃ کی آخری آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے اِس اُمت کے لئے کمالِ رحمت، آسانی، مغفرت اور کفار پر مدد فرمانے کو بیان فرمایا ہے۔[2]

قوله: "المقحماتُ" (ص:۹۷سطر:۴)

یہ مقحمة کی جمع ہے جسکے معنی ہیں، انسان کو ہلاکت میں ڈالنے والے کبیرہ گناہ۔

حلاک کرنے والے گناہِ کبیرہ کی مغفرت سے مراد یا تو یہ ہے کہ ان کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے (کمال قال ابن حجرؒ) یا یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے اکثر گناہ کبیرہ کرنے والوں کی مغفرت ہوجائے گی، فانها أمّة مرحومة، (كذا في فتح الملهم عن المرقاة)۔[3]

باب معنىٰ قول الله عزّ و جلَّ :

"ولقد راه نزلةً أخرى...الخ"

۴۳۱۔ حَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ، (الى قوله) قال انا الشَّيْبَانِيُّ، قَالَ:

---

(۱) فتح الملهم ج۲ ص۴۰۸۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

سَأَلْتُ زِرَّ بْنَ حُبَيْشٍ. عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى"، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ مَسْعُودٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى جِبْرِيلَ لَهُ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ." (ص:۹۷سطر:۴،۵)

تشریح

قوله : "سَأَلْتُ زِرَّ بْنَ حُبَيْشٍ، عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى" (ص:۹۷سطر:۴)

اللہ تعالیٰ کی زیارت کا مسئلہ

یہاں سے حضرت امامِ مسلمؒ نے وہ احادیث طیبہ بیان فرمائی ہیں جن کا تعلق سورۂ نجم کی شروع کی آیات سے ہے، اوران احادیث میں بنیادی طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ شبِ معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں خاصا اختلاف ہے، چنانچہ اس مسئلے میں چار قول ہیں:۔

ا۔ پہلا قول حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہے۔[1] وہ یہ فرماتے ہیں کہ شبِ معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا، اور فتح الملهم میں مسند احمد کی روایت سند قوی کے ساتھ یہ منقول ہے کہ: "**قال رسول الله صلى الله عليه وسلم رأيت ربي عزوجل** یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔ اسلئے اس حدیثِ مرفوع کی بنا پر حضرت کا موقف یہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی ہے۔(فتح الملهم: ج ۲،ص ۲۱۲ تا ۲۱۸).

یہ حضرات سورۂ نجم کی آیات: "**عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى○ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى ○ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى ○ فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى ○ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ○ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَى مَا يَرَى**اور"○**وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى**" کی ضمیروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاتے ہیں، اوران آیات میں جو قریب ہونے دیکھنے اور بلا واسطہ تعلیم دینے کا ذکر ہے وہ ان سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس قول کو صاحبِ تفسیر

(۱) تفسیر معارف القرآن ج:۸ص:۱۹۵۔

مظہری نے اختیار کیا ہے۔[1]

۲ ... دوسرا قول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کا ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ شبِ معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی زیارت نہیں ہوئی اور وہ اِن آیات کی تمام ضمیروں کو حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کی طرف لوٹاتے ہیں (کذا فی المعارف القرآن ج : ۸ ص : ۱۹۲، بحوالہ تفسیر ابنِ کثیر)۔[2] البتہ ''فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى'' کی ضمیریں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹاتے ہیں۔

اِس قول کو علامہ قرطبیؒ[3]، امام رازیؒ[4]، اور علامہ ابنِ کثیرؒ[5] نے اپنی اپنی تفاسیر میں اختیار فرمایا ہے اور امام نوویؒ[6] اور حافظ ابن حجرؒ[7] نے بھی اِس قول کو راجح قرار دیا ہے۔ اور ہمارے اکابر میں سے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے بھی اِسی قول راجح قرار دیا ہے۔

۳ ... سورۃُ النجم کی آیت ''مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى'' سے آیت ''لقد راہ من ایات ربہ الکبری'' تک جن میں واقعۂ معراج کا بیان ہے، ان میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے بارے میں جتنے الفاظ عام صیغوں کے ساتھ آئے ہیں ان سب میں حضرت جبریلؑ اور اللہ تعالیٰ دونوں کے دیکھنے کا احتمال ہے، کیونکہ ان میں عموم ہے، اور اس عموم کی نفی کسی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا امکان از روئے عقل اور نقل موجود ہے اس کو حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے فتح الملہم میں اختیار فرمایا ہے۔

۴ ... چوتھا قول جس کو جمہور کا مسلک قرار دیا گیا ہے، یہ ہے کہ اِس مسئلہ میں توقف کرنا چاہیے، اس لئے کہ آیات میں کوئی ایک معنیٰ واضح طور پر متعین نہیں ہیں اور اخبارِ آحاد جن میں سے

---

(۱) تفسیر مظہری ج:۹ص:۱۰۹۔

(۲) تفسیر ابن کثیر ج:۴ص:۲۲۳۔

(۳) تفسیر القرطبی ج۱۷ ص۸۲ وما بعدہ۔

(٤) تفسیر الکبیر ج۲۷ ص۲۹۰۔

(٥) تفسیر ابن کثیر ج٤ ص۲۲۳ وما بعدہ۔

(٦) شرح النووی ج۱ ص۹۷۔

(۷) فتح الباری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ النجم رقم الحدیث: ٤٥٥ ج۸ ص۶۰۸ وما بعدہ۔

بعض سے رُویت کا ثبوت ہے اور دیگر بعض سے ثابت نہ ہونا معلوم ہوتا ہے، اور ان پر اس مسئلہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی، کیونکہ عقائد میں اخبارِ آحاد معتبر نہیں، بلکہ عقائد کا ثبوت تواتر سے ہوتا ہے جو یہاں موجود نہیں، نیز اس کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کے عقیدے پر ہمارا کوئی عمل بھی موقوف نہیں، اس لئے اس مسئلہ میں توقف کرنے میں زیادہ احتیاط ہے۔ سیدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر معارف القرآن میں اسی کو ''اسلم اور احوط'' قرار دیا ہے۔[1]

آیت: ''فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى '' کی تشریح

زمانۂ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ جب دو آدمی آپس میں کوئی عہد و پیمان کرتے تو دونوں اپنی اپنی کمانوں کو لے کر ان کے چلّوں کو باہم ملا دیتے تھے، اور اسکو ان میں کامل اتفاق کا اظہار سمجھا جاتا تھا کہ اب ان کمانوں کا رُخ ایک دوسرے کی طرف نہ ہوگا۔

قاب اس فاصلے کو کہتے ہیں جو کمان کی ڈور کے درمیانی حصے اور کمان کے دستے کے درمیان ہوتا ہے جو بہت تھوڑا سا ہوتا ہے، تو اس عہد کے وقت یہ دونوں شخص ایک دوسرے سے انتہائی قریب ہوتے تھے، اسی تعبیر کو قرآنِ کریم میں اختیار فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریلِ امین کے درمیان، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے درمیان صرف ''قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى'' کا فاصلہ تھا، یعنی دونوں ایک دوسرے کے انتہائی قریب تھے۔

۴۳۵۔ ''حدثنا أبو بكر بن ابی شيبة...(الی قوله) ... عن ابن عباس قال: رآه بقلبه'' (ص:۹۸سطر:۲،۳)

اس میں دل سے دیکھنا مراد ہے، نہ کہ دل سے پہچاننا، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں دیکھنے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی، اور ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے دل میں دیکھنے کی صفت پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔

۴۳۸۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ...(الی قوله)...عَنْ مَسْرُوقٍ،[2] قَالَ: كُنْتُ مُتَّكِئًا عِنْدَ عَائِشَةَ، فَقَالَتْ: يَا أَبَا عَائِشَةَ، ثَلَاثٌ مَنْ تَكَلَّمَ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ فَقَدْ

---

(۱) تفسیر معارف القرآن ج۸ص۲۰۵۔ رفیع

(۲) "هو ابن الأجداع سمي مسروقا لأنه سرقه انسان فی صغره ثم وجد. وكنيته "أبو عائشة" فتح الملهم۔ (رفیع)

أَعْظَمَ عَلَى اللهِ الْفِرْيَةَ، قُلْتُ مَا هُنَّ؟ قَالَتْ :مَنْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللهِ الْفِرْيَةَ، قَالَ :وَكُنْتُ مُتَّكِئًا فَجَلَسْتُ، فَقُلْتُ :يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنْظِرِينِي، وَلَا تُعْجِلِينِي، أَلَمْ يَقُلِ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : "وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ" ، "وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى" ؟ فَقَالَتْ :أَنَا أَوَّلُ هَذِهِ الْأُمَّةِ سَأَلَ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :إِنَّمَا هُوَ جِبْرِيلُ، لَمْ أَرَهُ عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ، رَأَيْتُهُ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمُ خَلْقِهِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ، فَقَالَتْ أَوَ لَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللهَ يَقُولُ: "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ" ، أَوَ لَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللهَ يَقُولُ :"وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ"؟ قَالَتْ :وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَمَ شَيْئًا مِنْ كِتَابِ اللهِ، فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللهِ الْفِرْيَةَ، وَاللهُ يَقُولُ : "يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ" ، قَالَتْ :وَمَنْ زَعَمَ أَنَّهُ يُخْبِرُ بِمَا يَكُونُ فِي غَدٍ، فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللهِ الْفِرْيَةَ، وَاللهُ يَقُولُ:"قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللهُ". (ص:۹۸سطر:۴تا۹)

تشریح

قوله : "فَقَالَتْ أَوَ لَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللهَ يَقُولُ:" (ص:۹۸سطر:۷)

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (جنت میں پہنچنے سے پہلے) اللہ تعالیٰ کی زیارت نہ ہونے پر تین دلائل بیان کئے ہیں:۔

۱ ... پہلی دلیل یہ ہے کہ: "**وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى**" اور "**وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى**" میں ضمیر کا مرجع خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلِ امین کو قرار دیا ہے۔

۲ ... دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ**

وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ" اِس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی صراحۃً نفی ہے۔

۳ ... تیسری دلیل یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ" (سورۃ الشوریٰ: ۵۱) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ سے کلام کرنے کی صرف تین صورتیں ممکن ہیں:۔

۱ ... وَحْيًا، اس میں نہ آواز سنائی دیتی ہے نہ رُویت ہوتی ہے، بلکہ دل میں مضمون القاء ہوتا ہے۔

۲... "مِن وَّرَاءِ حِجَابٍ" اس میں آواز تو سنائی دیتی ہے، لیکن رُویت نہیں ہوتی۔

۳... "اَو يُرسِلَ رَسُولاً" جبریلِ امین آکر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں، اس صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کی زیارت نہیں ہوتی۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اِس دنیا میں کوئی نبی اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کرسکتا۔

جن حضرات کا موقف یہ ہے کہ معراج میں باری تعالیٰ کی رویت ہوئی تھی ان کی طرف سے اِن دلائل کے درج ذیل جوابات دیئے جاتے ہیں:۔

۱ ... پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ آیات "وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ" اور "وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ" میں ضمیر کا مرجع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جبریلِ امین کو قرار دیا ہے، لیکن آیت: "مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ" میں "ما" عام ہے، لہٰذا اس سے اللہ تعالیٰ کی رُویت کا امکان معلوم ہوتا ہے۔

۲ ... دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اِس میں نہ دیکھنے کا تعلق عالم دنیا سے ہے، جبکہ یہاں بحث عالمِ بالا میں دیکھنے کی ہو رہی ہے کہ شبِ معراج میں زیارت ہوئی یا نہیں۔

۳... تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ وحی اور دیدار جمع نہیں ہوسکتے، تو یہ بات دیدار ہونے کے مسلک کے خلاف نہیں، اس لئے ہوسکتا ہے کہ دیدار کے وقت وحی نہ ہوئی ہو، اور وحی کے ساتھ دیدار نہ ہوا ہو لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔[1]

---

(۱) ان سوالات وجوابات کے تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ فرمایئے: (فتح الملہم ج۲ ص۳۲۰ تا ۳۲۳) وفتح الباری ج۸ ص۶۰۸ وما بعدہ والبحر المحیط ج۲۷ ص۲۹۰۔

قوله: "وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَمَ شَيْئًا مِنْ كِتَابِ اللهِ" (ص:۹۸سطر:۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو تین باتیں ارشاد فرمائیں، ان میں سے پہلی بات یعنی اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھنے کی تفصیل اُوپر آچکی، دوسری بات کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ میں سے کچھ چھپایا ہے، تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان لگایا، اس لئے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ کریم کی کسی آیت کو چھپاتے تو سورۂ احزاب کی اس آیت کو چھپاتے: "وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِی أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِکْ عَلَيْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِکَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ"[1] اور جب حضور نے اِس آیت کو بھی نہ چھپایا تو یقیناً کسی اور آیت کو بھی نہیں چھپایا۔ اور اس آیت کو چھپانے کی وجہ یہ ہوسکتی تھی کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک راز کو بیان کیا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْکَ مِنْ رَبِّکَ" کے حکم کی تعمیل فرماتے ہوئے اس آیت کو بھی چھپانا گوارا نہیں کیا۔

وہ راز یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحیٔ غیر متلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی کہ حضرت زید بن حارثہؓ اپنی زوجہ زینبؓ بنت جحش کو طلاق دیں گے اور وہ آپ کے نکاح میں آئیں گی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کا اظہار مناسب نہیں سمجھا، اس لئے کہ عرب کے معاشرہ میں متبنّیٰ کی زوجہ سے نکاح کرنا ایسا ہی بُرا سمجھا جاتا تھا جیسے حقیقی بیٹے کی اہلیہ سے، لیکن اللہ تعالیٰ اِس غلط رسم کا خاتمہ عملی طور پر بھی فرمانا چاہتے تھے، اس لئے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ ہم آئندہ ایسا کرنے والے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کی ملامت کے خوف سے اس کا اظہار مناسب نہیں سمجھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسکو ظاہر فرمادیا۔

تیسری بات یہ کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ کل کی بات جانتے تھے یعنی عالم الغیب تھے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان لگایا کیونکہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

۴۴۲۔ "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِی شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ، عَنْ أَبِی ذَرٍّ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ

(۱) الأحزاب آیت:۳۷۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ :نُورٌ أَنَّى أَرَاهُ" (ص:۹۹سطر:۱)

تشریح

قوله :"نُورٌ أَنَّى أَرَاهُ" (ص:۹۹سطر:۱)

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ "نور من این اراہ" یعنی انّی من این کے معنیٰ میں ہے، یعنی وہ نور تھا جہاں سے بھی میں دیکھتا تھا۔ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اسکی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ: "ومعناه حجابه نورٌ فكيف اراه" یعنی اللہ تعالیٰ کا پردہ سراپا نور تھا تو میں کیسے اللہ تعالیٰ کو دیکھتا۔ (كذا فی فتح الملهم)[1]، اور اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ "انّی"، "کیف" کے معنیٰ میں ہے۔ بہر حال یہ دونوں تفسیریں دُرست ہوسکتی ہیں، لیکن دونوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی زیارت ہونے کی بظاہر نفی معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

٤٤٤۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ...(الى قوله)...عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ :قَامَ فِينَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ، فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَنَامُ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنَامَ، يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ، يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ، وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ، حِجَابُهُ النُّورُ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ :النَّارُ لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ." (ص:۹۹سطر:۳تا۵)

تشریح

قوله: "يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ"(ص:۹۹ سطر:۴) قِسْطٌ کے اصل معنیٰ ہیں عدل وانصاف، لیکن یہاں قسط سے مراد میزان ہے کیونکہ میزان عدل وانصاف کا ذریعہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ بندوں کے اعمال جو اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا وزن کرتے ہیں۔ اور جو روزیاں بندوں کے لئے نازل کی جاتی ہیں ان کا وزن کرتے ہیں، کسی کو زیادہ دیتے ہیں یہ یخفض کے معنیٰ ہیں اور کسی کو کم دیتے ہیں یہ یرفع کے معنیٰ ہیں (كذا فی فتح الملهم وشرح النوویؒ بزيادة ايضاح منی)۔

---

(۱) فتح الملہم ج۲ص۳۲۸۔

قوله: "حِجَابُهُ النُّورُ" (ص:۹۹سطر:۵)

حجاب تو درحقیقت محدود جسم کے لئے ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے بھی منزہ ہے اور حد سے بھی، لہٰذا یہاں اس سے دیکھنے میں رکاوٹ مراد ہے جسے یہاں نور یا نار کہا گیا ہے اور آنے والے باب کی پہلی روایت میں اسکو رداء الکبریاء کہا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں یہی حائل ہے (فتح الملهم)[1]۔

قوله : "لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ"
(ص:۹۹سطر:۵)

یہاں من خلقه میں "من" بیانیہ ہے، تبعیض کا نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر تمام مخلوقات تک پہنچی ہوئی ہے (فتح الملهم)[2]۔

"سبحاتُ" میں سین اور با پر ضمہ اور تا پر رفع ہے یہ سُبحه کی جمع ہے۔ اسکے معنیٰ ہیں اللہ تعالیٰ کا نور اسکی ہیبت اور جلال۔

یعنی ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نور کا پردہ حائل ہے، اگر وہ بھی ہٹ جائے تو تاحدِ نگاہ ہر چیز جل جائے۔ اس کی ایک ادنیٰ سی نظیر ہم اپنی دنیاوی زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں، وہ یہ کہ سائنسی تحقیق کے مطابق سورج اور زمین کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس کا نام "اُوزون کا غلاف" (Layer of Ozone) ہے، یہ سورج کی گرمی کو اپنے اندر جذب کرتا ہے جس کے نتیجہ میں حرارت میں کمی واقع ہوجاتی ہے اور اس کے بعد یہ حرارت قابلِ برداشت اور مفید ہوکر زمین پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اب کچھ عرصہ اِس پردہ میں شگاف پڑ گیا ہے، جس کی وجہ سے اب ہر سال پہلے کے مقابلہ میں زیادہ گرمی پڑتی ہے، حتیٰ کہ برطانیہ اور جرمنی وغیرہ جیسے ٹھنڈے ممالک میں بھی گرمی نسبتاً زیادہ ہونے لگی ہے۔

قوله: "وَجْهِهِ" (ص:۹۹سطر:۵) أي ذاته.

باب اثبات رُؤية المؤمنين في الأخرة ربهم سبحانه وتعالىٰ

۴۴۷۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ...(الى قوله)...عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ

(۱) فتح الملهم ج: ۲ ص: ۴۲۹۔

(۲) فتح الملهم ج: ۲ ص: ۴۳۰۔

اللهِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ آنِيَتُهُمَا، وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ آنِيَتُهُمَا، وَمَا فِيهِمَا، وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِيَاءِ عَلَى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ. (ص:۹۹ سطر:۸،۹، وص:۱۰۰ سطر:۱،۲)

قوله : "إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِيَاءِ" (ص۱۰۰ سطر:۱)

رداء الكبرياء سے ''حجابِ نوری'' مراد ہے، جسے پچھلی حدیث میں ''**حجابُهُ النور**'' فرمایا گیا ہے۔ اِس وقت دنیا میں تو ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کے درمیان اس قدر پردے حائل ہیں کہ ہم نے حجابِ نوری بھی نہیں دیکھا، لیکن جنت میں پہنچنے کے بعد صرف حجابِ نوری باقی رہ جائے گا باقی پردے اور رکاوٹیں ختم ہوجائیں گی، اور پھر ''میدانِ مزید'' میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کے وقت وہ بھی ہٹا دیا جائے گا، جیسا کہ آگے احادیث سے معلوم ہوگا۔

(۱) فتح الملهم ج: ۲ص: ۴۳۵۔

قوله: "عَلَى وَجْهِهِ" (ص:۱۰۰ سطر:۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حجاب اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوگا، لیکن دراصل یہ حجاب ہم پر ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر، لیکن آسانی سے سمجھنے کے لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

قوله: "فِي جَنَّةِ عَدْنٍ"(ص:۱۰۰ سطر:۲) **اى جنة الخلود**. یعنی ہمیشہ کی جنت.

۴۴۸ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ، (الى قوله) عَنْ صُهَيْبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، قَالَ :يَقُولُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى :تُرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ؟ فَيَقُولُونَ :أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوهَنَا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ، وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ :فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ، فَمَا أُعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ". (ص:۱۰۰ سطر:۲،۳)

تشریح

قوله : "تُرِيدُونَ شَيْئًا" (ص:۱۰۰ سطر:۳) کیا تم کچھ اور چاہتے ہو کہ تمہیں ملے؟

یہاں ھمزۂ استفہام محذوف ہے، **اى أتريدون شيئا**. کیا تم کچھ اور چاہتے ہو کہ تمہیں ملے؟

قوله : "تُنَجِّيْنَا" (ص:۱۰۰ سطر:۳)

اسمیں بعض نسخوں میں جیم کے بعد یاء نہیں ہے، اور نحوی قاعدے کا تقاضا بھی یہی ہے، اس صورت میں اس کا عطف تدخلنا پر ہوگا اور یاء کو عاملِ جازم "لم" کی وجہ سے محذوف قرار دیا جائیگا، لیکن ہمارے اس نسخہ میں یاء موجود ہے تو اس جملہ کو ماقبل کے دو اِستفہامیہ جملوں "ألم تبيض وجوهنا، الم تدخلنا الجنة" پر معطوف قرار دیا جائے گا۔(كذا في الحاشية في نسختنا) بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ یاء کی موجودگی کی صورت میں "تنجينا" جملہ استفہامیہ کے بجائے خبریہ ہوگا۔[1]

٤٤٩ـ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،قال : نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَزَادَ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ: "لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ" (ص:۱۰۰ سطر:۴)

قوله : "لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ" (ص:۱۰۰ سطر:۴)

یہاں "الْحُسْنىٰ" سے مراد جنت میں پاکیزہ زندگی ہے اور "وَزِيَادَةٌ" سے اللہ تعالیٰ کا دیدار مراد ہے۔

٤٥٠ـ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الى قوله) عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، أَخْبَرَهُ أَنَّ نَاسًا قَالُوا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا رَسُولَ اللهِ، هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :هَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ؟ قَالُوا :لَا يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ :هَلْ تُضَارُّونَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ؟ قَالُوا :لَا يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ، كَذَلِكَ يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ :مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ، فَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الشَّمْسَ الشَّمْسَ، وَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الْقَمَرَ الْقَمَرَ، وَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الطَّوَاغِيتَ الطَّوَاغِيتَ، وَتَبْقَى هَذِهِ الْأُمَّةُ فِيهَا مُنَافِقُوهَا، فَيَأْتِيهِمُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي صُورَةٍ غَيْرِ صُورَتِهِ الَّتِي يَعْرِفُونَ، فَيَقُولُ :أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ: نَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ، هَذَا مَكَانُنَا حَتَّى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا، فَإِذَا جَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ، فَيَأْتِيهِمُ اللهُ تَعَالَى فِي صُورَتِهِ الَّتِي يَعْرِفُونَ، فَيَقُولُ :أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ :أَنْتَ رَبُّنَا فَيَتَّبِعُونَهُ

---

(۱) درسِ مسلم ص۵۴۳ ج۔۱

وَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَىْ جَهَنَّمَ، فَأَكُونُ أَنَا وَأُمَّتِي أَوَّلَ مَنْ يُجِيزُ، وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا الرُّسُلُ، وَدَعْوَى الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ :اللّٰهُمَّ سَلِّمْ، سَلِّمْ، وَفِي جَهَنَّمَ كَلَالِيبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ، هَلْ رَأَيْتُمُ السَّعْدَانَ؟ قَالُوا :نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ مَا قَدْرُ عِظَمِهَا إِلَّا اللهُ، تَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ، فَمِنْهُمُ الْمُؤْمِنُ بَقِيَ بِعَمَلِهِ، وَمِنْهُمُ الْمُجَازَى حَتَّى يُنَجَّى، حَتَّى إِذَا فَرَغَ اللهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ، وَأَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ بِرَحْمَتِهِ مَنْ أَرَادَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، أَمَرَ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا مِمَّنْ أَرَادَ اللهُ تَعَالَى أَنْ يَرْحَمَهُ مِمَّنْ يَقُولُ :لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، فَيَعْرِفُونَهُمْ فِي النَّارِ، يَعْرِفُونَهُمْ بِأَثَرِ السُّجُودِ، تَأْكُلُ النَّارُ مِنَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا أَثَرَ السُّجُودِ، حَرَّمَ اللهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ أَثَرَ السُّجُودِ، فَيَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ وَقَدِ امْتَحَشُوا، فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءُ الْحَيَاةِ، فَيَنْبُتُونَ مِنْهُ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ، ثُمَّ يَفْرُغُ اللهُ تَعَالَى مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ، وَيَبْقَى رَجُلٌ مُقْبِلٌ بِوَجْهِهِ عَلَى النَّارِ وَهُوَ آخِرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا الْجَنَّةَ، فَيَقُولُ :أَيْ رَبِّ، اصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ، فَإِنَّهُ قَدْ قَشَبَنِي رِيحُهَا، وَأَحْرَقَنِي ذَكَاؤُهَا، فَيَدْعُو اللهَ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَدْعُوَهُ، (الی قوله) فَيُقَدِّمُهُ إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ، فَإِذَا قَامَ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ انْفَهَقَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، فَرَأَى مَا فِيهَا مِنَ الْخَيْرِ وَالسُّرُورِ، (الی قوله) فَيَقُولُ :أَيْ رَبِّ، لَا أَكُونُ أَشْقَى خَلْقِكَ، فَلَا يَزَالُ يَدْعُو اللهَ حَتَّى يَضْحَكَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مِنْهُ، فَإِذَا ضَحِكَ اللهُ مِنْهُ قَالَ :ادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَإِذَا دَخَلَهَا قَالَ اللهُ لَهُ :تَمَنَّهْ، فَيَسْأَلُ رَبَّهُ وَيَتَمَنَّى حَتَّى إِنَّ اللهَ لَيُذَكِّرُهُ مِنْ كَذَا وَكَذَا، حَتَّى إِذَا انْقَطَعَتْ بِهِ الْأَمَانِيُّ، قَالَ اللهُ تَعَالَى :ذَلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ،(الی قوله) قَالَ أَبُو سَعِيدٍ :وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ مَعَهُ ، يَا أَبَا هُرَيْرَةَ...الحديث."

تشریح

قوله: "اَلطَّوَاغِيتُ" (ص:۱۰۰سطر:۷)

یہ طاغوت کی جمع ہے جسکے معنی ہیں بت اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بتوں کے اندر

بھی چلنے کی صلاحیت پیدا کردی جائے گی۔

قولہ: "وتبقى هذه الأمة فيها منافقوها" (ص:۱۰۰سطر:۸)

یہاں اُمت سے اُمتِ اجابت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں منافقین بھی شامل ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کا اپنی پنڈلی کھولنے کے وقت سجدہ نہ کرسکنے کی وجہ سے ظاہر کردیئے جائیں گے۔ جیسا کہ آگے ایک روایت میں آئے گا۔

قولہ: "فَيَأْتِيهِمُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي صُورَةٍ غَيْرِ صُورَتِهِ" (ص:۱۰۰سطر:۸)

یہ الفاظ متشابہات کی قسم سے ہیں، متشابہات کے بارے میں علمائے اہل السنۃ والجماعۃ کے دو مذہب ہیں:۔

۱ ... متقدمین کا مذہب: متقدمین کا مذہب یہ ہے کہ ہمیں ان متشابہات کی مراد کا کوئی علمِ یقینی حاصل نہیں، اِن کے جو بھی معنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مراد ہیں وہ حق ہیں، ہم اُن پر ایمان لاتے ہیں اور کوئی تأویل نہیں کرتے۔ یہ مذہب احوط اور قرآن کریم کے زیادہ قریب ہے، جیسے اللہ کا ارشاد ہے۔"وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا".

۲ ... متأخرین کا مذہب: متأخرین نے تأویل کا راستہ اختیار فرمایا ہے، لیکن اس میں بھی وہ کوئی قطعی اور یقینی حکم نہیں لگاتے، بلکہ بہ طور احتمال کے یوں فرماتے ہیں کہ: اس کے فلاں معنیٰ مراد ہوسکتے ہیں۔

متأخرین کو یہ تأویل کا راستہ اس لئے اختیار کرنا پڑا کہ جب یونانی فلسفہ، اسلامی معاشرہ میں متعارف ہوا تو بہت سے مسلمان اس سے متأثر ہوئے اور ان کے عقائد پر بھی اِس فلسفہ کا اثر پڑا، یہاں تک کہ بہت سے گمراہ فرقے وجود میں آگئے، انہی میں سے ایک فرقہ "مجسّمہ" کہلاتا ہے جس کے ماننے والوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جسم رکھتے ہیں، جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم وصورت سے پاک ہیں۔ لہٰذا وہ الفاظ جن سے اللہ تعالیٰ کا جسم والا ہونا اور اُسی کے مطابق افعال کے صادر ہونے کا شبہ ہوتا تھا، متأخرین نے اُن میں تأویل کی تاکہ یہ بتایا جاسکے کہ اس کے جو معنیٰ فرقۂ "مجسّمہ" نے لئے ہیں وہ دُرست نہیں، اسمیں دوسرے معنیٰ کا بھی احتمال ہے اور قاعدہ ہے: واذا جاء الا حتمال بطل الا ستد لال۔ مثلاً مذکورہ جملہ میں "یأتیھم" کے معنیٰ "یظھر لھم"۔ کے

ہوں گے یعنی اللہ تعالیٰ ان پر ظاہر ہوں گے اور صورۃ کو صفۃ کے معنی میں لیا۔

اگرچہ زیادہ احتیاط متقدمین کے مذہب میں ہے اسی لئے وہ راجح ہے، لیکن چونکہ متاخرین کا مذہب بھی صحیح غرض پر مبنی ہے، نیز متاخرین اپنی تاویل کو قطعی نہیں بتاتے بلکہ محض احتمال کے طور پر ذکر کرتے ہیں، تو اِس اعتبار سے یہ مذہب بھی قابلِ اعتراض نہیں، بلکہ بہت سے واقع میں مفید ثابت ہوتا ہے۔

قولہ: "بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ" (ص:۱۰۰سطر:۹)

أی بین طرفیها، یعنی جہنم کے دونوں جانب (کذا فی فتح الملهم)[1]۔

قولہ: "کلالیب" (ص:۱۰۰سطر:۹)

یہ کَلُّوب کاف کے فتحہ اور لام پر تشدید کے ساتھ جمع ہے اسکے معنیٰ ہیں آنکڑا[2] یعنی لوہے کا وہ لمبا سریا کہلاتا ہے جس کی نوک مڑی ہوئی ہوتی ہے جس میں گوشت وغیرہ کو لٹکا کر تنور میں چھوڑا جاتا ہے یا روٹی کو تنور سے نکالا جاتا ہے۔ (فتح الملهم بذیادة)[3]۔

قولہ: "مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ" (ص:۱۰۱سطر:۹)

سعدان ایک خاص پودے کا نام ہے جس کے کانٹے کی نوک بہت باریک ہوتی ہے، جہنم کے آنکڑے کو سعدان کے کانٹے کے ساتھ صرف نوک کے باریک ہونے میں تشبیہ دی گئی ہے، جسامت کے اعتبار سے نہیں، اس لئے کہ جہنم کا آنکڑا تو اس سے بہت بڑا اور خوفناک ہوگا۔[4]

قولہ: "فمنهم الموبَق" (ص:۱۰۱سطر:۲) اسمیں با پر فتحہ ہے یعنی ہلاک کیا ہوا۔ یہ باب افعال سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ (فتح الملهم)[5]۔

قولہ: "المُجَازِي" (ص:۱۰۱سطر:۲) "المجازاة"، یہ (بابِ مُفاعلہ) سے اسمِ مفعول کا

---

(۱) فتح الملهم ج : ۲ ص : ٤٥٤ وفی اکمال المعلم ج : ۱ ص : ٥٥٠ : "علیٰ ظهرانی جهنم" ویروی "ظهری جهنم" وهما لغتان قاله الأصمعی وفی کتاب العین للخلیل ج : ٤ ص :٣٨: والظهران مِن قولك : أنا بین ظهر أنَيهِمْ وظهریهم وکذالك الشیء فی وسط الشیء : هو بین ظهریه وظهرانَیهِ.

(۲) الغریب لابن سلام ج : ۲ ص : ۲٥۔

(۳) فتح الملهم ج : ۲ ص : ٤٥٥۔

(٤) مجمع بحار الأنوار ج : ۳ ص : ۷۳۔

(٥) فتح الملهم ج : ۲ ص : ٤٥٦۔

صیغہ ہے۔ اسکے معنیٰ ہیں چھوڑا ہوا۔

قوله: "قد امتحشوا" (ص:۱۰۱ سطر:۴) یہ (باب افتعال) سے ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ ای یعنی ہر طرح جل بھن گئے ہوں گے۔ (فتح الملهم بزيادة ايضاح)[۱]

قوله: "كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ" (ص:۱۰۱ سطر:۴)

"الحِبَّةُ" حاء کے کسرہ کے ساتھ ہے وہ بیج جو اُگانے کے لئے زمین میں بویا جاتا ہے، اور با کے فتحہ کے ساتھ وہ دانہ جو کھیتی سے حاصل ہوتا ہے۔ یہاں حاء پر کسرہ ہے، یعنی بیج (فتح الملهم)[۲]۔ جس طرح سیلابی بیج بہت تیزی سے اُگتا ہے، اسی طرح اُن کے جسم پر بھی گوشت پوست بہت تیزی سے اُگ آئے گا۔

قوله: "أي رب" (ص:۱۰۱ سطر:) لفظ "أي" کے همزہ پر فتحہ اور یاء پر سکون ہے یہ حرف نداء ہے۔

قوله: "قَدْ قَشَبَنِي رِيحُهَا، وَأَحْرَقَنِي ذَكَاؤُهَا" (ص:۱۰۱ سطر:۲)

یعنی زہر آلود کر دیا ہے مجھ کو اُس کی ہوا یا بدبو نے اور جلا ڈالا ہے مجھے اس کے شعلوں کی شدت نے۔

قوله: "اِنْفَهَقَتْ" (ص:۱۰۱ سطر:۲) یعنی جنت کھل کر سامنے آجائے گی۔

قوله: "فَإِذَا ضَحِكَ اللهُ مِنْهُ" (ص:۱۰۱ سطر:۲)

یہ بھی متشابہات میں سے ہے، متاخرین اس کی تاویل "راضی ہونے" سے کرتے ہیں۔[۳]

قوله: "فَيَسْأَلُ رَبَّهُ وَيَتَمَنَّى" (ص:۱۰۱ سطر:۲) مسند احمد میں حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ: یہ بندہ دنیا کے تین دن کے برابر مانگے گا اور تمنا کرے گا "فيسال ويتمنى مقدار ثلاثة ايام من ايام الدنيا" (فتح الملهم)[۴]۔

۴۵۳۔ حَدَّثَنِي سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ... (الى قوله)... عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ

(۱) فتح الملهم ج:۲ ص:۳۵۸۔

(۲) فتح الملهم ج:۲ ص:۳۵۸ ولسان العرب ج:۳ ص:۱۰۔

(۳) اکمال المعلم ج:۱ ص:۵۵۸۔

(۴) فتح الملهم ج:۲ ص:۳۵۷۔

نَاسًا فِي زَمَنِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا :يَا رَسُولَ اللهِ! هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :نَعَمْ قَالَ :هَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ بِالظَّهِيرَةِ صَحْوًا لَيْسَ مَعَهَا سَحَابٌ؟ وَهَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ صَحْوًا لَيْسَ فِيهَا سَحَابٌ؟ قَالُوا :لَا يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ " :مَا تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا كَمَا تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ أَحَدِهِمَا، إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ لِيَتَّبِعْ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ، فَلَا يَبْقَى أَحَدٌ كَانَ يَعْبُدُ غَيْرَ اللهِ سُبْحَانَهُ مِنَ الْأَصْنَامِ وَالْأَنْصَابِ إِلَّا يَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ مِنْ بَرٍّ وَفَاجِرٍ وَغُبَّرِ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَيُدْعَى الْيَهُودُ، (الی قوله) قَالُوا :عَطِشْنَا يَا رَبَّنَا، فَاسْقِنَا، فَيُشَارُ إِلَيْهِمْ (الی قوله) حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ تَعَالَى مِنْ بَرٍّ وَفَاجِرٍ أَتَاهُمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى فِي أَدْنَى صُورَةٍ مِنَ الَّتِي رَأَوْهُ فِيهَا قَالَ :فَمَا تَنْتَظِرُونَ؟ تَتْبَعُ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ، قَالُوا :يَا رَبَّنَا، فَارَقْنَا النَّاسَ فِي الدُّنْيَا أَفْقَرَ مَا كُنَّا إِلَيْهِمْ، وَلَمْ نُصَاحِبْهُمْ، فَيَقُولُ :أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ :نَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ لَا نُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، حَتَّى إِنَّ بَعْضَهُمْ لَيَكَادُ أَنْ يَنْقَلِبَ، فَيَقُولُ :هَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ آيَةٌ فَتَعْرِفُونَهُ بِهَا؟ فَيَقُولُونَ :نَعَمْ، فَيُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ فَلَا يَبْقَى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ لِلَّهِ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهِ إِلَّا أَذِنَ اللهُ لَهُ بِالسُّجُودِ، (الی قوله) ثُمَّ يُضْرَبُ الْجِسْرُ عَلَى جَهَنَّمَ، وَتَحِلُّ الشَّفَاعَةُ، وَيَقُولُونَ :اللَّهُمَّ سَلِّمْ، سَلِّمْ قِيلَ :يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا الْجِسْرُ؟ قَالَ: دَحْضٌ مَزِلَّةٌ، فِيهِ خَطَاطِيفُ وَكَلَالِيبُ وَحَسَكٌ تَكُونُ بِنَجْدٍ فِيهَا شُوَيْكَةٌ يُقَالُ لَهَا السَّعْدَانُ، فَيَمُرُّ الْمُؤْمِنُونَ كَطَرْفِ الْعَيْنِ، وَكَالْبَرْقِ، وَكَالرِّيحِ، وَكَالطَّيْرِ، وَكَأَجَاوِيدِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ، فَنَاجٍ مُسَلَّمٌ، وَمَخْدُوشٌ مُرْسَلٌ، وَمَكْدُوسٌ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، حَتَّى إِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ بِأَشَدَّ

مُنَاشَدَةً لِلّٰهِ فِي اسْتِقْصَاءِ الْحَقِّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لِلّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ فِي النَّارِ، يَقُولُونَ :رَبَّنَا كَانُوا يَصُومُونَ مَعَنَا وَيُصَلُّونَ وَيَحُجُّونَ، فَيُقَالُ لَهُمْ: أَخْرِجُوا مَنْ عَرَفْتُمْ، فَتُحَرَّمُ صُوَرُهُمْ عَلَى النَّارِ، فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا (الى قوله) فَيَقُولُ :ارْجِعُوا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ دِينَارٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوهُ، فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا،(الى قوله) فَيَقُولُ اللهُ تعالىٰ شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ، وَشَفَعَ النَّبِيُّونَ، وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُونَ، وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ، فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِنَ النَّارِ، فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوا خَيْرًا قَطُّ قَدْ عَادُوا حُمَمًا، فَيُلْقِيهِمْ فِي نَهَرٍ فِي أَفْوَاهِ الْجَنَّةِ (الى قوله) قَالَ: فَيَخْرُجُونَ كَاللُّؤْلُؤِ فِي رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ، يَعْرِفُهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ هَؤُلَاءِ عُتَقَاءُ اللهِ الَّذِينَ أَدْخَلَهُمُ اللهُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوهُ، وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوهُ،،...الحديث." (ص:۱۰۲سطر:۱تا۱۱وص:۱۰۳سطر:۱تا۸)

تشریح

قوله : "صَحْوًا ليس معها سحاب" (ص:۱۰۲سطر:۲)

"صَحْوًا" فضاء کی حالت کو کہتے ہیں جس میں بادل نہ ہوں، اگلا جملہ" **ليس معها سحاب**"اس کی تفسیر ہے۔

قوله : "غبر اهل الكتاب" (ص:۱۰۲سطر:۴) اسمیں غین پر ضمہ اور باء پر فتحہ مع تشدید ہے جسکے معنی اہلِ کتاب کے ہیں یہ غابر کی جمع ہیں جسکے معنیٰ باقی کے آتے ہیں۔

قوله : "عطشنا" (ص:۱۰۲ سطر:۵)

أی یعنی ان میں سے ہر ایک کہے گا اے رب ہم پیاسے ہیں۔

قوله : "فی أدنی صورة من التی رأوه فیها" (ص:۱۰۲سطر:۷)

یہاں صورۃ سے مراد صفت ہے اور رأوهُ فیها سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اِس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہوگی، حالانکہ دُنیا میں کسی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی زیارت ممکن نہیں، لہٰذا اِس جملہ کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:۔

۱۔ عہدِ اَلست کے وقت ہمیں اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوئی تھی، جس کا استحضار دنیاوی زندگی میں تو نہیں رہا لیکن میدانِ حشر میں وہ رُؤیت یاد آ جائے گی۔

۲۔ رُؤیت سے مراد اعتقاد ہے، ای الصفة التی اعتقدوها۔[1]

قوله : "أفقر ما كنا اليهم" (ص:۱۰۲سطر:۸)

أی فی حالةِ كنا اليهم أفقر، یعنی دنیا میں فقر و تنگدستی کی حلت میں ہم نے ان سے جدائی اختیار کی جبکہ ہم ان کے زیادہ محتاج تھے، تو اب جب ان کے پیچھے چلنے میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے تو ہم ان سے جدائی کیوں اختیار نہ کریں گے۔

قوله: "ليكاد أن ينقلب" (ص:۱۰۲سطر:۸)

اَی یعنی سخت امتحان کی بناء پر قریب ہوگا کہ وہ صحیح بات سے پلٹ جائے، (نووی).

قوله: "فيكشف عن ساق" (ص:۱۰۲سطر:۸)

متاخرین کے نزدیک پنڈلی کھولنے سے شدید اور ہولناک منظر کی طرف سے اشارہ ہے۔[2]

قوله: "أذن الله له بالسجود" (ص:۱۰۲سطر:۹)

یعنی اللہ تعالیٰ سجدہ کرنے کی قدرت عطا فرمائیں گے۔

قوله : "وتحل الشفاعة" (ص:۱۰۲سطر:۱۰) اسمیں حا پر ضمہ اور کسرہ دونوں پڑھنا درست ہے (نوویؒ)۔[3]

قوله: "دَحْضٌ مَزَلَّة" (ص:۱۰۲سطر:۱۰) دحض میں ضاد پر تنوین ہے۔ دال مفتوح اور حاء ساکن ہے، اور مزلة میں میم پر فتحہ ہے اور زا پر فتحہ اور کرہ دنوں میں ضاد ہیں اور دحض اور مزلة دونوں ہم معنی ہیں، یعنی وہ جگہ جس پر پاؤں پھسلتے ہوں۔[4]

قوله: "خطاطيفُ" (ص:۱۰۲ سطر:۱۰) خُطاب بضم الخاء کی جمع ہے، جسکے معنی اَنکڑے کے ہیں۔ (فتح الملهم)۔[5]

---

(۱) علامہ مازریؒ نے اِسی جواب کو راجح قرار دیا ہے، ملاحظہ فرمائیں: المعلم ج:۱ص:۲۲۶۔

(۲) مختار الصحاح ج : ۱ ص : ۱۳۵ ، مادة : سوق ولسان العرب ج:۱۰ص:۱۶۸۔

(۳) شرح النووی علیٰ صحیح مسلم ج : ۱ ص : ۱۰۲ ۔

(٤) بحوالۂ بالا۔

(۵) ج:۳ص:۷۰م۔

قوله: "وحسکٌ" (ص:۱۰۲سطر:۱۰) لوہے کے سخت کانٹے۔

قوله : "کاجاوید الخیل" (ص:۱۰۲سطر:۱۱) یہ اجواد کی جمع ہے، اور وہ جَوَاد کی جمع ہے اسکے معنی ہیں اچھا اور تیز رفتار گھوڑا، (فتح الملهم)[1]۔

قوله : "فناج مسلم، ومخدوش مرسل، ومکدوس فی نار جهنم" (ص:۱۰۲سطر:۱۱)

یعنی پلِ صراط سے گزرنے والے لوگوں کی تین قسمیں ہوں گی:۔

۱۔ ناجٍ مُسلَمٌ: جو سلامتی کے ساتھ بغیر کسی تکلیف کے گزر جائیں گے۔

۲۔ مخدوشٌ مُرسلٌ: وہ لوگ جن کو تکلیف یا زخموں کا سامنا کرنا پڑے گا، مگر اُنہیں چھوڑ دیا جائے گا اور وہ بھی پلِ صراط پار کرلیں گے۔

۳۔ مکدوسٌ فی نارِ جهنم: وہ لوگ جو پلِ صراط کو پار نہ کرسکیں گے، اُوپر تلے جہنم میں گریں گے۔

قوله: "مناشدة للّٰه" (ص:۱۰۳سطر:۱۱) اسکے معنیٰ ہیں اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کرنا۔ اور "مامن احدِ منکم باشدَ مناشدة لله فی استیفاء الحقوق ...الخ" کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی بھی حقوق وصول کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کرنے میں اُن مؤمنین سے زیادہ سخت نہیں جو قیامت کے دن اپنے اُن بھائیوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے ان کی نجات کا مطالبہ کریں گے جو آگ میں داخل ہوگئے ہوں گے۔

قوله : "یَقُولُونَ :رَبَّنَا کَانُوا یَصُومُونَ مَعَنَا وَیُصَلُّونَ وَیَحُجُّونَ، فَیُقَالُ لَهُمْ: أَخْرِجُوا مَنْ عَرَفْتُ" (ص:۱۰۳سطر:۱)

یہ حدیث بیک وقت معتزلہ وخوارج اور مرجئہ کی تردید کرتی ہے، یقولون ربنا کانوا یصومون معنا....الخ، سے مرجئہ کی تردید ہوئی کہ کچھ مؤمنین باوجود روزہ دار اور نمازی ہونے کے بعض گناہوں کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے، جس سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے کے باوجود اعمالِ صالحہ کا مکمل اہتمام اور گناہوں سے اجتناب نجات کے لئے ضروری ہے، اور "اُخرجوا من عرفتم" کے جملہ سے معتزلہ وخوارج کی تردید ہوئی کہ وہ مؤمنین باوجود گنہگار ہونے کے ہمیشہ کے لئے جہنمی نہ ہوئے، تو معلوم ہوا کہ معصیت کا ارتکاب مسلمان کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل نہیں کرتا۔

(۱) فتح الملهم ج:۲ص:۴۷۰،۴۷۱۔

قوله : "من خير" (ص:۱۰۳ سطر:۳)

خیر سے ایمان کے سوا باقی اعمالِ قلب مراد ہیں (فتح الملہم)۔[1]

قوله: "لم يعملوا خيراً قط" (ص:۱۰۳ سطر:۶)

یعنی ایمان کے علاوہ کوئی خیر کا کام نہیں کیا تھا، یا ایمان مع الاقرار کے علاوہ کوئی نیک کام دل سے بھی نہیں کیا تھا، (فتح الملہم)۔[2]

قوله: "قد عادوا حمما" (ص:۱۰۳ سطر:۳) **ای صاروا حُمَمًا** "یعنی وہ کوئلہ ہوگئے تھے **حُمَمَۃٌ** کی جمع ہے بمعنی کوئلہ۔

قوله: "في أفواه الجنة" (ص:۱۰۳ سطر:۶) **یہ "فُوَّهَةٌ" فا پر ضمہ اور واو پر تشدید اور فتحہ کی خلاف قیاس جمع ہے جس کے معنی ہیں مشکیزوں یا پروں کے کنارے۔ بظاہر یہاں مراد جنت کے قصور اور محلات کو جانے والے راستے ہیں** (فتح الملہم)۔[3]

قوله : "كاللؤلؤ في رقابهم الخواتم. يعرفهم أهل الجنة" (ص:۱۰۳ سطر:۷)

یہ تمغہ عیب کا نہیں بلکہ انعامِ الٰہی کے اظہار کا ہوگا۔

٤٥٤۔ (قَالَ مُسْلِمٌ): قَرَأْتُ عَلَى عِيسَى بْنِ حَمَّادٍ زُغْبَةَ الْمِصْرِيِّ هٰذَا الْحَدِيثَ فِي الشَّفَاعَةِ، وَقُلْتُ لَهُ :أُحَدِّثُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ عَنْكَ أَنَّكَ سَمِعْتَ مِنَ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، فَقَالَ :نَعَمْ، قُلْتُ لِعِيسَى بْنِ حَمَّادٍ :أَخْبَرَكُمُ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ...(الى قوله)...عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ قَالَ :قُلْنَا :يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَنَرَى رَبَّنَا؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :هَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ؟ (الى قوله) قَالَ أَبُو سَعِيدٍ :بَلَغَنِي أَنَّ الْجِسْرَ أَدَقُّ مِنَ الشَّعْرَةِ، وَأَحَدُّ مِنَ السَّيْفِ،

وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ اللَّيْثِ، فَيَقُولُونَ :رَبَّنَا أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ وَمَا بَعْدَهُ، فَأَقَرَّ بِهِ عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ" (ص:۱۰۳ سطر:۹ تا ۱۲)

(۱) فتح الملہم ج۲ ص۴۷۲۔

(۲) بظاہر قاضی عیاضؒ کی مراد یہ ہے کہ اقرار باللسان بھی (کسی عذر سے) نہیں کیا تھا۔ رفیع

(۳) فتح الملہم ج۲ ص۴۷۳۔

تشریح

قولہ : "قَرَأْتُ عَلَى عِيسَى بْنِ حَمَّادٍ زُغْبَةَ الْمِصْرِيِّ هٰذَا الْحَدِيثَ"

(ص:۱۰۳،سطر:۹)

امام مسلمؒ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شفاعت کے بارے میں یہ حدیث جوانہوں نے اپنے استاذ "سوید بن سعید قال حدثنی حفص بن میسرة" کی سند سے تفصیلاً ذکر کی ہے اسے وہ تین فرق کے ساتھ اپنے ایک اور استاذ عیسیٰ بن حماد سے بھی روایت کرتے ہیں:۔

۱ ... ایک فرق یہ ہے کہ **سوید بن سعید** کی روایت **حدثنا** کے طریقہ سے ہے، یعنی **سوید بن سعید** نے یہ حدیث سنائی اور میں نے سنی، جبکہ **عیسیٰ بن حماد** کی روایت **اجرنا** کے طریقہ سے ہے کہ حدیث میں نے ان کو پڑھ کر سنائی اور انہوں نے توثیق کی، **(فاقر به عيسى بن حماد)**۔

۲ ... دوسرا فرق یہ ہے کہ حضرت سوید بن سعیدؒ نے یہ حدیث حفص بن میسرہ کے طریق سے روایت کی ہے جبکہ عیسیٰ بن حماد نے اسے لیث بن سعد کے طریق سے روایت کیا ہے۔

۳ ... تیسرا فرق یہ ہے کہ عیسیٰ بن حماد کی روایت عن اللیث بن سعد میں ایک جملہ زیادہ ہے اور کچھ جملے کم ہیں، یعنی لیث بن سعد نے اپنی روایت میں "**بغير عمل عملوه ولا قدم قدّموهٗ فيقال لهم، لكم ما رأيتم ومثله معه**" کے بعد یہ جملہ زائد کیا ہے کہ: **قال ابو سعيد الخدری بلغنی ان الجسر ادق من الشعرة واحد من السيف**" اور سوید بن سعید کی روایت کا یہ جملہ کہ "**فيقولون ربنا اعطيتنا ما لم تعط احداً من العالمين**" اور اس کے بعد کی عبارت عیسیٰ بن حماد کی روایت میں نہیں ہے۔

باب اثبات الشفاعة واخراج الموحدين من النار

٤٥٦ـ حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ،... (الى قوله) ...حَدَّثَنَا عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يُدْخِلُ اللهُ أَهْلَ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ بِرَحْمَتِهِ، وَيُدْخِلُ أَهْلَ النَّارِ النَّارَ، ثُمَّ يَقُولُ: انْظُرُوا مَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجُوهُ، فَيُخْرَجُونَ مِنْهَا حُمَمًا قَدِ امْتَحَشُوا، فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرِ الْحَيَاةِ، أَوِ الْحَيَا، فَيَنْبُتُونَ

فِيهِ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ إِلَى جَانِبِ السَّيْلِ، أَلَمْ تَرَوْهَا كَيْفَ تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً؟ (ص:۱۰۴ سطر:۱ تا ۴)

تشریح

قوله : "أَوِ الْحَيَا" (ص:۱۰۴ سطر:۴) یعنی بارش۔[1]

قوله : "صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً" (ص:۱۰۴ سطر:۴) اس کے معنی ہیں پیلا، بل کھایا ہوا، لپٹا ہوا۔

۴۵۷۔ "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَقَالَا :فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرٍ يُقَالُ لَهُ :الْحَيَاةُ، وَلَمْ يَشُكَّا، وَفِي حَدِيثِ خَالِدٍ :كَمَا تَنْبُتُ الْغُثَاءَةُ فِي جَانِبِ السَّيْلِ، وَفِي حَدِيثِ وُهَيْبٍ :كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِئَةٍ۔ أَوْ حَمِيلَةِ السَّيْلِ."

تشریح

قوله : "الغثائة" (ص:۱۰۴ سطر:۶) یعنی کوڑا کرکٹ (شرح النووی ص۱۰۴ ج۱)

قوله : "فِي حَمِئَةٍ" (ص:۱۰۴ سطر:۶) یعنی کیچڑ، گارا۔[2]

۴۵۸۔حَدَّثَنِي نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، (الى قوله) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَّا أَهْلُ النَّارِ الَّذِينَ هُمْ أَهْلُهَا، فَإِنَّهُمْ لَا يَمُوتُونَ فِيهَا وَلَا يَحْيَوْنَ، وَلَكِنْ نَاسٌ أَصَابَتْهُمُ النَّارُ بِذُنُوبِهِمْ أَوْ قَالَ بِخَطَايَاهُمْ فَأَمَاتَهُمْ إِمَاتَةً حَتَّى إِذَا كَانُوا فَحْمًا، أُذِنَ بِالشَّفَاعَةِ، فَجِيءَ بِهِمْ ضَبَائِرَ ضَبَائِرَ، فَبُثُّوا عَلَى أَنْهَارِ الْجَنَّةِ، ثُمَّ قِيلَ :يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ، أَفِيضُوا عَلَيْهِمْ، فَيَنْبُتُونَ نَبَاتَ الْحِبَّةِ تَكُونُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ، فَقَالَ :رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ، كَأَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَانَ بِالْبَادِيَةِ." (ص:۱۰۴ سطر:۶ تا ۹)

تشریح

قوله : "الَّذِينَ هُمْ أَهْلُهَا" (ص:۱۰۴ سطر:۷)

---

(۱) فتح الملهم ج۲ ص۴۸۹۔

(۲) فتح الملهم ج۲ ص ۴۸۰ والمنجد ص۲۳۶

یعنی وہ لوگ جو ہمیشہ کے لئے جہنمی ہوں گے۔

قوله : "لَا يَمُوتُونَ فِيهَا وَلَا يَحْيَوْنَ،" (ص:۱۰۴سطر:۷)

اگر چہ وہ لوگ زندہ ہوں گے لیکن چونکہ یہ زندگی راحت والی نہ ہوگی، بلکہ انتہائی مصائب اور مسلسل عذاب میں ہوگی اس لئے اس کی نفی کی گئی۔

قوله : "فحما" یعنی کوئلہ۔ (ص:۱۰۴سطر:۸)

قوله : "ضبائر" (ص:۱۰۴سطر:۸)

اس میں ضاد پر فتحہ ہے یعنی یہ ضبارہ کی جمع ہے۔ متفرق جماعتیں، اور "ضبائر" مکرر ہونے کی وجہ سے اس کا ترجمہ ہوگا، متفرق جماعتیں، متفرق جماعتیں۔ **وهو جمع ضبارة[1] بفتح الضاد وكسرها، لغتان.** (فتح الملهم)[2]۔

۴۶۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ...(الى قوله)...عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا، وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا الْجَنَّةَ، رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا...الحديث." (ص:۱۰۵سطر:۶تا۹)

تشریح

قوله : "حبوا" (ص:۱۰۵سطر:۲) اس کے معنی ہیں ہاتھوں اور ٹانگوں پر چلنا اور گھٹنوں کے بل چلنا، (فتح الملهم)[3]۔

۴۶۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ...(الى قوله)...عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَأَعْرِفُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنَ النَّارِ، رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا، فَيُقَالُ لَهُ: انْطَلِقْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، قَالَ: فَيَذْهَبُ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ، فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ أَخَذُوا الْمَنَازِلَ، فَيُقَالُ لَهُ :أَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِي كُنْتَ فِيهِ، فَيَقُولُ :نَعَمْ، فَيُقَالُ لَهُ :تَمَنَّ، فَيَتَمَنَّى، فَيُقَالُ لَهُ :لَكَ الَّذِي تَمَنَّيْتَ وَعَشَرَةَ

(۱) العريب لابن قتيبة ج۱ ص۳۹۵ والفائق ج۲ ص۳۲۷ والنهاية لابن الأثير ج۳ ص۷۱ ولسان العرب ج٤ ص ٤٨٠ مادة ض ب ر.

(۲) فتح الملهم ج۲ ص ٤٨٠۔

(۳) فتح الملهم ج۲ ص ٤٨٢ وشرح صحيح مسلم للنووی ج۲ص۱۰۵۔

أَضْعَافِ الدُّنْيَا، قَالَ: فَيَقُولُ: أَتَسْخَرُ بِي وَأَنْتَ الْمَلِكُ؟، قَالَ :فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ."(ص۱۰۵ سطر:۵تا۷)

تشریح

قوله : "زحفا"(ص:۱۰۵ سطر:۶)یعنی گھسٹ گھسٹ کر چلنا ۔اور پیچھے والی روایت میں "حبوا" ہے مطلب یہ ہے کہ کبھی وہ حبواً چلے گا یعنی گھٹنوں کے بل اور کبھی زحفاً چلے گا یعنی گھسٹ گھسٹ کر۔(فتح الملهم)[1]

قوله : "حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ"(ص:۱۰۵سطر:۶)

نواجذ وہ داڑھیں ہیں جو جبڑے کے بالکل آخری کنارے پر ہوتی ہیں، یہاں اشکال ہوتا ہے کہ ہنستے وقت آدمی کے نواجذ صرف اس وقت ظاہر ہوسکتے ہیں جب وہ بہت زیادہ منہ کھول کر قہقہہ لگائے، جبکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح قہقہہ لگا کر ہنسنا ثابت نہیں،تو پھر یہاں بدت نواجذہ کا کیا مطلب ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہاں نواجذ سے مراد بظاہر''ضواحک'' ہیں کیونکہ علم تجوید کے مقرر کردہ اسماء بطورِ اصطلاح بعد میں وجود میں آئے ہیں لہٰذا اصلاحِ تجوید کے نواجذ مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ آپ کی عام عادتِ شریفہ تبسم فرمانے کی تھی، ضحک کم فرماتے تھے، لیکن اس موقع پر ضحک فرمایا حتی کہ ضواحک ظاہر ہوگئے۔[2]

٤٦٢ـ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: آخِرُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ رَجُلٌ، فَهُوَ يَمْشِي مَرَّةً، وَيَكْبُو مَرَّةً، وَتَسْفَعُهُ النَّارُ مَرَّةً، فَإِذَا مَا جَاوَزَهَا الْتَفَتَ إِلَيْهَا، فَقَالَ :تَبَارَكَ الَّذِي نَجَّانِي مِنْكِ، لَقَدْ أَعْطَانِي اللهُ شَيْئًا مَا أَعْطَاهُ أَحَدًا مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ، فَتُرْفَعُ لَهُ شَجَرَةٌ، فَيَقُولُ :أَيْ رَبِّ، أَدْنِنِي مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ فَلِأَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا (الى قوله) فَيَقُولُ:

(۱) فتح الملهم ج۲ ص٤٨٢۔

(۲) علامہ مازریؒ نے المعلم ج۱ص۳۲۹ میں یہی جواب دیا ہے، اور قاضی عیاضؒ اکمال المعلم ج۱ص۵۶۹ میں یہ جواب نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: هذا ان شاء الله هو الصواب۔

يَا ابْنَ آدَمَ، أَلَمْ تُعَاهِدْنِي أَنْ لَا تَسْأَلَنِي غَيْرَهَا، قَالَ :بَلَى يَا رَبِّ، هَذِهِ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهَا،وَرَبُّهُ يَعْذِرُهُ(الی قوله)فَيَقُولُ يَا ابْنَ آدَمَ مَا يَصْرِينِي مِنْكَ؟...الحديث."

(ص:۱۰۵سطر:۷تا۱۴)

تشریح

قوله : "وَيَكْبُو مَرَّةً، وَتَسْفَعُهُ النَّارُ مَرَّةً،" (ص:۱۰۵سطر:۸)

"یکبو" کے معنیٰ ہیں، "وہ چہرے کے بل گرے گا"،اور **تسفع** کے فاء پر فتحہ اور سین ساکن ہے،اس کے معنیٰ ہیں کہ آگ اُس کے چہرے کو مارے گی اور اسے سیاہ کردے گی (نووی)[1]۔

قوله : "أَيْ رَبِّ" (ص:۱۰۵سطر:۹)

ای اس میں **همزه** پر فتحہ اور یا ساکن ہے یہ حرف دو معنیٰ میں آتا ہے،ایک نداءِ قریب کے لئے، یہاں اسی معنیٰ میں آیا ہے،اور دوسرے تفسیر کے لئے جیسے **جائنی زید ای ابو عبد الله**.اور "**ای**" **همزه** کے کسرہ اور یا ساکن ہو تو یہ حرفِ اثبات ہے، جو "**نعم**" کے معنیٰ میں ہے لیکن یہ ہمیشہ استفہام کے جواب یں قسم کے ساتھ آتا ہے، پس مثلاً **هل قام زيدٌ؟** کے جواب میں کہا جائے گا: "**ای والله**" یا "**ای وربی**" یا "**ای لعمری**" (شرح الکافیة للجامی)[2]۔

قوله : "يعذِرُه" (ص:۱۰۵سطر:۱۴)

اس میں یا پر فتحہ اور ضمہ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں یعنی اس کو اللہ تعالیٰ معذور قرار دیں گے۔

قوله : "هذه لاأسألک غيرها" (ص:۱۰۵سطر:۱۴)

ای یعنی میں صرف یہی مانگوں گا اس کے علاوہ کچھ اور نہ مانگوں گا۔

قوله : "ما يصرينی منک"(ص:۱۰۵سطر:۱۵)اس میں **صاد** پر ضمہ اور سکون دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں اور یہ **صریٌ** سے مشتق ہے جس کے معنیٰ کاٹنے کے ہیں،مطلب یہ ہے تجھے کیا چیز راضی کرے گی تو سوال کرنا چھوڑے گا۔

٤٦٤ـ "حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ،(الی قوله) عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، يُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ سُفْيَانُ :رَفَعَهُ أَحَدُهُمَا، أُرَاهُ ابْنَ أَبْجَرَ قَالَ: سَأَلَ

---

(۱) شرح صحیح مسلم للنوویؒ ج۱ ص۱۰۵

(۲) ص۳۵۹، ۳۶۰ رفیع۔

مُوسَى رَبَّهُ، مَا أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً، (الى قوله) وَقَدْ نَزَلَ النَّاسُ مَنَازِلَهُمْ، وَأَخَذُوا أَخَذَاتِهِمْ، (الى قوله) قَالَ :هُوَ رَجُلٌ يَجِيءُ بَعْدَ مَا أُدْخِلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، فَيُقَالُ لَهُ :ادْخُلِ الْجَنَّةَ، (الى قوله) رَبِّ، فَأَعْلَاهُمْ مَنْزِلَةً؟ قَالَ :أُولَئِكَ الَّذِينَ أَرَدْتُ غَرَسْتُ كَرَامَتَهُمْ بِيَدِي، وَخَتَمْتُ عَلَيْهَا، فَلَمْ تَرَ عَيْنٌ، وَلَمْ تَسْمَعْ أُذُنٌ، وَلَمْ يَخْطُرْ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ قَالَ :وَمِصْدَاقُهُ فِي كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: "فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ" (الاية). (ص:۱۰۶سطر:۴تا۱۰)

تشریح

قوله : "أخذوا أخذاتهم" (ص:۱۰۶سطر:۷،۸) اس میں اخذات ماخوذ کے معنیٰ میں ہے، یعنی ان کو جو لینا تھا وہ لے لیا۔

قوله : "فأعلاهم منزلة" (ص:۱۰۶سطر:۹) یعنی جو اس اعلیٰ درجہ میں ہوں گے۔

فائدہ:- جو شخص سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا مختلف احادیث میں اس کے مختلف حالات بیان کئے گئے ہیں، ان مختلف احوال کی تطبیق میں علمائے کرام کے دو قول ہیں:-

۱ ... ممکن ہے یہ ایک ہی شخص ہو اور اس کے یہ سارے مختلف حالات، مختلف اوقات میں ہوں، کسی حدیث میں ایک وقت کا حال بیان کیا گیا، دوسری احادیث میں دوسرے اوقات کا۔

۲ ... ہوسکتا ہے کہ آخر میں داخل ہونے والے کئی لوگ ہوں، جو جہنم کے مختلف اطراف وجوانب سے نکل کر جنت میں داخل ہوں گے۔ اس بناء پر ہر ایک کے احوال دوسرے سے مختلف ہوں، کسی حدیث میں ایک شخص کا حال بیان کیا گیا اور کسی میں دوسرے کا، لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

قوله : "اولئک الذین أردتُّ" (ص:۱۰۶سطر:۹)

یعنی میں نے انتخاب کیا اور منتخب کیا، یہاں "اردت" کی ضمیر مفعول "هم" محذوف ہے، اور "غرست کرامتهم...الخ" سے پہلے واوِ عطف بھی محذوف ہے۔[1]

۴۶۸ـ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ، (الى قوله) أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يُسْأَلُ عَنِ الْوُرُودِ، فَقَالَ :نَجِيءُ نَحْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَنْ كَذَا وَكَذَا، انْظُرْ أَيْ ذَلِكَ فَوْقَ النَّاسِ؟ قَالَ :فَتُدْعَى الْأُمَمُ بِأَوْثَانِهَا، وَمَا كَانَتْ

(۱) كذا يفهم من فتح الملهم ج۲ ص۴۸۹ والحل المفهم ج۱ ص۴٦۔

تَعْبُدُ، الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ، ثُمَّ يَأْتِينَا رَبُّنَا بَعْدَ ذٰلِكَ (الى قوله) وَيَذْهَبُ حُرَاقُهُ، ثُمَّ يَسْأَلُ حَتّٰى تُجْعَلَ لَهُ الدُّنْيَا وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهَا مَعَهَا" (ص:۱۰۶ سطر:۱۵ تاص ۱۰۷ سطر ۴)

قوله : "يَسْأَلُ عَنِ الْوُرُوْدِ" (ص:۱۰۶ سطر:۱۶)

تشریح

یعنی حضرت جابرؓ سے اس ورود کے متعلق سوال کیا جارہا تھا جو پل صراط کے ذریعہ جہنم پر ہر انسان کا ہوگا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا"**[۱]

قوله : "عَنْ كَذَا وَكَذَا" (ص:۱۰۶ سطر:۱۶)

راوی کو یاد نہیں رہا کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے یہاں کیا لفظ ارشاد فرمایا تھا، اس لئے اسے کذا و کذا سے تعبیر کیا، دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں الفاظ یوں تھے: "**يحشر الناس يوم القيامة على تل وامتي على تل**" یعنی محشر میں دوسری امتوں کے لوگ ایک ٹیلے پر ہوں گے، اور میری امت ایک ٹیلے پر ہوگی۔

قوله : "انظر أى ذلك فوق الناس" (ص:۱۰۶ سطر:۱۶)

یہ جملہ مشکل سمجھا جاتا ہے، اس کی آسان توجیہ یہ ہے کہ راوی کو مروی عنہ کے بیان کردہ اصل الفاظ یاد نہ رہے تو اس نے "عن كذا و كذا" لکھ دیا، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اور بھولے ہوئے الفاظ کا اتنا اجمالی مفہوم اُسے یاد تھا کہ وہ جگہ دوسری امتوں کے لوگوں سے بلند ہوگی، اس لئے تفسیر کے طور پر اُس نے آگے "أى ذالك فوق الناس" لکھ دیا، اور (شاید بین السطور) اس جگہ پر "انظر" کا لفظ بھی لکھ دیا تھا تاکہ بعد میں اس جگہ اپنی دوسری تحریری یادداشتوں میں تلاش کر کے صحیح الفاظ لکھ سکے، یا اگر کوئی دوسرا شخص اس جگہ کو دیکھے تو تحقیق کر کے اصل الفاظِ روایت نقل کردے، لیکن ہوا یہ کہ بعد کے کسی کاتب نے "أنظر" کے اس لفظ کو متن کا جز بنادیا۔[۲]

قوله : "ويذهب حراقه" (ص:۱۰۶ سطر:۱۳)

حاء پر ضمہ اور راء پر فتحہ ہے یعنی جلنے کا اثر جیسے جلن وغیرہ اور حراقه کی ضمیر اُس شخص کی طرف راجع ہے جو جہنم سے نکالا جائے گا، اور "يسأل" کی ضمیر بھی اسی کی طرف راجع ہے۔

---

(۱) مریم آیت:۷۱۔

(۲) شرح النووی ج۱ص ۱۰۶ سطر ۱۶۔

قوله : "الا دارات وجوههم" (ص:۱۰۷سطر:۷)

یہ دارة، کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں چہرے کے اطراف، یعنی اطراف سمیت پورا چہرہ۔ آگ اس کو نہیں کھائے گی کیونکہ وہ موضع سجود ہے۔(فتح الملهم بزيادة ايضاح)۔

۳۷۲۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، (الی قوله) حَدَّثَنِي يَزِيدُ الْفَقِيرُ، قَالَ :كُنْتُ قَدْ شَغَفَنِي رَأْيٌ مِنْ رَأْيِ الْخَوَارِجِ، فَخَرَجْنَا فِي عِصَابَةٍ ذَوِي عَدَدٍ نُرِيدُ أَنْ نَحُجَّ، ثُمَّ نَخْرُجَ عَلَى النَّاسِ، قَالَ :فَمَرَرْنَا عَلَى الْمَدِينَةِ، فَإِذَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ، جَالِسٌ إِلَى سَارِيَةٍ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَإِذَا هُوَ قَدْ ذَكَرَ الْجَهَنَّمِيِّينَ، قَالَ :فَقُلْتُ لَهُ :يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللهِ، مَا هَذَا الَّذِي تُحَدِّثُونَ؟ وَاللهُ يَقُولُ : "إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ" وَ "كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا"، فَمَا هَذَا الَّذِي تَقُولُونَ؟ قَالَ :فَقَالَ: أَتَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قُلْتُ :نَعَمْ، قَالَ :فَهَلْ سَمِعْتَ بِمَقَامِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ -يَعْنِي الَّذِي يَبْعَثُهُ اللهُ فِيهِ -؟ قُلْتُ :نَعَمْ، قَالَ :فَإِنَّهُ مَقَامُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَحْمُودُ الَّذِي يُخْرِجُ اللهُ بِهِ مَنْ يُخْرِجُ ، قَالَ :ثُمَّ نَعَتَ وَضْعَ الصِّرَاطِ، وَمَرَّ النَّاسِ عَلَيْهِ، قَالَ :وَأَخَافُ أَنْ لَا أَكُونَ أَحْفَظُ ذَاكَ -قَالَ :غَيْرَ أَنَّهُ قَدْ زَعَمَ أَنَّ قَوْمًا يَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ بَعْدَ أَنْ يَكُونُوا فِيهَا، قَالَ: يَعْنِي فَيَخْرُجُونَ كَأَنَّهُمْ عِيدَانُ السَّمَاسِمِ، قَالَ: فَيَدْخُلُونَ نَهَرًا مِنْ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ، فَيَغْتَسِلُونَ فِيهِ، فَيَخْرُجُونَ كَأَنَّهُمُ الْقَرَاطِيسُ ، فَرَجَعْنَا...الحديث" (ص:۱۰۷سطر:۷تا۱۳)

تشریح

قوله : "ثم نخرج على الناس" (ص:۱۰۷سطر:۸)

یعنی حج کے بعد ہم مذہب خوارج کی تبلیغ واظہار کے لئے نکلیں(نووی وفتح الملهم)[1]۔

قوله:"الجهنميين" (ص:۱۰۷سطر:۹)

یعنی وہ گنہگار مؤمنین جو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

قوله:"كأنهم عيدان السماسم" (ص:۱۰۷سطر:۹)

(۱) شرح النووی ج۱ ص ۱۰۷ وفتح الملهم ج۲ص۳۹۴۔

یعنی وہ تل کے پودوں کی لکڑیوں کی طرح ہوں گے۔[1] تل کی لکڑیوں میں، سوکھنے کے بعد دو صفات نمایاں ہوتی ہیں:۔

۱۔ وہ کالی ہوتی ہیں۔ ۲۔ پتلی ہوتی ہیں۔

مراد یہ ہے کہ جہنم سے نکلنے والوں کی حالت یہ ہوگی کہ وہ انتہائی کالے اور کمزور ہوں گے، لیکن جب نُھر الجنۃ میں داخل کیا جائے گا تو صحت مند اور گورے ہو کر نکلیں گے، **کانهم قراطیس**۔ یہ **قِرْطَاسٌ** کی جمع ہے، جسکے معنیٰ ہیں کاغذ۔

۴۷۳ ۔ حَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْدِيُّ، (الى قوله) عَنْ أَبِي عِمْرَانَ، وَثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ أَرْبَعَةٌ فَيُعْرَضُونَ عَلَى اللهِ، فَيَلْتَفِتُ أَحَدُهُمْ، فَيَقُولُ :أَيْ رَبِّ، إِذْ أَخْرَجْتَنِي مِنْهَا فَلَا تُعِدْنِي فِيهَا، فَيُنْجِيهِ اللهُ مِنْهَا." (ص:۱۰۸سطر:۱،۲)

تشریح

قوله : "يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ أَرْبَعَةٌ" (ص:۱۰۸سطر:۱)

غالباً ان کی آہ وبکاء کی وجہ سے جہنم سے نکالا جائے گا، **فیعرضون علی الله تعالیٰ**، اس کے بعد عبارت محذوف ہے، یعنی **ثم یقال لهم: انطلقوا ، فألقوا أنفسكم حیث كنتم من النار**. اس مضمون کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے جامع ترمذی میں سندِ ضعیف کے ساتھ اس طرح مروی ہے:[2] **"ان رَجُلین ممن دخلا النار اشتد صیاحُهما، فقال الرب تبارک وتعالیٰ: أخرجوهما ، فلمّا أخرجا قال لهما:لأیّ شیء اشتد صیاحکما؟قالا: فعلنا ذٰلک لِتَرحمنا. قال: رحمتی لکما أن تنطلقا فتُلقیا أنفسکما حیث کنتما من النّار، فینطلقان، فیلقی أحدهما نفسه فیجعلنا برداً وسلمًا ، ویقوم الأخر فلایلقی نفسهٗ ، فیقول لَهُالربّ تبارک وتعالیٰ : مامنعک أن تلقی نفسک کما ألقی صاحبک؟ فیقول: یا ربّ! انّی لأرجو أن لا تعیدنی فیها بعد ما أخر جتنی، فیقول له الربّ تبارک وتعالیٰ: "لَکَ رجائکَ" فید خلان الجنّة جمیعًا برحمة اللّٰه."**[3]

(۱) النهاية في غريب الحديث ج:۲ ص: ۴۰۰ ، مادة : سمس ولسان العرب ج:۱۲ص:۳۰۶۔

(۲) فتح الملهم ج:۲ص:۴۹۸۔

(۳) جامع الترمذی ، أبواب صفة جهنم، باب ماجاء أنّ للنّار نفسین وما ذکر من یخرج من النّار من أهل لتوحید، ج : ۲ص:۸۴ وکنزل العمال، باب رُؤیة الله ج:۱۳ص:۵۰۴، رقم الحدیث:۳۹۴۲۱، و ص: ۶۶۶ رقم الحدیث :۳۹۷۹۶۔

٤٧٤۔ حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْدَرِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْغُبَرِيُّ (الی قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَهْتَمُّونَ لِذَلِكَ وَقَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ :فَيُلْهَمُونَ لِذَلِكَ فَيَقُولُونَ :لَوِ اسْتَشْفَعْنَا عَلَى رَبِّنَا حَتَّى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هَذَا، قَالَ : فَيَأْتُونَ آدَمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُولُونَ :أَنْتَ آدَمُ، أَبُو الْخَلْقِ، خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ، وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ، اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ (الی قوله) وَلَكِنِ ائْتُوا مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدًا قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَيَأْتُونِي فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي، فَيُؤْذَنُ لِي، فَإِذَا أَنَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا، فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ، فَيُقَالُ :يَا مُحَمَّدُ، ارْفَعْ رَأْسَكَ، قُلْ تُسْمَعْ، سَلْ تُعْطَهْ، اشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَرْفَعُ رَأْسِي، فَأَحْمَدُ رَبِّي بِتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ رَبِّي، ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا، فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ، وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ، ثُمَّ أَعُودُ...الحديث." (ص:۱۰۸سطر:۲ تا ص۱۰۹سطر:۴)

تشریح

قوله : "فيهتمون" (ص:۱۰۸سطر:۳)

یعنی لوگ اِس فکر میں پڑ جائیں گے کہ اِس دن کی سختیوں اور مصیبتوں سے نجات ملے۔

قوله : "فيلهمون لذالک" (ص:۱۰۸سطر:۳)

یعنی ان کو اِلہام کیا جائے گا اُس بات کا جو آگے آرہی ہے کہ کسی کی شفاعت طلب کرنی چاہیے۔

قوله : "خلقک الله بيده" (ص:۱۰۸سطر:۳)

مراد یہ کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو عام اسباب یعنی ماں باپ کی ملاپ کے بغیر پیدا فرمایا۔

قوله : "فاذا أنا رأيته" (ص:۱۰۹سطر:۴)

یہاں اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً دیکھنا بھی مراد ہوسکتا ہے اور حجابِ نوری کا دیکھنا بھی مراد ہوسکتا ہے۔

قوله : "ثم أشفع فيحد لی حدًّا" (ص:۱۰۹سطر:۴)

یہاں اِشکال ہوتا ہے کہ تمام اُمتوں کے انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس

لئے حاضر ہوں گے کہ آپ کی شفاعت سے روزِ محشر کے ہولناک مناظر اور مصیبتوں سے نجات مل جائے، لیکن آگے تین روایتوں کے بعد حضرت انسؓ ہی کی روایت میں آرہا ہے کہ: "اُمّتی اُمّتی" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنی اُمت کے لئے سفارش کریں گے اور دُوسرا اِشکال اسی روایت میں بھی ہے کہ آپ کی سفارش یہ ہوگی کہ ان کو جہنم سے نکال لیا جائے، حالانکہ شفاعتِ کبریٰ کا واقعہ روزِ محشر کا ہے، اُس وقت تک تو کوئی بھی جہنم میں نہیں گیا ہوگا۔

جواب یہ ہے کہ یہاں راوی نے اختصار سے کام لیا ہے، چنانچہ شفاعتِ کبریٰ، حساب و کتاب اور پلِ صراط پر گزر، اور حوضِ کوثر اور جنت میں داخلے کے ذکر کو حذف کردیا ہے۔[1]

٤٧٧ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ الضَّرِيرُ، قَالَ: نا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ (الى قوله) عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .ح وَحَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَا :حَدَّثَنَا مُعَاذٌ وَهُوَ ابْنُ هِشَامٍ، قَالَ :حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ :لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيرَةً، ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ :لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ بُرَّةً، ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ :لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ ذَرَّةً.

زَادَ ابْنُ مِنْهَالٍ فِي رِوَايَتِهِ :قَالَ :يَزِيدُ، فَلَقِيتُ شُعْبَةَ فَحَدَّثْتُهُ بِالْحَدِيثِ، فَقَالَ شُعْبَةُ :حَدَّثَنَا بِهِ قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَدِيثِ، إِلَّا أَنَّ شُعْبَةَ جَعَلَ مَكَانَ الذَّرَّةِ ذُرَةً، قَالَ يَزِيدُ :صَحَّفَ فِيهَا أَبُو بِسْطَامَ." (ص:۱۰۹ سطر:۹ تا ۱۴)

تشریح

قولہ: "صحف فیھا أبو بسطام" (ص:۱۰۹ سطر:۱۴)

ابو بسطام، شعبہ کی کنیت ہے، شعبہ کی روایت میں ذَرّۃ کی بجائے ذُرۃ، بضم الذال ہے، امام مسلمؒ نے اپنے مقدمہ کے شروع میں وعدہ فرمایا تھا کہ عللِ احادیث کو بھی بیان فرمائیں گے، یہاں

(۱) فتح الملہم ج:۲ ص:۵۹۸۔ نیز ملاحظہ فرمائیں: اکمال المعلم ج:۱ ص:۵۷۸۔

بھی اُس وعدہ کے مطابق یہ علت بیان فرمائی ہے۔

٤٧٨ـ حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ، (الی قوله) انْطَلَقْنَا إِلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَتَشَفَّعْنَا بِثَابِتٍ فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّي الضُّحَى، فَاسْتَأْذَنَ لَنَا ثَابِتٌ، فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ وَأَجْلَسَ ثَابِتًا مَعَهُ عَلَى سَرِيرِهِ، فَقَالَ :لَهُ يَا أَبَا حَمْزَةَ، إِنَّ إِخْوَانَكَ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ[1] يَسْأَلُونَكَ أَنْ تُحَدِّثَهُمْ حَدِيثَ الشَّفَاعَةِ، (الی قوله) قَدْ حَدَّثَنَا بِهِ مُنْذُ عِشْرِينَ سَنَةً وَهُوَ يَوْمَئِذٍ جَمِيعٌ، وَلَقَدْ تَرَكَ شَيْئًا مَا أَدْرِي أَنَسِيَ الشَّيْخُ، أَوْ كَرِهَ أَنْ يُحَدِّثَكُمْ، فَتَتَّكِلُوا، قُلْنَا لَهُ :حَدِّثْنَا، فَضَحِكَ وَقَالَ: "خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ"، مَا ذَكَرْتُ لَكُمْ هَذَا إِلَّا وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُحَدِّثَكُمُوهُ، ثُمَّ أَرْجِعُ إِلَى رَبِّي فِي الرَّابِعَةِ، فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا، فَيُقَالُ لِي :يَا مُحَمَّدُ، ارْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَسَلْ تُعْطَ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَقُولُ :يَا رَبِّ، ائْذَنْ لِي فِيمَنْ قَالَ :لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، قَالَ :لَيْسَ ذَاكَ لَكَ أَوْ قَالَ :لَيْسَ ذَاكَ إِلَيْكَ وَلَكِنْ وَعِزَّتِي وَكِبْرِيَائِي وَعَظَمَتِي وَجِبْرِيَائِي، لَأُخْرِجَنَّ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ... الحديث." (ص:۱۱۰سطر:۱۱تا۱۵)

تشریح

قوله : "وهو يومئذ جميع"(ص:۱۱۰سطر:۱۳)ای یعنی حافظہ اور قوت جمع ہوگی (فتح الملہم)[2]۔

قوله:"وجبريائي" (ص:۱۱۰سطر:۱۵)

اس میں جیم پر کسرہ ہے یعنی میری بڑائی اور میری بادشاہت (فتح الملہم)[3]۔

٤٧٩ ـ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،(الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بِلَحْمٍ، فَرُفِعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ، وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَنَهَسَ مِنْهَا نَهْسَةً فَقَالَ: أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ... الحديث."

قوله : "فَنَهَسَ مِنْهَا نَهْسَةً"(ص:۱۱۱سطر:۲)

---

(۱) مصری نسخے میں جو علامہ ذہنی کے حاشیہ کے ساتھ چھپا ہے "عن" کے بجائے "ان" ہے، اور یہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ رفیع

(۲) ج:۲،ص:۵۱۵۔

(۳) ج:۲،ص:۵۱۶۔

نھس سین سے ہو تو معنیٰ ہوتے ہیں: ہڈی پر لگے ہوئے گوشت کو سامنے کے دانتوں سے نوچنا، اور اگر نھش بالشین ہو تو معنیٰ ہوں گے: ہڈی پر لگے ہوئے گوشت کو داڑھوں سے کاٹنا[1] روایت دونوں طرح آئی ہے، (نووی)۔[2]

٤٨٠ ـ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :وُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْعَةٌ مِنْ ثَرِيدٍ وَلَحْمٍ، فَتَنَاوَلَ الذِّرَاعَ وَكَانَتْ أَحَبَّ الشَّاةِ إِلَيْهِ، فَنَهَسَ نَهْسَةً، فَقَالَ :أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، ثُمَّ نَهَسَ أُخْرَى، فَقَالَ :أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، فَلَمَّا رَأَى أَصْحَابَهُ لَا يَسْأَلُونَهُ قَالَ :أَلَا تَقُولُونَ كَيْفَهْ؟ قَالُوا: كَيْفَهْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ :يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمَعْنَى حَدِيثِ أَبِي حَيَّانَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، وَزَادَ فِي قِصَّةِ إِبْرَاهِيمَ فَقَالَ :وَذَكَرَ قَوْلَهُ فِي الْكَوْكَبِ: "هَذَا رَبِّي" وَقَوْلَهُ لِآلِهَتِهِمْ : "بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا"، وَقَوْلَهُ : "إِنِّي سَقِيمٌ" ، قَالَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، إِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيعِ الْجَنَّةِ إِلَى عِضَادَتَيِ الْبَابِ لَكَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرٍ، أَوْ هَجَرٍ وَمَكَّةَ."

قال : لا أدری أی ذلك قال." (ص:۱۱۱سطر:۱۷تا۲۱وص:۱۱۲سطر۱)

تشریح

قوله : "ألا تقولون كيفه؟" (ص:۱۱۱سطر:۲۰)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مقام پر سوال ضروری یا مفید ہو اور طلبہ/ طالبات سوال نہ کریں تو اُستاذ کو چاہئے کہ ان کو اِس طرف متوجہ کرے۔

قوله : "عضادتي الباب" (ص:۱۱۲سطر:۱)

عضادتی، تثنیہ ہے عِضَادۃ کا، اسکے معنیٰ ہی چوکھٹ کی طبی لکڑی۔

٤٨١ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفِ بْنِ خَلِيفَةَ الْبَجَلِيُّ، (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبُو مَالِكٍ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَا :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

(۱) النهاية فی غريب الحديث ج:۵ص:۱۳۵، مادة : نهس ، لسان العرب ج:۶ص:۲۴۳۔

(۲) ج:۱ص:۱۱۱۔ نیز نھش کی روایت کے لئے ملاحظہ فرمایئے: مصنف ابن أبی شيبة ج:۱ص:۵۱ والأحاد والمثانی ج:۵ص:۲۶۱، رقم الحديث : ۳۱۵۴۔

يَجْمَعُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى النَّاسَ، فَيَقُومُ الْمُؤْمِنُونَ حَتَّى تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ، فَيَأْتُونَ آدَمَ، (الی قوله) إِلَى ابْنِي إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِ اللهِ، قَالَ: فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ: لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَلِكَ، إِنَّمَا كُنْتُ خَلِيلًا مِنْ وَرَاءَ وَرَاءَ، اعْمِدُوا إِلَى مُوسَى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي كَلَّمَهُ اللهُ تَكْلِيمًا،(الی قوله) فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُومُ فَيُؤْذَنُ لَهُ، وَتُرْسَلُ الْأَمَانَةُ وَالرَّحِمُ، فَتَقُومَانِ جَنَبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِينًا وَشِمَالًا، فَيَمُرُّ أَوَّلُكُمْ كَالْبَرْقِ "قَالَ :قُلْتُ :بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي أَيُّ شَيْءٍ كَمَرِّ الْبَرْقِ؟ قَالَ:أَلَمْ تَرَوْا إِلَى الْبَرْقِ كَيْفَ يَمُرُّ وَيَرْجِعُ فِي طَرْفَةِ عَيْنٍ؟ ثُمَّ كَمَرِّ الرِّيحِ، ثُمَّ كَمَرِّ الطَّيْرِ، وَشَدِّ الرِّجَالِ، تَجْرِي بِهِمْ أَعْمَالُهُمْ...الخ."

تشریح

قولہ : "تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ،" (ص:۱۱۲ سطر:۳)

اسمیں تا پر فتحہ زا ساکن ہے اور سین پر فتحہ ہے ای تقربُ یعنی قریب کی جائے گی جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ"(فتح الملھم)۔[1]

قولہ : "الْأَمَانَةُ وَالرَّحِمُ، فَتَقُومَانِ جَنَبَتَيِ الصِّرَاطِ" (ص:۱۱۲ سطر:۶)

یہ بات تقریباً تواتر سے ثابت ہے کہ بہت سی اشیاء جو دنیا میں معنوی اور غیر جسمانی ہیں، آخرت میں ان کو جسمانی وجود مل جائے گا، جیسے امانت، رشتہ داری، اور انسانوں کے اعمال وغیرہ۔

امانت کا مفہوم

ہمارے عرف میں امانت کا جو مفہوم معروف ہے، وہ بہت ہی محدود ہے، اور شریعت میں امانت کا مفہوم بہت عام ہے، جسکی وجہ سے ہر شخص کے پاس، ہر وقت بہت سی امانتیں رہتی ہیں، مثلاً انسان کو اچھے بُرے اعمال کی جو قدرت دی گئی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اگر شادی شدہ ہے تو اہل وعیال اس کے پاس امانت ہیں، ان کے حقوق اداء نہ کرنا اور اُن کے متعلق جو اَحکام اللہ اور اس کے رسول نے دیئے ہیں اُن پر عمل نہ کرنا خیانت ہے۔ مجالس کی باتیں امانت ہیں، عہدہ اور ذمہ داری امانت ہے، کسی نے اپنا راز آپ کو بتایا ہے تو وہ امانت ہے، کسی نے مشورہ طلب کیا ہے تو مشورہ امانت ہے، حکومت وسلطنت امانت ہے۔ جس کا حق یہ ہے کہ انسان اِن تمام چیزوں کو شرعی حدود وقیود کے

(۱) فتح الملھم ج:۲ص:۵۲۳۔

ساتھ استعمال کرے ورنہ خائن کہلائے گا۔

قولہ: "تَجْرِی بِھِمْ أَعْمَالُھُمْ" (ص:۱۱۲سطر:۷)

مذکورہ جملہ ایک بہت بڑے اشکال کا جواب ہے۔

اِشکال یہ ہوتا ہے کہ پلِ صراط کی جو صفت احادیث میں بیان کی گئی ہے کہ تلوار سے زیادہ تیز، بال سے زیادہ باریک، پھر اُس پر پھسلن بھی ہے، اور آنکڑے بھی ہیں،

اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ پلِ صراط سے کسی ایک انسان کو بھی گزرنا ممکن نہیں، جبکہ اربوں، کھربوں لوگ بیک وقت اس پر سے گزریں گے، اور پھر چونکہ مختلف لوگوں کی رفتار بھی مختلف ہوگی تو اُس سے مزید یہ اِشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آگے والا شخص سست رفتاری سے سفر کررہا ہو اور اس کے پیچھے تیز رفتار آدمی آرہا ہو تو پیچھے آنے والے کے لئے آگے والے کو عبور کرکے آگے نکلنا بظاہر محال ہوگا۔

اس کا آسان اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ إِنَّ اللّٰہَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اور صاحبِ قدرت کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔ اسکو سائنس کی بنیاد پر اسطرح بھی سمجھ سکتے ہیں جیسا کہ زمین کی قدرتی کشش ہے کہ وہ اشیاء کو اپنی طرف کھینچتی ہے یا جیسے مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچتی ہے اسی طرح آخرت میں جنت اور جہنم میں خاص قسم کی اور تیز قسم کی کوشش ہوگی چنانچہ جنت ایسے لوگوں کو اپنی طرف کھینچے گی جو دُنیا میں اعمالِ صالحہ کرتے تھے، اور جہنم ایسے لوگوں کو کھینچے گی جو دنیا میں برے اعمال کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ جنت یا جہنم میں سے کسی کی طرف کھنچ کر جانا اعمال کی بنیاد پر ہوگا، جیسا کہ حدیثِ باب کے مذکورہ بالا جملے سے ظاہر ہے۔

قولہ: "انما کنت خلیلاً من وراء وراء" (ص:۱۱۲سطر:۴)

ان دونوں میں بغیر تنوین کے فتحہ ہے، اسکے معنی اس میں اس بلند درجہ کے لائق نہیں۔[1]

وقولہ: "اعمدوا الی موسیٰ" (ص:۱۱۲سطر:۴)

بکسر المیم، أی اِقصدوا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

وقولہ: "شد الرحال" (ص:۱۱۲سطر:۷)

بالجیم یعنی لوگوں کے تیز دوڑ کی طرح، اور ایک روایت میں یہ حاء کے ساتھ ہے، یعنی

(۱) فتح الملہم ج:۲ص:۵۲۳۔

اُونٹوں کے دوڑ کی طرح (نووی) ۔[1]

٤٨٤ ـ "حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ (الى قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ" (ص:۱۱۲سطر:۹،۱۰)

قوله : "تبعاً" (ص:۱۱۲سطر:۱۰)

اسمیں تا اور با دونوں پر فتحہ ہے یہ تابع کی جمع ہے، (**فتح الملهم**)۔[2]

قوله : "وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ" (ص:۱۱۲سطر:۱۰)

ایک سوال اور جواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۂ زمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**وسيق الذين اتقوا ربهم الى الجنة زمرا**'' داوٴ حالیہ ہے، یعنی اہلِ جنت جنت میں اِس حال میں پہنچیں گے کہ اس کے دروازے کھلے ہوں گے، اور مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو وہ بند ہوں گے، اور آپ دستک دیں گے تو دروازہ کھولا جائے گا۔

اس کا جواب درس مسلم میں یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں حضور کی اُمتیوں کا حال بیان ہوا ہے، اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق خبر دی ہے۔ اِن دونوں واقعات کی ترتیب یہ ہوگی کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے دروازہ پر دستک دے کر دروازہ کھوائیں گے، پھر جب مؤمنین جنت میں داخل ہونے کے لئے آئیں گے تو دروازوں کو کھلا ہوا پائیں گے۔

٤٨٦ ـ حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ يَدْعُوهَا، فَأُرِيدُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ." (ص:۱۱۲سطر:۱۳تا۱۵)

قوله : "لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ" (ص:۱۱۲سطر:۱۵)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر نبی کو یہ پیشکش کی گئی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی ایک دُعا مانگ

(۱) شرح صحیح مسلم للنووی ج:۱ص:۱۱۲۔

(۲) فتح الملهم ج:۲ص:۵۲۵۔

پس جو کو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائیں گے، اگر چہ انبیاء علیہم السلام کی دیگر دُعائیں بھی اکثر قبول ہوتی ہیں، لیکن ان کا قبول ہونا وعدہ کے طور پر نہیں بلکہ ازراہِ فضل وکرم تھا۔

قولہ : "أَخْتَبِئُ" (ص:۱۱۲سطر:۱۵) یہ اختباء سے ہے جسکے معنیٰ ہیں میں بچا کر رکھوں۔

۴۹۳۔ حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَانَا، وَاللَّفْظُ لِأَبِي غَسَّانَ، قَالُوا :حَدَّثَنَا مُعَاذٌ يَعْنُونَ ابْنَ هِشَامٍ، قَالَ :حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ دَعَاهَا لِأُمَّتِهِ، وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ."

(ص:۱۱۳سطر:۸تا۱۰)

تشریح

قولہ : "حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَانَا، وَاللَّفْظُ لِأَبِي غَسَّانَ، قَالُوا: حَدَّثَنَا مُعَاذٌ يَعْنُونَ ابْنَ هِشَامٍ"

(ص:۱۱۳سطر:۸،۹)

یہاں " محمد بن المثنی وابن بشار" کے بعد لفظ " حدثانا" زائد اور بے فائدہ نہیں، بلکہ حضرت امام مسلمؒ اپنی احتیاط اور تقویٰ کی بناء پر حسب عادت یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کو میں نے جب ابوغسان سے سنا تو میرے ساتھ کوئی اور نہیں تھا، اور جب محمد بن المثنی اور ابنِ بشار سے سنا تو اس وقت سننے میں دوسرے بھی ساتھ تھے، چنانچہ پہلے فرمایا کہ :" حدثنی أبو غسان"، یعنی میں نے ان سے تنہا سنا، پھر دوسرا جملہ فرمایا کہ :"ومحمد بن المثنی وابن بشار حدثانا"یعنی میں نے ان دو سے دوسروں کی معیت میں سنا، لیکن "محمد بن المثنی وابن بشار" یہاں معطوف ومعطوف علیہ مل کر مبتداء ہیں ،اور " حدثانا"خبر ہے، اور " محمد بن المثنی" کا عطف " أبو غسان " پر نہیں ہے، (نووی)[1]۔

باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم لأمّتہٖ الخ

۳۹۸۔حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّدَفِيُّ، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :تَلَا قَوْلَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي

(۱) شرح صحیح مسلم للنوویؒ ج:۱ص:۱۱۳۔

إِبْرَاهِيمَ : "رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي" الْآيَةَ، وَقَالَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ : "إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ" ، فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ :اللّٰهُمَّ أُمَّتِي أُمَّتِي ، وَبَكَى، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ :يَا جِبْرِيلُ اذْهَبْ إِلَى مُحَمَّدٍ، وَرَبُّكَ أَعْلَمُ، فَسَلْهُ مَا يُبْكِيكَ؟ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، فَسَأَلَهُ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا قَالَ، وَهُوَ أَعْلَمُ، فَقَالَ اللّٰهُ: يَا جِبْرِيلُ، اذْهَبْ إِلَى مُحَمَّدٍ، فَقُلْ :إِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ، وَلَا نَسُوءُكَ."

تشریح

قوله : "رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ" (ص:۱۱۳سطر:۱۵)

ھن کی ضمیر احنام کی طرف پڑھتے ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ گمراہی کا سبب بنے۔

قوله : "فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي" (ص:۱۱۳سطر:۱۶)

یعنی جس نے دین میں میری تابع داری کی وہ میرے تابعداروں میں ہے۔یعنی قول کے معنیٰ میں،یعنی حضرت عیسیٰؑ کا قول۔(کذا فی فتح الملهم)[1]

قوله : "وَقَالَ عِيسَى" (ص:۱۱۳سطر:۱۶)

اس سے ثابت ہوا کہ دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔(فتح الملهم)[2]۔

قوله : "وَلَا نَسُوءُكَ." (ص:۱۱۳سطر:۱۸) یہ "سنر ضیک" کی تاکید ہے،یعنی آپ کی اُمت کے بارے میں ہم آپ کو غمگین نہیں کریں گے،(کذا فی فتح الملهم)[3]۔

باب بيان أن من مات على الكفر فهو في النار الخ

۴۹۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ :يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَيْنَ أَبِي؟ قَالَ :فِي النَّارِ ، فَلَمَّا قَفَّى دَعَاهُ، فَقَالَ :إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ فِي النَّارِ" (ص:۱۱۴سطر:۱)

(۲،۱) فتح الملهم ج:۲ص:۵۳۲۔

(۳) فتح الملهم ج:۲ص:۵۳۴۔

تشریح

قوله: "فَلَمَّا قَفَّى" (ص:۱۱۴سطر:۱) **أی وَلّٰی** ، یعنی پیٹھ پھیری اور جانے لگا۔

قوله: "إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ فِي النَّارِ" (ص:۱۱۴سطر:۱)

یہ آپ نے اس کی تسلی کے لئے فرمایا کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ "البلیۃ اذا عمّت خفت"۔ یعنی جب مصیبت عام ہو جاتی ہے تو ہلکی ہو جاتی ہے۔

فائدہ:۔ اگرچہ مذکورہ روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا "فی النّار" ہونا مذکور ہے، لیکن علامہ ابنِ حجرؒ نے "الزواجر" میں ایک روایت نقل فرمائی ہے جو کو امام قرطبی اور علامہ ناصر الدینؒ حافظ الشام نے صحیح قرار دیا ہے،[۱] اُس میں ہے کہ آپ کے والدین کو زندہ کیا گیا اور انہوں نے آپ کی رسالت کا اقرار کیا پھر دوبارہ ان پر موت طاری کی گئی۔[۲]

اس حدیث سے بظاہر حدیثِ باب کا تعارض ہے، حالانکہ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: "ان أبی و أباک فی النّار" حضور کے والدین کو زندہ کرنے کا واقعہ سے پہلے کا ہے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

۵۰۰۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :لَمَّا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ "وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ"، دَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشًا، فَاجْتَمَعُوا فَعَمَّ وَخَصَّ، فَقَالَ :يَا بَنِي كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي مُرَّةَ بنِ كَعْبٍ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي هَاشِمٍ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا فَاطِمَةُ، أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا، غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا." (ص:۱۱۴سطر:۱تا۴)

تشریح

قوله : "لَمَّا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ "وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" (ص:۱۱۴سطر:۲)

(۱) فی الزواجر للهیتمی ج:۱ص:۳۰: ألا ترى أنّ نبينا صلى الله عليه وسلم قد أكرمه الله بحياة أبَوَيْه له حتّٰی امنا به كما جاء في حديث صححه القرطبي وابن ناصر الدين حافظ الشام وغيرهما فنفعهما الله بالايمان بعد الموت على خلاف القاعدة اكرامًا لنبيه صلى الله عليه وسلم۔

(۲) فتح الملهم ج:۲ص:۵۲۵۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی میں ڈرانے کا حکم نہیں تھا، بلکہ پڑھنے اور علم کے متعلق آیات نازل ہوئی تھیں، فترۃ الوحی کے بعد سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، اس میں اگرچہ ڈرانے کا حکم تھا، تاہم ڈرانے کی جگہ تعیین کی نہ تھی، مذکورہ آیات میں ڈرانے کی جگہ کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ (پہلے) اپنے خاندان اور رشتہ داروں کو خیر خواہی کے ساتھ ڈرایئے۔

قوله : "فَعَمَّ وَخَصَّ،" (ص:۱۱۴سطر:۳)

یعنی آپ نے خطاب عام بھی فرمایا اور خطابِ خاص بھی، چنانچہ آپ کے اس خطاب میں خطاب کے الفاظ عموم سے خصوص کی طرف منتقل ہوتے رہے، شروع میں آپ نے یابنیکعب بنی لوئی فرمایا، کعب بن لوئی آپ کے اجداد میں کئی پشتوں پہلے گزرے ہیں۔ پھر مرہ بن کعب سے عبدالمطلب تک خاندان کے اعتبار سے تخصیص در تخصیص فرمائی، اور آخر میں بطور خاص اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو خطاب فرمایا۔

قوله : "لَا أُمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا،" (ص:۱۱۴سطر:۴)

یہاں سوال ہوتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم روزِ محشر میں شفاعت کے مالک ہوں گے، تو پھر آپ نے یہ نفی مطلقاً کیسے فرمائی؟

اس کے دو جواب ہیں:-

۱ ... مالک ہونے سے مراد مستقل طور پر مالک ہونا ہے، اور آپ شفاعت کے مستقلاً مالک نہ ہوں گے، بلکہ وہ بھی اللہ جل شانہ کی عطا ہوگی۔

۲ ... یہ ابتداءِ اسلام کا واقعہ ہے، ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک آپ کو اس بات کا علم نہ دیا گیا ہو کہ آپ آخرت میں شفاعت فرمائیں گے۔

قوله : "غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا." (ص:۱۱۴سطر:۴)

یعنی تمہاری میرے ساتھ رشتہ داری ہے، میں اس کو تر رکھوں گا، اُس کی تری یعنی نمی کے ذریعے اور یہ بل یبل بللا وبلالا کے معنیٰ ہیں تر کرنا اور نمی پہنچانا۔

رحم اصل میں بچہ دانی کو کہتے ہیں، پھر رشتہ داری پر بھی رحم کا لفظ بولا جانے لگا۔ کیونکہ بچہ دانی کے اندر چکناہٹ اور نمی ہوتی ہے، اگر اسے صحیح غذا ملے تو تری برقرار رہتی ہے، اسی طرح اگر رشتہ

داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے تو ان کے ساتھ تعلقات بھی درست رہتے ہیں، اور یہاں مراد یہی ہے کہ میں دنیا میں قرابت داری کے حقوق ادا کروں گا۔

۵۰۲۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، (الی قوله) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :لَمَّا نَزَلَتْ "وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الصَّفَا، فَقَالَ :يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ، يَا صَفِيَّةُ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا، سَلُونِي مِنْ مَالِي مَا شِئْتُمْ."(ص:۱۱۴سطر ۵،۶:)

تشریح

قوله : "يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ، يَا صَفِيَّةُ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ،"(ص:۱۱۴سطر:۵،۶)

یہاں فاطمة اور صفية کو منصوب پڑھنا بھی جائز ہے اور مضموم بھی لیکن نصب پڑھنا زیادہ فصیح اور مشہور ہے، اور بنت کا نصب ہی متعین ہے، مضموم پڑھنا جائز نہیں، (نووی)[۱] کیونکہ منادیٰ جب علم ہو اور اس کی صفت ''ابن'' یا ''ابنۃ'' ہو جو کسی اور علم کی طرف مضاف ہو جیسا کہ یہاں ہے، تو منادیٰ کا فتحہ راجح اور مختار ہوتا ہے، اگرچہ ضمہ بھی جائز ہے اور صفت کا نصب پڑھنا ہی مضاف ہونے کی وجہ سے متعین ہے۔[۲]

۵۰۳۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أُنْزِلَ عَلَيْهِ : "وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللهِ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللهِ، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ رَسُولِ اللهِ، سَلِينِي بِمَا شِئْتِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا."(ص:۱۱۴ سطر:۷،۸)

تشریح

قوله : "يَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ،" (ص:۱۱۴سطر:۸)

---

(۱) ج۱ص۱۱۴

(۲) الكافية :ص۳۰، وملا جامی ص:۱۲۷

یہاں عباسؓ" اور بنؓ" کا بھی اعراب وہی ہے جو پچھلی حدیث میں "فاطمۃ" اور صفیۃ اور "بنت" کا بیان ہوا، (نووی)[1] اور وجہ بھی وہی ہے جو وہاں بیان ہوئی[2]۔

۵۰۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ، (الى قوله) عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ الْمُخَارِقِ، وَزُهَيْرِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَا :لَمَّا نَزَلَتْ "وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" ، قَالَ :انْطَلَقَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى رَضْمَةٍ مِنْ جَبَلٍ، فَعَلَا أَعْلَاهَا حَجَرًا، ثُمَّ نَادَى يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافَاهْ إِنِّي نَذِيرٌ، إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ رَأَى الْعَدُوَّ، فَانْطَلَقَ يَرْبَأُ أَهْلَهُ، فَخَشِيَ أَنْ يَسْبِقُوهُ، فَجَعَلَ يَهْتِفُ، يَا صَبَاحَاهُ." (ص:۱۱۴سطر:۱تا۴)

تشریح

قوله : "رَضْمَةٍ مِنْ جَبَلٍ" (ص:۱۱۴سطر:۱۱)

اس کے معنیٰ ہیں تہ بہ تہ بڑی چٹانوں کا مجموعہ (فتح الملہم)[3]۔

قوله : "يَرْبَأُ" (ص:۱۱۴سطر:۱۳)

یہ "یقرا" کے وزن پر ہے، یعنی حفاظت کرتا ہے اور نگہبانی کرتا ہے[4]۔

قوله : "فَجَعَلَ يَهْتِفُ، يَا صَبَاحَاهُ" (ص:۱۱۴سطر:۱۴)

یعنی میں تم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرا رہا ہوں، جس طرح وہ شخص اپنی قوم کو ڈراتا ہے جس نے کسی دشمن کو اپنی قوم کی طرف آتے دیکھا اور اس نے پہاڑ پر چڑھ کر "یا صباحاہ" کہہ کر قوم کو ڈرایا۔

۵۰۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ : "وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" وَرَهْطَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ، خَرَجَ رَسُولُ

---

(۱) ج۱ص۱۱۴

(۲) درس مسلم جلد اول ص۵۷۴۔

(۳) فتح الملہم ج۲ص۵۴۱ولسان العرب ج۵ص۲۳۔

(۴) لسان العرب ج۵ص۲۳۵۔

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ...الخ (ص:۱۱۴ سطر:۱۳،۱۴)

قوله : "وَرَهْطَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ" (ص:۱۱۴ سطر:۱۴)

آیت کا یہ حصہ منسوخ التلاوۃ ہے، اب یہ قرآنِ کریم کا حصہ نہیں۔[1]

باب شفاعة النبى ﷺ لأبى طالب ...الخ (ص:۱۱۵)

۵۰۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ،(الى قوله) عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنَّهُ قَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، هَلْ نَفَعْتَ أَبَا طَالِبٍ بِشَيْءٍ، فَإِنَّهُ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ؟ قَالَ :نَعَمْ، هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ، وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ." (ص:۱۱۴ سطر:۱۴)

قوله : "كَانَ يَحُوطُكَ" (ص:۱۱۵ سطر:۲ تا ۴)

اس میں طاء پر ضمہ ہے اور یہ باب نصر سے ہے اسکے معنیٰ ہیں حفاظت کرنا۔ یعنی ابوطالب آپ کی حفاظت کرتے تھے۔(نووی وفتح الملهم)[2]

قوله : "ضَحْضَاحٍ" (ص:۱۱۴ سطر:۱۴)

ضحضاح وہ پانی جو زمین پر ہو اور صرف ٹخنوں تک پہنچا ہوا ہو۔[3]

قوله : "لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" (ص:۱۱۴ سطر:۱۴)

"الدرک" اس میں راء پر فتحہ اور سکون دونوں درست ہیں، اور "الدرک اسفل" کے معنیٰ ہیں جہنم کا سب سے گہرا طبقہ، یاد رہے جہنم کے بہت سے طبقات ہیں، ہر طبقے کو "درک" کہا جاتا ہے۔[4]

۵۱۰۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ : سَمِعْتُ الْعَبَّاسَ، يَقُولُ :قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أَبَا طَالِبٍ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَنْصُرُكَ فَهَلْ نَفَعَهُ ذَلِكَ؟ قَالَ :نَعَمْ، وَجَدْتُهُ فِي غَمَرَاتٍ مِنَ النَّارِ، فَأَخْرَجْتُهُ

---

(۱) تفسیر القرطبی ج۱۳ص۱۴۳ تحت الآیة :"وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" وفتح الباری ج۸ص۵۰۲۔

(۲) فتح الملهم ج۲ص۵۴۴ وشرح النووی ج۱ص۱۱۵۔

(۳) لسان العرب ج۸ص۲۵۔

(۴) فتح الملهم ج۲ ص۵٤٥ ولسان العرب ج۴ص۳۳۶۔

إِلَى ضَحْضَاحٍ." (ص:۱۱۵سطر:۴،۵)

تشریح

قوله : "وَجَدْتُهُ فِي غَمَرَاتٍ مِنَ النَّارِ، فَأَخْرَجْتُهُ" (ص:۱۱۵سطر:۵)

"غمرات" جمع ہے "غمرة" کی اس کے معنیٰ ہیں، ہر وہ شئی جو بہت زیادہ ہو۔ یعنی میں نے ابو طالب کو جہنم کی زبردست آگ میں پایا اور پھر اس سے نکلا۔ اس پر اِشکال ہوتا ہے کہ لوگوں کا جہنم یا جنت میں جانا تو قیامت کے بعد ہوگا، فی الحال تو تمام مرنے والے برزخ میں ہیں؟

اس لئے بظاہر اس حدیث کا مطلب یہ ہیکہ اگر ان کا میرے ساتھ حسنِ سلوک نہ ہوتا اور میری ان کے لئے شفاعت نہ ہوتی تو میں نے انہیں زبردست آگ میں جانے کا مستحق پایا تھا، مگر اس کے اس عمل اور میری شفاعت سے، اس کے لئے آخرت میں صرف ٹخنوں تک آگ کا عذاب ہوگا۔[1]

۵۱۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِنَّ أَدْنَى أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَنْتَعِلُ بِنَعْلَيْنِ مِنْ نَارٍ، يَغْلِي دِمَاغُهُ مِنْ حَرَارَةِ نَعْلَيْهِ." (ص:۱۱۵سطر:۹،۱۰)

تشریح

قوله : "يَنْتَعِلُ بِنَعْلَيْنِ مِنْ نَارٍ،" (ص:۱۱۵سطر:۱۰)

اس کے حقیقی معنیٰ بھی مراد ہو سکتے ہیں، اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جو آگ ٹخنوں تک پہنچی ہوئی ہوگی اُسی کو دوزخ کے نعل سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۵۱۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الى قوله) سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُولُ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَرَجُلٌ تُوضَعُ فِي أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ، يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ." (ص:۱۱۵سطر:۱۱تا۱۳)

تشریح

قوله : "فِي أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ" (ص:۱۱۵سطر:۱۳)

---

(۱) حاشية السندى على صحيح مسلم تحت هذه الحديث ج۱ص۱۱۵۔

پاؤں کا وہ حصہ جو پاؤں کو زمین پر رکھنے کی حالت میں زمین سے اوپر رہتا ہے، اُسے اخمص القدم کہتے ہیں۔[1]

فائدہ:۔ ابو طالب کے عذاب کی کیفیت کے متعلق یہاں تین قسم کی روایات آئی ہیں:۔

۱ ... پہلی روایت میں ضحضاح من النار کا ذکر ہے۔

۲ ... دوسری روایت میں نعل من النار کا بیان ہے۔

۳ ... تیسری روایت میں ہے کہ آگ کے دو انگارے اُس کے اخمص القدمین میں رکھے جائیں گے۔

غور کیا جائے تو تینوں روایات کا حاصل ایک ہی ہے، اگرچہ تعبیرات مختلف ہیں کیونکہ دو انگارے جو اخمص القدمین میں رکھے جائیں گے ممکن ہے کہ اس کے شعلے ٹخنوں تک پہنچ رہے ہوں جو دیکھنے میں آگ کے جوتوں کی طرح ہوں گے، لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔

دو اشکال اور دو جواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو طالب کے حسن عمل کے باعث ان کے عذاب میں تخفیف سے معلوم ہوا کہ کافر کا عمل آخرت میں بھی کچھ نہ کچھ نافع ہے، حالانکہ قرآنِ کریم میں ہے کہ: "وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً"[2]۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابو طالب کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نافع ہوئی کہ اس کے عذاب میں کمی ہوگئی، حالانکہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: "فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ"[3]۔

ان دونوں اِشکالات کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے صرف حضرت ابو طالب کی خصوصیت ہے، دوسرے کفار کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اور علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حاشیہ میں ایک اور جواب یہ دیا ہے کہ ابو طالب کا عذاب کم ہونا دو اسباب کے مجموعے سے ہوا، ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسنِ عمل، اور

---

(۱) لسان العرب ج۳ ص۲۱۹۔

(۲) سورۃ النور آیت:۳۹۔

(۳) سورۃ المدثر آیت:۴۸۔

دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت، اور مذکورہ بالا آیات میں نفع کی نفی اُس صورت میں ہے جب سبب ان دو میں سے صرف ایک سبب ہو، اور جب دونوں سبب جمع ہوجائیں تو کافر کو نفع کی نفی اِن آیات سے ثابت نہیں ہوتی[1]۔ لہٰذا اس حدیث اور مذکورہ بالا آیات میں کوئی تعارض نہیں۔ واللہ اعلم

باب الدليل على أن من مات على الكفر

لاينفعه عمله (ص:۱۱۵)

۵۱۷۔ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ عَائِشَةَ قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، ابْنُ جُدْعَانَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ، وَيُطْعِمُ الْمِسْكِينَ، فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ؟ قَالَ لَا يَنْفَعُهُ، إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا :رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ" (ص:۱۱۵سطر:۱۵تا۱۷)

تشریح

قوله : "ابْنُ جُدْعَانَ"(ص:۱۱۵سطر:۱۶) اس میں جیم پر ضمہ اور دال ساکن ہے، یہ قریش کے سرداروں میں سے تھا۔

قوله : "لَا يَنْفَعُهُ" (ص:۱۱۵سطر:۱۶)

یعنی اِن اعمال کا اُسے کوئی فائدہ آخرت میں نہیں ملے گا، کیونکہ وہ ایمان نہیں لایا تھا، اس پر ابو طالب کے متعلق پچھلی حدیث سے جو اشکال ہوتا ہے اُس کا جواب وہیں آچکا ہے۔

باب موالاة المؤمنين ومقاطعة غيرهم...الخ

۵۱۸۔"حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، (الی قوله) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِهَارًا غَيْرَ سِرٍّ، يَقُولُ أَلَا إِنَّ آلَ أَبِي، يَعْنِي فُلَانًا، لَيْسُوا لِي بِأَوْلِيَاءَ، إِنَّمَا وَلِيِّيَ اللهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ."(ص:۱۱۵سطر:۱۷،۱۸)

تشریح

قوله : "جِهَارًا غَيْرَ سِرٍّ"(ص:۱۱۵سطر:۱۸) یعنی علی الاعلان بغیر کسی رازداری کے۔

(۱) حاشية السندی علی صحیح مسلم تحت هذه الحديث ج۱ص۱۱۶،۱۱۷۔

قوله : "آلَ أَبِي، يَعْنِي فُلَانًا،" (ص:۱۱۵سطر:۱۸)

بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ "أبی" کے بعد نام بھی بیان فرمایا تھا جو مضاف الیہ تھا لیکن راوی نے حدیث کے بیان کے وقت اس کو حذف کر دیا۔ اور ذکر نہ کرنے کی وجہ فتنہ کا اندیشہ تھا۔

باب الدليل على دُخول طوائف من المسلمين
الجنة بغير حساب ولا عذاب

۵۱۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَلَّامِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ الْجُمَحِيُّ، (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي الْجَنَّةَ سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ ، فَقَالَ رَجُلٌ :يَا رَسُولَ اللهِ، ادْعُ اللهِ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، قَالَ: اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ ، ثُمَّ قَامَ آخَرُ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، ادْعُ اللهِ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ :سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ" (ص:۱۱۶سطر:۱۰،۱۲)

تشریح

قوله : "مِنْ أُمَّتِي الْجَنَّةَ سَبْعُونَ أَلْفًا" (ص:۱۱۶سطر:۲)

"مِنْ أُمَّتِي" کی قید سے ستر ہزار کے عدد سے احتراز کے لئے ہے، دوسری امتوں کے لوگوں کی نفی کے لئے نہیں، چنانچہ پچھلے انبیائے کرامؑ اور صدیقینؒ، شہداءؒ اور صالحینؒ کے جنت میں بغیر حساب جانے کی نفی اس حدیث سے نہیں ہوتی، ہاں پچھلی کسی امت میں چاند کی طرح روشن چہرے والے جنت میں بغیر حساب کے داخل ہونے والوں کی تعداد اتنی نہیں ہوگی۔ (فتح الملهم)

قوله : "سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ" (ص:۱۱۶سطر:۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر حساب وکتاب جنت میں داخل ہونے والے اس امت کے مسلمانوں کی تعداد صرف ستر ہزار ہوگی، اور اس کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ اس فضیلت میں تمام صحابہ بھی شریک نہ ہوں گے، اس لئے کہ انکی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے، شاید اسی لئے آپ نے دوسرے

---

(۱) مسند أحمد بن حنبل ج۱ص۲۰۳، فی مسند أبی بکر الصديق رقم الحديث: ۲۲ وج۱۴ص۳۲۷ رقم الحديث: ۸۷۰۷ فی مسند أبی هريرة۔

(۲) مسند أبی يعلى ج۱ص۱۰۴ وسنده جيد كما فی فتح الباری ج۱۱ص۴۱۰۔

شخص کو یہ کہہ کر چپ کرا دیا کہ "سَبَقَکَ بِهَا عُکَّاشَةُ"۔ لیکن مسند احمد[1] اور مسند أبی یعلیٰ[2] میں حضرت ابوهریرۃ رضی اللہ عنہ سے سندِ جید کے ساتھ یہ اضافہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: **"فاستزدتُ ربی فزادنی مع کل ألف سبعین ألفا"** یعنی میں نے اپنے پروردگار سے زیادہ کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار افراد کا اضافہ فرما دیا[1]۔

اور ترمذی میں حضرت ابواُمامہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: **"وعدنی ربی أن یدخل الجنة من أمتی سبعین ألفا مع کل ألف سبعین ألفا لا حساب علیهم ولا عذاب، وثلاث حثیات من حثیات ربی"** ترمذی نے اسے "حسن" قرار دیا ہے[2]۔ **وفی صحیح ابن حبان والطبرانی بسندٍ جید من حدیث عتبة بن عبد نحوه، وفیه: "ثم یحثی ربی ثلاث حثیات بکفیه"**[3]۔

اب ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے صحابی کے حق میں دعا کیوں نہ فرمائی؟ تو اس کے دو جواب ہیں:۔

۱ ... ایک جواب ہے کہ اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا اضافے کی درخواست نہ کی ہوگی۔

۲ ... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اُس وقت صرف عکاشہؓ ہی کے بارے میں دُعا کی قبولیت کی اطلاع دی گئی ہوگی، دوسرے صاحب کے بارے میں نہیں (نووی)[4]۔

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ سابقین سے اسلام لانے والوں اور مہاجرین میں سے تھے اور بہت خوبصورت تھے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور سخت جنگ کی چنانچہ حضور نے انھیں عرب کے سواروں میں سب سے بہتر لقب دیا اور بھی ان کے مناقب ہیں۔ (فتح الملهم)

۵۲۴۔ حَدَّثَنِی زُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ، أَنَّ رَسُولَ

---

(۱) فتح الملهم ج۲ص۵۵۳۔

(۲) ترمذی، باب ما جاء فی الشفاعة، رقم الحدیث: ۲۴۳۷ وسنن ابن ماجة، باب صفة أمة محمد صلی الله علیه وسلم رقم الحدیث: ۴۲۸۶۔

(۳) فتح الملهم ج۲ص۵۵۳۔

(۴) شرح النووی ج۱ص:۱۱۶۔

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ قَالُوا :مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ :هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَلَا يَكْتَوُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ." (ص:۱۱۶سطر:۱۰تا۱۲)

تشریح

قوله:"يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي" (ص:۱۱۶سطر:۱۱)

"اُمَّتِی" کی قید سے یہ مراد ہے کہ بغیر حساب کے جنت میں جانے والوں کی جو تعداد یہاں بیان کی گئی ہے، وہ صرف حضور کی اُمت کی ہوگی، اتنی بڑی تعداد کسی اور اُمت کی نہیں ہوگی۔ یہ مراد نہیں ہے کہ کسی اور اُمت کے لوگ مثلاً انبیائے کرام علیہم السلام اور جن کو اللہ تعالیٰ چاہے وہ بغیر حساب کے داخل نہیں ہوں گے اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے نہ ہوں گے،(هكذا فهمت من فتح الملهم ج: ص: ٥٥٤)۔

قوله:"هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَلَا يَكْتَوُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ" (ص:۱۱۴سطر:۱۱)

یعنی بلاحساب وعذاب جنت میں جانے والے وہ لوگ ہوں گے جو نہ تو کسی سے دم کراتے ہوں گے، نہ بدشگونی کرتے ہوں گے، نہ داغنے کے ذریعہ علاج کراتے ہوں گے اور وہ اپنے رَبّ پر بھروسہ کرتے ہوں گے۔

رُقیۃ اِس سے مراد جھاڑ پھونک اور دم درود ہے اور اس حدیث میں اسکی مطلقاً نفی مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ زمانۂ جاہلیت والا دم نہ کراتے ہوں گے، اور زمانۂ جاہلیت کا دم وغیرہ وہ ہے جس میں غیر اللہ سے مدد لینا اور دیگر کفریا شرکہ کلمات اور سے اسمیں شامل ہوتے تھے، مثلاً: رُقیہ کو مؤثر بالذات سمجھنا، لیکن وہ رُقیہ جس کی شریعت نے اجازت دی ہے، مثلاً: قرآنِ کریم کی آیات پڑھ کر دَم کرنا یا اللہ تعالیٰ سے دُعاء کے کلمات سے رُقیہ کرنا نہ صرف جائز بلکہ احادیثِ صحیحہ اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہے، لہٰذا نفی رُقیۂ جاہلیت کی ہے نہ کہ رُقیۂ مباحہ کی۔

"لا یتطیرون" یعنی وہ کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیتے جیسے زمانۂ جاہلیت میں ہوتا تھا کہ کسی کام کے کرنے سے پہلے پرندے کو اُڑاتے تھے، اگر وہ دائیں طرف اڑ جاتا تو اُس کام میں خیر سمجھتے تھے اور وہ کام کر لیتے تھے، اور اگر وہ بائیں طرف چلا جاتا تو اس کو برا سمجھتے تھے اور اُس کام کو مضر سمجھ کر اس سے

رُک جاتے تھے۔ بہرحال ہر قسم کی بدشگونی ممنوع ہے۔

"اکتواء" یہ لوہا آگ میں گرم کر کے جسم کو داغنے کا نام ہے جو ایک قسم کا علاج ہے اس کی دو قسمیں ہیں:۔

۱ ... ایک وہ جسے محض علاج یعنی سبب کے درجہ میں اختیار کی جائے ایسا اکتواء جائز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے، چنانچہ آپ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا داغنے سے علاج فرمایا تھا۔(۱)

۲ ... اور دوسرا داغنا وہ ہے جو غلط عقائد پر مبنی تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں اس کو مؤثر بالذات سمجھا جاتا تھا، یا یوں سمجھا جاتا تھا کہ اگر داغنے سے شفاء نہ ہوئی تو پھر کسی اور چیز وسے بھی شفاء نہیں ہوسکتی، اسی لئے اکتواء کو " آخر العلاج" کہا جاتا تھا، لہٰذا مذکورہ حدیث میں زمانۂ جاہلیت کے اکتواء کی نفی کی گئی ہے۔

ایک سوال اور جواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ تشریح کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بھاری تعداد جنت میں بلا حساب وکتاب داخل ہو، اس لئے کہ اکثر مسلمان یعنی ان تین باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک چوتھی شرط بھی مذکور ہے اور وہ ہے " علیٰ ربھم یتوکلون"،"یعنی وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں" اور یہی شرط اصل علّت ہے جنت میں بلا حساب جانے کی کہ زندگی کے تمام حالات اور مواقع میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا جائے، ناجائز تدابیر اور اسباب سے بچا جائے، اور جائز اسباب کو اگرچہ اختیار کیا جائے مگر ان کو مؤثر نہ سمجھا جائے بلکہ مؤثر صرف اللہ تعالیٰ کے ارادے کو سمجھا جائے، اور اس درجہ کا توکل ہر مسلمان کو حاصل نہیں ہوتا، صرف اللہ تعالیٰ کے خاص خاص بندوں کو حاصل ہوتا ہے۔

۵۲۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله)عن أبی حازم، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا، أَوْ

(۱) سنن أبی داؤد، باب فی الکی، رقم الحدیث: ۳۸۶۵ وسنن ابن ماجۃ، باب من اکتوی، رقم الحدیث: ۳۴۹۳،۳۴۹۴۔

سَبْعُمِائَةِ أَلْفٍ لَا يَدْرِي أَبُو حَازِمٍ أَيُّهُمَا قَالَ -مُتَمَاسِكُونَ آخِذٌ بَعْضُهُمْ بَعْضًا، لَا يَدْخُلُ أَوَّلُهُمْ حَتَّى يَدْخُلَ آخِرُهُمْ، وُجُوهُهُمْ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ (ص:۱۱۶سطر:۱۲،۱۳)

تشریح

قوله : "لَا يَدْخُلُ أَوَّلُهُمْ حَتَّى يَدْخُلَ آخِرُهُمْ" (ص:۱۱۶سطر:۱۳)

یعنی سب ایک ساتھ صف کی شکل میں داخل ہوں گے، تو اس طرح اول وآخر سب بیک وقت داخل ہو جائیں گے۔

٥٢٦ـحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، (الى قوله) حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، فَقَالَ :أَيُّكُمْ رَأَى الْكَوْكَبَ الَّذِي انْقَضَّ الْبَارِحَةَ؟ قُلْتُ :أَنَا، ثُمَّ قُلْتُ :أَمَا إِنِّي لَمْ أَكُنْ فِي صَلَاةٍ، وَلَكِنِّي لُدِغْتُ، قَالَ :فَمَاذَا صَنَعْتَ؟ قُلْتُ :اسْتَرْقَيْتُ، قَالَ :فَمَا حَمَلَكَ عَلَى ذَلِكَ؟ قُلْتُ :حَدِيثٌ حَدَّثَنَاهُ الشَّعْبِيُّ فَقَالَ :وَمَا حَدَّثَكُمُ الشَّعْبِيُّ؟ قُلْتُ :حَدَّثَنَا عَنْ بُرَيْدَةَ بْنِ حُصَيْبٍ الْأَسْلَمِيِّ، أَنَّهُ قَالَ :لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ، أَوْ حُمَةٍ، فَقَالَ :قَدْ أَحْسَنَ مَنِ انْتَهَى إِلَى مَا سَمِعَ، وَلَكِنْ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ الرُّهَيْطُ، وَالنَّبِيَّ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ، وَالنَّبِيَّ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ، إِذْ رُفِعَ لِي سَوَادٌ عَظِيمٌ، فَظَنَنْتُ أَنَّهُمْ أُمَّتِي، فَقِيلَ لِي :هَذَا مُوسَى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْمُهُ، وَلَكِنِ انْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ عَظِيمٌ، فَقِيلَ لِي :انْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ الْآخَرِ، فَإِذَا سَوَادٌ عَظِيمٌ، فَقِيلَ لِي :هَذِهِ أُمَّتُكَ وَمَعَهُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَلَا عَذَابٍ، ثُمَّ نَهَضَ فَدَخَلَ مَنْزِلَهُ فَخَاضَ النَّاسُ فِي أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَلَا عَذَابٍ...الحديث." (ص:۱۱۷سطر:۱تا۶)

تشریح

قوله : "انْقَضَّ الْبَارِحَةَ؟" (ص:۱۱۷سطر:۱)

"انقض" باب انفعال سے ہے، جس کے معنیٰ ہیں گر گیا۔ (شرح النوویؒ)[1] اور البارحة کے معنیٰ ہیں گزشتہ رات[2]، اگر زوالِ آفتاب سے پہلے گزشتہ رات کا ذکر کیا جائے تو "اللیلة" کہا جاتا ہے، اور بعد اگر زوال کے بعد ذکر کیا جائے تو البارحۃ، کہا جاتا ہے لیکن اب یہ دونوں ایک دوسرے کے معنیٰ میں استعمال ہونے لگے ہیں۔

قوله : "وَلٰكِنِّي لُدِغْتُ،" (ص:۱۱۷ سطر:۲)

لیکن مجھے ڈنک مار دیا گیا، یعنی کسی زہریلے جانور بچھو وغیرہ نے مجھے ڈنک مار دیا تھا، یہ جملہ اس لئے کہ کہیں لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان کا رات کو جاگنا نمازِ تہجد کے لئے تھا، اور اس طرح "لم تقولون (أی تدعون) مالا تفعلون" کے خلاف نہ ہو جائے۔

قوله : "إِلَّا مِنْ عَيْنٍ، أَوْ حُمَةٍ،" (ص:۱۱۷ سطر:۳)

"عین" بمعنیٰ نظرِ بد، اور حمۃ ہر زہریلا جانور جیسے سانپ بچھو یا بچھو کا ڈنک۔

سوال:۔ اِس جملہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ رُقیہ صرف انہی دو چیزوں کے لئے جائز ہے، حالانکہ دیگر تکلیفوں اور بیماریوں کے لئے بھی رُقیہ کا جائز ہونا احادیث سے ثابت ہے۔

جواب:۔ یہاں "لا" نفیٔ کمال کے لئے ہے جنس کے لئے نہیں مراد یہ ہے کہ کوئی رُقیہ اتنا نافع یا ضروری نہیں جتنا اِن دو چیزوں میں نافع یا ضروری ہے۔

قوله : "سَوَادٌ عَظِيمٌ" (ص:۱۱۷ سطر:۴) اسکے معنیٰ ہیں بڑی جماعت۔

قوله : "فَخَاضَ النَّاسُ" (ص:۱۱۷ سطر:۵)

یعنی لوگ آپس میں تبادلۂ خیال اور مباحثہ کرنے لگے (نوویؒ)[3]۔

باب بيان كون هذه الأمة نصف أهل الجنة

۵۲۸۔ "حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالَ : فَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ :أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالَ :فَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ:

(۱) شرح صحیح مسلم للنوویؒ ج۱ص۱۱۷۔

(۲) مختار الصحاح مادة برح ج۱ص۱۹ ولسان العرب ج۲ص۴۱۲۔

(۳) شرح صحیح مسلم للنوویؒ ج۱ص۱۱۷۔

إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَسَأُخْبِرُكُمْ عَنْ ذَلِكَ، مَا الْمُسْلِمُونَ فِي الْكُفَّارِ إِلَّا كَشَعْرَةٍ بَيْضَاءَ فِي ثَوْرٍ أَسْوَدَ، أَوْ كَشَعْرَةٍ سَوْدَاءَ فِي ثَوْرٍ أَبْيَضَ."

تشریح

قولہ:"مَا الْمُسْلِمُونَ فِي الْكُفَّارِ الخ" (ص:۱۱۷سطر:۱۱)

بظاہر یہاں "المسلمون" سے مراد تمام اُمتوں کے مسلمان ہیں، اور "الکفار" سے بھی ہر زمانے کے کفار مراد ہیں۔

قولہ:"أَوْ كَشَعْرَةٍ سَوْدَاءَ فِي ثَوْرٍ أَبْيَضَ." (ص:۱۱۷سطر:۱۱)

ہر زمانہ میں (یعنی پچھلی اُمتوں میں بھی اور موجودہ اُمت میں بھی) کفار کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ ہی رہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مجموعی طور ہر اہلِ جہنم کی تعداد اہلِ جنت سے بہت زیادہ ہوگی، پھر ان اہلِ جنت میں آدھی تعداد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی ہوگی۔

۵۳۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قُبَّةٍ (الی قولہ) وَمَا أَنْتُمْ فِي أَهْلِ الشِّرْكِ إِلَّا كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ...الحدیث (ص:۱۱۷سطر۱۱تا۱۴)

تشریح

قولہ : "مَا أَنْتُمْ فِي أَهْلِ الشِّرْكِ ...الخ" (ص:۱۱۷سطر:۱۴)

یہاں بھی "أنتم" سے تمام اُمتوں کے مسلمان مراد ہیں، اور "أهل الشرک" سے ہر زمانے کے تمام مشرکین جیسا کہ پچھلی روایت میں بیان کیا گیا۔

۵۳۱۔ "حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ الْعَبْسِيُّ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ :يَا آدَمُ فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ، قَالَ يَقُولُ :أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ قَالَ :وَمَا بَعْثُ النَّارِ قَالَ :مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ قَالَ :فَذَاكَ حِينَ يَشِيبُ الصَّغِيرُ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ

بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللهِ شَدِيدٌ قَالَ :فَاشْتَدَّ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ قَالُوا :يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّنَا ذَلِكَ الرَّجُلُ؟ فَقَالَ :أَبْشِرُوا فَإِنَّ مِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ أَلْفًا، وَمِنْكُمْ رَجُلٌ قَالَ :ثُمَّ قَالَ :وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَحَمِدْنَا اللهَ وَكَبَّرْنَا .ثُمَّ قَالَ :وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَحَمِدْنَا اللهَ وَكَبَّرْنَا .ثُمَّ قَالَ :وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، إِنَّ مَثَلَكُمْ فِي الْأُمَمِ كَمَثَلِ الشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ، أَوْ كَالرَّقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الْحِمَارِ" (ص:۱۱۷سطر۱۷،۱۸وص:۱۱۸سطر۱تا۴)

تشریح

قولہ : "بَعْثُ النَّارِ" (ص:۱۱۷سطر۱۸)

یہاں بعث مصدر بمعنی مصدر ہے، ای مبعوثین الی النار، یعنی جہنم میں ڈالیں جائیں گے اس سے مراد کفار ہیں۔

قولہ : "تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا" (ص:۱۱۷سطر:۱)

ہوسکتا ہے کہ جن عورتوں کا انتقال حالت حمل میں ہوا تھا، ان کا حشر بھی اسی حال میں کیا جائے، اس صورت میں یہ جملہ اپنے حقیقی معنی میں ہوگا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں پر خوف ودہشت کی شدت بیان کرنا مقصود ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر یہ خوف ودہشت دنیا میں ہوتی تو حاملہ عورتوں کا حمل ساقط ہوجاتا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ ایک ہزار میں سے نوسو ننانوے لوگوں کے جہنم میں جانے کے حکم سے تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے کیونکہ صرف یاجوج ماجوج ہی کی تعداد اس قدر ہے کہ وہ تم سے نوسوننانوے گنا زائد ہیں، یعنی اگر تم میں سے کوئی ایک شخص بھی جہنم میں نہ جائے تب بھی جہنم میں جانے والوں کی یہ تعداد صرف یاجوج ماجوج سے پوری ہوجائے گی۔

مذکورہ حدیث میں بظاہر "منکم" سے صحابہ کرامؓ مراد ہیں، س لئے کہ کہ اگر اس سے پوری امتِ اجابت مراد لی جائے تو اس کی تعداد تو اربوں یا کھربوں میں ہے، تو اس وقت صورت میں یاجوج ماجوج کی تعداد ان سے بھی ایک ہزار گنا زیادہ ماننی پڑے گی، اور یاجوج ماجوج کی تعداد اربوں یا

(۱) شرح النووی ج:۱ص:۱۱۸۔

کھربوں سے بھی بہت زیادہ ہونا بہت بعید ہے، کیونکہ دُنیا کی موجودہ کل مردم شماری پانچ اَرَب سے کچھ زیادہ بتائی جاتی ہے، جس میں ظاہر ہے کہ یأجوج مأجوج بھی شامل ہیں کیونکہ وہ بھی اسی دُنیا میں آباد ہیں۔ واللہ أعلم.

خلاصہ یہ کہ پیچھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایات میں تمام کفار کے مقابلے میں ہر اُمت کے تمام مسلمان مراد ہیں، اور یہاں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف یأجوج مأجوج کے مقابلے میں صرف صحابۂ کرامؓ مراد ہیں، واللہ أعلم۔

قوله : "كَالرَّقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الْحِمَارِ" (ص:۱۱۸سطر:۴)

"الرقمة" سفید ٹکڑے کو کہتے ہیں جو گدھے کے دونوں بازو کے اندر کی جانب ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ گدھے کے پیروں میں گول دائرہ کو کہتے ہیں۔ (فتح الملهم)

وهذا آخر كتاب الايمان

❁❁❁

کتابُ النِّکاح

اس کتاب میں حضرت امام مسلمؒ نے نکاح کے متعلق احادیث طیبہ جمع فرمائی ہیں جن سے نکاح کے فضائل، فوائد اور احکام و مسائل معلوم ہونگے اس کتاب کی احادیثِ مبارکہ کو پڑھنے سے پہلے نکاح کے متعلق چند ضروری باتیں سمجھنی چاہئیں۔ جن سے ان شاء اللّٰہ تعالیٰ ان احادیث طیبہ کا پڑھنا اور سمجھنا آسان ہوگا مثلاً:

۱ ... نکاح کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ ۲ ... نکاح کی اہمیت اور عظمت
۳ ... نکاح کے چند فوائد ۴ ... نکاح کا حکم اور اس کے درجات

نکاح کے اصطلاحی معنیٰ

النکاح الضّم یعنی نکاح کے اصلی معنیٰ ہیں ملانا۔ ویسے عام طور پر نکاح کا لفظ دو معنیٰ کے لئے بولا جاتا ہے۔

۱ ... وطی اور جماع ۲ ... عقد و نکاح

نکاح میں یہ دونوں معنیٰ پائے جاتے ہیں کیونکہ نکاح میں جماع بھی ہوتا ہے اور نکاح میں ایجاب و قبول بھی ہوتا ہے اب ان میں سے کونسے حقیقی معنیٰ ہیں اور کونسے مجازی؟ اس میں اختلاف ہے چنانچہ اس بارے میں دو قول ہیں:

۱ ... ایک قول یہ ہے کہ نکاح کے حقیقی معنیٰ جماع کے ہوتے ہیں اور عقد کرنا مجازی معنیٰ ہیں۔
۲ ... دوسرا قول اس کے برعکس ہے کہ نکاح کے حقیقی معنیٰ عقد کرنے کے ہیں اور مجازی معنیٰ وطی کرنے کے ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ لفظ نکاح ان دونوں معنوں میں مشترک ہے۔ لغت کے امام علامہ ازہریؒ نے فرمایا کہ نکاح کے حقیقی معنیٰ جماع کے ہیں اور عقد والے معنیٰ مجازی ہیں حضراتِ احناف ؒ کا زیادہ رجحان اسی طرف ہے۔[1]

(۱) فتح الملہم ج۶ ص:۳۱۲ و شرح النووی ج۱ ص۴۸۰ و مرقاۃ المفاتیح لملا علی قاری ص۱۸۲ ج۶ و کذا فی لمعات التنقیح ص۱۳ ج۶ و شرح الطیبی ص۲۱۶ ج۶۔

نکاح کے اصطلاحی معنیٰ

اصطلاح میں نکاح اور اُس عقد اور معاہدہ کو کہتے ہیں جو نا محرم مرد اور نا محرم عورت کے درمیان ہوتا ہے جس سے ان دونوں کے درمیان میاں بیوی کا خاص تعلق قائم اور حلال ہو جاتا ہے۔ (۱)

نکاح کی عظمت اور اہمیت

تمام احکام میں دو حکم ایسے ہیں جو حضرت آدمؑ سے لے کر جنت تک ہیں ایک ایمان دوسرے نکاح۔ چنانچہ ایمان لانے کا حکم حضرت آدمؑ کی شریعت سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تک ہے یہاں تک کہ ایمان جنت میں بھی ہوگا، کیونکہ کوئی کافر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے جنت میں نہیں جاسکتا۔ اسی طرح نکاح بھی حضرت آدمؑ کی شریعت سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سمیت تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شریعتوں میں جائز اور مشروع ہے بلکہ نکاح جنت میں بھی ہوگا۔ چنانچہ جنتیوں کا حوروں کے ساتھ نکاح ہونا قرآن وحدیث میں جگہ جگہ مذکور ہے اور احادیثِ طیبہ میں ایک جنتی مرد کے نکاح میں ستر ستر حوروں کا آنا مذکور ہے اور از روئے حدیث جنتی مرد کے نکاح میں دنیا کی عورتوں میں سے دو عورتوں کا ہونا ثابت ہے بہر حال تمام شریعتوں میں نکاح کی شرائط اور جزوی احکام اگرچہ مختلف رہے ہیں لیکن فی نفسہٖ نکاح کا حکم تمام شریعتوں میں موجود ہے۔ اور بغیر اس خاص معاہدہ کے یعنی نکاح کے مرد وعورت کا باہم جماع کرنا زنا اور حرام ہے اور سخت حرام ہے۔ جو کسی بھی شریعت اور مذہب میں جائز نہیں یہ بات نکاح کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ (۲)

نکاح کے چند فوائد

نکاح میں بے شمار فوائد ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:۔

۱ ... نکاح کرنے سے انسان کی شہوت اعتدال میں آجاتی ہے جس کی وجہ سے جنسی گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے اور آدمی کے لئے عفیف اور پاکدامن بننا سہل ہو جاتا ہے اور عفت وپاکدامنی شریعت میں مطلوب ہے۔

---

(۱) لمعات التنقیح ص۸ ج۶ اور فتح الملہم ج ص

(۲) مظاہر حق جدید ج۳ ص۲۳۷۔

۲ ... نکاح کے ذریعے نیک اولاد حاصل ہوتی ہے۔ جو دنیا کی زندگی میں انسان کی نیک نامی کا باعث اور زندگی کا سہارا ہوتی ہے۔ اور صدقہ جاریہ بن کر آخرت میں بڑے اجر و ثواب کا باعث ہوتی ہے۔ نکاح کے بغیر اس نعمت کا حصول ممکن نہیں۔

۳ ... نکاح کرنے سے ایک نیا گھر آباد ہوتا ہے جس کو ''شادی خانہ آبادی'' کہا جاتا ہے جو میاں بیوی کے لئے اطمینان وسکون کا باعث ہوتا ہے اور انسان کی خوشگوار زندگی کا بہترین ذریعہ ہے۔

۴ ... نکاح کے ذریعہ آدمی کا قبیلہ اور کنبہ وجود میں آتا ہے جو دنیا میں اُس کے لئے عزت وقوت کا باعث ہوتا ہے پھر اگر آدمی ان کے حقوق ادا کرے تو آخرت میں بھی نیکی کا باعث ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ کا سبب ہے۔ جس کی احادیث میں ترغیب آئی ہے۔

۵ ... اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اہل وعیال کے حقوق ادا کرنے ان کی پرورش کرنے، ان کی ایذاؤں پر صبر کرنے سے آدمی کا نفس مجاہدہ کا عادی بنتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ دنیاوی زندگی میں بآسانی مزید عبادات وطاعات کا پابند ہوسکتا ہے۔ جس پر اجر وثواب ہے۔ (۱)

نکاح کا حکم اور اس کے درجات

حنفی مذہب میں مجموعی طور سے نکاح کے پانچ درجات ہیں:

۱ ... فرض۔ ۲ ... واجب۔ ۳ ... سنت مؤکدہ۔

۴ ... مکروہ۔ ۵ ... حرام۔

۱ ... نکاح کرنا اس شخص پر فرض ہے جس میں شہوت کا اس قدر غلبہ ہو کہ گناہ میں مبتلا ہونے کا یقین ہو اور اس میں بیوی کا نان ونفقہ اور مہر ادا کرنے کی استطاعت ہو اور اس پر ظلم وستم نہ کرنے کا یقین ہو۔

۲ ... نکاح کرنا اس شخص پر واجب ہے جس کو گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو اور بیوی کا نان ونفقہ اور مہر کی ادائیگی پر قادر ہو۔

۳ ... سنتِ مؤکدہ اس شخص کے لئے ہے جس کی شہوت اعتدال میں ہو یعنی گناہ سے بچ بھی سکتا ہو اور گناہ میں مبتلا بھی ہوسکتا ہو بیوی کا مہر اور نان ونفقہ اس میں ادا کرنے کی استطاعت ہو

(۱) فتح الملهم ج٦ ص٣١٦ و مظاهر حق جديد ج٣ ص٢٢٧۔

اکثر احادیث جیسے "النکاح من سنتی" اور اربع من سنن المرسلین وغیرہ میں اسی مسنون درجے کا ذکر ہے۔

۴ ... نکاح کرنا مکروہ اس شخص کے لئے ہے جو نکاح کرنے کی استطاعت تو رکھتا ہے لیکن بیوی پر ظلم وستم ڈھانے کا اندیشہ ہو اور اس کے حقوق ادا نہ کرنے کا خطرہ ہو۔

۵ ... نکاح کرنا اس شخص پر حرام ہے جس کو نکاح کرنے کے بعد بیوی پر ظلم وستم ڈھانے کا اور اس کے حقوق واجبہ ادا نہ کرنے کا یقین ہو کیونکہ ظلم وستم حرام ہے اور جو اس کا ذریعہ بنے وہ بھی حرام ہے اس لئے نکاح بھی حرام ہے۔

ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے حالات کا جائزہ لے اور جو صورت ہو اس کے مطابق عمل کرے۔(۱)

نکاح افضل ہے یا عبادت

جن صورتوں میں نکاح کرنا فرض یا واجب یا سنت مؤکدہ نہیں ہے وہاں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی نکاح کرے اور نفلی عبادتیں کم کرے۔ دوسرا یہ کہ نکاح نہ کرے اور جتنا وقت نکاح کے حقوق ادا کرنے میں لگے وہ نفلی عبادات میں لگائے اس کا کیا حکم ہے؟ تو واضح ہو کہ دونوں طریقے جائز ہیں لیکن حنفیہ کے نزدیک نکاح کرنا افضل ہے۔ شوافع کے نزدیک نکاح نہ کرنا افضل ہے اس باب کی اکثر احادیث حنفیہ کی تائید کرتی ہیں اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی پیروی بھی ہے۔(۲)

نکاح کے چند مستحبات

کتاب النکاح میں آنے والی احادیث میں نکاح کے مستحبات بھی آرہے ہیں اس لئے اُن میں سے چند مستحبات یہاں لکھے جاتے ہیں تاکہ اُن کا سمجھنا اور عمل کرنا آسان ہو۔

۱ ... مستحب ہے کہ جس عورت سے نکاح کرنا ہو ایک نظر اُس کو دیکھ لے تاکہ بعد میں ندامت نہ ہو۔

۲ ... مستحب ہے کہ بیوی شوہر سے عمر میں کم ہو، شان وشوکت میں کم ہو اور مالداری میں بھی کم ہو تاکہ شوہر کو اپنا غلام اور تابع نہ بنائے۔

۳ ... مستحب ہے کہ عورت خوبصورتی میں شوہر سے زیادہ ہو اور سنجیدگی، حلم وادب اور وقار وتحمل میں

(۱) فتح الملهم ج٦ ص٣٢١ ومرقاة ج٦ ص١٨٦

(۲) حوالہ بالا

شوہر بیوی سے زیادہ ہو۔

۴ ... اور مستحب ہے کہ بیوی کنواری ہو۔

۵ ... مستحب ہے کہ نکاح علانیہ ہو دونوں طرف کے اولیاء و بزرگ حضرات کسی مقام یا مسجد میں جمع ہوں اور جمعہ کے دن زیادہ مجمع میں نکاح ہو۔ (۱)

باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه اليه...الخ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، ...(الى قوله)... عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ :كُنْتُ أَمْشِي مَعَ عَبْدِ اللهِ بِمِنًى، فَلَقِيَهُ عُثْمَانُ، فَقَامَ مَعَهُ يُحَدِّثُهُ، فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ :يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَلَا نُزَوِّجُكَ جَارِيَةً شَابَّةً، لَعَلَّهَا تُذَكِّرُكَ بَعْضَ مَا مَضَى مِنْ زَمَانِكَ، قَالَ :فَقَالَ عَبْدُ اللهِ :لَئِنْ قُلْتَ ذَاكَ، لَقَدْ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ ،(ص۴۴۸، سطر:۱۰ تا ص۴۴۹ سطر:۱)

تشریح

قوله : عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، (ص۴۴۸، سطر:۱۱)

یہ سند اصح الاسانید ہے۔ (۲)

قوله : يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، (ص۴۴۸، سطر:۱۱)

یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی کنیت ہے۔ (۳)

قوله : أَلَا نُزَوِّجُكَ جَارِيَةً شَابَّةً، (ص۴۴۸، سطر:۱۱،۱۲)

حضرت عثمانؓ نے یہ اس لئے فرمایا ہوگا کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی حالت بہت خراب وخستہ دیکھی تھی، اس پر انہوں نے نکاحِ ثانی کی ترغیب دی تاکہ آرام وراحت کا پچھلا زمانہ تازہ ہوجائے اور لوٹ آئے۔ (۴)

---

(۱) ماخذہ مظاہر حق جدید ج۳ ص۲۳۹۔

(۲) فتح الملهم ج٦ ص ۳۲۲

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) فتح الملهم ج٦ ص۳۲۳۔

قوله : لَئِنْ قُلْتَ ذَاکَ، (ص۴۴۸،سطر:۱۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جس طرح آپ نے نکاح کرنے کی ترغیب دی اسی طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ترغیب دی ہے اور پھر یہ حدیث بیان فرمائی۔

قوله : یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، (ص۴۴۹،سطر:۱)

معشر ایسی جماعت کو کہتے ہیں جس میں کوئی خاص وصف پایا جائے جیسے "یا معشر النساء" اے عورتوں کی جماعت اس میں عورت ہونیکا ایک خاص وصف پایا جاتا ہے "یا معشر الرجال" اے مردوں کی جماعت اس میں مرد ہونے کا ایک خاص وصف ہے "یا معشر الجن" اے جنوں کی جماعت اس میں جن ہونے کی ایک خاص صفت پائی جاتی ہے اسی طرح "یا معشر الشیوخ" اے مشائخ کی جماعت اس میں مشیخت کا ایک خاص وصف ہے، اسی طرح یا معشر الشباب اے جوانوں کی جماعت اس میں جوان ہونا ایک خاص وصف ہے، بہر حال معشر ایسی جماعت کو کہتے ہیں جس میں کوئی خاص وصف پایا جائے۔[۱]

الشباب یہ شابٌ کی جمع ہے اس کی جمع شبّان اور شببۃ بھی آتی ہے اور شب یشب شبابا باب ضرب سے آتا ہے جس کے معنٰی ہیں جوان ہونا اور شاب کے معنٰی جوان کے ہیں۔[۲]

جوانی کی آخری حد

جوانی کی ابتداء بالغ ہونے سے شروع ہوتی ہے ختم کب ہوتی ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

حضرت امام [۳] نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی آخری حد ۳۰ سال ہے پھر بڑھاپا شروع ہوتا ہے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی آخری حد ۴۰ سال ہے۔[۴]

قوله : اَلْبَاءَ ۃ (ص۴۴۹،سطر:۱)

الباء ۃ کو چار لغات پر پڑھا جاتا ہے:

---

(۱) مرقاۃ ج۶ ص۱۸۶۔

(۲) فتح الملہم ج۶ ص۳۲۳، ومرقاۃ ج۶ ص۱۸۶۔

(۳) شرح نووی ج۱ ص۴۴۸۔

(۴) مرقاۃ [illegible]

۱ ... باءۃ یعنی باء کے بعد الف ہے اس میں مد ہے اور پھر گول ۃ ہے۔ یہی اس کی فصیح اور مشہور ومعروف لغت ہے۔

۲ ... باءٓ اس میں مد تو ہے لیکن آخر میں گول تاء نہیں ہے یعنی باءٓ۔

۳ ... باہٗ اس میں مد نہیں لیکن آخر میں ہ ہے اسی سے ایک لفظ قوتِ باہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنٰی ہیں مردانہ طاقت۔

۴ ... باھتۃ اس کو بغیر مد کے اور آخر میں ایک ہاء اور ایک تاء ہے۔ (۱)

اَلْبَاءَ ۃُ کے دو معنٰی آتے ہیں۔　۱ ... نکاح　۲ ... جماع

اس کے حقیقی معنٰی جماع کے آتے ہیں اور یہ نکاح کے معنٰی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں حدیث شریف میں اس لفظ سے پہلے مضاف محذوف ہے وہ ہے مؤنۃ الباءۃ ای المھرو النفقۃ اس کے معنٰی ہیں تم میں سے جس میں نکاح کرنے کی قدرت ہو یعنی بیوی کا مہر ادا کرنے اور اس کا نان ونفقہ برداشت کرنیکی استطاعت ہو تو وہ نکاح کرلے۔ (۲)

نکاح کے دو بڑے فائدے

حضور ﷺ نے اس حدیث میں نکاح کرنے کے دو بڑے فائدے ذکر فرمائے ہیں:

قولہ : أَغَضُّ لِلْبَصَرِ،　(ص۴۴۹، سطر:۱)

اس کے معنٰی ہیں اخفض اور ادفع، یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کے معنٰی ہیں زیادہ پست کرنے والا ہے نظر کو۔ یہ باب نصر سے آتا ہے غض یغض غضا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:۔

"قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ" (۳)

''مومن مردوں سے کہدو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں"

یعنی نکاح کرنا نگاہ کو نیچے کرنے اور چھپانے کا بڑا ذریعہ ہے یعنی اس سے بدنظری کے گناہ سے آدمی بآسانی بچ سکتا ہے۔

قولہ : أَحْصَنُ لِلْفَرْجِ،　(ص۴۴۹، سطر:۱)

---

(۱) مرقاۃ المصابیح ص۱۸۶ ج۶۔

(۲) مرقاۃ المصابیح ج۶ص ۱۸۶۔

(۳) سورۂ نور آیت نمبر ۲۹۔

یہ احفظ کے معنٰی میں ہے۔ اور باب افعال سے ہے۔ اس کے معنٰی ہیں پاکدامن ہونا اسی سے محصَن ہے۔ جو پاک دامن مرد کو کہتے ہیں۔ اور پاک دامن عورتوں کو محصنات کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ نکاح کرنے میں دو بڑے بڑے فائدے ہیں ایک تو نکاح کرنے کی وجہ سے آدمی اپنی نگاہ کو غلط جگہ ڈالنے سے بآسانی بچا سکتا ہے دوسرے بدکاری سے بھی بچ سکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نکاح کرنے سے شہوت اعتدال میں آجاتی ہے اور اگر اس کا تقاضا بھی ہو تو اس کو پورا کرنے کا حلال ذریعہ موجود ہوتا ہے اس لئے اپنے آپ کو عفیف اور پاکدامن بنانا آسان ہے اس لئے نکاح کرنا چاہئے لیکن جس میں نکاح کرنے کی استطاعت نہ ہو یعنی جس میں بیوی کے مہر اور نان ونفقہ ادا کرنے کی قدرت نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ روزے رکھے۔ کیونکہ یہ اس کے لئے شہوت توڑنے کا ذریعہ ہے۔

قولہ : وِجَاءٌ، (ص۴۴۹، سطر:۱)

اس کے اصلی معنٰی آتے ہیں خصیتین کو کچلنا کیونکہ خصیتین شہوت کا مرکز ہیں خصیتین سے شہوت ابھرتی ہے جب ان کو کچل دیا جائے تو شہوت ختم ہو جاتی ہے[1] جیسے بکرے کو جب خصی کر دیا جائے تو اس کی شہوت ختم ہو جاتی ہے اور روزے رکھنے سے بھی یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے یعنی روزے رکھنے سے آدمی نامرد تو نہیں ہوتا اور نہ ہی خصیتین ختم ہوتے ہیں لیکن آدمی کی شہوت قابو میں آجاتی ہے۔ اور یہی مقصود ہے۔ اس لئے حدیث پاک میں ایسے شخص کے لئے کثرت سے روزے رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔

قولہ : فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، (ص۴۴۹، سطر:۱)

اس میں علی لزوم کے لئے ہے۔ جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایک دو روزے رکھنا کافی نہیں۔ شہوت کو اعتدال میں لانے کے لئے مسلسل روزہ رکھنا ضروری ہے۔ جب کوئی شخص مسلسل روزے رکھے گا تو اس کی شہوت میں اعتدال آجائے گا۔ اور آپ کا یہ ارشاد استحباب کے درجہ میں ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ہر غیر شادی شدہ جوان کے لئے روزہ رکھنا واجب ہے۔ لہٰذا اگر وہ بغیر روزے رکھے اپنی شہوت کو قابو میں کرلے یا مختلف غذائیں یا دوائیں استعمال کر کے اس کو اعتدال میں رکھے تو یہ بھی جائز ہے۔ روزہ رکھنا ہی ضروری نہیں کیونکہ مقصود اصلی اپنے آپ کو جنسی گناہوں سے بچانا ہے۔ اور جس

---

(۱) شرح النووی ج۱ ص۴۴۸۔

طرح بھی ہو عفیف اور پاکدامن رہتا ہے۔ (۱)

۹۰۷۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ...(الى قوله)... عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ :دَخَلْتُ أَنَا وَعَمِّي عَلْقَمَةُ، وَالْأَسْوَدُ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: وَأَنَا شَابٌّ يَوْمَئِذٍ، فَذَكَرَ حَدِيثًا رُئِيتُ أَنَّهُ حَدَّثَ بِهِ مِنْ أَجْلِي، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ، وَزَادَ قَالَ :فَلَمْ أَلْبَثْ حَتَّى تَزَوَّجْتُ، (ص۴۴۹ سطر ۶، ۷و۸)

تشریح

قوله : رُئِيتُ أَنَّهُ حَدَّثَ (ص۴۴۹، سطر:۷)

اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے اور بعض نسخوں میں رایت ہے دونوں طرح درست ہے۔ پہلی صورت میں اس کے معنٰی ہیں میرا گمان ہے۔ دوسری صورت میں اسکے معنٰی ہیں مجھے علم ہے۔ یعنی یقین ہے کہ انہوں نے یہ حدیث میری خاطر سنائی تاکہ میں نکاح کرلوں چنانچہ میں نے نکاح کرلیا۔ جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں صراحت ہے۔ (۲)

۹۰۹۔ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْعَبْدِيُّ، (الى قوله) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلُوا أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَمَلِهِ فِي السِّرِّ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ :لَا أَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ :لَا آكُلُ اللَّحْمَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ :لَا أَنَامُ عَلَى فِرَاشٍ، فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ .فَقَالَ :مَا بَالُ أَقْوَامٍ قَالُوا كَذَا وَكَذَا؟ لَكِنِّي أُصَلِّي وَأَنَامُ، وَأَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي (ص۴۴۹، سطر:۹ تا ۱۱)

تشریح

قوله : نَفَرًا (ص۴۴۹، سطر:۹)

یہ لفظ تین سے نو تک افراد کے لئے بولا جاتا ہے جیسے "رهط" تین سے دس افراد پر بولا جاتا ہے۔ اس حدیث میں تین حضرات سے حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ مراد ہیں۔ (۳)

(۱) مأخذه فتح الملهم ج٦ ص٣٢٥۔

(۲) فتح الملهم ج٦ ص٣٢٨۔ شرح النووى ج١ ص٢٢٩۔

(۳) فتح الملهم ج٦ ص٣٢٨۔

قوله : عَنْ عَمَلِهِ فِي السِّرِّ؟ (ص۴۴۹، سطر:۱۰)

اس میں سِرّ سے گھر کی عبادت مراد ہے۔ یعنی مذکورہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے معمولات اور گھر کی عبادات جاننا چاہتے تھے تا کہ گھر اور گھر سے باہر کی عبادت جو انہیں پہلے سے معلوم تھی اُس کے مطابق عمل کر سکیں۔ گھر کی عبادت اور گھر کے معمولات معلوم کرنے کے بعد اُن میں سے ایک صحابی نے فرمایا کہ میں آئندہ عورتوں سے نکاح نہ کروں گا کیونکہ نکاح کی وجہ سے عبادت میں خلل آتا ہے دوسرے نے فرمایا کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا یعنی لذت والی چیزوں سے پرہیز کروں گا۔ تیسرے نے فرمایا کہ میں نرم بستر پر نہ سوؤں گا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنے کے بعد فرمایا۔ ان لوگوں کو کیا ہوا جنہوں نے ایسا ایسا کرنے کو کہا ہے دیکھو! میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں لہٰذا جو شخص میرے طریقے اور میری سنت سے اعراض کرے گا یعنی میرے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے گا وہ مجھ سے نہیں۔

خلاصہ یہ کہ عبادت کے لئے خود کو فارغ کرنے سے نکاح کرنا افضل ہے۔ (۱)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،...(الى قوله)... عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، قَالَ: رَدَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ التَّبَتُّلَ، وَلَوْ أَذِنَ لَهُ لَاخْتَصَيْنَا. (ص۴۴۹، سطر:۱۱تا۱۳)

تشریح

حدیث شریف کا مطلب

حضرت عثمانؓ بن مظعون بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ انہوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح نہ کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔ کہ آپ مجھے نکاح نہ کرنیکی اجازت دے دیں تا کہ جو وقت بچے خالص یادِ الٰہی میں صرف کروں، آپ نے ان کو ترکِ نکاح کی اجازت نہیں دی، تو حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں۔ اگر آپ اُن کو نکاح نہ کرنیکی اجازت دے دیتے تو ہم بھی خصی ہو جاتے تا کہ زیادہ سے زیادہ عبادت کر سکیں۔

مرد کا خصی ہونا حرام ہے

حضرت سعد بن وقاصؓ نے جو فرمایا کہ ہم بھی خصی ہو جاتے یہ انہوں نے بطورِ مبالغہ کے فرمایا

(۱) فتح الملهم ج٦ ص ٣٣٠

ہے۔ ورنہ اُن کا مقصدِ اصلی خصی ہونا نہیں تھا، کیونکہ خصی ہونا حرام ہے۔ جو تغییر خلق اللّٰہ میں داخل ہے اور تغییر خلق اللّٰہ حرام ہے اسی لئے کسی مرد کا خصی ہونا ناجائز اور حرام ہے۔

جانور کو خصی کرنا جائز ہے

حیوانات کو بضرورت خصی کرنا جائز ہے۔ جیسے بکرا، بیل، بھیڑ، دنبہ اور اونٹ وغیرہ اس سے ان کا گوشت اچھا ہو جاتا ہے اور یہ اُن میں خوبی ہے نہ کہ عیب لہٰذا بوقتِ ضرورت جانوروں کو خصی کرنا جائز ہے لیکن انسانوں کو خصی کرنا ناجائز اور حرام ہے۔[1]

قولہ : اَلتَّبَتُّلَ، (ص ۴۴۹، سطر: ۱۳)

یہ باب تفاعل سے ہے۔ اور مجرد میں یہ باب ضرب سے آتا ہے چنانچہ بتل یبتل بتلا کے اصلی معنیٰ ہیں "عورتوں سے الگ ہونا" اور ان سے نکاح نہ کرنا۔[2]

قرآنِ کریم میں ہے:

"وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا "[3]

ترجمہ

"اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور سب سے الگ ہو کر اسی کے ہو رہو۔

رہبانیت خلافِ فطرت ہے

بہر حال اس لفظِ تبتُّل سے ترکِ نکاح مراد ہے اور ترکِ نکاح عیسائیوں کے ہاں رہبانیت کا حصہ ہے جو ان کے یہاں اعلیٰ درجے کا عمل سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ ان کے یہاں تقویٰ ہے، کیونکہ ان کا مذہب یہ تھا کہ جو آدمی دنیا کی لذتوں اور عورتوں سے نفع اٹھانا ترک کردے اور عبادت میں لگ جائے تو یہ بڑا اونچا عمل ہے لیکن حقیقت میں یہ طریقہ درست نہیں کیونکہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقے کے اور فطرت کے خلاف ہے۔ لہٰذا رہبانیت خلاف فطرت ہے۔ اور دینِ اسلام فطرت کے مطابق ہے چنانچہ نکاح کرنا فطرت میں داخل ہے۔ اور انبیاء کرامؑ کی سنت ہے۔ لہٰذا افضل یہ ہے کہ آدمی نکاح کرے۔ چاہے فرض و واجب نہ ہو اور بیوی بچوں کے ساتھ رہے اور پھر عبادت بھی کرے یہ فطرت

---

(۱) فتح الملهم ص ۳۳۱، ج٦ و مرقاة ج٦ ص ۱۸۷۔

(۲) مرقاة ج٦، ص ۱۸۷ وشرح النووی ج۱ ص ٤٤٩۔

(۳) سورۂ مزمل۔۸۔

کے مطابق ہے۔اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

باب ندب من رای امرأة فوقعت فی نفسہ الخ (ص:۴۴۹)

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، ...(الی قوله)... عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى امْرَأَةً، فَأَتَى امْرَأَتَهُ زَيْنَبَ، وَهِيَ تَمْعَسُ مَنِيئَةً لَهَا، فَقَضَى حَاجَتَهُ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى أَصْحَابِهِ، فَقَالَ :إِنَّ الْمَرْأَةَ تُقْبِلُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ، وَتُدْبِرُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ، فَإِذَا أَبْصَرَ أَحَدُكُمْ امْرَأَةً فَلْيَأْتِ أَهْلَهُ، فَإِنَّ ذَلِكَ يَرُدُّ مَا فِي نَفْسِهِ. (ص۴۴۹،سطر:۱۶تا۱۸)

تشریح

قوله : تَمْعَسُ مَنِيئَةً لَهَا، (ص۴۴۹،سطر:۱۷)

المعسُ کے معنٰی ملنے کے ہیں اور المنیئة میں میم پر فتحہ اور نون پر کسرہ ہے اسکے بعد ھمزہ ممدودہ ہے اور یہ کبیرة کے وزن پر ہے" اس چمڑے کو کہتے ہیں جسے رنگنے کے لئے برتن میں ڈالدیا جائے۔[1] یعنی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت چمڑہ رنگ رہی تھیں۔

قوله : تُدْبِرُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ، (ص۴۴۹،سطر:۱۷)

اس حدیث میں عورت کے آنے جانے کی شیطان کی طرف نسبت کی گئی ہے کیونکہ عورت کے گھر سے نکلنے کی صورت میں شیطان مردوں کے دلوں میں گناہ اور برائی کے وسوسے ڈالتا ہے۔اور گناہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اس لئے امام نوویؒ نے فرمایا کہ خواتین بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں اور لباسِ فاخرہ استعمال نہ کریں اور مرد حضرات قصداً ان کی طرف نہ دیکھیں تاکہ شیطان کا ان کو گمراہ کرنے کا موقع نہ ملے۔[2]

قوله : فَلْيَأْتِ أَهْلَهُ، (ص۴۴۹،سطر:۱۸)

ای لیجامع حلیلته یعنی تاکہ وہ اپنی بیوی سے جماع کرے۔

قوله : فَإِنَّ ذَلِکَ يَرُدُّ مَا فِي نَفْسِهِ (ص۴۴۹،سطر:۱۸)

یعنی شیطان نے کسی نامحرم عورت کو دیکھنے اور اس کو پسند کرنے کی صورت میں دل میں گناہ کا

(۱) فتح الملھم ۳۳۳، ج۶۔

(۲) شرح النووی ج۱ ص۴۴۹۔

جو وسوسہ ڈالا تھا، اپنی بیوی کے پاس جانے اور حلال طریقہ اختیار کرنے سے وہ جاتا رہے گا۔[1]

باب نكاح المتعة وبيان انه ابيح ثم نسخ...الخ (ص:۴۵۰)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ الْهَمْدَانِيُّ، ...(الى قوله)...عَنْ قَيْسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ، يَقُولُ كُنَّا نَغْزُو مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَيْسَ لَنَا نِسَاءٌ، فَقُلْنَا :أَلَا نَسْتَخْصِي؟ فَنَهَانَا عَنْ ذَلِكَ، ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا أَنْ نَنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ إِلَى أَجَلٍ، ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللّٰهِ : "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ" (ص۴۵۰، سطر:۲ تا ۴)

تشریح

قوله : لَيْسَ لَنَا نِسَاءٌ، (ص۴۵۰، سطر:۳)

یعنی ہمارے ساتھ عورتیں نہیں تھیں اور ہمیں ان کی خواہش تھی۔

قوله : أَلَا نَسْتَخْصِي؟ (ص۴۵۰، سطر:۳)

یعنی ہم شہوت کے گناہ سے اور شیطان کے وسوسہ سے سے بچنے کے لئے خصی نہ ہو جائیں۔

قوله : فَنَهَانَا عَنْ ذَلِكَ، (ص۴۵۰، سطر:۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کو خصی کرنا جائز نہیں حرام ہے۔[2]

قوله : أَنْ نَنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ (ص۴۵۰، سطر:۳)

اس سے متعہ مراد ہے۔ اور متعہ ایک خاص وقت جیسے پانچ دن، دس دن یا ایک ماہ کے لئے نکاح کرنے کا نام ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:۔

۱ ... لفظ تمتع وغیرہ کے ذریعے نکاح کرنا، جیسے یوں کہنا "اتمتع بك يوما أو شهرا" وغیرہ اور عورت قبول کرلے۔

۲ ... نکاح یا تزوج کے الفاظ کے ساتھ نکاح کرنا۔ مثلاً: اتزوجت بك أو نكحت يوما أو شهراً اور عورت قبول کرلے۔ نکاح کی یہ دونوں صورتیں حرام وناجائز ہیں۔

(۱) فتح الملہم ص ۳۳٤ ج٦۔

(۲) فتح الملہم ج٦ ص ۳۳۵۔

متعہ کی شروع اسلام میں عارضی طور پر اجازت ہوئی تھی پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور قیامت تک کے لئے حرام ہوگیا۔[1] ذیل میں اس کی کچھ وضاحت کی جاتی ہے۔

متعہ کا مسئلہ

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ نے پہلے وہ احادیثِ طیبہ بیان فرمائی ہیں جن میں نکاحِ متعہ کی اجازت مذکور ہے۔ پھر وہ احادیثِ مبارکہ ذکر فرمائی ہیں جن سے اس کا منسوخ ہونا اور ہمیشہ کے لئے حرام ہونا واضح ہوتا ہے۔

متعہ کے بارے میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں:۔

۱ ... متعہ کے لغوی معنٰی اور اصطلاحی معنٰی۔

۲ ... متعہ اور نکاحِ موقت میں فرق۔

۳ ... متعہ حرام ہے اور اس کی حرمت ادلۂ اربعہ سے ثابت ہے۔

۴ ... روافض کے نزدیک متعہ جائز ہے اور ان کے دلائل کا جواب۔

متعہ کے لغوی معنٰی

متعہ کے لغوی معنٰی ہیں فائدہ اٹھانا اور نفع حاصل کرنا استمتاع متعہ سے بنا ہے اس کے معنٰی بھی نفع اٹھانے کے آتے ہیں۔[2]

متعہ کے اصطلاحی معنٰی

کوئی مرد کسی عورت سے کسی متعینہ مدت کے لئے کہے "اتمتع بك بمدة كذا او لثلاثة او سبعة ايام" وغیرہ اور عورت اس کو قبول کرلے تو اس کو متعہ کہتے ہیں۔

اس میں مدت کی تعیین ضروری نہیں ہے لیکن عام طور پر اس کو ذکر کردیا جاتا ہے حنفیہ کے نزدیک اس میں (م، ت، ع) کے مادے سے کوئی صیغہ بولنا ضروری ہے جیسے "اتمتع بك أو استمتع" دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔[3]

---

(۱) فتح الملھم ص ۳۳۷ ج ٦ شرح النووی ج ۱ ص ۴۵۰۔

(۲) مرقاة ج ٦ ص ۲۱۳۔

(۳) لمعات ج ٦ ص ٤٦۔

نکاحِ مؤقت کی تعریف

نکاحِ مؤقت وہ نکاح ہے جو باقاعدہ نکاح ہو لیکن ایک معینہ مدت کے لئے ہو جیسے کوئی شخص کسی عورت سے دو گواہوں کے سامنے کہے "میں نے تجھ سے ایک مہینہ کے لئے ایک ہزار روپے کے عوض نکاح کیا" اور عورت اُسے قبول کرے تو یہ نکاحِ مؤقت ہے ــــ اس میں نکاح کی مدت مقرر ہوتی ہے، گواہ بھی ہوتے ہیں مہر بھی ہوتا ہے۔

نکاحِ متعہ اور نکاحِ مؤقت میں فرق

نکاحِ متعہ اور نکاحِ مؤقت میں ۳ فرق ہیں:۔

۱ ... متعہ میں گواہ نہیں ہوتے، مؤقت میں گواہ کا ہونا ضروری ہے۔

۲ ... متعہ میں وقت کی تعیین ضروری نہیں مؤقت میں ضروری ہے۔

۳ ... متعہ میں (م، ت، ع) کے مادے سے کوئی صیغہ جیسے اتمتع بلٹ وغیرہ کے الفاظ کا ہونا ضروری ہے جبکہ نکاحِ مؤقت میں باقاعدہ نکاح کے الفاظ کے ساتھ ایجاب وقبول ہوتا ہے۔

نکاحِ مؤقت کا حکم

نکاح مؤقت ائمہ اربعہؒ اور جمہورؒ کے نزدیک باطل ہے سوائے امام زفرؒ کے کہ ان کے نزدیک جائز ہے اور جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نکاحِ مؤقت کرنے سے ہمیشہ کے لئے نکاح ہو جائے گا۔ اور اس میں جو وقت مقرر کیا تھا وہ باطل ہو جائے گا۔ [1]

متعہ کا حکم

حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ راجح یہ ہے کہ دو مرتبہ متعہ حلال ہوا اور دو مرتبہ حرام ہوا اور دوسری مرتبہ قیامت تک کے لئے حرام ہو گیا۔ [2]

۱ ... غزوۂ خیبر سے پہلے بوقتِ ضرورت متعہ جائز تھا۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر حرام کر دیا گیا اور اس موقع پر پالتو گدھا بھی حرام کر دیا گیا البتہ جنگلی گدھا حلال ہے۔

۲ ... فتحِ مکہ اور غزوۂ اوطاس کے موقع پر ضرورت کی وجہ سے تین دن کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) فتح الملهم ج٦ ص ٢٣٥ ومرقاة ص ٢١٥ ج٦۔

(۲) شرح النووی ج١ ص ٤٥٠۔

نے اس کی اجازت دی تھی اور تین دن کے بعد قیامت تک کے لئے متعہ حرام کر دیا گیا لہٰذا اب نکاحِ متعہ حرام ہے اور اس کی حرمت کتابُ اللہ سے، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماعِ امت اور قیاس چاروں سے ثابت ہے۔

متعہ کی حرمت کتابُ اللہ سے

کتابُ اللہ میں مؤمنین کی صفات کے ذیل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ"(۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شہوت پوری کرنے کے صرف دو طریقے جائز ہیں۔

۱ ... بیوی ہونا۔ ۲ ... باندی ہونا۔

متعہ ان میں سے کسی میں بھی داخل نہیں کیونکہ جو شخص کسی عورت سے متعہ کرنا چاہتا ہے وہ عورت اس کی باندی نہیں کیونکہ آج کل شرعی باندی کا کوئی وجود نہیں جو بالکل واضح بات ہے اور وہ بیوی بھی نہیں کیونکہ متعہ میں نکاح کے لوازمات نہیں پائے جاتے۔ مثلاً اس میں نکاح کا لفظ نہیں ہوتا، گواہ نہیں ہوتے۔ مہر نہیں ہوتا۔ دونوں میں سے کوئی مر جائے تو ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوتا۔ اور جب یہ نکاح نہیں تو وہ عورت جس سے متعہ کیا جائے وہ بیوی نہیں۔ لہٰذا جب یہ نہ بیوی ہے اور نہ باندی ہے تو اس سے شہوت پوری کرنا جائز نہیں لہٰذا مذکورہ آیت کا آخری حصہ" فاولئك هم العادون "میں داخل ہونے کی بناء پر متعہ حرام ہے۔

متعہ کی حرمت سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

احادیثِ متواترہ، صحیحہ اور صریحہ سے اس کی حرمت ثابت ہے جیسے متعدد حدیثیں مسلم شریف کے اس باب کے آخر میں موجود ہیں مثلاً صفحہ ۴۵۲ پر حدیث سبرۃؓ عن ابیہ اور حضرت علیؓ کی حدیث اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث یہ سب صحیح احادیث ہیں جو بخاری میں بھی ہیں اور متعہ کے حرمت پر صریح ہیں۔

متعہ کی حرمت اجماع سے

متعہ کی حرمت پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع ہے البتہ صحابۂ کرامؓ میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ اور حضرت عبد اللہؓ بن مسعود ابتداء میں اسکو حلال سمجھتے تھے بعد میں انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا

---

(۱) سورۂ مومنون آیت:۴۔

اور وہ بھی متعہ کو حرام کہتے تھے۔ (۱)

متعہ کی حرمت قیاس سے

قیاس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ متعہ حرام ہو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس میں نسب کا اختلاط پایا جاتا ہے کیونکہ جب تمتع کرنے والا مرد عورت سے صحبت کرے گا اور صحبت کے نتیجے میں حمل ٹھیرے گا تو بچہ کا کس ہوگا؟ اس عورت کے خاوند کا یا متعہ کرنے والے کا؟ اور اسلام میں نسب کی حفاظت کی بڑی اہمیت ہے اور اس کے لئے سخت احکام دیئے گئے ہیں اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ متعہ حرام ہو۔

بہر حال ان چار دلائلِ شرعیہ کی رو سے اہل سنت والجماعت کے نزدیک متعہ حرام ہے۔ (۲)

روافض کے نزدیک متعہ کا جائز ہونا

روافض کے نزدیک متعہ جائز ہے وہ کہتے ہیں کہ متعہ نہ صرف جائز بلکہ معاذ اللہ بڑے ثواب کا کام ہے۔

روافض کے دلائل

پہلی دلیل: قرآنِ کریم کی آیت

"فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ" (۳)

ترجمہ

"یعنی تم ان عورتوں سے فائدہ اٹھالو اس اجرت کے بدلے میں جو تم نے ان کو دی"

اس آیت میں استمتاع متعہ سے ہے اور "اجور" سے مراد اجرت ہے یعنی جو شخص کسی عورت سے نفع اٹھائے وہ اس کی اجرت عورت کو ادا کرے لہٰذا آیت سے معلوم ہوا کہ متعہ کرنا جائز ہے۔

دوسری دلیل: احادیث

ان کی دوسری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وہ روایات ہیں جن میں متعہ کے حلال ہونے

---

(۱) شرح النووی ص ۴۵۰ ج ۱

(۲) فتح الملهم ج ۶ ص ۳۴۲۔

(۳) سورة النور: ۳۳۔

کا ذکر ہے جن کا ذکر اس باب کی شروع کی احادیث میں ہے۔

روافض کے دلائل کا جواب

آیت کا جواب

اس آیت کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ''استمتاع'' سے مراد نکاح اور ''اجور'' سے مراد مہر ہے کیونکہ اس آیت کے سیاق وسباق میں نکاح کا ذکر ہے اور اجور کا لفظ مہر پر بولا جاتا ہے چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے:

"فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ"(۱)

لہٰذا یہاں اجور سے مراد اجرت نہیں بلکہ مہر مراد ہے جو منافعِ بضعہ کا عوض ہے لہٰذا اس آیت کے معنٰی ہیں ''تم عورتوں سے منافعِ بضع حاصل کرو بعوض مہر کے'' لہٰذا اس آیت سے متعہ کا جائز ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

احادیث کا جواب

حضرت عبداللہ بن عباسؓ شروع میں اس کو جائز سمجھتے تھے پھر انہوں نے رجوع فرمالیا تھا اس لئے ان کے سابقہ رجوع کئے ہوئے مؤقف سے استدلال کرنا درست نہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شروع اسلام میں متعہ جائز تھا بعد میں قرآنی آیت "إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ" نے اس کو حرام کردیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا:

"کل فرج سواھما فھو حرام"

لہٰذا جس مؤقف سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے رجوع فرمالیا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔

بہر حال احادیثِ صحیحہ، متواترہ میں متعہ کی حرمت صراحۃً موجود ہے اس کو چھوڑ کر منسوخ احادیث اور مرجوع عنہ اقوال سے استدلال کرنا درست نہیں لہٰذا روافض کا مؤقف باطل ہے اور بلاشبہ متعہ حرام ہے ــــ روافض پر تعجب ہے کہ وہ حضرت علیؓ کو اپنا امام مانتے ہیں اور حضرت علیؓ نے متعہ سے سختی سے منع فرمایا ہے اور اس کو حرام قرار دیا ہے مگر وہ پھر بھی وہ ان کی بات نہیں مانتے۔(۲)

---

(۱) سورۂ نساء: ۲۴

(۲) فتح الملھم ج۶ ص۳٤۳ بزیادۃ ومرقاۃ ج۶ ص۲۱۳۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،...(الی قوله)... عَنْ إِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :رَخَّصَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ أَوْطَاسٍ، فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا، ثُمَّ نَهَى عَنْهَا. (ص۴۵۱،سطر:۶،۷)

تشریح

قوله : عَامَ أَوْطَاسٍ، (ص۴۵۱،سطر:۷)

اوطاس یہ ایک وادی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کے باہر طائف کے قریب ایک وادی ہے جہاں غزوۂ اوطاس ہوا تھا۔(۱)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ الْجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ سَبْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ :أَذِنَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُتْعَةِ، فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَرَجُلٌ إِلَى امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي عَامِرٍ، كَأَنَّهَا بَكْرَةٌ عَيْطَاءُ، فَعَرَضْنَا عَلَيْهَا أَنْفُسَنَا، فَقَالَتْ :مَا تُعْطِي؟ فَقُلْتُ: رِدَائِي، وَقَالَ صَاحِبِي: رِدَائِي، وَكَانَ رِدَاءُ صَاحِبِي أَجْوَدَ مِنْ رِدَائِي، وَكُنْتُ أَشَبَّ مِنْهُ، فَإِذَا نَظَرَتْ إِلَى رِدَاءِ صَاحِبِي أَعْجَبَهَا، وَإِذَا نَظَرَتْ إِلَيَّ أَعْجَبْتُهَا، ثُمَّ قَالَتْ :أَنْتَ وَرِدَاؤُكَ يَكْفِينِي، فَمَكَثْتُ مَعَهَا ثَلَاثًا، ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِنْ هَذِهِ النِّسَاءِ الَّتِي يَتَمَتَّعُ، فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهَا. (ص۴۵۱،سطر:۷تا۱۰)

تشریح

قوله : بَكْرَةٌ عَيْطَاءُ، (ص۴۵۱،سطر:۸)

بکرہ کے معنٰی ہیں جوان اور طاقتور، اور عیطاء میں عین پر فتحہ ہے اس کے معنٰی ہیں "لمبی گردن والی اور معتدل اور حسین جسم والی عورت"۔(۲)

۹۲۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْدَرِيُّ، ...(الی قوله)... عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ، أَنَّ أَبَاهُ، غَزَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتْحَ مَكَّةَ، قَالَ: فَأَقَمْنَا بِهَا خَمْسَ عَشْرَةَ -ثَلَاثِينَ بَيْنَ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ- فَأَذِنَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مُتْعَةِ النِّسَاءِ، فَخَرَجْتُ أَنَا وَرَجُلٌ مِنْ قَوْمِي، وَلِي عَلَيْهِ

---

(۱) لمعات ج ص ٤٦

(۲) فتح الملهم ج ٦ ص ٣٤١

الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سَبْعِ سِنِينَ، وَزُفَّتْ إِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ، وَلُعَبُهَا مَعَهَا، وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانَ عَشْرَةَ. (ص۴۵۶،سطر:۵)

تشریح

قوله : وَزُفَّتْ إِلَيْهِ (ص۴۵۶،سطر:۶)

یہ زفاف سے مجہول کا صیغہ ہے یعنی مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔

قوله : وَلُعَبُهَا مَعَهَا، (ص۴۵۶،سطر:۶)

یہ لعبۃ کی جمع ہے۔ کھیلنے کی چیز کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے گڑیا مراد ہیں جن سے لڑکیاں کھیلتی ہیں بتانا یہ مقصود ہے کہ اُس وقت میں نو عمر لڑکی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا اور منع نہیں فرمایا۔ اسی لئے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اولاد کی تربیت اور لڑکیوں کو امورِ خانہ داری کی تعلیم دینے کے لئے گڑیوں سے کھیلنا جائز ہے۔ رہی یہ بات کہ جاندار کی تصویر بنانا جائز نہیں اس کے کئی جواب ہیں:

ایک یہ کہ یہ تصویر کشی کے حکم سے مستثنیٰ ہے یا حرمتِ تصویر کا حکم آنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ یا وہ سادہ گڑیاں ہونگی جن کی آنکھیں، کان، منہ نہ ہونگے یا وہ گڑیاں بہت چھوٹی ہوں گیں جو ممانعت کے حکم میں نہیں۔ (۱)

لیکن آج کل کے جو گڈے گڑیاں پلاسٹک وغیرہ کے ہوتے ہیں، جن کی آنکھیں، ناک اور منہ بہت واضح اور نمایاں ہوتے ہیں ان کا بنانا بیچنا اور ان سے کھیلنا جائز نہیں۔ الّا یہ کہ ان کا منہ مٹا دیا جائے۔ (۲)

باب استحباب التزوج وتزويج في شوال

واستحباب الدخول فيه (ص:۴۵۶)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،...(الى قوله)...عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَوَّالٍ، وَبَنَى بِي فِي شَوَّالٍ، فَأَيُّ

(۱) شرح النووی ۴۵۶ ج ۱

(۲) ماخذہ تصویر کے شرعی احکام

نِسَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَحْظَى عِنْدَهُ مِنِّي؟ ، قَالَ :وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَسْتَحِبُّ أَنْ تُدْخِلَ نِسَاءَهَا فِي شَوَّالٍ. (ص۴۵۶،سطر۸تا۱۰)

قوله : تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَوَّالٍ، (ص۴۵۶،سطر:۹)

''شوال'' شول سے مشتق ہے جس کے معنٰی اٹھانے اور زائل کرنے کے ہیں مراد ہلاک ہونا ہے۔

اہلِ عرب شوال کے مہینہ میں نکاح کرنے کو منحوس سمجھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ شوال میں ہونے والی شادی میں میاں بیوی میں لڑائی، جھگڑے ہونگے اور ایک دوسرے سے نفرت ہوگی اور بالآخر شادی ٹوٹ کر ختم ہوجائے گی۔ حضرت عائشہؓ نے اہل عرب کے اس خیال کی تردید فرمائی اور اس کا غلط اور بے بنیاد ہونا بتلایا۔ لہٰذا حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ شوال میں میرا نکاح ہوا۔ شوال میں میری رخصتی ہوئی اور مجھے کوئی نقصان نہ ہوا بلکہ دیگر ازواج کی بنسبت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ تھی۔ اسی لئے حضرت عائشہؓ شوال میں نکاح کرنے کو مستحب فرماتی تھیں۔ (۱)

باب ندب النظر من اراد نكاح امراة الى ...الخ (ص:۴۵۶)

۹۹۱۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ،...(الى قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ تَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَنَظَرْتَ إِلَيْهَا؟ ، قَالَ :لَا، قَالَ : فَاذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا، فَإِنَّ فِي أَعْيُنِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا. (ص۴۵۶،سطر:۱۱،۱۲)

تشریح

قوله : أَنَّهُ تَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، (ص۴۵۶،سطر:۱۲)

یہاں تزوج سے منگنی کرنا یا نکاح کا ارادہ کرنا مراد ہے۔ اس وقت منگیتر کو ایک نظر دیکھ لینا مستحب ہے کیونکہ نکاح کرنے کے بعد عورت کو دیکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ (۲)

قوله : فَانْظُرْ إِلَيْهَا، (ص۴۵۶،سطر:۲)

اس میں ایک نظر عورت کو دیکھنے کا حکم استحباب کے لئے ہے ضروری نہیں۔ (۳)

(۱) فتح الملهم ج٦ ص٣٩١۔

(۲) فتح الملهم ج٦ ص٣٩٢۔

(۳) حوالا بالا۔

منسوبہ کو ایک نظر دیکھنے کا حکم

سوال: نکاح سے پہلے منسوبہ کو دیکھنا کیسا ہے؟

جواب: اس میں حضرات فقہاء کرامؒ کا اختلاف ہے۔ اصحابِ ظاہر کے نزدیک ناجائز ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک مخطوبہ کی اجازت سے ایک نظر دیکھنا جائز ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور جمہورؒ فقہاء کے نزدیک ایک نظر دیکھنا مطلقاً جائز ہے۔ اور حضرت امام نوویؒ نے فرمایا کہ اگر کسی وجہ سے مخطوبہ کو دیکھنا ممکن نہ ہو تو خواتین کے ذریعے مخطوبہ کے حالات اور اس کی کیفیت معلوم کر کے اطمینان کر لینا بہتر ہے ــــــ احناف اور جمہور کے دلائل اس باب کی احادیثِ طیبہ ہیں جن میں مخطوبہ کو نکاح سے پہلے ایک نظر دیکھنے کی صراحۃً اجازت مذکور ہے۔[1]

ہمارے زمانہ میں بعض جگہ یہ رواج ہے کہ نکاح سے پہلے شادی کرنیوالے مرد و عورت کو آمنے سامنے بٹھایا جاتا ہے اور بے حجابانہ ملاقات کرائی جاتی ہے یہ ناجائز ہے۔

قولہ: فَإِنَّ فِي أَعْيُنِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا... (ص۴۵۶، سطر:۱۲)

یعنی انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ خرابی ہے جس کو انسانی طبیعت ناپسند کرتی ہے انصار کی عورتوں کی آنکھوں میں خرابی کی شارحین نے چند وجوہ ذکر کی ہیں مثلاً یا تو ان کی آنکھیں چھوٹی ہونگی یا ان میں نیلا پن ہوگا یا پیلا پن ہوگا۔[2]

ایک اشکال اور جواب

سوال: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی عورتوں کو کیسے دیکھا ہوگا حالانکہ وہ نامحرم تھیں؟ شارحین نے اس کے چند جوابات دیئے ہیں:۔

۱ ... آپ نے انصار کی عورتوں کو مردوں پر قیاس فرمایا ہوگا۔ کیونکہ عموماً ایک قبیلہ کے مرد جیسے ہوتے ہیں ویسی ہی عورتیں ہوتی ہیں۔

۲ ... بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا۔

۳ ... ازواجِ مطہرات کے ذریعہ علم ہوگیا ہوگا۔

۴ ... پردے کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا یہ واقعہ ہوگا۔

---

(۱) فتح الملهم ج۶ ص۳۹۳۔

(۲) شرح النووی ج۱ ص۴۵۶۔

۵ ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انصار کی عورتوں کو دیکھنا آپ کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ آپ امت کے حق میں بمنزلہ باپ کے ہیں جیسے باپ اپنی بیٹیوں کو دیکھ سکتا ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی عورتوں کو دیکھ سکتے ہیں اس پر کوئی دوسرا شخص اپنے آپ کو قیاس نہیں کر سکتا۔ لہٰذا کوئی اشکال کی بات نہیں۔ (۱)

۹۹۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، ...(الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :هَلْ نَظَرْتَ إِلَيْهَا؟ فَإِنَّ فِي عُيُونِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا قَالَ :قَدْ نَظَرْتُ إِلَيْهَا، قَالَ :عَلَى كَمْ تَزَوَّجْتَهَا؟ قَالَ: عَلَى أَرْبَعِ أَوَاقٍ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :عَلَى أَرْبَعِ أَوَاقٍ؟ كَأَنَّمَا تَنْحِتُونَ الْفِضَّةَ مِنْ عُرْضِ هَذَا الْجَبَلِ، مَا عِنْدَنَا مَا نُعْطِيكَ، وَلَكِنْ عَسَى أَنْ نَبْعَثَكَ فِي بَعْثٍ تُصِيبُ مِنْهُ ، قَالَ :فَبَعَثَ بَعْثًا إِلَى بَنِي عَبْسٍ بَعَثَ ذَلِكَ الرَّجُلَ فِيهِمْ. (ص۴۵۷، سطر:۱تا۴)

تشریح

قوله : عَلَى أَرْبَعِ أَوَاقٍ، (ص۴۵۷، سطر:۲) یہ اوقیہ کی جمع ہے۔ اور ایک اوقیہ ۴۰ درہم کا ہوتا ہے۔

قوله : كَأَنَّمَا تَنْحِتُونَ الْفِضَّةَ (ص۴۵۷، سطر:۳) یعنی تم چاندی چھیلتے اور ٹکڑے کرتے ہو۔ (۲)

قوله : مِنْ عُرْضِ هَذَا الْجَبَلِ، (ص۴۵۷، سطر:۳)

عرض میں عین پر ضمہ ہے۔ اس کے معنیٰ جانب اور کونے کے ہیں۔ (۳)

علامہ قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس میں زیادہ مہر مقرر کرنے کی مطلقاً ممانعت نہیں کیونکہ ازواج مطہرات اور بنات طاہراتؓ کا مہر پانچ اوقیہ چاندی تھی یعنی پانچ سو درہم ان کا مہر تھا۔ (۴)

(۱) فتح الملهم ج٦ ص٣٩٣۔

(۲) فتح الملهم ج٦ ص٣٩٣۔

(۳) شرح النووی ج١ ص٤٥٧۔

(٤) المفهم للامام القرطبیؒ ج٤ ص١٢٦۔

اس حدیث شریف میں جس کا ذکر ہے وہ غریب آدمی تھا اس لئے اس کو تنبیہ فرمائی کہ تم نے اتنا زیادہ مہر کیوں مقرر کیا؟ کہ اس کی ادائیگی کے لئے تمہیں سوال کرنا پڑا۔

اس حدیث کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فی الحال میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ نہیں البتہ جب ہم تمہیں کسی لشکر میں بھیجیں گے تو اس کے مال غنیمت میں سے تمہارے حصہ مین جو مال آئے اس کے ذریعے مہر ادا کر دینا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح فرمایا تھا ویسے ہی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبیلہ بنوعبس پر حملہ کرنے کے لئے لشکر کے ساتھ بھیجا اور اس کے مالِ غنیمت میں سے ان کو بھی حصہ ملا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان کے مہر کی ادائیگی کا مسئلہ حل ہو گیا۔ فللہ الحمد

باب الصداق وجواز کونہ تعلیم القرآن (ص:۴۵۷)

مہر کا بیان

صداق صاد کے فتحہ کے ساتھ زیادہ فصیح ہے جیسے صحاف اور کسرہ کے ساتھ پڑھنا بھی صحیح اور مشہور ہے جیسے کتاب، صداق کی جمع صدوق آتی ہے جیسے کتاب کی جمع کتب آتی ہے۔ اس کے لغوی معنٰی ہیں مہر۔ اور مہر بھی عربی زبان کا لفظ ہے اس کی جمع مہور آتی ہے۔ اور مہر کے لئے صدقہ کا لفظ بھی آتا ہے جیسے قرآنِ کریم میں ہے:۔ "وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً"(۱)

اور اصطلاحِ شرع میں مہر اس مال کو کہتے ہیں جو شوہر بیوی سے حقوقِ زوجیت حاصل کرنے کے عوض میں ادا کرتا ہے۔

مہر کی دو قسمیں

مہر کی دو قسمیں ہیں:۔

۱ ... مہرِ مسمّٰی ۲ ... مہرِ مثل

مہرِ مسمّٰی:۔ وہ مہر ہے جو میاں بیوی کے درمیان باہمی رضامندی سے با قاعدہ طے اور مقرر ہو مثلاً بیس ہزار روپے وغیرہ مہر میں مقرر ہوں۔ اس کو مہرِ مسمّٰی کہتے ہیں۔

مہرِ مثل:۔ اگر میاں بیوی کے درمیان مہر کی کوئی مقدار مقرر نہ ہو یا بغیر مہر کے نکاح ہو تو ایسی

---

(۱) سورۃ النساء آیت ٤۔

صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔ اور مہر مثل وہ مہر ہوتا ہے جو بیوی کے والد کے خاندان کی اُس جیسی دیگر عورتوں کا مہر ہو۔ جو عمر میں حسن و جمال میں، حسن اخلاق میں، باکرہ اور ثیبہ ہونے میں، ہم عمر ہونے میں برابر ہوں جو مہران کا ہوگا وہی اس لڑکی کا ہوگا جو شوہر کے ذمہ واجبُ الاداء ہوگا۔ (۱)

مہر کی شرعی مقدار

اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔ مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار کی شرعاً کوئی حد مقرر نہیں۔ میاں بیوی جو مقدار طے کرلیں گے شوہر پر اس کا ادا کرنا واجب ہوگا تاہم شوہر کو اتنا زیادہ مہر مقرر نہیں کرنا چاہئے جس کو وہ ادا نہ کرسکے لیکن اگر ایسا مہر مقرر کرلے گا تو لازم ہوجائے گا۔ اور درمیانے درجہ کا مہر مہرِ فاطمی ہے اور وہ مسنون بھی ہے۔ اور مہر فاطمی وہ ہے جو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اکثر بیٹیوں اور بیویوں کا مقرر فرمایا تھا اور وہ ۵۰۰ درہم ہے جس کے لئے اس باب کی حدیث عائشہؓ میں جو ص ۴۵۸ سطر ۲ اور ۳ میں ہے ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی کا ذکر آیا ہے اور ایک اوقیہ ۴۰ درہم کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے ۵۰۰ درہم کا وزن تولہ، ماشہ کے وزن کے اعتبار سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی بنتا ہے۔ اور یہ مسنون ہے۔ اگر وسعت ہو تو اس کو مقرر کرنا مستحب ہے۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل ہوجائے۔ (۲)

البتہ حضرت ام حبیبہؓ کا مہر اس سے زیادہ تھا کیونکہ ان کا نکاح حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے کیا تھا۔ اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر ۴۰۰۰ درہم مقرر کیا تھا۔ اور خود ادا کیا تھا۔ (۳)

مہر کی کم سے کم مقدار

مہر کی کم سے کم مقدار میں اختلاف ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کم سے کم مہر کی مقدار ۱۰ درہم ہے۔ اس سے کم نہیں ہوسکتا اور اس کا وزن دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے گویا پونے تین تولہ چاندی کم سے کم مہر ہے اور کوئی اس سے کم مہر مقرر کرے گا تو اتنا ہی مہر اس کے ذمہ واجبُ الاداء ہوگا۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ چوتھائی دینار کم سے کم مہر ہے اس سے کم مہر نہیں ہوسکتا

(۱) لمعات ج۶ ص۸۲ ورد المحتار ج۳ ص۱۰۱۔

(۲) شرح النووی ج۱ ص۴۵۸۔

(۳) مرقاۃ ج۶ ص۲۳۳۔

حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ کم سے کم جو چیز مال ہوسکتا ہو وہ مہر بھی سکتا ہے بلکہ اگر مال بھی نہ ہو تو صرف قرآن کی تعلیم ہو تو یہ بھی مہر بن سکتا ہے یہاں تک کہ شوہر کا اسلام لانا بھی مہر بن سکتا ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا استدلال اس حدیث باب سے ہے، جس میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فالتمس ولو خاتما من حدید" اور "انظر ولو خاتما من حدید"

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ لوہے کی انگوٹھی بالکل معمولی چیز ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرنے کا ارادہ فرمایا اور جب ان کے پاس یہ بھی نہیں تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی تعلیم کے بدلے ان کا نکاح کردیا۔ اور قرآنِ کریم کی تعلیم کو ان کا مہر بنادیا۔ اسی طرح ان کی دلیل حدیثِ جابرؓ بھی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من اعطی فی صداق امراته ملا کفیه سویقا او تمراً فقد استحل" (مشکوٰۃ شریف)(۱)

اور حدیث عامر بن ربیعہ جس میں بنوفزارہ کی ایک عورت نے جوتوں کے جوڑوں پر نکاح کرلیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھنے کے بعد اجازت دیدی۔ اسی طرح حضرت ابوطلحہؓ نے حضرت ام سلیمؓ سے اسلام لانے پر نکاح کیا۔ اور مہر میں اسلام لانا مقرر کیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی چیزوں پر نکاح کرنے کی اجازت دیدی لہٰذا کم سے کم مال پر نکاح ہوسکتا ہے اور وہ مہر بن سکتا ہے۔

حضرت امام مالکؒ کی دلیل "حدیث المجن" ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ڈھال کے عوض میں نکاح ہوا اور ڈھال کی قیمت ربع دینار ہے لہٰذا چوتھائی دینار کم سے کم مہر ہوسکتا ہے اس سے کم نہیں اور نیز وہ حدِ سرقہ سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ کم سے کم چوتھائی دینار کی مالیت کے برابر مال چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے اس سے کم مال چوری کرنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ لہٰذا مہر کی کم سے کم مقدار ربع دینار ہے۔(۲)

---

(۱) مشکوٰۃ: ج۲ ص۲۷۷۔

(۲) لمعات ج۶ ص۸۲۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ قرآنِ کریم اور حادیثِ طیبہ سے استدلال کرتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں ایک جگہ یہ ہے:-

"وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ"(۱)

اور دوسری آیت میں ہے:

"وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا"(۲)

"قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا"(۳)

اس آیت میں فرضنا مجمل ہے اور باموالکم میں مال کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے جس کی وجہ سے تشریح ضروری ہے قرآنِ کریم کی شرح حدیث ہے اور حدیث میں حضرت ابن مسعودؓ سے دارِ قطنی اور بیہقی میں روایت ہے:

"لا مهر اقل من عشرة دراهم"(۴)

یعنی دس درھم سے کم مہر نہیں ہوسکتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کم سے کم مہر دس درہم ہے اور ما فرضنا سے مراد دس درہم ہے اور ہاتھ کاٹنے کے بارے میں بھی حضرت علیؓ کی ایک روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ

"لاتقطع اليد فی اقل عشرة دراهم"(۵)

یعنی دس درھم سے کم پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

ہاتھ جسم کا ایک عضو ہے جو کم سے کم دس درھم چوری کرنے پر کاٹا جاسکتا ہے اس سے کم پر نہیں کاٹا جائے گا اور عورت سے حقوقِ زوجیت حاصل کرنے کا محل بھی ایک عضو ہے جب شوہر اس سے فائدہ اٹھانے کا مالک بنے تو کم سے کم دس درھم واجب ہونے چاہئیں۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چوتھائی دینار دس درہم کے برابر ہوتا تھا۔لہٰذا

---

(۱) النساء:۲٤۔

(۲) النساء:۲۰۔

(۳) الأحزاب:۵۰

(٤) سنن الدار قطنی باب المهر رقم الحديث: ۳٦٥۰۔

(٥) مصنف عبد الرزاق رقم الحديث: ۱۸۹۵۰۔

چوتھائی دینار کہا جائے یا ۱۰ درہم دونوں کا حکم ایک ہے۔ حدیثِ علیؓ میں ۱۰ درہم کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں بھی ۱۰ درہم کا ذکر ہے۔ لہٰذا احناف اور مالکیہ میں اختلاف کوئی بڑا اختلاف نہیں۔

حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ نے جن روایات سے استدلال کیا ہے ان کے دو جواب ہیں:

(۱) ... یہ تمام احادیث مہرِ معجّل پر محمول ہیں۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ مہر رخصتی کے وقت دینے کا معمول تھا اور باقی مہر بعد میں دیا جاتا تھا۔ لہٰذا ان احادیث میں تھوڑی سی چیز دینے کا ذکر ہے اُس سے مہرِ معجّل مراد ہے باقی مہر مراد نہیں جو بعد میں دیا جاتا تھا۔ یا ان احادیث سے مراد پہلی ملاقات کے وقت دیا جانے والا تحفہ ہے۔ جسے آج کل منہ دکھائی کہا جاتا ہے۔ اس سے اصل مہر کی نفی نہیں ہوتی وہ بعد میں دینا ہی ہوتا ہے۔

(۲) ... بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ شروع اسلام میں مہر کی کم سے کم مقدار تھی پھر آہستہ آہستہ اس میں اضافہ ہوتا گیا پہلے لوہے کی انگوٹھی بھی مہر بن سکتی تھی، پھر چوتھائی دینار مقرر ہوئی۔ اس طرح مہر کی مقدار بڑھتے بڑھتے ۱۰ درہم مقرر ہوگئی۔ اس لئے ۱۰ درہم سے کم والی احادیث سے استدلال کرنا درست نہیں۔ (۱)

۹۹۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ الثَّقَفِيُّ، ...(الی قوله)... عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، قَالَ :جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، جِئْتُ أَهَبُ لَكَ نَفْسِي، فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيهَا وَصَوَّبَهُ، ثُمَّ طَأْطَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ، فَلَمَّا رَأَتِ الْمَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئًا جَلَسَتْ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا، فَقَالَ :فَهَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَ :لَا، وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ :اذْهَبْ إِلَى أَهْلِكَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا؟ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ :لَا، وَاللهِ، مَا وَجَدْتُ شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :انْظُرْ وَلَوْ خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ ، فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ: لَا، وَاللهِ، يَا رَسُولَ اللهِ، وَلَا خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ، وَلَكِنْ هَذَا إِزَارِي -قَالَ سَهْلٌ:

(۱) فتح الملہم ج٦ ص٣٩٦۔

مَا لَهُ رِدَاءٌ -فَلَهَا نِصْفُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ؟ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ، وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ ، فَجَلَسَ الرَّجُلُ، حَتَّى إِذَا طَالَ مَجْلِسُهُ قَامَ، فَرَآهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوَلِّيًا، فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَ :مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ :مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا -عَدَّدَهَا -فَقَالَ :تَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ؟ قَالَ :نَعَمْ، قَالَ :اذْهَبْ فَقَدْ مُلِّكْتَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، الحديث. (ص۴۵۷،سطر:۴تا۱۰)

تشریح

قوله : جِئْتُ أَهَبُ لَکَ نَفْسِي، (ص۴۵۷،سطر:۵)

اس میں ھبہ کرنے کے حقیقی معنٰی مراد نہیں ہیں کیونکہ آزاد عورت کی ذات کا کوئی شخص مالک نہیں ہوسکتا بلکہ مراد یہ ہے کہ میں آپ سے بغیر مہر کے نکاح کرتی ہوں اور ھبہ کے لفظ سے بغیر مہر کے نکاح درست ہونا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

"خَالِصَةً لَّکَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ"(۱)

جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیش کرتی اور انی وھبت نفسی لك کہتی تو آپ کو اس کو قبول کرنا جائز ہوتا تھا اور آپ پر اس کا مہر واجب نہیں ہوتا۔ لیکن امت کے کسی شخص کا وھبت وغیرہ کے الفاظ سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے نکحت یا تزوجت وغیرہ کے الفاظ بولنے ضروری ہیں۔ اور مہر بہر صورت واجب ہوگا۔ (۲)

اپنی ذات ھبہ کرنے سے نکاح کا حکم

سوال: کسی عورت کا وھبت نفسی لك کہنے سے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: احنافؒ کے نزدیک اگر کوئی عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ کے ساتھ نکاح کرے تو نکاح ہوجائے گا اور مہر واجب نہیں ہوگا اور یہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے عام مسلمان اگر اس طرح نکاح کریں گے۔ اور مہر کا ذکر نہ ہو تو نکاح ہوجائے گا لیکن مہر

---

(۱) سورۂ احزاب: ۵۰

(۲) فتح الملهم ج٦ ص٣٩٤ و مرقاة ج٦ ص٢٤٣

مثل واجب ہوگا۔

حضراتِ شوافع کے نزدیک ان الفاظ سے نکاح منعقد ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اگر عام آدمی ان الفاظ سے نکاح کرے گا۔ تو نکاح ہی منعقد نہ ہوگا ـــــ خلاصہ یہ کہ احناف کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ان الفاظ سے بلا مہر نکاح ہونا ہے۔ اور شوافع کے نزدیک ان الفاظ سے نکاح ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ (۱)

قولہ : فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيهَا (ص۴۵۷، سطر:۵)

اس میں صعد کے عین پر اور صوبہ کے واو پر تشدید ہے اور فتحہ ہے مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے اوپر سے نیچے تک اس عورت پر نظر ڈالی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس عورت سے نکاح کرنا ہو تو اس سے نکاح کرنے میں غور و فکر کرنا درست ہے۔ (۲)

قولہ : ثُمَّ طَأْطَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ، (ص۴۵۷، سطر:۶)

یعنی آپ نے سر جھکایا اور خاموشی اختیار فرمائی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن نسائی شریف کی روایت میں ہے کہ آپ نے اس خاتون سے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے مجھے تم سے نکاح کرنے کی فی الحال کوئی حاجت نہیں ہے۔

قولہ : فَقَدْ مُلِّكْتَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ، (ص۴۵۷، سطر:۱۰)

بعض نسخوں میں ملکتکھا ہے یعنی دو کاف کے ساتھ ہے اور دوسری روایت میں ''زوجتکھا'' ہے یعنی جتنا تمہیں قرآنِ کریم یاد ہے اس کی وجہ سے میں نے تمہارا نکاح کر دیا۔ (۳)

قرآنِ کریم کی تعلیم مہر بن سکتی ہے یا نہیں؟

احناف کے نزدیک تعلیم القرآن مہر نہیں بن سکتی اگر کسی نے اس طرح نکاح کر لیا تو مہرِ مثل واجب ہوگا۔

شوافع کے نزدیک تعلیم القرآن مہر بن سکتی ہے ان کی دلیل حدیث الباب میں ''بما معك من القرآن'' ہے اور ان کے نزدیک اس میں باء عوض کے لئے ہے یعنی تمہارے پاس جو قرآنِ کریم کی تعلیم

---

(۱) فتح الملهم ج٦ ص٣٩٤۔

(۲) فتح الملهم ج٦ ص٣٩٥۔

(۳) فتح الملهم ج٦ ص٤٠١۔

ہے میں نے اسکے عوض تمہارا نکاح کر دیا۔

احناف اس کے دو جواب دیتے ہیں۔

(۱) ... اس میں باء سببیت کے لئے ہے نہ کہ بدلیت کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فی الحال میں قرآنِ شریف کی وجہ سے تمہارا اس کے ساتھ نکاح کرتا ہوں اس کا جو مہر ہوگا وہ بعد میں دینا ہوگا۔

(۲) ... تعلیم القرآن کو عوض بنا کر اس کا نکاح کرنا یہ اس شخص کی خصوصیت تھی دوسروں کے لئے یہ حکم نہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کا نکاح تعلیم القراان کے عوض کیا اور فرمایا ''کہ آج کے بعد یہ حکم کسی اور کے لئے نہیں'' اور مذہب احناف کی تائید اس باب کی ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جو (ص ۴۵۷ سطر ۱۳) میں ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا:

"فقد زوجتکها فعلمها من القرآن"

اس روایت میں باءِ عوض کا ذکر نہیں ہے اس کے بغیر فرمایا کہ میں نے تمہارا نکاح کر دیا ہے۔ لہٰذا اب تم اس کو قرآنِ کریم سکھا دینا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ تعلیم القرآن مہر نہیں تھا بلکہ قرآنِ کریم کی اشاعت عام کرنے کے لئے آپ نے حکم دیا کہ یہ شخص قرآن شریف نہ جاننے والے کے مقابلے میں بہتر ہے اس لئے نکاح کر دیا تا کہ اَن پڑھ عورت کو بھی قرآن شریف پڑھنا آجائے۔ رہا مہر تو وہ بعد میں ادا کرنا ہوگا۔ [۱]

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، ...(الی قوله)...عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ، فَقَالَ :مَا هَذَا؟ قَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ: فَبَارَكَ اللهُ لَكَ، أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ. (ص۴۵۸،سطر:۳ تا ۵)

تشریح

قوله : أَثَرَ صُفْرَةٍ، (ص۴۵۸،سطر:۵)

صفرہ اس خوشبو کا نام ہے جو دلہن کی رخصتی کے وقت لگائی جاتی تھی جس میں زرد رنگ ہوتا تھا اور بعض روایات میں زعفران کا ذکر ہے اس میں بھی زردی ہوتی ہے اور اثر کے معنٰی نشان کے ہیں

(۱) فتح الملهم ج٦ ص ٤٠٢

مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زرد رنگ کی خوشبو کا نشان دیکھا۔ (۱)

قوله : عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، (ص۴۵۸،سطر:۵)

نواۃ پانچ درہم کو کہتے ہیں جیسے نش بیس درھم کا نام ہے اس سے مراد سونے کی مقدار ہے یعنی میں نے پانچ درھم کے وزن کے برابر سونے پر نکاح کیا ہے۔ (۲)

قوله : أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ (ص۴۵۸،سطر:۵)

ولیمہ ولم سے مشتق ہے جس کے معنٰی جمع ہونے کے ہیں ولیمہ کو اس لئے ولیمہ کہتے ہیں کہ اس میں میاں بیوی جمع ہوتے ہیں۔ اور اصطلاح میں ولیمہ شادی کی دعوت کو کہتے ہیں۔ اس حدیث میں اولم جو امر ہے یہ استحباب کے لئے ہے۔ یعنی ولیمہ کرنا مستحب ہے اور بعض حضرات نے سنت کہا ہے۔ تاہم شوہر کی حیثیت کے مطابق ولیمہ کرنا مستحب ہے۔ اور حدیث میں بکری کا ذکر اس لئے ہے کہ اس کے ذریعے اگر ولیمہ کرنے کی قدرت ہو تو کم از کم ایک بکری کے گوشت کے ذریعے ولیمہ کرلے ورنہ اس سے کم مقدار سے ولیمہ کرنا بھی درست ہے۔ جیسا کہ اس باب کے بعد والے باب کی اکثر احادیث میں حضرت صفیہؓ بنت حی کے ولیمہ میں کھجور، پنیر اور گھی کو ملا کر حلوہ بنانے اور اس کے ذریعے ولیمہ کرنے کا ذکر ہے۔ (۳)

باب فضيلة اعتاقه امته ثم يتزوجها (ص:۴۵۸)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا خَيْبَرَ، قَالَ :فَصَلَّيْنَا عِنْدَهَا صَلَاةَ الْغَدَاةِ بِغَلَسٍ، فَرَكِبَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكِبَ أَبُو طَلْحَةَ، وَأَنَا رَدِيفُ أَبِي طَلْحَةَ، فَأَجْرَى نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي زُقَاقِ خَيْبَرَ، وَإِنَّ رُكْبَتِي لَتَمَسُّ فَخِذَ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَانْحَسَرَ الْإِزَارُ عَنْ فَخِذِ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنِّي لَأَرَى بَيَاضَ فَخِذِ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

---

(۱) شرح النووی ج۱ ص۴۵۸۔

(۲) فتح الملهم ج٦ ص٤٠٦۔

(۳) فتح الملهم ج٦ ص٤٠٧، ٤٠٨

وَسَلَّمَ، فَلَمَّا دَخَلَ الْقَرْيَةَ، قَالَ: اللهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ "فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ"، قَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَ :وَقَدْ خَرَجَ الْقَوْمُ إِلَى أَعْمَالِهِمْ، فَقَالُوا :مُحَمَّدٌ، وَاللهِ -قَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ :وَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا : مُحَمَّدٌ، وَالْخَمِيسُ قَالَ :وَأَصَبْنَاهَا عَنْوَةً، وَجُمِعَ السَّبْيُ، فَجَاءَهُ دِحْيَةُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَعْطِنِي جَارِيَةً مِنَ السَّبْيِ .فَقَالَ :اذْهَبْ فَخُذْ جَارِيَةً ، فَأَخَذَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :يَا نَبِيَّ اللهِ، أَعْطَيْتَ دِحْيَةَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ سَيِّدِ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيرِ؟ مَا تَصْلُحُ إِلَّا لَكَ، قَالَ :ادْعُوهُ بِهَا ، قَالَ :فَجَاءَ بِهَا، فَلَمَّا نَظَرَ إِلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :خُذْ جَارِيَةً مِنَ السَّبْيِ غَيْرَهَا ، قَالَ :وَأَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا، فَقَالَ لَهُ ثَابِتٌ :يَا أَبَا حَمْزَةَ، مَا أَصْدَقَهَا؟ قَالَ :نَفْسَهَا أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا، حَتَّى إِذَا كَانَ بِالطَّرِيقِ جَهَّزَتْهَا لَهُ أُمُّ سُلَيْمٍ، فَأَهْدَتْهَا لَهُ مِنَ اللَّيْلِ، فَأَصْبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرُوسًا، فَقَالَ :مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَلْيَجِئْ بِهِ ، قَالَ :وَبَسَطَ نِطَعًا، قَالَ : فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بِالْأَقِطِ، وَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بِالتَّمْرِ، وَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بِالسَّمْنِ، فَحَاسُوا حَيْسًا، فَكَانَتْ وَلِيمَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (ص۴۵۸،سطر:۱۳ تا ص۴۵۹سطر۶)

تشریح

قوله : غَزَا خَيْبَرَ، (ص۴۵۸،سطر:۴)

اس حدیث میں غزوۂ خیبر کا ذکر ہے۔ خیبر مدینہ منورہ سے شمال مشرق میں تقریباً ۹۴ یا ۹۶ میل کے فاصلہ پر ایک شہر ہے اور اس کو خیبر اس لئے کہتے ہیں کہ یہودیوں کی زبان میں خیبر قلعہ کو کہتے ہیں اور یہاں یہودیوں کے بہت سے قلعے تھے اور دوسری وجہ خیبر کہنے کی یہ ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کا ایک آدمی سب سے پہلے آ کر آباد ہوا تھا اور اس کا نام خیبر تھا۔ اسی کے نام پر بستی کا نام خیبر پڑ گیا۔

(۱) شرح النووی ج۱ ص۴۵۸۔

(۲) فتح الملہم ج٦ ص٤٠٦۔

(۳) فتح الملہم ج٦ ص٤٠٧، ٤٠٨۔

محرم الحرام میں ۷ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابۂ کرامؓ اور ۲۰ صحابیاتؓ کے ساتھ خیبر تشریف لے گئے اور اس پر حملہ کر کے خیبر فتح کیا۔ (۱)

قوله : بِغَلَسٍ، (ص ۴۵۸، سطر: ۱۴)

اس میں غین اور لام دونوں پر فتحہ ہے۔ رات کے آخری حصہ کی تاریکی کو کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے غزوہ خیبر کے موقع پر فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں، جہاد میں یا مرض میں آدمی فجر کی نماز اول وقت میں پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ورنہ عام حالات میں احناف کے نزدیک قدرے روشنی میں فجر کی نماز پڑھنا مستحب ہے۔ (۲)

قوله : فَأَجْرَى نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص ۴۵۸، سطر: ۱۴)

یہ اجراء سے مشتق ہے جس کے معنٰی چلانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری چلائی۔ (۳)

قوله : فِي زُقَاقِ خَيْبَرَ، (ص ۴۵۸، سطر: ۱۵)

زقاق کی زاء پر ضمہ ہے اس کے معنٰی گلی کے ہیں اس کی جمع ازقة اور زقاق آتی ہے۔ (۴)

قوله : وَانْحَسَرَ الْإِزَارُ (ص ۴۵۸، سطر: ۱۵)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک سے تہبند ہٹ گیا اور میں نے آپ کی ران مبارک کی سفیدی دیکھی اور میرا گھٹنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے لگ رہا تھا۔

مرد کی ران ستر میں داخل ہے یا نہیں؟

اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے، کہ مرد کی ران ستر میں داخل ہے یا نہیں۔ امام داؤد ظاہریؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت اور بعض شوافع کے نزدیک ران ستر میں داخل نہیں۔ ان کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے۔ لیکن جمہورِ علماء حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ران ستر میں داخل ہے۔ اور جمہور کی دلیل حدیثِ جرهد اسلمیؓ ہے۔ اس میں یہ

---

(۱) عمدة القاري ج۱۸ ص ۲٤۰

(۲) فتح الملهم ج٦ ص ٤۰۹

(۳) حواله بالا

(٤) فتح الملهم ج٦ ص ٤۱۰۔

ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو ان کی ران کھلی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خَمِّرْ عَلَيْكَ فَخِذَكَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ"(۱)

اسی طرح یہ حدیث بھی ان کی دلیل ہے:

"عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ رضی الله عنه...أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -مَرَّ عَلَى مَعْمَرٍ فِي فِنَاءِ الْمَسْجِدِ مُحْتَبِيًا كَاشِفًا عَنْ فَخِذِهِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَمِّرْ فَخِذَكَ يَا مَعْمَرُ فَإِنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ"(ذكره الحيثمى فى مجمع الزوائد)

حدیث انسؓ کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں ان مین سے ایک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ گھوڑا دوڑا رہے تھے اور بھیڑ بھی تھی اس لئے غیر اختیاری طور پر ران مبارک کھل گئی تھی۔ اس لئے اس سے استدلال کرنا درست نہیں جبکہ احادیثِ بالا میں ران کو ستر فرمانا اور ڈھانپنے کا حکم دینا صاف اور واضح ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث انسؓ اس وقت کی ہے جب ران کے ستر میں داخل ہونے کا حکم نہیں آیا تھا اور حدیثِ جرھدؓ اور معمرؓ بعد کی روایات ہیں۔ جو حدیث انسؓ کے لئے ناسخ ہیں۔ اور منسوخ حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں۔(۲)

قوله: قال بعض اصحابنا والخميس　　(ص۴۵۹، سطر:۱)

اس میں خمیس کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس صورت میں واؤ عاطفہ ہوگا اور اس کا عطف ماقبل میں لفظ محمد پر ہوگا۔ اور معنٰی ہونگے کہ محمد اور لشکر آگئے۔ اور خمیس لشکر کو کہتے ہیں۔ اور اس کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس صورت میں واؤ بمعنٰی مع ہوگا۔ الخمیس مفعول معہ ہوگا۔(۳)

عنوۃ کے معنٰی لڑائی کے ہیں یعنی ہم نے خیبر لڑ کر حاصل کیا۔

اس میں اختلاف ہے کہ خیبر عنوۃً فتح ہوا یا صلحاً اس میں تین قول ہیں:۔

۱ ... صلحاً فتح ہوا۔

---

(۱) مسند احمد رقم الحديث:۱۵۹۳۱۔

(۲) مسلم شریف کی آسان شرح ج۱ ص ۱۹۰۔

(۳) فتح الملهم ج٦ ص٤١٢۔

۲ ... عنوۃً فتح ہوا۔

۳ ... کچھ صلحاً فتح ہوا کچھ عنوۃً فتح ہوا۔ ان میں تیسرا قول راجح ہے۔ [1]

قولہ : فاخذ صفية بنت حي (ص ۴۵۹، سطر: ۲)

صفیہ کے صاد پر فتحہ ہے۔ اور حی میں حاء پر ضمہ ہے۔ اور دوسری یاء پر تشدید ہے۔ حضرت صفیہؓ حضرت ہارونؑ کی اولاد میں سے ہیں جو ابوالحقیق نامی شخص کے نکاح میں تھیں۔ جو غزوۂ خیبر میں قتل ہوگیا تھا۔ [2]

حضرت صفیہ کا تعارف

خیبر میں بنونضیر اور بنوقریظہ آباد تھے۔ یہ یہودیوں کے مشہور قبیلے ہیں ان دونوں کے سردار حی ابن اخطب تھے۔ حضرت صفیہ کی بیٹی تھیں۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر انہوں نے خواب دیکھا کہ یثرب سے ایک چاند نکلا اور ان کی گود میں آگیا۔ انہوں نے یہ خواب اپنے شوہر ابوالحقیق کو سنایا تو سنتے ہیں غصہ میں اس نے ان کے چہرہ پر طمانچہ مارا جس کی وجہ سے ان کا چہرہ اور آنکھ نیلی ہوگئی اور کہا کہ تو شاہ مدینہ سے نکاح کرنا چاہتی ہے؟ مگر یہ خواب سچا تھا چنانچہ وہ فرماتی ہیں کہ شام کو دوسری عورتوں کے ساتھ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قید میں آگئیں اور مذکورہ روایت میں ہے کہ حضرت دحیہ کلبیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان قیدی عورتوں میں سے ایک عورت مجھے دے دیجئے آپ نے فرمایا لے لو۔ انہوں نے حضرت صفیہؓ کو لے لیا۔ اس کے بعد ایک شخص نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے حضرت صفیہؓ ان کو دے دیں حالانکہ وہ بنوقریظہ اور بنونظیر کے سردار کی بیٹی ہیں وہ آپ کے زیادہ لائق ہیں۔ تو آپ نے حضرت دحیہ کلبیؓ کی رضامندی سے انہیں لے لیا۔ اور ان کے بدلے انہیں دوسری عورت دے دی۔

شام کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے صفیہ! تم اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہو تو تمہیں اختیار ہے اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرلو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے میں نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرنا چاہتی ہوں۔ تو آپ نے مجھے آزاد فرما کر مجھ سے نکاح کرلیا۔ اور حضرت صفیہؓ کے خواب کی تعبیر پوری ہوگئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب زفاف

---

(۱) فتح الملهم ج٦ ص ٤١٢۔

(۲) فتح الملهم ج٦ ص ٤١٣۔

گزارنے کے بعد ان کا ولیمہ حیس سے کیا۔

حیس ایک قسم کے حلوہ کو کہتے ہیں جیسے ہمارے یہاں گاجر کا حلوہ ہوتا ہے۔ اخروٹ کا حلوہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی ان کے یہاں حیس نامی ایک حلوہ ہوتا تھا جس میں گھی، کھجور، پنیر یا پنیر نما ایک چیز ہوتی تھی جس کو اقط یا قروط کہتے تھے ان کو ملا کر بنایا جاتا تھا۔ آپ نے یہ حلوہ تیار کیا اور اس سے انکا ولیمہ فرمایا۔[1] معلوم ہوا معمولی چیز سے بھی ولیمہ ہوسکتا ہو۔

حَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ، ...(الی قوله)... كُلُّهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ، وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا، وَفِي حَدِيثِ مُعَاذٍ، عَنْ أَبِيهِ تَزَوَّجَ صَفِيَّةَ وَأَصْدَقَهَا عِتْقَهَا. (ص۴۵۹، سطر:۶ تا ۹)

تشریح

قوله : وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا، (ص۴۵۹، سطر:۹)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر مقرر فرمایا۔

آزاد ہونا مہر بن سکتا ہے یا نہیں؟

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کی آزادی کو مہر قرار دیا چنانچہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ آزاد کرنے کو مہر بنایا جاسکتا ہے اور یہ اس حدیث کی رو سے جائز ہے۔

لیکن حضرت ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک آزاد کرنے کو مہر بنانا درست نہیں۔ ان کا استدلال قرآن کریم کی اس آیت سے ہے:۔

"أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ" [2]

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کے لئے مال ہونا ضروری ہے اور آزاد کرنا کوئی مال نہیں اس لئے اس کو مہر بنانا درست نہیں اور مذکورہ بالا حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں جعل عتقها صداقها کے الفاظ حضرت انسؓ کا کلام ہے۔ جو قرآنی آیات کے مقابلے میں قابلِ استدلال نہیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آزاد کرنے کو مہر بنانا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کسی اور کے لئے اس کو مہر

---

(۱) مظاهر حق جدید ج۳ ص ۳۵۔

(۲) سورة النساء: ۲٤۔

بنانا جائز نہیں۔[1]

۱۰۰۵۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى،...(الی قوله)...عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الَّذِي يُعْتِقُ جَارِيَتَهُ، ثُمَّ يَتَزَوَّجُهَا: لَهُ أَجْرَانِ.(ص۴۶۰،سطر:۱تا۲)

قوله : لَهُ أَجْرَانِ (ص۴۶۰،سطر:۲)

یعنی جو شخص اپنی باندی کو آزاد کرے تو اس کے لئے دو اجر ہیں ایک آزاد کرنے کا، دوسرا نکاح کرنے کا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کے ساتھ یہ عمل فرمایا۔[2]

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ :كُنْتُ رِدْفَ أَبِي طَلْحَةَ يَوْمَ خَيْبَرَ، وَقَدَمِي تَمَسُّ قَدَمَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :فَأَتَيْنَاهُمْ حِينَ بَزَغَتِ الشَّمْسُ وَقَدْ أَخْرَجُوا مَوَاشِيَهُمْ، وَخَرَجُوا بِفُئُوسِهِمْ، وَمَكَاتِلِهِمْ، وَمُرُورِهِمْ، فَقَالُوا :مُحَمَّدٌ، وَالْخَمِيسُ، قَالَ :وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ "فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ"، قَالَ :وَهَزَمَهُمُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَوَقَعَتْ فِي سَهْمِ دِحْيَةَ جَارِيَةٌ جَمِيلَةٌ، فَاشْتَرَاهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعَةِ أَرْؤُسٍ، ثُمَّ دَفَعَهَا إِلَى أُمِّ سُلَيْمٍ تُصَنِّعُهَا لَهُ وَتُهَيِّئُهَا -قَالَ :وَأَحْسِبُهُ قَالَ -وَتَعْتَدُّ فِي بَيْتِهَا، وَهِيَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ، قَالَ :وَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِيمَتَهَا التَّمْرَ وَالْأَقِطَ وَالسَّمْنَ، فُحِصَتِ الْأَرْضُ أَفَاحِيصَ، وَجِيءَ بِالْأَنْطَاعِ، فَوُضِعَتْ فِيهَا، وَجِيءَ بِالْأَقِطِ وَالسَّمْنِ فَشَبِعَ النَّاسُ، قَالَ: وَقَالَ النَّاسُ :لَا نَدْرِي أَتَزَوَّجَهَا، أَمِ اتَّخَذَهَا أُمَّ وَلَدٍ؟ قَالُوا :إِنْ حَجَبَهَا فَهِيَ امْرَأَتُهُ، وَإِنْ لَمْ يَحْجُبْهَا فَهِيَ أُمُّ وَلَدٍ، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَرْكَبَ حَجَبَهَا، فَقَعَدَتْ عَلَى عَجُزِ الْبَعِيرِ، فَعَرَفُوا أَنَّهُ قَدْ تَزَوَّجَهَا، فَلَمَّا دَنَوْا مِنَ الْمَدِينَةِ، دَفَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى

(۱) مرقاۃ ج۶ ص۲۵۱ توضیحات ج۵ ص۱۴۹۔

(۲) شرح النووی ج۱ ص ۴۶۰۔

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَدَفَعْنَا، قَالَ: فَعَثَرَتِ النَّاقَةُ الْعَضْبَاءُ، وَنَدَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَدَرْتُ، فَقَامَ فَسَتَرَهَا، وَقَدْ أَشْرَفَتِ النِّسَاءُ، فَقُلْنَ :أَبْعَدَ اللهُ الْيَهُودِيَّةَ، قَالَ :قُلْتُ :يَا أَبَا حَمْزَةَ، أَوَقَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ :إِي وَاللهِ، لَقَدْ وَقَعَ قَالَ أَنَسٌ: وَشَهِدْتُ وَلِيمَةَ زَيْنَبَ، فَأَشْبَعَ النَّاسَ خُبْزًا وَلَحْمًا، وَكَانَ يَبْعَثُنِي فَأَدْعُو النَّاسَ، فَلَمَّا فَرَغَ قَامَ وَتَبِعْتُهُ، فَتَخَلَّفَ رَجُلَانِ اسْتَأْنَسَ بِهِمَا الْحَدِيثُ، لَمْ يَخْرُجَا فَجَعَلَ يَمُرُّ عَلَى نِسَائِهِ، فَيُسَلِّمُ عَلَى كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ :سَلَامٌ عَلَيْكُمْ، كَيْفَ أَنْتُمْ يَا أَهْلَ الْبَيْتِ؟ فَيَقُولُونَ :بِخَيْرٍ يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ وَجَدْتَ أَهْلَكَ؟ فَيَقُولُ :بِخَيْرٍ ، فَلَمَّا فَرَغَ رَجَعَ، وَرَجَعْتُ مَعَهُ، فَلَمَّا بَلَغَ الْبَابَ، إِذَا هُوَ بِالرَّجُلَيْنِ قَدِ اسْتَأْنَسَ بِهِمَا الْحَدِيثُ، فَلَمَّا رَأَيَاهُ قَدْ رَجَعَ قَامَا فَخَرَجَا، فَوَاللهِ مَا أَدْرِي أَنَا أَخْبَرْتُهُ، أَمْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ بِأَنَّهُمَا قَدْ خَرَجَا؟ فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ، فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي أُسْكُفَّةِ الْبَابِ، أَرْخَى الْحِجَابَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ، وَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى هَذِهِ الْآيَةَ: "لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ" الْآيَةَ. (ص۴۶۰، سطر:۲ تا ۱۲)

تشریح

قوله : فَأَتَيْنَاهُمْ حِينَ بَزَغَتِ الشَّمْسُ (ص۴۶۰، سطر:۳)

اس میں باء اور زاء دونوں پر فتحہ ہے اس کے معنیٰ ہیں طلوعِ آفتاب کے وقت۔ (۱)

قوله : بِفُئُوسِهِمْ، (ص۴۶۰، سطر:۳)

یہ فاس کی جمع ہے اس کے معنیٰ کلہاڑی کے ہیں۔ (۲)

قوله : وَمَكَاتِلِهِمْ، (ص۴۶۰، سطر:۳)

یہ مِکتل کی جمع ہے اس کے معنیٰ بڑی زنبیل یا وہ تھیلا ہے جس میں کاشت کاری کے اوزار رکھے جاتے ہیں یا مٹی بھر کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔ (۳)

(۱) فتح الملہم ج٦ ص٤١٧۔

(۲) فتح الملہم ج٦ ص٤١٧۔

(۳) حوالۂ بالا۔

قوله : وَمُرُورِهِمْ، (ص۴۶۰،سطر:۳)

یہ مَرّ کی جمع ہے۔ درانتی کو کہتے ہیں۔ یا اس کے معنیٰ اس رسی کے ہیں جس کے ذریعے کھجور کے درخت پر چڑھتے ہیں۔ (۱)

قوله : فُحِصَتِ الْأَرْضُ أَفَاحِيصَ، (ص۴۶۰،سطر:۷)

اس میں فاء پر ضمہ اور حاء کے نیچے کسرہ ہے۔ اس کے معنیٰ کھولنے کے ہیں مراد یہ ہے کہ زمین کی مٹی ہٹا کر چھوٹے چھوٹے گھڑے بنائے گئے اور اس میں چمڑے کے دستر خوان بچھا کر گڑھے گہرے کئے گئے۔ اور ان میں گھی ڈالدیا گیا تاکہ گھی ادھر اُدھر نہ پھیلے اور کھجور اور پنیر اس میں ڈالدیا گیا جسے صحابہ کرامؓ نے سیر ہوکر کھایا۔ اور افاحیص اور اُفحوص کی جمع ہے بمعنیٰ گڑھے۔ (۲)

قوله : عَلَى عَجُزِ الْبَعِيرِ، (ص۴۶۰،سطر:۷)

یعنی حضرت صفیہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھ گئیں۔

قوله : دَفَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، (ص۴۶۰،سطر:۷)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری تیز چلائی۔ (۳)

قوله : فَعَثَرَتِ النَّاقَةُ الْعَضْبَاءُ، (ص۴۶۰،سطر:۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء اچانک گر پڑی۔

قوله : وَنَدَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَدَرَتْ، (ص۴۶۰،سطر:۷)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صفیہؓ گر پڑیں۔ آپ اُٹھے اور حضرت صفیہؓ پر پردہ ڈالدیا۔ (۴)

قوله : اسْتَأْنَسَ بِهِمَا الْحَدِيثُ، (ص۴۶۰،سطر:۱۱)

یعنی دونوں باتوں میں مشغول ہوگئے۔ (۵)

---

(۱) فتح الملهم ج٦ ص٤١٧۔

(۲) فتح الملهم ج٦ ص٤١٨۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

قوله : فِی أُسْکُفَّةِ الْبَابِ، (ص۴۶۰،سطر:۱۱)

اس میں ھمزہ پر ضمہ ہے سین ساکن ہے۔ کاف پر ضمہ اور فاء پر تشدید ہے دروازہ کی چوکھٹ کو کہتے ہیں۔[1]

حَدَّثَنَا أَبُو بَکْرِ بْنُ أَبِی شَیْبَةَ،...(الی قوله)...عَنْ ثَابِتٍ، حَدَّثَنَا أَنَسٌ قَالَ : صَارَتْ صَفِیَّةُ لِدِحْیَةَ فِی مَقْسَمِهِ، وَجَعَلُوا یَمْدَحُونَهَا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :وَیَقُولُونَ :مَا رَأَیْنَا فِی السَّبْیِ مِثْلَهَا، قَالَ :فَبَعَثَ إِلَی دِحْیَةَ، فَأَعْطَاهُ بِهَا مَا أَرَادَ، ثُمَّ دَفَعَهَا إِلَی أُمِّی، فَقَالَ :أَصْلِحِیهَا ، قَالَ :ثُمَّ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَیْبَرَ، حَتَّی إِذَا جَعَلَهَا فِی ظَهْرِهِ نَزَلَ، ثُمَّ ضَرَبَ عَلَیْهَا الْقُبَّةَ، فَلَمَّا أَصْبَحَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ کَانَ عِنْدَهُ فَضْلُ زَادٍ، فَلْیَأْتِنَا بِهِ ، قَالَ :فَجَعَلَ الرَّجُلُ یَجِیءُ بِفَضْلِ التَّمْرِ، وَفَضْلِ السَّوِیقِ، حَتَّی جَعَلُوا مِنْ ذَلِکَ سَوَادًا حَیْسًا، فَجَعَلُوا یَأْکُلُونَ مِنْ ذَلِکَ الْحَیْسِ، وَیَشْرَبُونَ مِنْ حِیَاضٍ إِلَی جَنْبِهِمْ مِنْ مَاءِ السَّمَاءِ، قَالَ :فَقَالَ أَنَسٌ :فَکَانَتْ تِلْکَ وَلِیمَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَیْهَا، قَالَ :فَانْطَلَقْنَا، حَتَّی إِذَا رَأَیْنَا جُدُرَ الْمَدِینَةِ هَشِشْنَا إِلَیْهَا، فَرَفَعْنَا مَطِیَّنَا، وَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَطِیَّتَهُ، قَالَ :وَصَفِیَّةُ خَلْفَهُ، قَدْ أَرْدَفَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ :فَعَثَرَتْ مَطِیَّةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. فَصُرِعَ وَصُرِعَتْ، قَالَ : فَلَیْسَ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ یَنْظُرُ إِلَیْهِ، وَلَا إِلَیْهَا، حَتَّی قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَسَتَرَهَا، قَالَ :فَأَتَیْنَاهُ، فَقَالَ :لَمْ نُضَرَّ ، قَالَ :فَدَخَلْنَا الْمَدِینَةَ، فَخَرَجَ جَوَارِی نِسَائِهِ یَتَرَاءَیْنَهَا وَیَشْمَتْنَ بِصَرْعَتِهَا.(ص۴۶۰،سطر:۱۲تا۱۹)

تشریح

قوله : سَوَادًا حَیْسًا، (ص۴۶۰،سطر:۱۵)

سواد کے اصل معنیٰ شخص کے ہیں مراد یہ ہیکہ دستر خوان پر حیس یعنی کھجور اور پنیر کے ڈھیر لگا دیئے گئے اور انہیں ملا کر حیس بنایا گیا۔[2]

(۱) فتح الملهم ج٦ ص٤١٨۔

(۲) شرح النووی ج۱ ص٤٦٠۔

قوله : هَشِشْنَا إِلَيْهَا، (ص۴۶۰،سطر:۱۷)

یعنی مدینہ طیبہ کی آبادی کو دیکھ کر مدینہ منورہ پہنچنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور ہم نے اپنی سواری تیز کردی۔ (۱)

قوله : فَصُرِعَ (ص۴۶۰،سطر:۱۷)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صفیہؓ گر پڑیں۔ (۲)

قوله : يَنْظُرُ إِلَيْهِ، وَلَا إِلَيْهَا، (ص۴۶۰،سطر:۱۸)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کی وجہ سے کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صفیہؓ کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر حضرت صفیہ کا پردہ کیا تو ہم حاضر خدمت ہوئے۔ اور عرض کیا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟ آپ نے فرمایا کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ (۳)

قوله : فَخَرَجَ جَوَارِي نِسَائِهِ (ص۴۶۰،سطر:۱۸)

یعنی نوعمر عورتیں نکلیں۔ (۴)

قوله : يَتَرَاءَيْنَهَا (ص۴۶۰،سطر:۱۸)

جو حضرت صفیہؓ کو دیکھنے لگیں۔ (۵)

قوله : يَشْمَتْنَ (ص۴۶۰،سطر:۱۸)

اور ان کے گرنے پر خوش ہونے لگیں۔ (۶)

باب زواج زينب بنت جحش ...الخ

۱۰۰۸۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُونٍ، حَدَّثَنَا بَهْزٌ، ...(الى قوله)...عَنْ

(۱) شرح النووي ج۱ ص ۴۶۰۔

(۲) فتح الملهم ج۶ ص۴۱۹۔

(۳) فتح الملهم بزيادة ج۶ ص ۴۲۰۔

(۴) شرح النووي ج۱ ص ۴۶۰۔

(۵) فتح الملهم ج۶ ص ۴۲۰۔

(۶) فتح الملهم ج۶ ص ۴۲۰۔

أَنَسٍ، وَهَذَا حَدِيثُ بَهْزٍ، قَالَ :لَمَّا انْقَضَتْ عِدَّةُ زَيْنَبَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِزَيْدٍ :فَاذْكُرْهَا عَلَيَّ ، قَالَ :فَانْطَلَقَ زَيْدٌ حَتَّى أَتَاهَا وَهِيَ تُخَمِّرُ عَجِينَهَا، قَالَ :فَلَمَّا رَأَيْتُهَا عَظُمَتْ فِي صَدْرِي، حَتَّى مَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَنْظُرَ إِلَيْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَهَا، فَوَلَّيْتُهَا ظَهْرِي، وَنَكَصْتُ عَلَى عَقِبِي، فَقُلْتُ :يَا زَيْنَبُ :أَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُكِ، قَالَتْ :مَا أَنَا بِصَانِعَةٍ شَيْئًا حَتَّى أُوَامِرَ رَبِّي، فَقَامَتْ إِلَى مَسْجِدِهَا، وَنَزَلَ الْقُرْآنُ، وَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا بِغَيْرِ إِذْنٍ، قَالَ، فَقَالَ :وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْعَمَنَا الْخُبْزَ وَاللَّحْمَ حِينَ امْتَدَّ النَّهَارُ، فَخَرَجَ النَّاسُ وَبَقِيَ رِجَالٌ يَتَحَدَّثُونَ فِي الْبَيْتِ بَعْدَ الطَّعَامِ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاتَّبَعْتُهُ، فَجَعَلَ يَتَتَبَّعُ حُجَرَ نِسَائِهِ يُسَلِّمُ عَلَيْهِنَّ، وَيَقُلْنَ :يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ وَجَدْتَ أَهْلَكَ؟ قَالَ :فَمَا أَدْرِي أَنَا أَخْبَرْتُهُ أَنَّ الْقَوْمَ قَدْ خَرَجُوا أَوْ أَخْبَرَنِي، قَالَ :فَانْطَلَقَ حَتَّى دَخَلَ الْبَيْتَ، فَذَهَبْتُ أَدْخُلُ مَعَهُ، فَأَلْقَى السِّتْرَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ، وَنَزَلَ الْحِجَابُ، قَالَ :وَوُعِظَ الْقَوْمُ بِمَا وُعِظُوا بِهِ زَادَ ابْنُ رَافِعٍ فِي حَدِيثِهِ: "لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ" إِلَى قَوْلِهِ "وَاللهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ". (ص۳۶۰،سطر:۱۹تاص۳۶۱سطر۵)

تشریح

قوله : لَمَّا انْقَضَتْ عِدَّةُ زَيْنَبَ، (ص۳۶۰،سطر:۲۰)

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحشؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت زید بن حارثہؓ سے نکاح کیا تھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعنی بیٹے تھے۔ لیکن ان کا آپس میں مزاج نہ ملا اس لئے حضرت زید بن حارثہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی آپ نے صبر وتحمل کے ساتھ رہنے کی شکایت کی آخر کار حضرت زیدؓ نے انہیں طلاق دے دی۔ پھر جب حضرت زینبؓ کی عدت پوری ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کے ذریعے حضرت زینبؓ کو اپنے سے نکاح کرنے کا پیغام بھجوایا۔

باقی واقعہ احادیث بالا میں مذکور اور واضح ہے۔

قولہ : حَتّٰی أُوَامِرَ رَبِّی، (ص۴۶۰، سطر:۲)

ای استخیر یعنی میں استخارہ کرلوں۔

قولہ : فَقَامَتْ إِلَى مَسْجِدِهَا، (ص۴۶۰، سطر:۱)

یعنی حضرت زینبؓ گھر میں جو نماز پڑھنے کی جگہ تھی وہاں نمازِ استخارہ پڑھنے کے لئے کھڑی ہوئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر اہم کام کے لئے نماز استخارہ پڑھنا مستحب ہے۔ (۱)

قولہ : وَنَزَلَ الْقُرْآنُ، (ص۴۶۰، سطر:۱)

یعنی یہ آیت نازل ہوئی۔

"فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا" (۲)

یعنی ہم نے زینب کا آپ سے بغیر کسی ایجاب وقبول کے نکاح کردیا۔ یہ آپ کے علاوہ دوسروں کے لئے جائز نہیں۔ اور اس بناء پر حضرت زینبؓ فخر فرمایا کرتی تھیں کہ دیگر ازواجِ مطہرات کا نکاح ان کے والدین نے کیا اور سات آسمانوں کے اوپر میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (۳)

قولہ : فَدَخَلَ عَلَيْهَا بِغَيْرِ إِذْنٍ، (ص۴۶۱، سطر:۱،۲)

اس کے بعد حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے کیونکہ آیتِ بالا میں اللہ تعالیٰ نے حضور کا حضرت زینبؓ سے نکاح فرمادیا تھا۔

قولہ : وَنَزَلَ الْحِجَابُ، (ص۴۶۱، سطر:۴)

اس وقت پردہ کا حکم نازل ہوا اور حضور ﷺ نے میرے اور حضرت زینبؓ کے درمیان پردہ لٹکایا۔ نیز پردہ کا حکم نازل ہونے کے احادیث میں اور بھی متعدد اسباب آئے ہیں ان میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (۴)

باب الامر باجابة الداعي الى دعوة (ص:۴۶۲)

۱۰۱۵ ۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ :قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ

(۱) فتح الملهم ج٦ ص٤٢١۔

(۲) سورۂ احزاب: ۳۷۔

(۳) فتح الملهم ج٦ ص٤٢١۔

(٤) فتح الملهم ج٦ ص٤٢٢۔

عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا. (ص۴۶۲،سطر:۳،۴)

تشریح

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ نے وہ احادیثِ طیبہ جمع فرمائی ہیں جن میں ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کا ذکر ہے۔

قوله : إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ (ص۴۶۲،سطر:۴)

پہلے گزر چکا ہے کہ ولیمہ کی جمع ولائم آتی ہے اور اس کے لغوی معنٰی جمع ہونے کے ہیں اور ولیمہ کی دعوت کو اس لئے ولیمہ کہتے ہیں کہ اس میں میاں بیوی اور احباب اور رشتہ دار جمع ہوتے ہیں۔ اور ولائم زمانہ جاہلیت کی ان دعوتوں کو کہتے تھے جو غمی اور خوشی کے موقع پر کھلائی جاتی تھیں جو تقریباً ۱۵ قسم کی ہوتی تھیں ان میں جو دعوت شادی کے موقع پر ہوئی تھی اس کو ولائم العروس کہتے تھے یعنی شادی کی خوشی کی دعوت۔ (۱)

بہر حال یہاں دعوتِ ولیمہ کی مدت اور ولیمہ کا حکم اور ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کا حکم بیان کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں کچھ تفصیل ہے۔

ولیمہ کی مدت

ولیمہ کی حد نکاح سے تین دن تک ہے اور ایک قول میں سات دن تک بھی ہے۔ اگر ان ایام میں کھانا کھلایا جائے ولیمہ ہوگا ورنہ دعوت شمار ہوگی اور بعض کے نزدیک شبِ زفاف سے پہلے بھی اگر کھانا کھلایا جائے تو وہ بھی ولیمہ ہے لیکن نکاح سے پہلے کھلائے تو ضیافت ہوگی ولیمہ نہیں۔ (۲)

ولیمہ کا حکم

ولیمہ کا حکم کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے: اہل ظاہر کے نزدیک ولیمہ کرنا واجب ہے اور ان کی دلیل اس باب کی وہ حدیثیں ہیں جن سے جیسے "اولم ولو بشاة" یعنی ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری سے ہو، یا جیسے "الوليمة حقّ" ولیمہ کرنا برحق ہے یعنی ضروری ہے یا جیسے، من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله، وغیرہ۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس میں امر وجوب کے لئے ہے اور دعوت نہ کرنے پر

(۱) فتح الملهم ج٦ ص٤٢٦ ولمعات ٨٩ ج٦

(۲) لمعات ج٦ ص٨٩

اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وعید اس کے وجوب کی علامت ہے۔ اور اکثر علماء کے نزدیک ولیمہ کرنا سنت ہے۔ اور یہی قول راجح ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے یہ قول دوسرے قول کے خلاف نہیں کیونکہ سنت اور مستحب کا مفہوم قریب قریب ایک ہے۔ [1]

ولیمہ کی دعوت یا کسی دوسری دعوت کے قبول کرنے کا حکم

ولیمہ کی دعوت اگر ہر قسم کے منکرات سے خالی ہو تو جمہور شوافع اور حنابلہ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اس کو قبول کرنا فرض ہے اور اکثر علماء کے نزدیک واجب ہے اور احناف کے ہاں سنت ہے۔ [2]

اور اگر ولیمہ کی دعوت میں کوئی منکر اور خلافِ شرع کوئی کام پایا جائے ہو مثلاً واضح طور پر معلوم ہو کہ اس کھانے میں جو پیسے استعمال ہوئے ہیں چوری کے یا رشوت کے یا سود کے، یا غصب کے پیسے استعمال ہوئے ہیں یا اس میں مردوں اور عورتوں کا بے حجابانہ مخلوط اجتماع ہے۔ یا اس میں ناچ گانا ہو رہا ہے یا جیسے آج کل کھڑے ہو کر کھانے کا رواج ہے۔ اور بیٹھنے کا کوئی انتظام نہیں تو اگر دعوت قبول کرنے کے وقت معلوم ہو جائے کہ اس میں منکرات ہونگے تو دعوت قبول کرنا جائز نہیں اور اگر قبول کر بھی لیں تو شریک ہونا جائز نہیں۔ اور اگر قبول کرنے کے وقت علم نہ ہو کہ یہ منکرات وہاں ہونگے اور اب شریک ہونے کے لئے جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں ناچ گانا ہو رہا ہے یا مخلوط اجتماع ہے۔ تو شریک ہونے والے کی دو صورتیں ہیں۔

۱ ... دعوت میں آنے والا کوئی مقتدیٰ ہے مثلاً کوئی عالم فاضل اور پیشوا ہے لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں اور اس کے عمل کو بطورِ سند پیش کرتے ہیں تو اگر اس میں استطاعت ہے ان کو منع کرنے کی تو منع کر دے۔ اگر وہ باز آجائیں تو شریک ہو جائے باز نہ آئیں تو واپس چلا جائے شریک نہ ہو اور کھانا نہ کھائے۔ اور اگر اس میں منع کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو شریک نہ ہو۔

۲ ... اگر دعوت میں آنے والا عام آدمی ہے تو اس گناہ سے بچتے ہوئے اگر کہیں کونے میں ایک طرف ہو کر کھانا کھا سکے تو کھا لے اس طرح اس کو شریک ہونے کی گنجائش ہے ورنہ وہ بھی

---

(۱) مرقاۃ ج٦ ص ٢٥٠ و فتح الملهم ج٦ ص٤٢٧، ٤٦٢۔

(۲) فتح الملهم ج٦ ص٤٦٢

واپس چلا جائے۔ غرض یہ کہ حالتِ عذر میں دعوت قبول نہ کرنا اور اس میں شریک نہ ہونا بھی درست ہے۔[1]

١٠٢٣۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا دُعِيتُمْ إِلَى كُرَاعٍ، فَأَجِيبُوا. (ص۴۶۲، سطر:۱۲، ۱۳)

قوله : إِذَا دُعِيتُمْ إِلَى كُرَاعٍ، (ص۴۶۲، سطر:۱۲)

گائے، بکری کے پائے یا پنڈلی کا اگلا حصہ یعنی کوئی شخص معمولی چیز کی دعوت کرے اور خلوص سے بلائے تو اس کی دعوت قبول کر لینی چاہئے۔[2]

١٠٢٤۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ...(الى قوله)...عَنْ جَابِرٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى طَعَامٍ، فَلْيُجِبْ، فَإِنْ شَاءَ طَعِمَ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ، وَلَمْ يَذْكُرِ ابْنُ الْمُثَنَّى :إِلَى طَعَامٍ. (ص۴۶۲، سطر:۱۲)

تشریح

قوله : فَإِنْ شَاءَ طَعِمَ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ ، (ص۴۶۲، سطر:۱۳، ۱۴)

حضرت امام نوویؒ[3] فرماتے ہیں کہ دوسری روایت میں ہے کہ دعوت قبول کرلے پھر اگر روزے سے ہو تو نماز پڑھے اگر روزے سے نہ ہو تو کھانا کھالے۔ اور مذکورہ روایت میں یہ ہے کہ شریک ہو جائے پھر کھانے یا نہ کھانے کا اختیار ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

احناف کے مذہب میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ ولیمہ کی دعوت ہو یا کوئی دوسری دعوت اس میں شریک ہو کر کھانا کھانا ضروری نہیں ہے دل چاہے کھائے دل نہ چاہے نہ کھائے۔ اور اگر شریک ہونے والا روزے سے ہے تو اگر روزہ فرض ہو تو اس کے لئے کھانا کھانا جائز نہیں اور اگر روزہ نفلی ہو اور میزبان کو اس کا کھانا نہ کھانا کسی طرح گوارا نہ ہو۔ تو روزہ توڑ کر کھانا کھالینا افضل ہے ورنہ روزہ پورا کرنا افضل ہے۔[4]

(١) لمعات ج٦ ص٩٣ وفتح الملهم ج٦ ص٤٢٧۔

(٢) فتح الملهم ج٦ ص٤٢٩۔

(٣) شرح النووی ج١ ص٤٦٢۔

(٤) فتح الملهم ج٦ ص٤٣٠۔

باب لاتحل المطلقة ثلاثا لمطلقها

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ نے حضرت رفاعہ القرظیؓ کی بیوی کا واقعہ مختلف سندوں سے نقل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت رفاعہ قرظیؓ نے اپنی بیوی تمیمہ بنت مصعبؓ کو تین طلاقیں دے دی تھیں۔ عدت گزرنے کے بعد انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کیا ان سے ان کی طبیعت نہ ملی انہوں نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور عرض کیا کہ میں ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی کیونکہ ان کا عضو خاص کپڑے کے پھندنے کی طرح ہے یعنی وہ عورت کے قابل نہیں ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ تم پہلے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتیں جب تک دوسرا شوہر تم سے جماع یعنی ہم بستری نہ کرلے چنانچہ ان احادیث کی وجہ سے یہی حکم ہے کہ اگر کسی عورت کو اس کا شوہر تین طلاقیں دے دے تو بغیر حلالہ کے وہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ (۱)

۱۰۳۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،...(الى قوله)...عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَاءَتِ امْرَأَةُ رِفَاعَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ، فَطَلَّقَنِي، فَبَتَّ طَلَاقِي، فَتَزَوَّجْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الزَّبِيرِ، وَإِنَّ مَا مَعَهُ مِثْلُ هُدْبَةِ الثَّوْبِ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَتُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ؟ لَا، حَتَّى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ، وَيَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ، قَالَتْ وَأَبُو بَكْرٍ عِنْدَهُ وَخَالِدٌ بِالْبَابِ يَنْتَظِرُ أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ، فَنَادَى: يَا أَبَا بَكْرٍ، أَلَا تَسْمَعُ هَذِهِ مَا تَجْهَرُ بِهِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ (ص۴۶۳، سطر:۲،۵)

تشریح

قوله: مِثْلُ هُدْبَةِ الثَّوْبِ، (ص۴۶۳، سطر:۴)

اس میں ھاء پر ضمہ ہے اور دال ساکن ہے ھدبۃ، پھندنے کو کہتے ہیں جو کپڑے کے کنارہ پر ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ عورت کے قابل نہیں ہے۔ (۲)

قوله: حَتَّى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ، (ص۴۶۳، سطر:۴)

یہ عسلۃ کی تصغیر ہے۔ جس کے معنٰی لذت اور مٹھاس کے ہیں مراد جماع کرنا ہے جیسا کہ

(۱) ملخص از فتح الملهم ج٦ ص ٤٣٢

(۲) شرح النووی ج١ ص٤٦٣ وفتح الملهم ج٦ ص ٤٣٢۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں "العسیلة الجماع"۔[1]

کیا حلالہ کرنا موجبِ لعنت ہے

بعض احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لعن رسول اللّٰہ ﷺ المحلل والمحلل لہ" (رواہ الدارمی ورواہ ابن ماجة عن علیؓ وابن عباسؓ وعقبة بن عامرؓ)

"حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلل اور محلل لہ پر لعنت فرمائی۔[2]

اس میں مُحلل اسم فاعل کا صیغہ ہے زوج ثانی کو کہتے ہیں اور محلل اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ زوج اول کو کہتے ہیں اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس مطلقہ کو شوہر اول کے لئے حلال ہونے کے لئے حلالہ کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر وہ پہلے شوہر سے نکاح نہیں کرسکتی جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:-

"فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ"۔[3] (الآیة)

اور اس باب کی تمام احادیث میں حلالہ کا ذکر ہے لیکن مذکورہ حدیث میں حلالہ کرنا موجبِ لعنت ہے۔ اور پہلا اور دوسرا دونوں شوہر مستحقِ لعنت ہیں تو سمجھنا چاہئے کہ اس حدیث میں حلالہ کرنے پر جو لعنت ہے۔ وہ ہر حال میں نہیں ہے۔ ایک خاص صورت میں ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص مطلقہ کے نکاحِ ثانی کے وقت ایجاب وقبول میں یہ شرط لگائے کہ آپ اس عورت سے نکاح کریں اس شرط پر کہ نکاح کے بعد اور جماع کرنے کے بعد ضرور اس کو طلاق دو گے۔ تاکہ یہ عورت شوہر اول کے لئے حلال ہوجائے۔ تو یہ موجب لعنت ہے۔ اور اگر نکاحِ ثانی کے ایجاب وقبول میں کسی قسم کی کوئی شرط نہ ہو پہلے ہی اپنی مجبوری بتادی ہو یا صرف دل میں یہ نیت ہو کر زوج ثانی جماع کے بعد طلاق دے دے گا اور یہ عورت دوبارہ نکاح کر کے اپنے شوہر اول اور بچوں کے پاس چلی جائے گی تو پھر حلالہ موجبِ لعنت

---

(۱) فتح الملہم ج٦ ص٤٣٣۔

(۲) سنن ابن ماجه كتاب النكاح باب المحلل والمحلل له رقم الحديث: ١٩٢٤ وسنن الدارمي كتاب النكاح باب في النهي عن التحليل، رقم الحديث: ٢٣١٣

(۳) سورة البقرة: ٢٣٠۔

نہیں۔ بلکہ موجبِ اجر ہے۔[1]

باب ما یستحب ان یقول عند الجماع (ص:۴۶۳)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، ...(الی قوله)...عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ، قَالَ :بِاسْمِ اللهِ، اللهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَإِنَّهُ إِنْ يُقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذَلِكَ، لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا. (ص۴۶۳،سطر:۱۷تا۱۹)

تشریح

قوله : اللهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، (ص۴۶۳،سطر:۱۸)

ای بعدنا یعنی یا اللہ شیطان کو ہم سے دور رکھنا۔

قوله : مَا رَزَقْتَنَا، (ص۴۶۳،سطر:۱۸)

یہ جَنِّب کا دوسرا مفعول ہے یعنی جو بچہ آپ ہمیں عطا فرمائیں اس کو بھی شیطان سے محفوظ رکھنا۔

قوله : لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا (ص۴۶۳،سطر:۱۹)

یعنی اس بچے کو کبھی بھی شیطان نقصان نہ پہنچائے گا یہ مذکورہ دعا کی فضیلت ہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس بچے کا خاتمہ ایمان پر ہوگا کیونکہ اس دعا میں نقصان کفر کے ساتھ خاص ہے۔[2] مطلب یہ ہے کہ شیطان اسے کافر نہ بنا سکے گا ـــــ بہر حال حقِ زوجیت ادا کرنے سے پہلے مذکورہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔[3]

باب جواز جماعه امرأته فی قبلها الخ (ص:۴۶۳)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، ...(الی قوله)... عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ، سَمِعَ جَابِرًا، يَقُولُ: كَانَتِ الْيَهُودُ تَقُولُ :إِذَا أَتَى الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ مِنْ دُبُرِهَا فِي قُبُلِهَا، كَانَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ، فَنَزَلَتْ :"نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ". (ص۴۶۳،سطر: ۲۱،۲۲)

---

(۱) فتح الملهم ج٦ ص٤٣٤

(۲) فتح الملهم ج٦ ص٤٤٢۔

(۳) شرح النووی ج۱ ص٤٦٣

تشریح

قوله : مِنْ دُبُرِهَا فِي قُبُلِهَا، (ص۴۶۳،سطر:۲۲)

دُبر پاخانہ والے حصہ کو کہتے ہیں جس میں شوہر کو صحبت کرنا حرام ہے اور قُبل عورت کے اگلے حصہ کو کہتے ہیں جہاں سے پیشاب آتا ہے یہاں شوہر کو صحبت کرنا جائز ہے۔

قوله : كَانَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ، (ص۴۶۳،سطر:۲۲)

اس کے معنٰی ہیں بھینگا۔

ایک غلط عقیدہ کی تردید

اس حدیث میں یہودیوں کے ایک غلط عقیدہ کی تردید ہے یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے پیچھے کی طرف سے آگے کے حصہ میں جماع کرے تو پیدا ہونے والا بچہ بھینگا ہوگا۔ چنانچہ انکے اس غلط عقیدے کی تردید میں قرآنِ کریم کی یہ آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں۔

"نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ "[1]

ترجمہ

"تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں پس تم اپنی کھیتوں میں جیسے چاہو آؤ"۔

اس آیت میں انی کیف کے معنٰی میں ہے یعنی جس طرح تم اپنی کھیتی میں چاروں طرف سے آتے ہو۔ ایسے ہی اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے پاس آؤ مگر صحبت اگلے حصے میں کرو کیونکہ پچھلے حصہ میں صحبت کرنا حرام ہے۔[2]

حَدَّثَنَاهُ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، ...(الى قوله)... عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ، بِهَذَا الْحَدِيثِ، وَزَادَ فِي حَدِيثِ النُّعْمَانِ، عَنِ الزُّهْرِيِّ :إِنْ شَاءَ مُجَبِّيَةً، وَإِنْ شَاءَ غَيْرَ مُجَبِّيَةٍ، غَيْرَ أَنَّ ذَلِكَ فِي صِمَامٍ وَاحِدٍ. (ص۴۶۴،سطر:۲تا۲)

تشریح

قوله : مُجَبِّيَةً، (ص۴۶۴،سطر:۵)

اس میں میم پر ضمہ ہے اور جیم پر فتحہ ہے ب کے اوپر تشدید اور اس کے نیچے کسرہ ہے اس

(۱) سورة البقرة:۲۲۳

(۲) فتح الملهم ج٦ ص٤٤٥ و شرح النووی ج١ ص٤٦٣

کے معنی چہرے کے بل اوندھا ہونا۔[(۱)]

قولہ : فِي صِمَامٍ وَاحِدٍ (ص۴۶۴، سطر:۶)

اس کے معنی سوراخ کے ہیں یعنی ہر صورت میں صحبت ایک سوراخ میں ہو یعنی اگلے حصہ میں ہو۔[(۲)]

باب تحریم امتناعها من فراش زوجها (ص:۴۶۴)

...(الی قولہ)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :إِذَا بَاتَتِ الْمَرْأَةُ، هَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ.(ص۴۶۴، سطر:۶)

تشریح

اس باب کی احادیث میں یہ ادب بیان گیا ہے کہ جب شوہر بیوی کو اپنی جنسی خواہش کے لئے بلائے تو اُس کے پاس چلی جائے انکار نہ کرے۔ اگر بیوی شرعی عذر کے بغیر اس کے پاس نہ جائے۔ اور اس سے الگ رہے یہاں تک صبح کردے تو ملائکہ تمام رات اس پر لعنت کرتے ہیں۔ اور بیوی کا حیض کی حالت میں ہونا معتبر عذر نہیں ہے کیونکہ شوہر کو بیوی سے کپڑوں کے اوپر سے نفع اٹھانا جائز ہے۔[(۳)]

قولہ : هَاجِرَةً (ص۴۶۴، سطر:۷)

یعنی بیوی شوہر سے الگ ہوجائے۔ مطلب یہ ہے کہ بیوی شوہر سے خود الگ ہوجائے یا اس کے انکار کرنے یا غلط انداز اختیار کرنیکی وجہ سے شوہر ناراض ہوکر اس سے جدا ہوجائے۔ دونوں صورتوں میں عورت گناہگار ہوگی اور شوہر خود بیوی پر زیادتی اور ظلم کرتے ہوئے اس سے الگ ہوجائے تو اس صورت میں عورت گناہگار نہ ہوگی۔[(۴)]

قولہ : لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ (ص۴۶۴، سطر:۷)

فرشتوں کی لعنت سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونا ہے لہٰذا عورت کو چاہئے کہ اس گناہ

---

(۱) فتح الملهم ج٦ ص٤٤٧

(۲) فتح الملهم ج٦ ص٤٤٧

شرح النووی ج١ ص٤٦٤

(٤) فتح الملهم ج٦ ص٤٤٧

سے توبہ کرے اور آئندہ اجتناب کرے۔ اور خوش دلی سے حقِ زوجیت ادا کرے۔ (۱)

باب تحریم افشاء السر المرأة (ص:۴۶۴)

١٠٤٨ ـ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ...(الی قوله)... حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُولُ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ، وَتُفْضِي إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا. (ص۴۶۴،سطر:۷تا۹)

تشریح

اس باب کی احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ میاں بیوی کی صحبت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مجامعت کے دوران کی باتیں میاں بیوی اپنے تک محدود رکھیں۔ اپنے پردہ کی باتیں کسی دوسرے پر ظاہر نہ کریں۔ اور بلاضرورت دوسروں سے صحبت کا ذکر کرنا بھی مکروہ ہے۔ (۲)

باب حکم العزل (ص:۴۶۴)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، ...(الی قوله)... عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ، أَنَّهُ قَالَ :دَخَلْتُ أَنَا وَأَبُو صِرْمَةَ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، فَسَأَلَهُ أَبُو صِرْمَةَ، فَقَالَ :يَا أَبَا سَعِيدٍ، هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَذْكُرُ الْعَزْلَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ بِالْمُصْطَلِقِ، فَسَبَيْنَا كَرَائِمَ الْعَرَبِ، فَطَالَتْ عَلَيْنَا الْعُزْبَةُ، وَرَغِبْنَا فِي الْفِدَاءِ، فَأَرَدْنَا أَنْ نَسْتَمْتِعَ وَنَعْزِلَ، فَقُلْنَا :نَفْعَلُ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا لَا نَسْأَلُهُ، فَسَأَلْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا، مَا كَتَبَ اللهُ خَلْقَ نَسَمَةٍ هِيَ كَائِنَةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، إِلَّا سَتَكُونُ (۴۶۴سطر۱۴تا۱۸)

تشریح

قوله : يَذْكُرُ الْعَزْلَ؟ (ص۴۶۴،سطر:۱۴)

یعنی کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کرنے کا حکم سنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں

(۱) فتح الملهم ج٦ ص٤٤٨

(۲) فتح الملهم ج٦ ص٤٤٩

سنا ہے۔[1]

قوله : غَزْوَةً بَالْمُصْطَلِقِ، (ص۴۶۴،سطر:۱۶)

اس سے بنوالمصطلق مراد ہیں جو قبیلۂ خزاعہ کے مشہور خاندان کا نام ہے۔اس غزوہ کو غزوۃ المریسیع بھی کہتے ہیں یہ غزوہ سن ۶ ھ میں ہوا تھا۔[2]

قوله : كَرَائِمَ الْعَرَبِ، (ص۴۶۴،سطر:۱۶)

یعنی عرب کی نفیس عورتیں ہم نے گرفتار کیں۔[3]

قوله : فَطَالَتْ عَلَيْنَا الْعُزْبَةُ، (ص۴۶۴،سطر:۱۶)

اس کے معنٰی ہیں جماع کی کمی یعنی نکاح کا متعذر ہونا اسبابِ نکاح نہ ہونے کی وجہ سے۔[4]

قوله : رَغِبْنَا فِي الْفِدَاءِ، (ص۴۶۴،سطر:۱۷)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان باندیوں کو بیچ کر فدیہ یعنی عوض حاصل کرنا چاہتے تھے۔اور ان سے صحبت بھی کرنا چاہتے تھے۔لیکن اس میں یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر ہم نے ان سے صحبت کی اور حمل ٹھہر گیا تو پھر یہ ہماری اُم ولد بن جائیں گی۔جن کی بیچ ممنوع ہے اس طرح ہم ان کے عوض کچھ حاصل نہ کرسکیں گے۔[5] اس لئے ہم نے سوچا کہ ان سے فائدہ اٹھائیں اور عزل کرلیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ان عورتوں سے عزل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

قوله : لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا، (ص۴۶۴،سطر:۱۷)

آپ نے فرمایا کہ اگر تم عزل نہ کرو تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے۔اس لئے کہ قیامت تک جو جان پیدا ہونے والی ہے وہ پیدا ہوکر رہے گی۔[6]

---

(۱) فتح الملهم ج٦ ص٤٥٠

(۲) فتح الباری کتاب المغازی ج٧ ص٥٤٥

(۳) شرح النووی ج١ ص٤٦٤

(٤) فتح الملهم ج٦ ص٤٥٥

(٥) فتح الملهم ج٦ ص٤٦٤

(٦) فتح الملهم ج٦ ص٤٥١۔

اس حدیث میں لا علیکم ان لا تفعلوا میں اَن کے ھمزہ پر زبر اور زیر دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اگر تم عزل نہ کرو تو اس میں کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ یہ بات طے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس جان کو پیدا کرنا مقدر کر دیا ہے۔ وہ پیدا ہو کر رہے گی۔ عزل کرنے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اور بعض حضرات نے اس حدیث میں لا کو زائد مانا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ عزل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

ہر صورت میں حاصل یہ ہے کہ عزل کرنا چاہو تو کر لو لیکن عزل کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ عزل کا مقصد بچے کی پیدائش کو روکنا ہے۔ اور جس جان کو اللہ تعالیٰ کو پیدا کرنا ہے وہ پیدا ہو کر رہے گی۔ جیسا کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا:

"ما من نسمة كائنة الى يوم القيامة الا فهى كائنة"(۱)

مسئلہ عزل کی مختصر تفصیل

اس باب میں عزل کے متعلق احادیث ہیں اس لئے عزل کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ اور مسئلہ عزل سمجھنے کی ضرورت ہے۔

عزل يعزل عزلاً باب ضرب سے آتا ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں الگ کرنا، جدا کرنا، جیسے قرآنِ کریم میں ہے:

"فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ"(۲)

ترجمہ

"یعنی حالتِ حیض میں تم عورتوں سے جدا رہو"

اصطلاح میں عزل کہتے ہیں کہ شوہر اپنی بیوی سے صحبت کرے اور انزال کے وقت اپنے عضو مخصوص کو بیوی کے عضو مخصوص سے ہٹالے اور باہر منی خارج کرے۔

عزل کرنے میں فقہاء کرام کا اختلاف

عزل کرنا کیسا ہے؟ اس میں اختلاف ہے ——— علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ عزل کرنا حرام

---

(۱) وايضاً صحيح البخارى كتاب العتق باب من ملك من العرب الخ ـ رقم الحديث: ٢٣٥٦

(۲) سورة البقرة:۲۲۲

ہے اور وہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں عزل کرنے کی ممانعت ہے۔

ائمہ اربعہؒ اور جمہورؒ فرماتے ہیں کہ عزل کرنا جائز ہے۔ مگر خلافِ اولیٰ ہے جبکہ بلا عذر ہو اور اگر عذر ہو تو پھر مکروہ بھی نہیں۔ اور وہ اُن احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے اور جمہور ممانعت والی احادیث کو کراہتِ تنزیہی پر محمول فرماتے ہیں اور یہی ان کی طرف سے علامہ ابن حزمؒ کا جواب ہے۔ کہ ممانعت والی احادیث کراہتِ تنزیہی پر محمول ہیں۔

احادیث عزل میں تعارض

اس باب میں احادیث دو قسم کی ہیں:

۱ ... بعض احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے جیسے اس باب کی حدیثِ جابر ہے۔

۲ ... بعض روایات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے کیونکہ ان میں عزل کرنے کو پوشیدہ زندہ درگور کرنا قرار دیا گیا ہے۔

ظاہراً احادیث میں تعارض ہے، لیکن حقیقت میں تعارض نہیں حقیقت یہ ہے کہ جن احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے وہ عزل کے فی نفسہٖ جائز اور مباح ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور جن احادیث سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ اس کے مکروہ تنزیہی ہونے پر دلالت کرتی ہیں اس لئے حقیقت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (۱)

عزل کرنا کن عورتوں سے جائز ہے؟

ائمہ اربعہؒ و جمہورؒ کے نزدیک جن عورتوں سے عزل ہوسکتا ہے وہ تین طرح کی ہیں۔ ہر ایک کا حکم الگ ہے:۔

۱ ... آزاد عورت جو کسی کے نکاح میں ہے۔ جمہورؒ کے نزدیک عزل کرنے کے لئے اس کی اجازت ضروری ہے اگر وہ راضی ہو تو عزل کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ جماع عورت کا حق ہے۔ اور اس کی شہوت شوہر کے پانی سے پوری ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر وہ اپنا حق چھوڑنا نہ چاہے تو عزل کرنا جائز نہیں اور اگر وہ اجازت دے تو عزل کرنا جائز ہے۔

۲ ... اپنی باندی: مولیٰ اس کی اجازت کے بغیر عزل کرسکتا ہے۔

---

(۱) مرقاۃ ج۶ ص۲۳۶ و اشرف التوضیح ج۲ ص۴۵۰۔

۴ ... غیر کی باندی: شوہر اس کی اجازت کے بغیر عزل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس کی اجازت ضروری ہے اور بعض نے کہا کہ آقا کی اجازت ضروری ہے۔ یہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ آقا و باندی دونوں سے اجازت لینا ضروری ہے۔[1]

خاندانی منصوبہ بندی

موجودہ خاندانی منصوبہ بندی کی بنیاد افزائشِ نسل کو روکنے پر ہے چنانچہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اگر بچے کم پیدا ہونگے تو خوشحالی زیادہ ہوگی اگر بچے زیادہ پیدا ہونگے تو بدحالی آئے گی اس لئے بچے کم سے کم پیدا کرنے چاہئیں ان کا کہنا کہ ''کم بچے خوشحال گھرانہ''، ''بچے دو ہی اچھے'' ــــــ ان کا یہ نظریہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور غلط ہے اس نظریہ کی بنیاد پر خاندانی منصوبہ بندی کرنا جائز نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا معروف رسالہ ''ضبط ولادت'' کا مطالعہ کافی و شافی ہے۔

قولہ : خَلْقَ نَسَمَةٍ (ص۴۶۴، سطر:۱۸)

اس کے معنٰی ہیں جان۔[2]

قولہ : هِيَ كَائِنَةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، (ص۴۶۴، سطر:۱۸) یعنی وہ پیدا ہو کر رہے گی۔[3]

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ يُونُسَ، ...(الی قولہ) ...عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَجُلًا أَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :إِنَّ لِي جَارِيَةً، هِيَ خَادِمُنَا وَسَانِيَتُنَا، وَأَنَا أَطُوفُ عَلَيْهَا، وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ، فَقَالَ :اعْزِلْ عَنْهَا إِنْ شِئْتَ، فَإِنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا ، فَلَبِثَ الرَّجُلُ، ثُمَّ أَتَاهُ، فَقَالَ :إِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَبِلَتْ، فَقَالَ: قَدْ أَخْبَرْتُكَ أَنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا. (ص۴۶۵، سطر:۱۳ تا ۱۵)

---

(۱) مرقاۃ ج۶ ص۳۳۶

(۲) مشارق الانوار: ج۲ ص۴۷۔

(۳) فتح الملہم ج۶ ص۴۵۲

تشریح

قوله : سَاقِيَتُنَا، (ص۴۶۵،سطر:۱۴) یعنی ہمیں پانی پلانے والی ہے۔ (۱)

حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، ...(الی قوله)...عَنْ جَابِرٍ، قَالَ :كُنَّا نَعْزِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَنْهَنَا. (ص۴۶۵،سطر:۲۳،۲۲)

قوله : فَلَمْ يَنْهَنَا عَنْه (ص۴۶۵،سطر:۲۳)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے عزل کرنے کے حرام ہونیکی تصریح نہیں فرمائی اور اسے ناجائز قرار نہیں دیا۔ (۲)

باب تحريم وطى الحامل المسبية (ص:۴۶۵)

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ...(الی قوله)...عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ أَتَى بِامْرَأَةٍ مُجِحٍّ عَلَى بَابِ فُسْطَاطٍ، فَقَالَ :لَعَلَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُلِمَّ بِهَا، فَقَالُوا :نَعَمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَلْعَنَهُ لَعْنًا يَدْخُلُ مَعَهُ قَبْرَهُ، كَيْفَ يُوَرِّثُهُ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهُ؟ كَيْفَ يَسْتَخْدِمُهُ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهُ؟(ص۴۶۵،سطر:۲۳تا۲۶)

تشریح

قوله : بِامْرَأَةٍ مُجِحٍّ (ص۴۶۵،سطر:۲۵)

قریب الولادة عورت کو کہتے ہیں۔ (۳)

قوله : عَلَى بَابِ فُسْطَاطٍ، (ص۴۶۵،سطر:۲۵)

اس کے معنٰی اون والے خیمے کے ہیں۔ (۴)

قوله : أَنْ يُلِمَّ بِهَا، (ص۴۶۵،سطر:۲۵)

اس کے معنٰی ہیں تا کہ اس سے صحبت کرے۔ اور حاملہ قیدی عورت سے صحبت کرنا حلال نہیں کیونکہ ابوداؤدشریف کی روایت میں سبایا اوطاس کے بارے میں واضح حکم ہے کہ:

---

(۱) فتح الملهم ج٦ ص٤٥٤

(۲) فتح الملهم ج٦ ص٤٥٦۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) فتح الملهم ج٦ ص٤٥٦

"لا توطأ حامل حتی تضع ولا غیر ذات حمل حتی تحیض حیضةً"(۱)

ترجمہ

"یعنی حاملہ عورت سے صحبت کی جائے یہاں تک کہ ولادت ہو جائے اور غیر حاملہ عورت سے صحبت نہ کی جائے یہاں تک کہ اس کو ایک حیض آجائے۔

قولہ : لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَلْعَنَهُ (ص۴۶۵، سطر:۲۵)

میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اس پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر تک جائے یعنی اس کو جہنم میں پہنچادے۔ العیاذ باللہ۔ (۲)

قولہ : كَيْفَ يُوَرِّثُهُ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهُ؟ (ص۴۶۵، سطر:۲۶)

یعنی وہ کیسے اس کو اپنا وارث قرار دے گا جبکہ غیر کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانا جائز نہیں کیونکہ صحبت کے بعد کبھی ولادت چھ ماہ تک مؤخر ہو سکتی ہے جس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اس نئے مالک کا بیٹا ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے شخص کا بچہ ہو۔ اور غیر کے بچے کو اپنا بیٹا بنا کر اپنا وارث قرار دینا حرام ہے۔ اور اس حرام کام میں یہ شخص استبراء نہ کرنے کی وجہ سے مبتلا ہوا۔ لہٰذا حاملہ عورت سے ولادت سے پہلے صحبت کرنے سے بچنا ضروری ہے۔

استبراء کا حکم

اس حدیث میں استبراء کا حکم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی باندی کا مالک بنے خواہ خریدنے سے یا میراث میں ملنے سے یا تحفہ میں ملنے سے یا مالِ غنیمت کی تقسیم سے حصہ میں آنے کی وجہ سے استبراء واجب ہے۔ اس سے پہلے باندی سے صحبت کرنا جائز نہیں، اس میں حکمت یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نسب مشتبہ نہ ہو کہ یہ بچہ کس کا ہے؟ پہلے مالک کا ہے یا دوسرے مالک کا۔ استبراء سے یہ اشتباہ ختم ہو جاتا ہے۔

جمہور کے نزدیک استبراء یہ ہے کہ ملکیت میں آنے والی باندی کو اگر حیض آتا ہو تو اس کو ایک حیض آجائے اور اگر حاملہ ہو تو ولادت ہو جائے۔ اور اگر کم عمر ہونے یا بڑی عمر ہونے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو ایک ماہ گزر جائے۔ اس کے بعد اُس سے صحبت کرنا حلال ہے۔ اس سے پہلے صحبت

(۱) سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی وطء السبایا، رقم الحدیث: ۱۸۴۳۔

(۲) فتح الملہم ج۶ ص ۴۵۶

کرنا حرام ہے۔ (۱)

باب جواز الغیلة...الخ (ص:۴۶۶)

حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ،...(الی قوله)...عَنْ عَائِشَةَ، عَنْ جُدَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ الْأَسَدِيَّةِ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهَى عَنِ الْغِيلَةِ، حَتَّى ذَكَرْتُ أَنَّ الرُّومَ وَفَارِسَ يَصْنَعُونَ ذَلِكَ، فَلَا يَضُرُّ أَوْلَادَهُمْ ، قَالَ مُسْلِمٌ: وَأَمَّا خَلَفٌ، فَقَالَ :عَنْ جُذَامَةَ الْأَسَدِيَّةِ، وَالصَّحِيحُ مَا قَالَهُ يَحْيَى :بِالدَّالِ غيرَ مَنْقُوطَةٍ. (ص۴۶۶،سطر:۱تا۳)

تشریح

قوله : لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهَى عَنِ الْغِيلَةِ، (ص۴۶۶،سطر:۲)

اس میں غین کے نیچے کسرہ ہے اس حدیث میں غیلہ سے کیا مراد ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ غیلۃ یہ ہے کہ:۔

”جس عورت کی گود میں بچہ ہو اور وہ بچہ اس عورت کا دودھ پیتا ہو۔ اس عورت سے صحبت کرنا“ ـــــــ

اور یہ مکروہ ہے کیونکہ عام طور پر حمل ٹھہرنے کی وجہ سے بچہ کا دودھ خراب ہوجاتا ہے جو بچہ کے لئے مضر ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ غیلۃ یہ ہے کہ حاملہ عورت سے صحبت کرنا۔ اہل عرب دونوں صورتوں میں بیوی سے صحبت کرنے کو برا سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر مرضعہ سے صحبت کریں گے تو اس کا اثر بچہ پر ہوگا اور اس سے بچہ متاثر ہوگا یعنی کمزور ہوگا اور حاملہ عورت سے اگر صحبت کریں گے تو بھی بچہ متاثر ہوگا اور کمزور ہوگا۔ یہ ان کا عام اور مشہور خیال تھا۔ اس کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی منع کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ لیکن جب اپنے دیکھا کہ فارس اور روم کے لوگ ایسا کرتے ہیں اور وہ اس کی نہ کوئی پرواہ کرتے ہیں اور نہ ان کے بچوں پر اس کا کوئی اثر ہوتا ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ لہٰذا یہ جائز ہے۔ (۲)

---

(۱) فتح الملهم ج٦ ص٤٥٦ شرح النووي ج١ ص٤٦٥

(۲) فتح الملهم ج٦ ص٤٥٨

وَهْبٍ، أُخْتِ عُكَّاشَةَ، قَالَتْ :حَضَرْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي أُنَاسٍ وَهُوَ يَقُولُ :لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهَى عَنِ الْغِيلَةِ، فَنَظَرْتُ فِي الرُّومِ وَفَارِسَ، فَإِذَا هُمْ يُغِيلُونَ أَوْلَادَهُمْ، فَلَا يَضُرُّ أَوْلَادَهُمْ ذَلِكَ شَيْئًا ، ثُمَّ سَأَلُوهُ عَنِ الْعَزْلِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ذَلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ، زَادَ عُبَيْدُ اللهِ فِي حَدِيثِهِ :عَنِ الْمُقْرِءِ، وَهِيَ: "وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ". (ص۴۶۶،سطر:۳تا۶)

تشریح

قوله : ذَلِکَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ، (ص۴۶۶،سطر:۳)

الوأد کے معنیٰ ہیں لڑکی کو زندہ دفن کرنا۔ اہلِ عرب فقر وفاقہ اور عار کی وجہ سے لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کرنے کو اس کے مشابہ قرار دیا۔ کیونکہ اس میں نطفہ کو ضائع کرنا پایا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اولاد پیدا ہونے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور عزل کرنے کا حکم پیچھے تفصیل سے گزر چکا ہے۔[1]

❁❁❁

(۱) فتح الملهم ج٦ ص٤٥٨۔

کتابُ الرضاع

اس کتاب میں حضرت امام مسلمؒ نے وہ احادیثِ طیبہ جمع فرمائی ہیں جن سے حرمتِ رضاعت کے احکام معلوم ہونگے، اور معلوم ہوگا کہ رضاعت کے رشتہ سے کن کن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے اور کن عورتوں سے حرام نہیں، اور حرمتِ رضاعت کب ثابت ہوتی ہے اور کب نہیں؟ اس لئے اس کتاب کی احادیثِ طیبہ پڑھنے سے پہلے چند ضروری باتیں معلوم ہونی چاہئیں مثلاً رضاعت کے لغوی اور اصطلاحی معنٰی اور رضاعت کا حکم وغیرہ، تاکہ آنے والی احادیث کا سمجھنا آسان ہو۔

الرضاع: -اس میں راء پر فتحہ اور کسرہ دونوں پڑھنا درست ہے اور **الرضاعة** اس میں بھی راء پر فتحہ اور کسرہ دونوں پڑھنا درست ہے اس کے لغوی معنٰی ہیں دودھ پینا، اور یہ **باب سمع، کرم، فتح** تینوں سے آتا ہے اور اصطلاحِ شرع میں رضاعت اس کو کہتے ہیں کہ کوئی بچہ مدتِ رضاعت میں کسی عورت کا دودھ پیئے، جو بچے کے پیٹ میں پہنچ جائے'' (۱)

رضاعت کا حکم

اس کا حکم یہ ہے دودھ پینے سے دودھ پینے والے بچے اور دودھ پلانے والی عورت کے درمیان حرمت کا رشتہ قائم ہوجاتا ہے جیسے زید اور خالد دونوں اجنبی ہیں اور انہوں نے مدتِ رضاعت میں کسی عورت کا دودھ پیا، تو اب ان دونوں کے درمیان حرمتِ رضاعت کا رشتہ قائم ہوگیا، اور وہ دونوں رضاعی بہن بھائی بن گئے، بہرحال جتنے رشتے نسب سے حرام ہیں۔ رضاعت سے بھی حرام ہوجاتے ہیں۔

رضیع:- دودھ پینے والے بچے کو کہتے ہیں، اور **مرضعہ:**-دودھ پلانے والی عورت کا کہا جاتا ہے۔ (۲)

مدتِ رضاعت کا بیان

کتنی مدت میں دودھ پلانے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوتی ہے اس میں اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی مدت ڈھائی سال ہے۔ اور ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک دو سال ہے۔ فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے ـــــ تاہم ڈھائی سال کی عمر کے اندر اندر

---

(۱) تکملة فتح الملهم: ج ۱ ص ۱۰۹۔

(۲) حوالہ بالا۔

بھی اگر کسی بچے نے کسی عورت کا دودھ پی لیا تو احتیاطاً حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ (۱)

حرمتِ رضاعت میں دودھ کی مقدار میں اختلاف

کتنا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی؟ اس میں اختلاف ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ اور جمہور فقہاءؒ کے نزدیک اس کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں ہے مدتِ رضاعت میں عورت کا دودھ خواہ قلیل ہو یا کثیر جب بچے کے حلق سے اتر جائے گا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی چاہے دودھ کا ایک قطرہ ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پانچ مرتبہ دودھ پینا ضروری ہے۔ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت اسحاق بن راھویہؒ کے نزدیک کم سے کم تین مرتبہ دودھ پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی۔ (۲)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل حدیث ام الفضل ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:- **لا تحرم الرضعة او الرضعتان**. اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے: "**لا تحرم المصة ولا المصتان**"(۳) اور حضرت ام الفضل کی دوسری روایت میں ہے۔ "**لاتحرم الاملاجة او الِاملاجتان**"۔

وہ ان تینوں حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دو مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی تین مرتبہ پینے سے حرمت ثابت ہوگی۔ (۴)

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل حدیثِ عائشہؓ ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ قرآنِ کریم میں دس مرتبہ دودھ پینا موجبِ حرمت نازل ہوا تھا۔ پھر یہ آیت پانچ مرتبہ دودھ پینے سے منسوخ ہوگئی چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہی قرآنِ کریم میں پڑھا جاتا رہا کہ پانچ مرتبہ بچے کو دودھ پلانے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی۔ (۵)

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل قرآنِ کریم کی یہ آیت ہے:-

"وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ"(۶)

---

(۱) رد المحتار: ۲۰۹، ج ۲۔

(۲) جامع الترمذی ابواب الرضاع باب ما جاء لا تحرم المصة والا المصتان، ج ۱ ص ۳۴۷۔

(۳) مرقاة المفاتیح ج ۶ ص ۳۲۱۔

(۴) مرقاة المفاتیح ج ۶ ص ۳۲۱۔

(۵) مرقاة المفاتیح ج ۶ ص ۳۲۱۔

(۶) سورة النساء: ۲۳۔

ترجمہ

''وہ مائیں تم پر حرام ہیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا''۔

اس آیت میں دودھ پلانے والی عورتوں کے حرام ہونے کا ذکر ہے اور آیت میں دودھ پلانا مطلق ہے جو قلیل وکثیر دونوں کو شامل ہے لہٰذا کتاب اللہ سے ثابت ہوا کہ مطلق دودھ پلانے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی چاہے ایک قطرہ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ دودھ پلانا اس کو بھی شامل ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کو اس آیت ناسخہ کا علم نہیں ہوا اس لئے وہ پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہونے والی حدیث بیان فرما رہی ہیں [1] ـــــــ نیز درج ذیل احادیث سے بھی احناف کا موقف ثابت ہوتا ہے مثلاً: **یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة** اور نیز حدیثِ علیؓ سے **ان اللّٰہ حرّم من الرضاعة ما حرم من النسب.** [2] ان احادیث میں مطلق رضاعت کو حرمتِ رضاعت کا سبب بیان کیا گیا ہے اور رضاعۃ مصدر ہے، مصدر میں تکرار نہیں ہوتا جس کا مطلب یہ ہے کہ دودھ پلانا کم ہو یا زیادہ وہ حرمتِ رضاعت کا باعث ہے۔

احناف کا استدلال قیاس سے بھی ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مطلق دودھ پلانے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہونی چاہئے، کیونکہ مدتِ رضاعت میں دودھ پینے سے جزئیت اور بعضیت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے یعنی مدتِ رضاعت میں دودھ بچے کے جسم کا جزو بنتا ہے۔ اور دودھ سے اس کی نشوونما ہوتی ہے۔ اور دودھ سے اس کا گوشت بنتا ہے۔ اور جب گوشت بنا تو وہ بچہ اس عورت کا جزو ہوگیا اور جزو سے نفع اٹھانا حرام ہے۔ لہٰذا اس بچے سے نفع اٹھانا حرام ہوگا۔ لہٰذا اس عورت کا بچہ سے نکاح حرام ہوگا۔ اور بچہ کا اس عورت سے نکاح حرام ہوگا، کیونکہ بچہ اس کا جزو بن گیا اور اپنے جزو سے نفع اٹھانا حرام ہوتا ہے۔ [3]

حضرات شوافع اور اصحابِ ظاہر کی دلیل کا جواب

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل حدیثِ عائشہؓ کا جواب یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک قرآنِ کریم میں خمسُ رضعاتٍ معلوماتٍ کے الفاظ ہوتے تو یہ ضرور منقول ہوتے اور قرآنِ کریم کی متواتر قراءت میں اس کا ذکر ہوتا لیکن متواتر قراءت میں ایسا کوئی لفظ موجود نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ پہلے عشرُ رضعاتٍ سے حرمتِ رضاعت کا حکم تھا پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور خمسُ

---

(۱) اشرف التوضیح ج۲ ص۳۳۱۔

(۲) جامع الترمذی ابواب الرضاع باب ماجاء یحرّم من الرضاع الخ ج۱ ص۳۴۷۔

(۳) مرقاۃ المفاتیح ج۶ ص۳۲۲۔

رضعاتِ معلوماتِ کا حکم نازل ہوا۔ پھر یہ بھی منسوخ ہوگیا اور مطلق رضاعت سے حرمتِ رضاعت کا حکم نازل ہوا جو مذکورہ بالا آیت میں ہے۔ لہٰذا حضرت عائشہؓ کو اس آخری نسخ کا علم نہیں ہوا۔ اس لئے انہوں نے اپنے علم کے مطابق خمسُ رضعاتِ کا حکم بیان کر دیا۔ لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راھویہؒ کی دلیل کا جواب بھی یہی ہے۔ یہ احادیث اس وقت کی ہیں جب خمس رضعات والا حکم منسوخ نہیں ہوا تھا۔ (۱)

۱۰۷۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، ...(الی قوله)... أَنَّ عَائِشَةَ، أَخْبَرَتْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا، وَإِنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ، قَالَتْ عَائِشَةُ :فَقُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، هَذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أُرَاهُ فُلَانًا -لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ قَالَتْ عَائِشَةُ :يَا رَسُولَ اللهِ، لَوْ كَانَ فُلَانٌ حَيًّا لِعَمِّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ دَخَلَ عَلَيَّ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :نَعَمْ، إِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ (ص۴۶۴سطر۱۱تا۱۴)

تشریح

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرمائی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف فرما تھے ایک شخص افلح نے حضرت حفصہؓ کے یہاں آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ایک شخص آپ کے گھر آنے کی اجازت مانگ رہا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر فلاں شخص زندہ ہوتا جو میرا رضاعی چچا تھا کیا وہ میرے پاس آسکتا تھا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں آسکتا تھا۔ کیونکہ رضاعت ان تمام رشتوں کو حرام کرتی ہے جنہیں نسب حرام کرتا ہے۔

قوله : إِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ (ص۴۶۴سطر:۱۴)

اس حدیث کی وجہ سے امت کا اس پر اجماع ہے۔ جتنے رشتے نسب اور دامادی کے رشتے سے حرام ہوتے ہیں اتنے ہی رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں۔ چنانچہ رضاعت کی وجہ سے رضاعی مائیں، رضاعی بیٹیاں رضاعی بہنیں، رضاعی خالائیں، رضاعی پھوپھیاں، رضاعی ماموں اور تمام اصول

(۱) اشرف التوضیح ج۲ص۳۴۱۔

وفروع حرام ہوجاتے ہیں سوائے ان بعض صورتوں کے جنہیں حضرات فقہاء کرامؒ نے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ (۱)

۱۰۷۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، ...(الى قوله)... عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ، جَاءَ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا، وَهُوَ عَمُّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ، بَعْدَ أَنْ أُنْزِلَ الْحِجَابُ، قَالَتْ :فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ، فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي صَنَعْتُ :فَأَمَرَنِي أَنْ آذَنَ لَهُ عَلَيَّ (ص۴۶۷سطر۱،۲)

تشریح

ایک تعارض کا ازالہ

قولہ : أَنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ، (ص۴۶۷سطر۱)

اس حدیث میں یہ ہے کہ افلح جو ابی قُعیس کے بھائی تھے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کے پاس آنے کی اجازت مانگی اور وہ ان کے رضاعی چچا تھے اور زندہ تھے جبکہ اس باب کی پہلی حدیث میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر میرے فلاں رضاعی چچا زندہ ہوتے اور وہ میرے پاس آنا چاہتے تو آسکتے تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں آسکتے تھے۔ اس طرح دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے دو رضاعی چچا تھے۔ پہلی حدیث میں ان کے بارے میں سوال کیا جو وفات پاچکے تھے اور دوسری حدیث میں دوسرے چچا کے بارے میں سوال کیا جو زندہ تھے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ (۲)

۱۰۷۸۔ حَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ...(الى قوله)...عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَتَانِي عَمِّي مِنَ الرَّضَاعَةِ أَفْلَحُ بْنُ أَبِي قُعَيْسٍ، فَذَكَرَ بِمَعْنَى حَدِيثِ مَالِكٍ، وَزَادَ، قُلْتُ :إِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ، قَالَ تَرِبَتْ يَدَاكِ أَوْ يَمِينُكِ (ص۴۶۷سطر۲تا۴)

تشریح

قولہ : تَرِبَتْ يَدَاكِ أَوْ يَمِينُكِ (ص۴۶۷سطر۴)

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۶۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۰۔

رضعاتِ معلوماتِ کا حکم نازل ہوا۔ پھر یہ بھی منسوخ ہوگیا اور مطلق رضاعت سے حرمتِ رضاعت کا حکم نازل ہوا جو مذکورہ بالا آیت میں ہے۔ لہٰذا حضرت عائشہؓ کو اس آخری نسخ کا علم نہیں ہوا۔ اس لئے انہوں نے اپنے علم کے مطابق خمسُ رضعاتِ کا حکم بیان کر دیا۔ لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راھویہؒ کی دلیل کا جواب بھی یہی ہے۔ یہ احادیث اس وقت کی ہیں جب خمس رضعات والا حکم منسوخ نہیں ہوا تھا۔ (1)

۱۰۷۴ ۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، ...(الى قوله)... أَنَّ عَائِشَةَ، أَخْبَرَتْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا، وَإِنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ، قَالَتْ عَائِشَةُ :فَقُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، هَذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أُرَاهُ فُلَانًا -لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ قَالَتْ عَائِشَةُ :يَا رَسُولَ اللهِ، لَوْ كَانَ فُلَانٌ حَيًّا لِعَمِّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ دَخَلَ عَلَيَّ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :نَعَمْ، إِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ (ص۴۶۴ سطر ۱۱ تا ۱۴)

تشریح

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرمائی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف فرما تھے ایک شخص افلح نے حضرت حفصہؓ کے یہاں آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ایک شخص آپ کے گھر آنے کی اجازت مانگ رہا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر فلاں شخص زندہ ہوتا جو میرا رضاعی چچا تھا کیا وہ میرے پاس آسکتا تھا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں آسکتا تھا۔ کیونکہ رضاعت ان تمام رشتوں کو حرام کرتی ہے جنہیں نسب حرام کرتا ہے۔

قوله : إِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ (ص۴۶۴ سطر:۱۴)

اس حدیث کی وجہ سے امت کا اس پر اجماع ہے۔ جتنے رشتے نسب اور دامادی کے رشتے سے حرام ہوتے ہیں اتنے ہی رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں۔ چنانچہ رضاعت کی وجہ سے رضاعی مائیں، رضاعی بیٹیاں رضاعی بہنیں، رضاعی خالائیں، رضاعی پھوپھیاں، رضاعی ماموں اور تمام اصول

(۱) اشرف التوضیح ج۲ ص۲۲۱۔

وفروع حرام ہوجاتے ہیں سوائے ان بعض صورتوں کے جنہیں حضرات فقہاء کرامؒ نے مستثنیٰ فرمایا ہے۔[1]

۱۰۷۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، ...(الی قوله)... عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ، جَاءَ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا، وَهُوَ عَمُّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ، بَعْدَ أَنْ أُنْزِلَ الْحِجَابُ، قَالَتْ :فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ، فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي صَنَعْتُ :فَأَمَرَنِي أَنْ آذَنَ لَهُ عَلَيَّ (ص۴۶۷سطر۱،۲)

تشریح

ایک تعارض کا ازالہ

قوله : أَنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ، (ص۴۶۷سطر۱)

اس حدیث میں یہ ہے کہ افلح جو ابی قُعیس کے بھائی تھے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کے پاس آنے کی اجازت مانگی اور وہ ان کے رضاعی چچا تھے اور زندہ تھے جبکہ اس باب کی پہلی حدیث میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر میرے فلاں رضاعی چچا زندہ ہوتے اور وہ میرے پاس آنا چاہتے تو آسکتے تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں آسکتے تھے۔ اس طرح دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے دو رضاعی چچا تھے۔ پہلی حدیث میں ان کے بارے میں سوال کیا جو وفات پاچکے تھے اور دوسری حدیث میں دوسرے چچا کے بارے میں سوال کیا جو زندہ تھے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔[2]

۱۰۷۸۔ حَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ...(الی قوله)...عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : أَتَانِي عَمِّي مِنَ الرَّضَاعَةِ أَفْلَحُ بْنُ أَبِي قُعَيْسٍ، فَذَكَرَ بِمَعْنَى حَدِيثِ مَالِكٍ، وَزَادَ، قُلْتُ :إِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ، قَالَ تَرِبَتْ يَدَاكِ أَوْ يَمِينُكِ (ص۴۶۷سطر۲تا۴)

تشریح

قوله : تَرِبَتْ يَدَاكِ أَوْ يَمِينُكِ (ص۴۶۷سطر۴)

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۶۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۰۔

یعنی تم محتاج اور فقیر ہو اور مٹی ہو یہ اصل میں بد دُعا ہے لیکن اہل عرب اس کو کسی چیز کا انکار کرنے یا ڈانٹنے یا اظہارِ تعجب کے وقت استعمال کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی مسلمان کے حق میں یہ جملہ یا اس جیسے دیگر جملے ارشاد فرمانے سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوتے کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ بات منوا رکھی ہے کہ مسلمانوں کے حق میں ایسے بے ساختہ بد دعائیہ جملے اگر میرے منہ سے نکلیں تو ان کو مسلمان کے حق میں موجب خیر و برکت بنانا۔ (۱)

١٠٨٦ـ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ...(الى قوله)...عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ :قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا لَكَ تَنَوَّقُ فِي قُرَيْشٍ وَتَدَعُنَا؟ فَقَالَ :وَعِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، بِنْتُ حَمْزَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِي، إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ (ص۴۶۷ سطر:۱۸،۱۹)

تشریح

قوله : تَنَوَّقُ الخ (ص۴۶۷ سطر:۱۹) ای تختار اس کے معنیٰ منتخب کرنے کے ہیں۔ یہ نیقۃ سے مشتق ہے جو منتخب چیز کو کہتے ہیں۔ (۲)

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ اپنے چچا حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی عمارہؓ سے نکاح نہیں کرتے جو قریش کی لڑکیوں میں بہت خوبصورت ہے آپ نے جواب دیا کہ وہ میرے لئے حلال نہیں کیونکہ وہ میری رضاعی بھتیجی ہے اور اللہ تعالیٰ نے وہ تمام رشتہ جو نسب سے حرام فرمائے ہیں رضاعت سے بھی حرام فرمائے ہیں کیونکہ حضرت ثوبیہؓ نے جو ابولہب کی باندی تھیں حضرت حمزہؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں اپنا دودھ پلایا تھا۔ اور حضرت حمزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو یا چار سال بڑے تھے۔ (۳)

١٠٨٧ـ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، ...(الى قوله)... عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ بِنْتِ أَبِي سُفْيَانَ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ لَهُ: هَلْ لَكَ فِي أُخْتِي بِنْتِ أَبِي سُفْيَانَ؟ فَقَالَ: أَفْعَلُ مَاذَا؟ قُلْتُ: تَنْكِحُهَا، قَالَ: أَوَ تُحِبِّينَ ذَلِكِ؟ قُلْتُ :لَسْتُ لَكَ بِمُخْلِيَةٍ، وَأَحَبُّ مَنْ شَرِكَنِي فِي الْخَيْرِ أُخْتِي،

---

(۱) كذا فی فتح الباری بحوالہ تکملۃ فتح الملهم ج۱ص۲۴۔

(۲) شرح النووی ج۱ص۴۶۷۔

(۳) تکملۃ فتح الملهم ج۱ص۲۸۔

قَالَ :فَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِی ، قُلْتُ :فَإِنِّی أُخبِرْتُ أَنَّكَ تَخطُبُ دُرَّةَ بِنْتَ أَبِی سَلَمَةَ، قَالَ :بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ؟ قُلْتُ :نَعَمْ، قَالَ :لَوْ أَنَّهَا لَمْ تَكُنْ رَبِیبَتِی فِی حِجرِی مَا حَلَّتْ لِی، إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِی مِنَ الرَّضَاعَةِ، أَرْضَعَتْنِی وَأَبَاهَا ثُوَیْبَةُ، فَلَا تَعْرِضْنَ عَلَیَّ بَنَاتِكُنَّ، وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ (ص۴۶۴سطر ا تا ۴)

تشریح

قوله : زَیْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ　　(ص۴۶۸سطر:۱)

یہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد المخزومی کی بیٹی ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ ہیں جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کیا تو یہ ان کی گود میں تھیں اور ان کا دودھ پیتی تھیں ان کا نام برّہ تھا جسے بدل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رکھا۔ یہ مدینہ طیبہ کی عورتوں میں سب سے زیادہ فقیہ شمار ہوتی تھیں یہ حضرت ام حبیبہؓ سے نقل کرتی ہیں جو حضرت ابوسفیانؓ کی بیٹی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بہن جس کا نام عزّہ تھا عرض کیا کہ آپ کو اس سے نکاح کرنے میں دلچسپی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس پر راضی ہو؟ (حالانکہ وہ تمہاری سوکن بنے گی) میں نے عرض کیا کچھ مضائقہ نہیں میں چاہتی ہوں کہ وہ بھی آپ کے نکاح میں آکر دنیا وآخرت کی بھلائی میں شریک ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرے حلال نہیں ہے کیونکہ ایک ساتھ دو بہنیں ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں تو حضرت ام حبیبہؓ نے عرض کیا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ نے ابوسلمہ کی بیٹی دُرّہ کو نکاح کا پیغام دیا تھا آپ نے فرمایا ہاں، مگر میں نے ان سے نکاح نہیں کیا کیونکہ وہ میری ربیبہ تھی جو میری زیر پرورش تھی اور اس لئے بھی وہ میرے لئے حلال نہ تھی کہ وہ میری رضاعی بھتیجی تھی غرض کہ دو وجہ سے اس سے نکاح کرنا حرام تھا ایک ربیبہ ہونے کی وجہ سے، دوسرا رضاعی بھتیجی ہونے کی وجہ سے کیونکہ مجھے اور اس کے باپ کو ثوبیہؓ نے دودھ پلایا تھا۔ لہٰذا تم اپنی بیٹیاں اور بہنیں مجھ سے نکاح کے لئے پیش نہ کیا کرو۔[1]

ربیبہ سے نکاح حرام ہے

اس حدیث سے واضح طور سے ثابت ہوا کہ ربیبہ سے نکاح کرنا حرام ہے خواہ وہ سوتیلے باپ کے زیر پرورش ہو یا نہ ہو۔ یہی جمہور کا مسلک ہے اور قرآن کریم میں ہے:۔

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۳۰۔

"وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ"[۱]

اس آیت میں زیرِ پرورش ہونے کی قید عام دستور کے مطابق ہے بطورِ قیدِ احترازی کے نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض اہل ظاہر نے سمجھا ہے جو درست نہیں۔ جمہور نے حدیثِ بالا کے آخری حصہ **ولاتعرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ** سے بھی استدلال کیا ہے۔ کہ یہ الفاظ عام ہیں کہ ربیبہ سوتیلے باپ کی پرورش میں ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں اس سے نکاح کرنا حرام ہے۔[۲]

۱۰۹۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ، ...(الی قوله)... أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ، حَدَّثَتْهُ، أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَتْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا رَسُولَ اللهِ، انْكِحْ أُخْتِي عَزَّةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَتُحِبِّينَ ذَلِكِ؟ فَقَالَتْ :نَعَمْ، يَا رَسُولَ اللهِ، لَسْتُ لَكَ بِمُخْلِيَةٍ، وَأَحَبُّ مَنْ شَرِكَنِي فِي خَيْرٍ أُخْتِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :فَإِنَّ ذَلِكِ لَا يَحِلُّ لِي ، قَالَتْ :فَقُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، فَإِنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّكَ تُرِيدُ أَنْ تَنْكِحَ دُرَّةَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ :بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَوْ أَنَّهَا لَمْ تَكُنْ رَبِيبَتِي فِي حِجْرِي مَا حَلَّتْ لِي، إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ، أَرْضَعَتْنِي وَأَبَا سَلَمَةَ ثُوَيْبَةُ فَلَا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ (ص۴۶۸سطر۵تا۹)

تشریح

قوله : أَرْضَعَتْنِي وَأَبَا سَلَمَةَ ثُوَيْبَةُ (ص۴۶۸سطر:۸،۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے حضرت ثوبیہؓ نے چند روز اپنا دودھ پلایا اُس وقت ان کا بیٹا مسروح ان کا دودھ پیتا تھا اور اس سے پہلے حضرت ثوبیہؓ نے حضرت حمزہؓ کو، ان کے بعد ابو سلمہ بن عبد الاسد کو دودھ پلایا۔[۳]

۱۰۹۵۔حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، ...(الی قوله)...عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - :وَقَالَ سُوَيْدٌ وَزُهَيْرٌ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

(۱) سورۃ النساء: آیت ۲۳۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۔

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۔

وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ (ص۴۶۸سطر:۱۱،۱۲)

تشریح

قوله : لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ (ص۴۶۸سطر:۱۱)

المصة ایک مرتبہ دودھ پینے کو کہتے ہیں۔ اس حدیث سے اصحابِ ظاہر نے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ حرمتِ رضاعت ثابت ہونے کے لئے کم سے کم تین مرتبہ دودھ پینا ضروری ہے ایک یا دو مرتبہ دودھ پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوگی جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ احناف کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے۔ اور مطلق دودھ پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔[1] جیسا کہ اس مسئلہ کی تفصیل کتابُ الرضاع کے شروع میں گزر چکی ہے۔

۱۰۹۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى،...(الی قوله)...عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ، قَالَتْ :دَخَلَ أَعْرَابِيٌّ عَلَى نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ فِي بَيْتِي، فَقَالَ :يَا نَبِيَّ اللهِ، إِنِّي كَانَتْ لِي امْرَأَةٌ، فَتَزَوَّجْتُ عَلَيْهَا أُخْرَى، فَزَعَمَتِ امْرَأَتِي الْأُولَى أَنَّهَا أَرْضَعَتِ امْرَأَتِي الْحُدْثَى رَضْعَةً أَوْ رَضْعَتَيْنِ، فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تُحَرِّمُ الْإِمْلَاجَةُ وَالْإِمْلَاجَتَانِ (ص۴۶۸سطر:۱۳تاص۴۶۹سطر۱)

تشریح

قوله : عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ (ص۴۶۸سطر:۱۳)

ان کا نام لبابه بنت الحارث ہے۔ یہ حضرت عباسؓ کی بیوی ہیں اور ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کی سگی بہن ہیں عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد سب سے پہلے یہ ایمان لانے والی ہیں ان کی دو بہنیں اور بھی تھیں ایک حضرت اسماءؓ اور حضرت سلمٰیؓ یہ چاروں بہنیں مسلمان تھیں۔[2]

قوله : الْحُدْثَى (ص۴۶۹سطر:۱تا۴)

مراد نئی اور دوسری بیوی ہے۔[3]

قوله : الْإِمْلَاجَةُ وَالْإِمْلَاجَتَانِ (ص۴۶۹سطر:۱)

الاملاجة بچے کے منہ میں ایک مرتبہ پستان دینے کو کہتے ہیں یہ باب سمع سے آتا ہے۔[4]

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۳۵۔
(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۴۲۔
(۳) تکملة فتح الملهم ج۱ص۴۲۔
(۴) حوالہ بالا۔

حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، ...(الی قولہ)... عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِي عَامِرِ بْنِ صَعْصَعَةَ، قَالَ :يَا نَبِيَّ اللهِ، هَلْ تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ الْوَاحِدَةُ؟ قَالَ : لَا (ص۴۶۹سطر۲،۳)

تشریح

قولہ : لَا　　(ص۴۶۹سطر:۳)

اس باب کی احادیث میں ایک مرتبہ دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہونے کے متعلق یہ حدیث سب سے زیادہ صریح ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ شیر خوار بچے کے پیٹ میں دودھ کا جانا نہ پایا جائے۔ اس مسئلہ میں جمہور کا مذہب قوی ہے۔ کیونکہ احادیث میں دودھ پلانے کی مختلف مقداریں آئی ہیں لہٰذا کم سے کم اتنی مقدار میں دودھ پینا حرمت رضاعت کے لئے ضروری ہے جسے دودھ پینا کہا جائے اس کے لئے دودھ پلانے کی کوئی خاص تعداد ضروری نہیں۔ (۱)

۱۰۹۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ...(الی قولہ)...أَنَّ أُمَّ الْفَضْلِ، حَدَّثَتْ، أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ أَوِ الرَّضْعَتَانِ، أَوِ الْمَصَّةُ أَوِ الْمَصَّتَانِ　(ص۴۶۹سطر:۳تا۵)

تشریح

قولہ : الرَّضْعَةُ أَوِ الرَّضْعَتَانِ　　(ص۴۶۹سطر:۴)

اس حدیث میں دو لفظ آئے ہیں "المصة" اور "الرضعة" دونوں میں فرق ہے وہ یہ ہے کہ "المصة" ایک مرتبہ چسکی لینے کو کہتے ہیں چاہے اس ایک چسکی میں بچے نے ایک قطرہ دودھ پیا ہو۔ اس کو "المصة" کہا جاتا ہے۔ اور "الرضعة" اچھی طرح دودھ پینے کو کہتے ہیں چاہے بچے نے متعدد چسکیاں لی ہوں۔ (۲)

بالغ شخص کو دودھ پلانے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی

۱۰۹۹۔حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ، ...(الی قولہ)...عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :جَاءَتْ سَهْلَةُ بِنْتُ سُهَيْلٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي

---

(۱) تکملة فتح الملہم ج۱ص۴۲۔

(۲) تکملة فتح الملہم ج۱ص۴۳۔

أَرَى فِي وَجْهِ أَبِي حُذَيْفَةَ مِنْ دُخُولِ سَالِمٍ وَهُوَ حَلِيفُهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَرْضِعِيهِ ، قَالَتْ :وَكَيْفَ أُرْضِعُهُ؟ وَهُوَ رَجُلٌ كَبِيرٌ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ :قَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ رَجُلٌ كَبِيرٌ ، زَادَ عَمْرٌو فِي حَدِيثِهِ :وَكَانَ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا، وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ أَبِي عُمَرَ :فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص۴۶۹سطر۱۲تا۱۵)

تشریح

قوله : سَهْلَةُ بِنْتُ سُهَيْلٍ (ص۴۶۹سطر:۱۲)

یہ حضرت حذیفہؓ کی بیوی کا نام ہے۔(۱)

قوله : إِنِّي أَرَى فِي وَجْهِ أَبِي حُذَيْفَةَ (ص۴۶۹سطر:۱۳)

یعنی میں ابوحذیفہ کے چہرے پر ناگواری محسوس کرتی ہوں (سالم مولی ابی حذیفہ) کے میرے پاس آنے کی وجہ سے۔(۲)

قوله : مِنْ دُخُولِ سَالِمٍ وَهُوَ حَلِيفُهُ (ص۴۶۹سطر:۱۳)

حضرت سالم بن معقلؓ حضرت ابوحذیفہؓ کے حلیف اور مولیٰ تھے۔ دراصل یہ ایک انصاری عورت فاطمہ کے غلام تھے۔ اس نے ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آزاد کردیا تو انہوں نے حضرت ابو حذیفہ سے عقد موالات کرلیا۔ حدیث مذکور میں حلیف سے یہی مولی الموالات مراد ہے۔ اور حضرت ابوحذیفہؓ نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا۔ اور حضرت ابوحذیفہؓ ان کو اپنا بیٹا ہی سمجھتے تھے۔ پھر جب اللہ پاک نے یہ حکم نازل کیا:۔ وما جعل ادعياء كم ابناء كم ذلك قولكم بافواهكم ۔ الآية

تو ہر شخص نے متبنیٰ کی نسبت کو اس کے اصل باپ کی طرف لوٹا دیا۔ اور اپنی نسبت ختم کر کے ان کے اصل والدین کی طرف ان کی نسبت شروع کردی۔ اور جس کے والد کا علم نہ ہوتا۔ اس کی نسبت اس کے موالی کی طرف کردیتے تھے۔ اس لئے حضرت سالمؓ کو مولیٰ ابی حذیفہؓ کہا جاتا تھا۔ اور یہ شروع میں اسلام لانے والوں میں سے ہیں اور مسجد قباء میں مہاجرینؓ وانصارؓ کی امامت فرماتے تھے۔ اور یہ اکثر صحابہؓ سے زیادہ قرآن کریم جانتے تھے۔(۳)

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۴۸۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج۱ص۴۱۔

حضرت حذیفہؓ کی بیوی سہلہ بنت سہیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ جب حضرت سالمؓ میرے پاس آتے ہیں تو میں اپنے شوہر ابو حذیفہؓ کے چہرے پر ناگواری محسوس کرتی ہوں میں کیا کروں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کو اپنا دودھ پلا دو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں انہیں کیسے دودھ پلاؤں وہ تو بڑے ہیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ مجھے بھی معلوم ہے کہ وہ بڑے ہیں تو کیا کسی برتن وغیرہ میں دودھ نکال کر نہیں پلا سکتیں چنانچہ وہ پانچ دن تک کسی برتن وغیرہ میں دودھ نکال کر حضرت سالمؓ کو دیتی رہیں اور وہ پیتے رہے اس کے بعد حضرت حذیفہؓ کے چہرے کی ناگواری جاتی رہی اور حضرت سالمؓ حضرت سہلہؓ کے پاس جبکہ وہ ننگے سر ہوتی تھیں بلا تکلف آجاتے تھے کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ رخصت دینے کی بناء پر رضاعی ماں بن چکی تھیں۔ [1]

قوله : قَدْ عَلِمْتُ اَنَّهُ رَجُلٌ كَبِيرٌ ، (ص۴۶۹سطر:۱۴)

اس حدیث کی وجہ سے حضرت عائشہؓ کا مذہب یہ تھا کہ جس طرح نابالغ بچے کو دودھ پلانے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوتی ہے کسی بالغ مرد وعورت کو دودھ پلانے سے بھی حرمتِ رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور علامہ ابن حزمؒ کا بھی یہی مسلک ہے لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مدتِ رضاعت کے بعد کسی بچے یا بچی کو دودھ پلانے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور اس پر اجماع ہے۔ جمہور کے چند دلائل یہ ہیں۔

۱ ... حضرت امام بخاریؒ نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة [2]" سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ دو سال کی عمر ہونے کے بعد کسی بچے کو دودھ پلانے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

۲ ... **عن عائشةؓ مرفوعاً فانما الرضاعة من المجاعة. (اخرجه الشيخان [3])**

یعنی وہ رضاعت موجبِ حرمت ہے جو بھوک زائل کر دے اور وہ دو سال کی عمر کے اندر اندر ہے اس کے بعد دودھ سے بھوک ختم نہیں ہوتی، روٹی اور دیگر غذاؤں سے ہوتی ہے جیسا کہ

(۱) تکملة فتح الملہم ج۱ص۳۹۔

(۲) سورۃ البقرۃ: ۲۳۳۔

(۳) صحیح البخاری کتاب النکاح باب من قال "لا رضاع بعد حولین" رقم الحدیث: ۴۷۱۲ وصحیح مسلم کتاب الرضاع، باب انما الرضاعة من المجاعة: ۲۶۴۲۔

ایسی اور متعدد احادیث کتابِ مسلم میں آرہی ہیں۔

۳ ... **عن جابر ان رسول الله ﷺ قال لا رضاع بعد فصالٍ و لایتم بعد احتلام (اخرجه ابو داؤد فی مسنده [۱])**

اور حضرت سالمؓ کو حضرت سہلہؓ کے دودھ پلانے والی حدیث کا جمہور نے یہ جواب دیا ہے۔ کہ یہ حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ کی خصوصیت تھی۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ آگے متعدد احادیثِ مسلم میں یہ صراحت آرہی ہے کہ حضرت عائشہؓ کے سوا دیگر ازواجِ مطہراتؓ اس حکم کو حضرت سالمؓ کے ساتھ خاص سمجھتی تھیں۔ اور وہ حضرت عائشہؓ کے موقف سے اختلاف رکھتی تھیں۔ [۲]

باب انما الرضاعة من المجاعة (ص:۴۷۰)

مدتِ رضاعت میں دودھ پینا معتبر ہے

۱۱۱۱۔ حَدَّثَنِی هَنَّادُ بْنُ السَّرِیِّ، ...(الی قوله)...قَالَتْ عَائِشَةُ :دَخَلَ عَلَیَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعِنْدِی رَجُلٌ قَاعِدٌ، فَاشْتَدَّ ذَلِكَ عَلَيْهِ وَرَأَيْتُ الْغَضَبَ فِي وَجْهِهِ، قَالَتْ:فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّهُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ، قَالَتْ: فَقَالَ: اُنْظُرْنَ إِخْوَتَكُنَّ مِنَ الرَّضَاعَةِ، فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ (ص۴۷۰سطر:۱،۲)

تشریح

قوله : فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ (ص۴۷۰سطر:۲)

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے یہاں تشریف لائے۔ اور اُن کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اُسے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کا اُن کے پاس بیٹھنا ناگوار ہوا۔ اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کے مبارک چہرے میں غصہ کے آثار محسوس کئے تو میں نے عرض کیا کہ حضور یہ میرا رضاعی بھائی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے تحقیق کرلیا کرو کہ واقعی وہ تمہارا رضاعی بھائی ہے یا نہیں کیونکہ شرعی طور پر رضاعت کا اعتبار بھوک کے وقت ہے۔

اس میں المجاعۃ جوع سے مشتق ہے جس کے معنٰی بھوک کے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوتا

(۱) مسند ابی داؤد الطیالسیؒ رقم الحدیث : ۱۸۶۷۔

(۲) تکملۃ ج۱ص۵۰تا۵۲۔

ہے کہ شریعت میں دودھ پینا وہ موجب حرمتِ رضاعت ہے جو بچے کے دودھ پینے کے زمانے میں ہو اور وہ دودھ بچے کی بھوک مٹائے۔ اور جسمانی طور پر بچے کی غذا کا کام دے۔ کیونکہ اُسی زمانے میں دودھ جزوِ بدن بنتا ہے اور اُس سے بچے کا جسم بڑھتا ہے جس سے بچہ دودھ پلانے والی عورت کے جسم کے جزو کی طرح ہو جاتا ہے اور وہ اس کی دیگر اولاد کی طرح ہو جاتا ہے۔ اور اُسی سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوتی ہے اور یہ سب کچھ مدتِ رضاعت میں ہوتا ہے مدتِ رضاعت کے بعد نہیں ہوتا۔ اور حدیثِ بالا میں مذکورہ شخص نے مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پیا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت عائشہؓ نے اس کو اپنا دودھ شریک بھائی سمجھ لیا تھا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرا۔

مدتِ رضاعت جمہور یعنی ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبین کے نزدیک دو سال ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ڈھائی سال ہے۔ [1] لہٰذا دو سال کی عمر کے بعد ڈھائی سال کے اندر اندر اگر کسی بچے نے کسی عورت کا دودھ پی لیا تو احتیاطاً حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ [2]

باب جواز وطئ المسبية بعد الاستبراء...الخ

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ الْقَوَارِيرِيُّ، ...(الى قوله)...عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، "أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ بَعَثَ جَيْشًا إِلَى أَوْطَاسَ، فَلَقُوا عَدُوًّا، فَقَاتَلُوهُمْ فَظَهَرُوا عَلَيْهِمْ، وَأَصَابُوا لَهُمْ سَبَايَا، فَكَأَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّجُوا مِنْ غِشْيَانِهِنَّ مِنْ أَجْلِ أَزْوَاجِهِنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي ذَلِكَ :"وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ"، أَيْ :فَهُنَّ لَكُمْ حَلَالٌ إِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهُنَّ

(ص ۴۷۰ سطر ۴ و ۵)

قوله : أَوْطَاسَ، (ص ۴۷۰ سطر:۶)

یہ بنو ہوازن کے علاقے میں ایک وادی کا نام ہے جہاں غزوۂ اوطاس ہوا تھا۔ یہ وادی مکہ مکرمہ سے تین مراحل کے فاصلہ پر ہے۔

قوله : فَظَهَرُوا عَلَيْهِمْ، (ص ۴۷۰ سطر:۶)

---

(۱) تکملة فتح الملهم: ج۲ ص۲۲۵ و شرح النووی ج۱ ص۴۶۹۔

(۲) مرقاة ص۲۲۵ ج۲ و تکملة فتح الملهم: ج۱ ص۵۲۔

یعنی مسلمان بنوہوازن پر غالب آئے اوران کی عورتیں مسلمانوں کے قبضہ میں آگئیں۔

قولہ : تَحَرَّجُوا مِنْ غَشْيَانِهِنَّ (ص۴۷۰سطر:۱۲)

چنانچہ مسلمان ان عورتوں سے صحبت کرنے میں احتیاط کرنے لگے اوران سے صحبت کرنے کو گناہ سمجھنے لگے۔ کیونکہ ان کے شوہر موجود تھے۔ اس پر اللہ پاک نے آیت "وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ" نازل فرمائی اوران عورتوں سے استبراء کے بعد صحبت کرنا حلال کردیا کیونکہ ان عورتوں کا ان کے مشرک شوہروں سے نکاح فسخ ہوگیا تھا۔ (۱)

اسی بناء پر امت کا اس پر اجماع ہے کہ جب کوئی حربی عورت لڑائی میں مسلمانوں کی قید میں آجائے تو اس کے غیر مسلم شوہر سے اس کا نکاح فسخ ہوجائے گا اور وہ عورت مالِ غنیمت کی تقسیم میں جس مجاہد کے حصہ میں آئے گی استبراء کے بعد وہ اس کے لئے حلال ہوگی لیکن جمہور کے نزدیک اس کے حلال ہونے کی مجموعی طور پر دو شرطیں ہیں۔

۱ ... ایک یہ کہ وہ مسلمان یا کتابی ہو۔ ۲ ... دوسرے یہ کہ استبراء ہوجائے۔ (۲)

باب الولد للفراش وتوقي الشبهات...الخ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، ...(الی قولہ)...عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ :اخْتَصَمَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ، وَعَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فِي غُلَامٍ، فَقَالَ سَعْدٌ :هَذَا يَا رَسُولَ اللهِ ابْنُ أَخِي عُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَهِدَ إِلَيَّ أَنَّهُ ابْنُهُ، انْظُرْ إِلَى شَبَهِهِ، وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ :هَذَا أَخِي يَا رَسُولَ اللهِ، وُلِدَ عَلَى فِرَاشِ أَبِي مِنْ وَلِيدَتِهِ، فَنَظَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى شَبَهِهِ، فَرَأَى شَبَهًا بَيِّنًا بِعُتْبَةَ، فَقَالَ :هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ، الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ، وَاحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ، قَالَتْ: فَلَمْ يَرَ سَوْدَةَ قَطُّ، وَلَمْ يَذْكُرْ مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ :قَوْلَهُ :يَا عَبْدُ (ص۴۷۰ج۔اوسطر۱۲)

اس باب کی شروع کی احادیث میں ایک واقعہ مذکور ہے۔ اس کو سمجھنے سے پہلے اس کا پس منظر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کی کچھ باندیاں ایسی ہوتی تھیں جو

(۱) تکملۃ فتح الملھم ج۱ص۶۳۔

(۲) تکملۃ فتح الملھم ج۱ص۶۳۔

بدکاری کروا کر پیسے کماتی تھیں اور اپنے آقاؤں کو دیتی تھیں اس دوران ان کے آقا بھی ان سے صحبت کرتے رہتے تھے اور بدکار لوگ بھی۔ اور جب ان کے کوئی بچہ پیدا ہوتا تو کبھی آقا اسے اپنا بیٹا بتاتا تو وہ اس کا بیٹا قرار پاتا اور کبھی زانی اپنا بیٹا بتاتا تو اس سے اس کا نسب ثابت کر دیا جاتا، اگر آقا کا انتقال ہو جاتا اور اس نے ایسے بچے کے بارے میں نہ نسب کا دعویٰ کیا ہو اور نہ انکار۔ اور اس کے ورثاء اس کے بارے میں دعویٰ کریں تو اس کے باپ کے ساتھ اس کو لاحق کر دیا جاتا تھا۔ لیکن وہ ان کے باپ کی میراث مین شریک نہ ہوتا تھا۔ الا یہ کہ تقسیم میراث سے پہلے اس کو لاحق کیا جاتا تو وہ میراث میں بھی شریک ہوتا تھا البتہ اگر آقا، نے اس کو اپنا بنانے سے انکار کر دیا ہو تو وہ پھر کسی صورت میں اس کے ساتھ لاحق نہیں ہوتا تھا۔

ام المؤمنین حضرت سودہؓ کے والد کا نام زمعہ بن قیس ہے ان کی ایک ایسی ہی باندی تھی جیسی باندیوں کا اوپر ذکر آیا وہ خود بھی اس سے صحبت کرتے تھے۔ اور عقبہ بن ابی وقاص بھی اس سے ملتے تھے۔ جو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے بھائی تھے۔ اور ان کا انتقال کفر کی حالت میں ہوا۔

عقبہ بن ابی وقاص نے مرنے سے پہلے اپنے بھائی سعدؓ بن ابی وقاص کو وصیت کی کہ مذکورہ باندی کا حمل ان کا ہے لہٰذا ان کا نسب ان سے لاحق کیا جائے تو حضرت سعدؓ فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ گئے تو انہوں نے اس باندی سے پیدا ہونے والے بچے کو دیکھا اور اس میں اپنے بھائی عقبہ سے واضح مشابہت پائی اور اسی مشابہت سے انہوں نے اسے پہچانا لہٰذا اس بچہ کو اپنی گود میں لے لیا اور اپنے بھائی عقبہ سے ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے ساتھ لاحق کیا تو عبد بن زمعہ نے ان سے جھگڑا کیا اور کہا کہ یہ میرے باپ کا بیٹا ہے کیونکہ یہ ان کی باندی سے پیدا ہوا ہے بالآخر یہ مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو آپ نے عبد بن زمعہ کے بارے میں فیصلہ کیا اور زمانۂ جاہلیت کے حق کو باطل قرار دیا۔ [1]

اب حدیث بالا کی تشریح ملاحظہ ہو۔

قولہ : عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ (ص ۴۷۰ سطر: ۱۳)

زمعة کی میم ساکن ہے اور یہی راجح ہے۔ یہ حضرت سودہؓ کے بھائی ہیں جو فتح مکہ کے موقع

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ ص ۶۸۔

پر مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا شمار بڑے صحابہ میں ہوتا ہے۔[۱]

قولہ : فِي غُلَامٍ، (ص۴۷۰سطر:۱۴) ان کا نام عبد الرحمٰن ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔[۲]

قولہ : عُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، (ص۴۷۰سطر:۱۴)

عتبہ کی عین پر ضمہ ہے اور تاء ساکن ہے یہ وہی شخص ہے جس نے غزوۂ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور زخمی کیا تھا اور آپ کی داڑھ مبارک توڑی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بددعا دی کہ اے اللہ! اسے سال گزرنے سے پہلے ہی حالتِ کفر میں موت دینا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا اس کو ایسی لگی کہ سال گزرنے سے پہلے ہی حالتِ کفر میں اس کا انتقال ہوا۔[۳]

قولہ : عَهِدَ إِلَيَّ أَنَّهُ ابْنُهُ، (ص۴۷۰سطر:۱۴)

یعنی عتبہ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو وصیت کی کہ زمعہ کی باندی کا بچہ میرا بیٹا ہے اور بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ تم اس کو لے لینا۔[۴]

قولہ : وَلِيدَتِهِ، (ص۴۷۰سطر:۱۵)

ولیدہ کے اصل معنیٰ لڑکی کے ہیں تاہم یہ باندی اور جاریہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ اگرچہ باندی بڑی عمر کی ہو۔[۵]

قولہ : هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ، (ص۴۷۰سطر:۱۵)

یعنی اے عبد بن زمعة یہ تمہارا بھائی ہے شوافع ان الفاظ سے اس بچہ کا نسب زمعة سے ثابت کرتے ہیں اور احناف کے اس میں دو قول ہیں بعض ان الفاظ سے نسب ثابت نہیں کرتے صرف زمعة کی وراثت میں اس کو شریک قرار دیتے ہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک مولیٰ سے اس کا نسب دعویٰ کئے بغیر ثابت نہیں ہوتا اور بعض نسب ثابت کرتے ہیں کیونکہ مذکورہ باندی زمعة کی ام ولد تھی۔[۶]

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۸۹۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۹۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج۱ص۶۹۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) تکملة فتح الملهم ج۱ص۶۹۔

(۶) تکملة فتح الملهم ج۱ص۷۰۔

قولہ : اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، (ص ۴۷۰ سطر: ۱۵)

یعنی جس کی باندی بچہ اس کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لئے فرمایا کہ محض عبدبن زمعۃ کے کہنے سے یہ بچہ ان کے باپ زمعۃ کا بیٹا نہیں بنا بلکہ مذکورہ باندی چونکہ ان کے باپ زمعۃ کی فراش یعنی ام ولد تھی اس لئے اسی کا بچہ قرار پایا۔ [۱]

قولہ : وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ، (ص ۴۷۰ سطر: ۱۵)

عاھر سے مراد زانی ہے اور علماءِ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ زانی کے لئے حجر ہے اس سے مراد اس کو پتھر سے زخمی کرنا ہے۔ یعنی زانی کو رجم کیا جائے گا۔ لیکن اس مطلب پر حضرت امام نوویؒ نے اعتراض کیا ہے کہ رجم کے لئے محصن ہونا ضروری ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ حجر سے محروم ہونا اور خائب وخاسر ہونا مراد ہے۔ یعنی زانی کے لئے پتھر ہے یعنی وہ بچے کے نسب کا دعوٰی کرنے میں محروم ہے۔ یہ دوسری تشریح الفاظِ حدیث کے زیادہ قریب اور قابلِ قبول ہے۔ [۲]

قولہ : وَاحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ بِنْتَ زَمْعَةَ، (ص ۴۷۰ سطر: ۱)

یہاں ایک اشکال ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ باندی کے بچہ کا نسب زمعۃ سے ثابت فرمایا تو وہ حضرت سودہؓ کا بھائی ہوا۔ پھر آپ نے حضرت سودہؓ کو ان سے پردہ کرنے کا کیوں حکم دیا؟ تو احنافؒ وشوافعؒ نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ احتیاط پردہ کرنے کا حکم دیا کیونکہ ان میں عتبہ بن ابی وقاص کے ساتھ واضح مشابہت پائی جاتی تھی اور شوہر اپنی بیوی کو اس کے بعض محارم سے پردہ کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔ [۳]

باب العمل بالحاق القائف الولد

۱۱۲۲ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى...(الى قوله)...عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ :إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، دَخَلَ عَلَيَّ مَسْرُورًا، تَبْرُقُ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ، فَقَالَ: أَلَمْ تَرَىْ أَنَّ مُجَزِّزًا نَظَرَ آنِفًا إِلَى زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ، وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، فَقَالَ:

---

(۱) فتح الملہم ج۱ ص ۷۰۔
(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۱ ص ۷۰۔
(۳) تکملۃ فتح الملہم ج۱ ص ۷۱ و شرح النووی ج۱ ص ۴۷۱۔

إِنَّ بَعْضَ هَذِهِ الْأَقْدَامِ لَمِنْ بَعْضٍ　　(ص۴۷۱سطر:۶تا۸)

تشریح

قائف اس شخص کو کہتے ہیں جو آثار و علامات میں غور کر کے کسی شخص کے بارے میں بتائے کہ وہ فلاں شخص کا بھائی یا باپ ہے۔ اس کی جمع قافۃ آتی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں علمِ قیافہ کا بڑا زور تھا، اہلِ عرب قیافہ شناس کی بات کو سند کا درجہ دیتے تھے۔ اور اس کی بات پر بہت زیادہ بھروسہ کرتے تھے اور اس کی وضاحت کے بعد کسی کے نسب پر اعتراض نہیں کرتے تھے۔[۱] اس پسِ منظر میں حدیث الباب کی تشریح سمجھیں!

قولہ : دَخَلَ عَلَيَّ　　(ص۴۷۱سطر:۷)

اصل قصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ بہت گورے چٹے تھے۔ اور ان کے بیٹے حضرت اسامہ بن زید نہایت کالے تھے۔ جس کی وجہ سے زمانۂ جاہلیت میں لوگ حضرت اُسامہؓ کے نسب پر اعتراض کرتے تھے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی تھی۔ مُجَزِّزٌ المدلجی ایک قیافہ شناس شخص تھا۔ وہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں آیا جہاں یہ دونوں باپ بیٹےؓ چادر سے منہ ڈھکے سوئے ہوتے تھے۔ اور ان کے پیر کھلے ہوئے تھے۔ اس نے ان کے پیر دیکھ کر کہا کہ یہ باپ بیٹے کے پیر ہیں۔ جس سے حضرت اُسامہ کے نسب پر اعتراض والی بات غلط ہوگئی اور مجزز چونکہ قیافہ شناس شخص تھا اس لئے اس کی بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا تھا۔ اس لئے اس کی بات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت خوشی ہوئی اور خوشی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمک اٹھا۔[۲]

قولہ : تَبْرُقُ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ، (ص۴۷۱سطر:۷) اَسَارِیر کا مفرد سِرٌّ ہے اسکی جمع اسرار اور سرر آتی ہے۔ یہ دراصل ہتھیلی کے اندرونی حصہ کی لکیروں کو کہتے ہیں اور کبھی چہرہ اور پیشانی کی لکیروں کو بھی کہتے ہیں یہاں یہی مراد ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی لکیریں دمک اُٹھیں۔[۳]

رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ مَسْرُورًا، فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ، أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ مُجَزِّزًا الْمُدْلِجِيَّ دَخَلَ عَلَيَّ، فَرَأَى أُسَامَةَ وَزَيْدًا، وَعَلَيْهِمَا قَطِيفَةٌ قَدْ غَطَّيَا

(۱) ملخص تکملة فتح الملهم ج۱ ص ۸۳۔
(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ ص ۸۴،۸۵۔
(۳) شرح النووی ج۱ ص ۴۷۱۔

رُءُ وسَهُمَا، وَبَدَتْ أَقْدَامُهُمَا، فَقَالَ :إِنَّ هَذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ (ص۴۷۰ سطر ۷ تا ۱۰)

تشریح

قوله : إِنَّ هَذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ (ص۴۷۱ سطر:۱۰)

یعنی یہ قدم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔لہٰذا مجزز المدلجی کے قیافہ شناسی کی رو سے ثابت ہوا کہ یہ دونوں باپ بیٹے ہیں۔اور ان دونوں کا نسب درست ہے۔اور زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کا حضرت اسامہ کے نسب پر اعتراض کرنا غلط ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے جواب سے خوشی ہوئی۔[1]

قیافہ شناس کے قول سے ثبوتِ نسب کا حکم

کسی بچہ کا نسب قیافہ شناس کے قول سے ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس بارے میں قیافہ شناس کی بات شرعاً حجت ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہیکہ قیافہ شناس کا قول حجت ہے اور اس سے نسب ثابت ہوسکتا ہے ـــــــ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک قیافہ شناس کا قول حجت نہیں اور اس کے قول سے ہرگز نسب ثابت نہیں ہوسکتا۔

حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کی دلیل حدیث الباب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مجزز المدلجی قیافہ شناس کی بات سے مسرور ہونا ہے۔جو ان کے نزدیک اس کے شرعاً معتبر ہونے کی دلیل ہے۔اگر اسکا قول شرعاً معتبر نہ ہوتا تو آپ اس کو زمانۂ جاہلیت کے اعتراض کے خلاف حجت نہ مانتے۔ احناف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت اُسامہ بن زیدؓ کا نسب تو پہلے ہی سے حضرت زید بن حارثہؓ سے ثابت تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے ثابت کرنے کے لئے کسی کے قول کی ضرورت نہ تھی۔اور مجزز المدلجی کے قول سے آپ اس لئے خوش ہوئے کہ اس کے قول سے زمانۂ جاہلیت کے اعتراض کا غلط ہونا ثابت ہوگیا۔لہٰذا اب آئندہ کوئی حضرت اسامہؓ کے نسب پر اعتراض نہ کرسکے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خوش ہونا اس بناء پر نہ تھا کہ قیافہ شناس کا قول شرعاً ثبوتِ نسب میں حجت ہے۔[2]

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۸۵۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۸۶۔

احناف کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے ہاں کالے رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے (حالانکہ میں اور میری بیوی کالی نہیں ہے۔ تو یہ لڑکا میرا ہوسکتا ہے؟) آپ نے فرمایا: (یہ تمہارا لڑکا ہے محض کالا رنگ ہونے کی وجہ سے بچہ کا نسب ختم نہیں ہوسکتا پھر آپ نے اس کو سمجھانے کے لئے ایک مثال دی) کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ان کا رنگ کیسا ہے اس نے کہا: لال رنگ کے اونٹ ہیں آپ نے فرمایا کہ ان سے خاکی رنگ کے اونٹ بھی پیدا ہوتے ہیں یا نہیں؟ اس نے کہا: ہاں پیدا ہوتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ان کی اوپر کی نسل میں کوئی نہ کوئی خاکی اونٹ ہوگا اس کا اثر لال اونٹوں کے بچوں میں ظاہر ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ یہاں بھی اسی طرح سمجھ لو۔ کتاب اللعان کے آخر میں یہ حدیث آرہی ہے۔

دوسری دلیل اس باب سے پہلے باب میں زمعہ کی باندی سے پیدا ہونے والے بچہ والی حدیث ہے جس میں بچہ عتبہ بن ابی وقاصؓ کے واضح طور پر مشابہ تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محض مشابہت کی وجہ سے عتبہ سے اس کا نسب ثابت نہیں کیا بلکہ جس کی باندی تھی یعنی زمعہ کی اس سے اس کا نسب ثابت کیا اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً مشابہت شرعاً حجت نہیں۔ اور قیافہ شناسی کی بنیاد بھی آثار وعلامات پر ہے۔ لہٰذا وہ بھی ثبوتِ نسب میں حجت نہیں۔ [1]

باب قدر ما تستحقه البكر والثيب ... الخ

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ... (الى قوله) ... عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا تَزَوَّجَ أُمَّ سَلَمَةَ، أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا، وَقَالَ: إِنَّهُ لَيْسَ بِكِ عَلَى أَهْلِكِ هَوَانٌ، إِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ، وَإِنْ سَبَّعْتُ لَكِ، سَبَّعْتُ لِنِسَائِي (ص۴۷۱، ج۱سطر۱۴)

ترجمہ

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو آپ ان کے پاس تین دن رہے پھر فرمایا کہ اے ام سلمہؓ تمہارے گھر والوں کے حق میں کوئی ذلت وخواری کی بات نہیں (بلکہ عزت کی بات ہے) کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن رہوں پھر اگر میں سات دن تمہارے یہاں رہوں تو دیگر بیویوں کے یہاں بھی سات دن رہوں گا۔

(۱) تکملة فتح الملہم ج۱ص:۸۶،۸۷۔

رُءُوسَهُمَا، وَبَدَتْ أَقْدَامُهُمَا، فَقَالَ :إِنَّ هَذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ (ص۴۷۰ سطر۷تا۱۰)

تشریح

قوله : إِنَّ هَذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ (ص۴۷۱سطر:۱۰)

یعنی یہ قدم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔لہٰذا محرز المدلجی کے قیافہ شناسی کی رو سے ثابت ہوا کہ یہ دونوں باپ بیٹے ہیں۔اوران دونوں کا نسب درست ہے۔اور زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کا حضرت اسامہ کے نسب پر اعتراض کرنا غلط ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے جواب سے خوشی ہوئی۔ (۱)

قیافہ شناس کے قول سے ثبوتِ نسب کا حکم

کسی بچہ کا نسب قیافہ شناس کے قول سے ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس بارے میں قیافہ شناس کی بات شرعاً حجت ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہیکہ قیافہ شناس کا قول حجت ہے اور اس سے نسب ثابت ہوسکتا ہے—— اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک قیافہ شناس کا قول حجت نہیں اور اس کے قول سے ہرگز نسب ثابت نہیں ہوسکتا۔

حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کی دلیل حدیث الباب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محرز المدلجی قیافہ شناس کی بات سے مسرور ہونا ہے۔جو ان کے نزدیک اس کے شرعاً معتبر ہونے کی دلیل ہے۔اگر اسکا قول شرعاً معتبر نہ ہوتا تو آپ اس کو زمانۂ جاہلیت کے اعتراض کے خلاف حجت نہ مانتے۔ احناف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت اُسامہ بن زیدؓ کا نسب تو پہلے ہی سے حضرت زید بن حارثہؓ سے ثابت تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے ثابت کرنے کے لئے کسی کے قول کی ضرورت نہ تھی۔اور محرز المدلجی کے قول سے آپ اس لئے خوش ہوئے کہ اس کے قول سے زمانۂ جاہلیت کے اعتراض کا غلط ہونا ثابت ہوگیا۔لہٰذا اب آئندہ کوئی حضرت اسامہؓ کے نسب پر اعتراض نہ کرسکے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خوش ہونا اس بناء پر نہ تھا کہ قیافہ شناس کا قول شرعاً ثبوتِ نسب میں حجت ہے۔ (۲)

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۸۵۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۸۶۔

احناف کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے ہاں کالے رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے (حالانکہ میں اور میری بیوی کالی نہیں ہے۔ تو یہ لڑکا میرا ہوسکتا ہے؟) آپ نے فرمایا: (یہ تمہارا لڑکا ہے محض کالا رنگ ہونے کی وجہ سے بچہ کا نسب ختم نہیں ہوسکتا پھر آپ نے اس کو سمجھانے کے لئے ایک مثال دی) کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ان کا رنگ کیسا ہے اس نے کہا: لال رنگ کے اونٹ ہیں آپ نے فرمایا کہ ان سے خاکی رنگ کے اونٹ بھی پیدا ہوتے ہیں یا نہیں؟ اس نے کہا: ہاں پیدا ہوتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ان کی اوپر کی نسل میں کوئی نہ کوئی خاکی اونٹ ہوگا اس کا اثر لال اونٹوں کے بچوں میں ظاہر ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ یہاں بھی اسی طرح سمجھ لو۔ کتاب اللعان کے آخر میں یہ حدیث آرہی ہے۔

دوسری دلیل اس باب سے پہلے باب میں زمعہ کی باندی سے پیدا ہونے والے بچہ والی حدیث ہے جس میں بچہ عتبہ بن ابی وقاصؓ کے واضح طور پر مشابہ تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محض مشابہت کی وجہ سے عتبہ سے اس کا نسب ثابت نہیں کیا بلکہ جس کی باندی تھی یعنی زمعہ کی اس سے اس کا نسب ثابت کیا اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً مشابہت شرعاً حجت نہیں۔ اور قیافہ شناسی کی بنیاد بھی آثار وعلامات پر ہے۔ لہٰذا وہ بھی ثبوت نسب میں حجت نہیں۔ (۱)

باب قدر ما تستحقه البكر والثيب...الخ

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،...(الی قوله)...عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا تَزَوَّجَ أُمَّ سَلَمَةَ، أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا، وَقَالَ :إِنَّهُ لَيْسَ بِكِ عَلَى أَهْلِكِ هَوَانٌ، إِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ، وَإِنْ سَبَّعْتُ لَكِ، سَبَّعْتُ لِنِسَائِي (ص۴۷۱، ج۱سطر۱۴)

ترجمہ

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو آپ ان کے پاس تین دن رہے پھر فرمایا کہ اے ام سلمہؓ تمہارے گھر والوں کے حق میں کوئی ذلت وخواری کی بات نہیں (بلکہ عزت کی بات ہے) کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن رہوں پھر اگر میں سات دن تمہارے یہاں رہوں تو دیگر بیویوں کے یہاں بھی سات دن رہوں گا۔

(۱) تکملة فتح الملہم ج۱ص:۸۶،۸۷۔

تشریح

متعدد بیویوں میں باری مقرر کرنے کا حکم

قولہ : إِنَّهُ لَيْسَ بِكِ عَلَى أَهْلِكِ هَوَانٌ، (ص۴۷۲سطر:۱)

اور بعض روایات میں ہے کہ ان بك على اهلك كرامة بہر حال حدیث شریف کے مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ میرا تمہارے پاس صرف تین دن رہنا تمہارے قبیلہ والوں کے لئے موجبِ ذلت نہیں بلکہ دوسری روایت کے الفاظ کی رو سے موجبِ عزت ہے۔ [1]

قولہ : وَإِنْ سَبَّعْتُ لَكِ، سَبَّعْتُ لِنِسَائِي (ص۴۷۲سطر:۱)

اگر کوئی شخص پہلے سے شادی شدہ ہو اور اس کے نکاح میں ایک یا ایک سے زائد بیویاں موجود ہوں پھر وہ کسی دوسری عورت سے نکاح کرے تو نئی بیوی اور پرانی بیوی میں باری مقرر کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اس میں حضراتِ فقہاءِ کرامؒ کا اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ اور اکثر فقہاءِ کرامؒ کے نزدیک نئی بیوی کنواری ہو تو سات دن اور ثیبہ ہو تو تین دن اس کے پاس رہنا واجب ہے۔ اور یہ ایام عام باری سے الگ ہونگے اس کے بعد نئی اور پرانی بیوی میں برابر باری مقرر کی جائے گی۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبینؒ کے نزدیک باری کے حکم میں نئی اور پرانی، ثیبہ اور کنواری میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سب میں یکساں باری مقرر کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا شوہر نئی بیوی کے ساتھ تین دن یا سات دن رہے تو باقی بیویوں کے پاس بھی اتنے دن رہنا واجب ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل اس باب کی حدیث انسؓ ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ :إِذَا تَزَوَّجَ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ، أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا، وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ عَلَى الْبِكْرِ، أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا [2]

احناف نے ان کی دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ شوہر باری کا طریقہ بدل دے اگر نئی بیوی کے پاس سات دن رہے تو پرانی بیوی کے پاس بھی سات دن رہے اسی طرح ثیبہ کے بارے میں سمجھ لیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ سات دن اور تین دن باری سے الگ کریں۔

---

(۱) فتح الملهم ج۱ ص ۹۰۔

(۲) تكملة فتح الملهم ۴۷۲ ج۱ ص۸۔

اوران ایام کو باری میں شمار نہ کریں۔اوراس کی دلیل حضرت ام سلمہؓ کی حدیث الباب ہے۔جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

إِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ، وَإِنْ سَبَّعْتُ لَكِ، سَبَّعْتُ لِنِسَائِي۔ (ص۴۷۲سطر۱)

ورنہ اگر نئی ثیبہ بیوی کا حقِ شرع تین دن ہوتا اور آپؐ حضرت ام سلمہؓ کے پاس سات دن ٹھہرتے تو تین دن باری مین شمار نہ ہوتے چار دن شمار ہوتے۔اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باقی ازواجِ مطہرات کے پاس بھی چار چار دن ٹھہرتے۔کیونکہ حضرت ام سلمہؓ کے حق میں آپ نے صرف چار دن کا اضافہ کیا۔لیکن حدیث میں اس طرح نہیں ہے۔[1]

احناف کی دلیل قرآنِ کریم کی یہ آیت ہے۔ "فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً"[2] اور "وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ"۔[3]

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: من له كان امرأتان يميل لاحدهما على الاخرى جاء يوم القيامة يَجُرُّ احدُ شِقَّيه ساقطاً او مائلاً (اخرجه الخمسه والدارمی[4])

یہ آیات اوراحادیث اپنے عموم کے ساتھ ثابت کرتی ہیں کہ بیویوں میں عدل واجب ہے۔ لہٰذا باری مقرر کرنے میں قدیم وجدید، کنواری اور ثیبہ سب برابر ہیں احناف کے نزدیک یہی راجح ہے۔[5]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر باری مقرر کرنا واجب نہ تھا

ایک سے زیادہ بیویوں میں باری مقرر کرنا امتِ مسلمہ کے مردوں پر بالاتفاق واجب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی بیویوں میں باری مقرر کرنا واجب تھا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں:۔

۱ ... واجب ہے۔

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۹۰و۹۱

(۲) سورۃ النساء: آیت ۳

(۳) سورۃ النساء:۱۲۹۔

(۴) سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۶۹۔

(۵) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۹۰، ۹۱و مرقاۃ ج۶ص۲۵۹۔

۲ ... باری مقرر کرنا آپ پر واجب نہ تھا۔ لیکن آپ احسان وتبرع کے طور پر ازواجِ مطہرات کی دلجوئی کے لئے باری مقرر فرماتے تھے۔ اور احناف کے نزدیک یہی قول راجح ہے اور ان کی دلیل قرآنِ کریم کی یہ آیت ہے:

"تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ"(۱)

یعنی آپ جس کو رکھنا چاہیں رکھ لیں اور جس کو چھوڑنا چاہیں چھوڑ دیں۔ (۲)

کم سے کم باری کی مقدار کتنی ہے؟

باری مقرر کرنے کا درجہ کم سے کم ایک رات ہے یعنی اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو کم سے کم ایک رات ایک بیوی کے پاس اور ایک رات دوسری بیوی کے پاس رہے۔ اگر تیسری بیوی بھی ہو تو ایک رات اس کے پاس رہے نیز شوہر اپنی صوابدید اور بیویوں کے مشورے سے اس سے زیادہ دنوں کی باری بھی مقرر کر سکتا ہے مثلاً ہر ایک کے پاس تین تین دن رہے یا سات سات دن رہے وغیرہ۔ اور اگر کسی کے شوہر کی ڈیوٹی رات کی ہو جیسے رات کے چوکیداروں کا حال ہے تو وہ دن میں باری مقرر کر سکتا ہے بہر حال باری مقرر کرنے میں بیویوں کے درمیان عدل ومساوات قائم کرنا ضروری ہے۔ (۳)

سفر اور محبت میں برابری کا حکم نہیں

شوہر کو اپنی متعدد بیویوں سے محبت کرنے میں برابری کرنا ضروری نہیں یہ حکم بالاتفاق ہے۔ کیونکہ محبت کسی سے کم اور کسی سے زیادہ ہونا غیر اختیاری چیز ہے۔ اور شرعاً اختیاری امور میں برابری ضروری ہے غیر اختیاری امور میں ضروری نہیں۔ ایسے ہی سفر میں جانے کے لئے شوہر کو اختیار ہوگا کہ اپنی بیویوں میں سے کسی ایک کو ساتھ لے جائے بالاتفاق اس میں بھی برابری ضروری نہیں لیکن اگر قرعہ اندازی کر کے لے جائے تو بہتر ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔ (۴)

باب القسم بين الزوجات وبيان... الخ

القسم یہ قاف کے زبر اور سین کے سکون کے ساتھ ہے جو قسم یقسم (باب ضرب) کا

(۱) سورۃ الاحزاب:۵۱۔
(۲) لمعات ج۶ ص۱۰۱۔
(۳) مرقاۃ ج۶ ص۲۵۷۔
(۴) مرقاۃ ج۶ ص۲۵۸۔

مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں بانٹنا اور تقسیم کرنا ـــــــ تقسیم کرنے کے بعد شرکاء کے حصہ میں جو کچھ آئے۔ اس کو بھی قسم اور حصہ کہتے ہیں۔ اور اصطلاحِ شرع میں قسم ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان رات گزارنے میں باری مقرر کرنے کو کہتے ہیں۔ مثلاً: ایک رات ایک بیوی کے پاس رہے تو دوسری بیوی کے پاس بھی ایک رات رہے، تیسری کے پاس بھی ایک رات رہے اور اگر ایک بیوی کے پاس دو راتیں رہے تو دوسری بیویوں کے پاس بھی دو راتیں رہے مقصود یہ ہے کہ ایک سے زیادہ بیویوں میں رات گزارنے میں مساوات اور برابری کرنا ضروری ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ "قسم" رات گزارنے میں، نان ونفقہ میں، نفقہ اور رہائش کے انتظام کرنے میں برابری کو کہتے ہیں یعنی جتنا ایک بیوی کو دے اتنا ہی دوسری بیوی کو دے۔ قسم کا یہ مفہوم زیادہ واضح ہے۔ (۱)

۱۱۳۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ...(الی قوله)... عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعُ نِسْوَةٍ، فَكَانَ إِذَا قَسَمَ بَيْنَهُنَّ، لَا يَنْتَهِي إِلَى الْمَرْأَةِ الْأُولَى إِلَّا فِي تِسْعٍ، فَكُنَّ يَجْتَمِعْنَ كُلَّ لَيْلَةٍ فِي بَيْتِ الَّتِي يَأْتِيهَا، فَكَانَ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ، فَجَاءَتْ زَيْنَبُ، فَمَدَّ يَدَهُ إِلَيْهَا، فَقَالَتْ :هَذِهِ زَيْنَبُ، فَكَفَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ، فَتَقَاوَلَتَا حَتَّى اسْتَخَبَتَا، وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَمَرَّ أَبُو بَكْرٍ عَلَى ذَلِكَ، فَسَمِعَ أَصْوَاتَهُمَا، فَقَالَ :اخْرُجْ يَا رَسُولَ اللهِ إِلَى الصَّلَاةِ، وَاحْثُ فِي أَفْوَاهِهِنَّ التُّرَابَ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ :الْآنَ يَقْضِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ، فَيَجِيءُ أَبُو بَكْرٍ فَيَفْعَلُ بِي وَيَفْعَلُ، فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ، أَتَاهَا أَبُو بَكْرٍ، فَقَالَ لَهَا قَوْلًا شَدِيدًا، وَقَالَ :أَتَصْنَعِينَ هَذَا. (ص۴۷۲ سطر۱۰ تا ص۴۷۳)

تشریح

قوله : تِسْعُ نِسْوَةٍ، (ص۴۷۲ سطر:۱۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کل گیارہ بیویاں تھیں اور جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس وقت آپ کے نکاح میں نو بیویاں حیات تھیں جن کے نام یہ ہیں:۔

(۱) مرقاۃ ج۶ ص۲۵۹۔

۱ ... حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۲ ... حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔
۳ ... حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۴ ... حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۵ ... حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۶ ... حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۷ ... حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۸ ... حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۹ ... حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

جس ترتیب سے یہاں ان کے نام لکھے گئے ہیں ان سے نکاح کرنے کی ترتیب بھی یہی ہے۔[1]

آپ کی حیاتِ طیبہ میں دو بیویوں کا انتقال ہوگیا تھا ایک حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور دوسری حضرت زینب خزاعیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بکثرت عورتوں سے نکاح کرنے کی حکمت

آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا اور ۲۵ سال ان کے ساتھ گزارے اس کے بعد آپ نے مذکورہ خواتین سے نکاح فرمائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا باقی ثیبہ تھیں۔ اس میں کیا حکمت ہے؟

حضراتِ علماءِ کرامؒ نے اس کی مختلف حکمتیں بیان فرمائی ہیں، اُن میں سب سے زیادہ وقیع حکمت وہ ہے جو حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے عالم کے لئے زندگی کے ہر ہر پہلو اور زندگی کے ہر شعبہ میں بہترین اسوہ اور عملی نمونہ بنا کر بھیجا تھا۔ تاکہ آپ کی امت ان کو دیکھ کر عمل کر سکے۔ آپ کی جو زندگی گھر سے باہر گزرتی تھی اس میں آپ کی جو تعلیمات، سنتیں اور اسوہ تھا وہ آپ کے بے شمار مرد صحابہ کرامؓ کے سامنے تھا۔ جو ان کے ذریعے محفوظ ہوگیا تھا لیکن گھریلو زندگی آپ کس طرح گزارتے ہیں؟ اور وہاں آپ کی تعلیمات اور سنتیں کیا ہیں؟ اور گھر والوں کے ساتھ زندگی گزارنے میں آپ کا کیا اسوہ اور عملی نمونہ ہے؟ اس کو بھی جاننے اور محفوظ کرنے کی ضرورت تھی۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اعزاز واکرام کی خاطر سے زیادہ عورتوں سے نکاح حلال فرمایا

---

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص ۹٤۔

تاکہ زیادہ سے زیادہ خواتین کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی آئے اور اس میں آپ کا طرزِ عمل اور اُسوہ باقی امت کے عمل کے لئے محفوظ ہو جائے اس لئے بکثرت خواتین سے آپ نے نکاح فرمائے۔ چنانچہ تقریباً آدھا دین اور اس کے بیشتر احکام ومسائل ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے واسطے سے اور بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ثابت ہے“

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد آپ نے ۱۰ خواتین سے نکاح فرمایا جن کا ذکر اوپر گزرا۔ حضرت تھانویؒ نے ان کے بارے میں تین لطائف بھی ذکر فرمائے ہیں۔

۱ ... جمع کثرت کا کم سے کم عدد دس ہے۔

۲ ... تواتر کا کم سے کم عدد دس ہے۔

۳ ... دس کا عدد آپ کی مدینہ منورہ کی دس سال زندگی کے مطابق بھی ہے۔[۱] فللہ الحمد

خلاصہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گیارہ عورتوں سے نکاح فرمانا اس لئے ہے تاکہ آپ کے گھریلو اور بیویوں کے ساتھ زندگی گزارنے کے طور طریقے، تعلیمات اور ارشادات، اسوہ اور سنتیں محفوظ ہوں۔ اور وہ امتِ مسلمہ کے لئے ازدواجی زندگی میں راہنمائی کا ذریعہ بنیں یہ کثرتِ نکاح معاذ اللہ ثم معاذ اللہ شہوت پوری کرنے کے لئے نہ تھے۔ جیسا کہ بعض مخالفین نے اعتراض کیا ہے۔[۲]

قوله : فَكُنَّ يَجْتَمِعْنَ كُلَّ لَيْلَةٍ　　(ص۴۷۳ سطر:۱۱)

حضرت امام نوویؒ نے فرمایا کہ شوہر کے لئے مستحب ہے کہ وہ خود ہر بیوی کی باری میں اس کے گھر جائے۔ ان سب کو اپنے کسی ایک گھر میں نہ بلائے۔ لیکن اگر ہر بیوی کو اس کی باری میں الگ الگ اپنے گھر بلائے تو یہ جائز ہے مگر خلافِ افضل ہے۔[۳]

اور علامہ اُبیؒ نے فرمایا کہ جس بیوی کی باری نہ ہو بلا ضرورت اس کے ہاں نہ جائے، اور تمام بیویوں کا کسی ایک بیوی کے یہاں اس کی رضامندی سے جمع ہونا جائز ہے۔ اگر وہ راضی نہ ہو تو

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: کثرة الازواج لصاحب المعراج ﷺ المؤلفہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ ص۹۶۔

(۳) شرح النووی ج۱ ص۴۷۰۔

منع کرسکتی ہے۔ (۱)

قوله : فَمَدَّ يَدَهُ إِلَيْهَا، (ص۴۷۳سطر:۱)

اس میں الیھا کی ضمیر میں دو احتمال ہیں:۔

۱ ... ایک یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی طرف لوٹ رہی ہو اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینبؓ کے آنے کا علم نہ ہوا۔ کیونکہ اس زمانہ میں عموماً گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے کہ وہ اور حضرت عائشہؓ خلوت میں ہیں اس لئے آپ نے ہاتھ بڑھایا۔ پھر جب حضرت عائشہؓ نے حضور کو حضرت زینب کے آنے کی اطلاع دی تو آپ نے ہاتھ روک لیا۔ آپ کے اس عمل سے حضراتِ فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ ایک سوکن کی موجودگی میں شوہر کو دوسری بیوی سے نفع اٹھانا مناسب نہیں۔ (۲)

۲ ... دوسرا احتمال یہ ہے کہ الیھا کی ضمیر حضرت زینبؓ کی طرف راجع ہو۔ اس وقت یہ مطلب ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں اندھیرے کی وجہ سے حضرت زینبؓ کو نہیں پہچانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حضرت عائشہ سمجھے اور ان کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن جب حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ یہ حضرت زینب ہیں تو آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ کیونکہ باری کی رات حضرت عائشہؓ کی تھی۔ اس صورت میں حضراتِ فقہاء کرامؒ نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا ہے کہ جس بیوی کی باری ہو اس کی باری میں شوہر کو دوسری بیوی سے نفع نہ اٹھانا چاہئے۔ (۳)

قوله : فَتَقَاوَلَتَا (ص۴۷۳سطر:۱)

یعنی دونوں ازواجِ مطہرات ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرنے لگیں۔

قوله : اسْتَخَبَتَا، (ص۴۷۳سطر:۱)

یہ باب افتعال سے ہے اور سخب سے مشتق ہے، اسکے معنٰی ہیں آواز کا مخلوط اور بلند ہونا۔ یعنی دونوں ازواجِ مطہرات کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ (۴)

---

(۱) اکمال اکمال المعلم ج ٤ ص۸۷۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص۹۷۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص۹۸۔

(٤) شرح النووی ج۱ ص٤٧٣۔

قولہ : وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، (ص ۴۷۳ سطر:۱)

اور نماز کے لئے اقامت شروع ہوگئی اور حضرت صدیق اکبرؓ وہاں سے گزرے اور ازواج مطہرات کی آوازیں سنیں اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نماز کے لئے تشریف لا یئے میں نماز کے بعد ان کے منہ میں مٹی ڈالوں گا، یعنی ان کو ڈانٹوں گا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آوازیں بلند نہ کیا کریں ـــــــ چنانچہ نماز کے بعد حضرت صدیقِ اکبرؓ نے حضرت عائشہؓ کو سخت ڈانٹ پلائی کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی حرکت کرتی ہو خبردار! آئندہ ایسا نہ کرنا وغیرہ۔ (۱)

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواجِ مطہرات سے اس قدر حسنِ اخلاق سے پیش آنا اور ان کے ساتھ لطف وکرم کا معاملہ فرمانا اور ان کے مذکورہ طرزِ عمل کو گوارہ کرنا مذکور ہے۔ جو بہترین اسوہ اور نمونہ ہے اور حضرت صدیقِ اکبرؓ کی اس واقعہ میں فضیلت بھی ظاہر ہے۔ (۲)

باب جواز هبتها نوبتها لضرتها

بیوی کا اپنی باری دوسری سوکن کو ھبہ کرنا جائز ہے

اس باب کی احادیث کی تشریح سے پہلے بطورِ خلاصہ سمجھنا چاہئے کہ

باری مقرر کرنا عورتوں کا حق ہے۔ جب اُن کا حق ہے تو وہ اپنا حق چھوڑ بھی سکتی ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی بیوی اپنی باری شوہر کو ھبہ کردے اور یہ کہے کہ میری باری میں میرے پاس آنا ضروری نہیں آپ میرے حصہ کی شب کسی اور بیوی کے پاس گزارنا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے تو بیوی ایسا کرسکتی ہے اور شوہر کو اختیار ہے قبول کرے یا نہ کرے اور قبول کرنے کی صورت میں اس رات کو جس کے ساتھ چاہے گزارے چاہے مستقلاً یا غیر مستقل طور پر۔ مثلاً کسی کی تین بیویاں ہیں ایک بیوی نے اپنی باری اس کو دے دی تو شوہر چاہے باقی دو میں سے جس کے ساتھ چاہے جاکر رات گزارے، دوسری بیوی کو اعتراض کا حق نہیں اور جس بیوی نے اپنی باری ھبہ کی ہے وہ جب چاہے اپنی باری سے رجوع کرنے کا حق رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کا حق ہے۔ اور صاحب حق کو اپنے حق سے رجوع کرنے کا اختیار ہوتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں جب حضرت سودہؓ عمر رسیدہ ہوئیں اور آپ نے انہیں طلاق دینا چاہا اور ایک روایت کے مطابق انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے طلاق نہ دیں

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص ۹۸، ۹۹۔

(۲) شرح النووی ج ۱ ص ۴۷۳۔

میں اپنی باری حضرت عائشہؓ کو ھبہ کرتی ہوں۔ کیونکہ میں آپ کے نکاح میں مرنا چاہتی ہوں تا کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں تو آپ نے ان کو طلاق نہ دی اور ان کی باری حضرت عائشہؓ کے پاس گزارتے تھے۔ یہ واقعہ مذکورہ مسئلہ کی دلیل ہے۔ (۱)

۱۱۴۳ ـ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، ...(الى قوله)...عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :مَا رَأَيْتُ امْرَأَةً أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أَكُونَ فِي مِسْلَاخِهَا مِنْ سَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ، مِنِ امْرَأَةٍ فِيهَا حِدَّةٌ، قَالَتْ: فَلَمَّا كَبِرَتْ، جَعَلَتْ يَوْمَهَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَائِشَةَ، قَالَتْ :يَا رَسُولَ اللهِ! قَدْ جَعَلْتُ يَوْمِي مِنْكَ لِعَائِشَةَ، فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقْسِمُ لِعَائِشَةَ يَوْمَيْنِ، يَوْمَهَا وَيَوْمَ سَوْدَةَ (ص۴۷۳ سطر۳تا۵)

تشریح

قوله : أَنْ أَكُونَ فِي مِسْلَاخِهَا (ص۴۷۳سطر:۴)

المسلاخ کے معنٰی کھال کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضرت سودہ بنتِ زمعہؓ اتنی اچھی اور بااخلاق تھیں کہ میری تمنا تھی کہ میں ان کے جسم اور روپ میں ہوتی۔ (۲)

قوله : مِنِ امْرَأَةٍ فِيهَا حِدَّةٌ، (ص۴۷۳سطر:۴)

حدۃ کے معنٰی غصہ اور مزاج کی تیزی یعنی حضرت سودہؓ صرف مزاج کی تیز تھیں۔ ورنہ اُن میں باقی اوصاف اور کمالات قابلِ قدر اور قابلِ نمونہ تھے۔ (۳)

حضرت سودہؓ کو طلاق دینے کی حکمت

قوله : فَلَمَّا كَبِرَتْ، جَعَلَتْ يَوْمَهَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص۴۷۳سطر:۴)

حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے پاس دو رات رہتے۔ اور باقی ازواجِ مطہرات کے پاس ایک رات رہتے تھے۔ اس مسئلہ کی

(۱) مرقاۃ ج٦ ص۲۵۸۔
(۲) تکملۃ فتح الملھم ج ۱ ص۹۹۔
(۳) تکملۃ فتح الملھم ج ۱ ص۹۹۔

پوری تفصیل اس باب کے شروع میں گزرگئی۔

اب یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ کو ان کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے طلاق دی یا کسی اور وجہ سے؟ اور اسمیں کیا حکمت تھی؟ تو واضح ہو کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ طلاق دینا چاہتے تھے۔ اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ کو ایک طلاق دے دی تھی۔ لیکن پھر ان کی درخواست پر آپ نے رجوع فرمالیا تھا۔ بہرصورت اس میں یہ حکمت تھی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں میں سے کسی کو طلاق نہ دیتے تو طلاق دینے اور رجوع کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، اسوہ اور کوئی نمونہ امت کو نہ ملتا۔ اس لئے آپ نے طلاق دی اور رجوع فرمایا۔ یاد رہے کہ حضرت سودہؓ کی عمر زیادہ ہونا اس کا اصل سبب نہ تھا۔ جیسا کہ ظاہر حدیث سے شبہ ہوتا ہے، کیونکہ یہ حضور کے اخلاقِ کریمانہ اور خصائل حمیدہ کے یکسر خلاف تھا۔ (۱)

قوله : قَدْ جَعَلْتُ يَوْمِي مِنْكَ لِعَائِشَةَ، (ص ۴۷۳ سطر: ۴ و ۵)

حضرت امام نوویؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک سوکن اپنی باری دوسری سوکن کو ھبہ کرسکتی ہے کیونکہ یہ اسی کا حق ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ شوہر قبول کرلے۔ اور احناف کے نزدیک بغیر کسی شرط کے عورت اپنی باری شوہر کو یا اس کی دوسری بیوی کو ھبہ کرسکتی ہے۔ اور پھر اپنی باری دوسری کو ھبہ کرنے کے بعد جب چاہے اپنی باری واپس لے سکتی ہے اس میں حنفیہؒ اور شافعیہؒ کا اتفاق ہے۔ (۲)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ... (الی قوله) ... كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، أَنَّ سَوْدَةَ لَمَّا كَبِرَتْ بِمَعْنَى حَدِيثِ جَرِيرٍ، وَزَادَ فِي حَدِيثِ شَرِيكٍ: قَالَتْ: وَكَانَتْ أَوَّلَ امْرَأَةٍ تَزَوَّجَهَا بَعْدِي (ص ۴۷۳ سطر ۵ تا ۷)

تشریح

قوله : وَكَانَتْ أَوَّلَ امْرَأَةٍ تَزَوَّجَهَا بَعْدِي (ص ۴۷۳ سطر: ۷)

حضرت عائشہؓ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ ان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ سے نکاح فرمایا۔ لیکن مؤرخ علامہ ابن سعدؒ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کے

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص ۱۰۱

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص ۱۰۱ و شرح النووی ج ۱ ص ۴۷۳۔

انتقال کے بعد سب سے پہلے حضرت سودہؓ سے نکاح فرمایا۔ ان کے بعد حضرت عائشہؓ سے نکاح فرمایا البتہ اس پر اتفاق ہے کہ حضرت سودہؓ کی رخصتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلے ہوئی۔ ان کے بعد حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی۔ (۱)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، ...(الی قوله)... عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَغَارُ عَلَى اللَّاتِي وَهَبْنَ أَنْفُسَهُنَّ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَقُولُ: أَوَتَهَبُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا، فَلَمَّا أَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: "تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ" قَالَتْ: قُلْتُ: وَاللهِ، مَا أَرَى رَبَّكَ إِلَّا يُسَارِعُ لَكَ فِي هَوَاكَ. (ص۴۷۳سطر:۷تا۹)

تشریح

قوله : كُنْتُ أَغَارُ (ص۴۷۳سطر:۷،۸)

یہاں اغار اعیب کے معنٰی میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں ان عورتوں پر عیب لگاتی تھی جو از خود اپنی ذات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیش کرتی تھیں چنانچہ میں کہتی تھی کہ کیا عورت کو اپنی ذات کسی مرد کو پیش کرنے میں حیاء نہیں آتی؟ یہ بات حضرت عائشہؓ غیرت میں آ کر فرمایا کرتی تھیں۔ ورنہ انہیں معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اس کو حلال فرمایا ہے۔ شرط یہ ہے کہ آپ اسے قبول کریں اور خواتینِ اسلام یہ پیش کش محض اس لئے کرتی تھیں تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت اور نزدیکی سے عظیم خیر و برکت حاصل کر سکیں۔ (۲)

قوله : عَلَى اللَّاتِي وَهَبْنَ أَنْفُسَهُنَّ (ص۴۷۳سطر:۸)

جن خواتین نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیش کیا اُن میں حضرت خولہ بنت الحکیمؓ، حضرت فاطمہ بن شریحؓ اور لیلیٰ بنت الحطیمؓ ہیں۔ (۳)

قوله : فَلَمَّا أَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ (ص۴۷۳سطر:۸)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے چنانچہ مفسرین کے اس میں تین قول ہیں:

۱ ... اس آیت میں "تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ" سے مراد حضور صلی اللہ علیہ

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص ۱۰۲۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص ۱۰۳۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص ۱۰۳۔

وسلم کے واسطے باری مقرر نہ کرنے کا اختیار دینا ہے۔ یعنی آپ پر اپنی بیویوں میں باری مقرر کرنا واجب نہیں۔ جس کے ساتھ چاہیں رات گزاریں جس کے ساتھ چاہیں نہ گزاریں ـــــ یہ جمہور مفسرین کا قول ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اختیار استعمال نہیں فرمایا۔ آخری عمر تک باری مقرر فرمائی اور اس کے مطابق عمل فرمایا۔

۲ ... دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے آپ کو اختیار ہے اپنی بیویوں میں سے جس کو چاہیں رکھیں جس کو چاہیں طلاق دے دیں۔

۳ ... اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جو خواتین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات کی پیش کش کریں جن میں سے بعض کا ذکر اوپر آیا۔ آپ کو اختیار ہے کہ چاہے انہیں قبول کریں یا نہ کریں۔ اس باب میں حضرت عائشہؓ کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔[1]

قولہ: مَا أُرَى رَبَّكَ إِلَّا يُسَارِعُ لَكَ فِي هَوَاكَ (ص۴۷۳سطر:۷)

یعنی میں دیکھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خواہش اور پسند کو بہت جلد پورا فرماتے تھے۔

لفظ ھبہ سے نکاح ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ

مذکورہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح کے ایجاب وقبول میں اگر ھبہ کا لفظ بولا جائے جیسے دو گواہوں کے سامنے کوئی عورت ہونے والے شوہر سے یہ کہے کہ میں نے اپنی ذات آپ کو ھبہ کی تو امام ابو حنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک نکاح ہو جائے گا پھر اگر مہر مقرر کیا تو وہ واجب ہوگا۔ ورنہ مہر مثل واجب ہوگا۔

لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا نکاح منعقد نہ ہوگا۔ ان کے نزدیک نکاح درست ہونے کے لئے ایجاب وقبول میں نکاح کرتا ہوں یا شادی کرتا ہوں جیسے الفاظ کہنے ضروری ہیں۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ ھبہ سے نکاح درست ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے جیسا کہ اسی آیت سے واضح ہے۔ خالصة لك من دون المؤمنين[2]۔ احناف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ مذکورہ آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بغیر مہر کے نکاح کا درست ہونا

(۱) تكملة فتح الملهم ج ۱ ص ۱۰۴۔

(۲) سورۂ احزاب: ۵۰۔

ہے لفظ ھبہ سے نکاح منعقد ہونا نہیں ہے۔ [1]

۱۱۳۸۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، ...(الی قوله)... أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، قَالَ: حَضَرْنَا مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ جَنَازَةَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَرِفَ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ :هَذِهِ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا رَفَعْتُمْ نَعْشَهَا، فَلَا تُزَعْزِعُوا، وَلَا تُزَلْزِلُوا، وَارْفُقُوا، فَإِنَّهُ كَانَ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعٌ، فَكَانَ يَقْسِمُ لِثَمَانٍ، وَلَا يَقْسِمُ لِوَاحِدَةٍ .قَالَ عَطَاءٌ: الَّتِي لَا يَقْسِمُ لَهَا: صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيِّ بْنِ أَخْطَبَ (ص۴۷۳ سطر:۱۰ ج۱)

تشریح

قوله : مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص۴۷۳ سطر:۱۱)

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ سن ۷ ھ میں نکاح فرمایا تھا ان کا پہلا نام برہ تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدل کر میمونہ رکھا تھا، حضرت عائشہؓ ان کے بارے میں فرماتی تھیں کہ یہ ہم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی تھیں ۵۱ ھ میں ان کا وصال ہوا۔ [2]

قوله : بِسَرِفَ، (ص۴۷۳ سطر:۱۱)

اس میں باء پر فتحہ اور سین کے نیچے کسرہ ہے اس کے لغوی معنیٰ جاہل کے ہیں۔یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے ۶ میل یا ۷ میل یا ۹ میل یا ۱۲ میل کے فاصلے پر مقام تنعیم سے کچھ آگے واقع ہے۔ [3] وہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا تھا وہیں ان کی رخصتی ہوئی۔اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ اور وہیں وہ مدفون ہوئیں۔اُن کا مزار مبارک معروف ہے جو شارع مدینہ کے بائیں جانب واقع ہے۔ جب مکہ مکرمہ آرہے ہوں۔ناچیز نے بارہا اُن کے مزار کی زیارت کی ہے۔وللہ الحمد۔ [4]

قوله : فَلَا تُزَعْزِعُوا، (ص۴۷۳ سطر:۱۲)

الزعزعة کسی اٹھائی ہوئی چیز کو حرکت دینے اور زور سے ہلانے کو کہتے ہیں۔حضرت عبداللہ

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص ۱۰۵۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص ۱۰۶۔

(۳) شرح النووی ج۱ ص۴۷۳۔

(٤) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص ۱۰۶۔

بن عباسؓ نے فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے جنازہ کو زور سے نہ ہلائیں۔ (۱)

قولہ : وَارْفُقُوا، (ص۴۷۳سطر:۱۲)

مراد یہ ہے کہ ان کا جنازہ آرام آرام سے اور معتدل رفتار سے لے کر چلیں ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ مومن کا ادب واحترام اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ جیسے اس کی زندگی میں ہوتا ہے۔ (۲)

قولہ : الَّتِي لَا يَقْسِمُ لَهَا: صَفِيَّةُؓ ... (ص۴۷۳سطر:۱۳)

یعنی حضرت صفیہؓ کی باری مقرر نہ تھی۔ یہ راوی کا وہم ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت سودہؓ کی باری مقرر نہ تھی۔ کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاطر حضرت عائشہؓ کو اپنی باری دیدی تھی جیسا کہ احادیث طیبہ میں ہے۔ (۳)

باب نكاح ذات الدين

۱۱٤۰ـ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، ...(الى قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ :لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَلِجَمَالِهَا، وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ (ص۴۷۳سطر:۱۴،۱۵)

تشریح

قولہ : لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، (ص۴۷۳سطر:۱۵)

حسب، آباؤ اجداد کی شرافت اور بزرگی کو کہتے ہیں جیسے بعض خاندان شریف اور با اخلاق ہوتے ہیں اور بعض خاندان بہادر اور شجاع ہوتے ہیں اور بعض سخی ہوتے ہیں وغیرہ یہ خوبیاں وکمالات ان کی نسل میں بھی منتقل ہوتے ہیں اور بعض نے کہا کہ یہاں حسب سے اچھے اچھے کام مراد ہیں۔ اور نسب خاندانی رشتہ کو کہتے ہیں جیسے سید صدیقی، فاروقی اور عثمانی وغیرہ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اچھے اعلیٰ اخلاق واعمال والے خاندان کی لڑکی سے نکاح کرنا مستحب ہے بشرطیکہ دین دار ہو ورنہ دیندار لڑکی کو ترجیح دینا چاہیئے۔ (۴)

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۰۶۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۰۶۔

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۰۷۔

(۴) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۰۹۔

قولہ : فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّینِ　　(ص۴۷۳سطر:۱۵)

یعنی دین دار عورت کو نکاح کے لئے ترجیح دو اس کی تشریح دوسری حدیث سے ہوتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ عورتوں سے ان کے حسن و جمال کی وجہ سے نکاح نہ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ ان کا حُسن انہیں سرکش بنادے۔ اور ان کے مال کی وجہ سے نکاح نہ کرو۔ ممکن ہے کہ ان کا مال انہیں نافرمان بنادے بلکہ دین کی وجہ سے نکاح کرو، کیونکہ کالی کلوٹی دین دار باندی (حسین وجمیل اور مالدار عورت سے) افضل ہے۔ (۱)

خوبصورتی، مالداری اور اعلیٰ خاندان ہونا بے حقیقت نہیں

قولہ : فَاظْفَرْ　　(ص۴۷۳سطر:۱۵)

اس میں ظفر کامیابی کی انتہا کو کہتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ سفر سقر ہے لیکن وسیلۂ ظفر بھی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تم دیندار عورت سے نکاح کرنے کو ترجیح دو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نکاح کی جو پہلی تین وجہیں ہیں، مال، خاندانی شرافت اور خوبصورتی یہ عارضی اور فانی ہیں۔ اور دین دار عورت عموماً مالدار عورت، خاندانی عورت اور حسین وجمیل عورت سے بہتر ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر وہ امورِ آخرت اور امورِ دین میں شوہر کے لئے معین اور مددگار بنتی ہے۔ لہٰذا فانی کے مقابلے میں باقی کو ترجیح دینی چاہئے ـــــ نیز حدیث شریف سے ان تینوں کی بالکلیہ نفی مراد نہیں ہے اگر کسی عورت میں یہ تینوں اوصاف جمع ہوجائیں تو نورٌ علیٰ نور اور سونے پر سہاگہ ہیں۔ لیکن اگر عورت دیندار نہ ہو۔ اور باقی تین چیزیں اس میں ہوں تو وہ قابلِ اختیار نہیں۔ بلکہ قابلِ اختیار دین دار عورت ہے۔

قولہ : تَرِبَتْ یَدَاکَ　　(ص۴۷۳سطر:۱۵)

یعنی تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں اس جملہ کو واضع نے دراصل بددعا کے لئے وضع کیا ہے۔ اس کے اصلی معنیٰ تو ذلیل ہونے یا ہلاک ہونے کے ہیں لیکن اہل عرب اپنے محاورات میں اس کو دوسرے معنوں میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً اظہارِ تعجب کے لئے، کسی چیز پر ابھارنے اور آمادہ کرنے کے لئے یہاں معنیٰ مراد ہیں بددعا کرنا مراد نہیں۔ (۲)

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۰۹۔

(۲) شرح الطیبی ج٦ص۲۱۹و مرقاة ج٦ص۱۸۸وفتح الملهم ج۱ص۱۰۹۔

باب استحباب نکاح البکر

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، ...(الی قوله)... أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَقِيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :يَا جَابِرُ تَزَوَّجْتَ؟ قُلْتُ :نَعَمْ، قَالَ :بِكْرٌ، أَمْ ثَيِّبٌ؟ قُلْتُ :ثَيِّبٌ، قَالَ :فَهَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا؟ قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ :إِنَّ لِي أَخَوَاتٍ، فَخَشِيتُ أَنْ تَدْخُلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُنَّ، قَالَ :فَذَاكَ إِذًا، إِنَّ الْمَرْأَةَ تُنْكَحُ عَلَى دِينِهَا، وَمَالِهَا، وَجَمَالِهَا، فَعَلَيْكَ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ (ص۴۷۴سطر۱تا۳)

تشریح

قوله : تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً (ص۴۷۴سطر:۱)

اس عورت سے مراد سہلہؓ بنت مسعود ہیں۔ (۱)

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، ...(الی قوله)...عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :هَلْ تَزَوَّجْتَ؟ قُلْتُ :نَعَمْ، قَالَ :أَبِكْرًا، أَمْ ثَيِّبًا؟ قُلْتُ: ثَيِّبًا، قَالَ: فَأَيْنَ أَنْتَ مِنَ الْعَذَارَى، وَلِعَابِهَا، قَالَ شُعْبَةُ :فَذَكَرْتُهُ لِعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، فَقَالَ :قَدْ سَمِعْتُهُ مِنْ جَابِرٍ، وَإِنَّمَا قَالَ :فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ (ص۴۷۴سطر:۳تا۵)

تشریح

قوله : فَأَيْنَ أَنْتَ مِنَ الْعَذَارَى، وَلِعَابِهَا، (ص۴۷۴سطر:۴)

عذاری عذرۃ کی جمع ہے۔ بمعنیٰ کنواری اور لعاب کے معنیٰ لعاب کے ہیں جو بیوی کی زبان یا ہونٹ چوسنے سے منہ میں آتا ہے۔ (۲)

غرض یہ کہ ان احادیث میں کنواری عورت سے نکاح کرنیکی فضیلت اور ترغیب ارشاد فرمائی ہے۔ لیکن حضرت جابرؓ نے عرض کیا کہ میرے والد ماجد حضرت عبداللہؓ شہید ہوگئے۔ اور میری نو بہنیں ہیں مجھے اچھا نہ لگا کہ میں انہی کی ہم عمر لڑکی سے شادی کروں اس لئے میں نے ثیبہ عورت سے نکاح کیا

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۱۱۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۱۲۔

تا کہ ان کی کنگھی، چوٹی کر سکے۔ اور اچھی تربیت کر سکے اور ان کی ماں جیسی لگے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے صحیح کیا جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

نکاح کی تقریب میں لوگوں کو بلانے میں اعتدال

ان احادیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نکاح کے موقعہ پر عزیز و اقارب کو بلانے کا زیادہ اہتمام نہ فرماتے تھے۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رواج ہو گیا ہے اس سے بچنا چاہئے یہ اسراف اور حد سے تجاوز ہے۔ دیکھئے! حضرت جابرؓ نے نکاح کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موقع پر دعوت نہ دی، اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے نکاح کیا جب ان کی آپ سے ملاقات ہوئی اور ان کے نکاح کرنے کا علم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نکاح میں نہ بلانے پر کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ خیر و برکت کی دعا دی بہر حال صحابہ کرامؓ نہایت سادگی اور اختصار سے نکاح کر لیا کرتے تھے یہی عافیت اور سلامتی والا طریقہ ہے نکاح کی تقریب میں دورِ حاضر کے تکلفات سراسر موجبِ تکلیف ہیں۔ [2] واللہ سبحانہ اعلم

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، ...(الى قوله)... عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ :كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ، فَلَمَّا أَقْبَلْنَا تَعَجَّلْتُ عَلَى بَعِيرٍ لِي قَطُوفٍ، فَلَحِقَنِي رَاكِبٌ خَلْفِي، فَنَخَسَ بَعِيرِي بِعَنَزَةٍ كَانَتْ مَعَهُ، فَانْطَلَقَ بَعِيرِي كَأَجْوَدِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنَ الْإِبِلِ، فَالْتَفَتُّ، فَإِذَا أَنَا بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :مَا يُعْجِلُكَ يَا جَابِرُ؟ قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي حَدِيثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ، فَقَالَ :أَبِكْرًا تَزَوَّجْتَهَا، أَمْ ثَيِّبًا؟ قَالَ :قُلْتُ :بَلْ ثَيِّبًا، قَالَ :هَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ قَالَ :فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ، ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ، فَقَالَ :أَمْهِلُوا حَتَّى نَدْخُلَ لَيْلًا أَيْ عِشَاءً كَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ، وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ قَالَ :وَقَالَ :إِذَا قَدِمْتَ فَالْكَيْسَ الْكَيْسَ (ص۴۷۴سطر:۱۱تا۱۴)

تشریح

قوله : فِي غَزَاةٍ، (ص۴۷۴سطر:۱۲)

اس غزوہ سے کونسا غزوہ مراد ہے اس میں روایات مختلف ہیں۔ بعض سے غزوہ تبوک معلوم

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص۱۱۳۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص۱۱۳۔

ہوتا ہے اور بعض سے غزوۂ ذات الرقاع۔ راجح یہ ہے کہ اس سے غزوۂ ذات الرقاع مراد ہے۔

قوله : قَطُوفٍ، (ص۴۷۴ سطر:۱۲)

اس میں قاف پر فتحہ ہے اس کے معنیٰ ہیں ست [1] یعنی میرا اونٹ آہستہ چل رہا تھا۔

قوله : فَنَخَسَ بَعِيرِى (ص۴۷۴ سطر:۱۲)

آپؐ نے میرے اونٹ کو حرکت دی اور تیز کیا۔

قوله : بِعَنَزَةٍ (ص۴۷۴ سطر:۱۲)

اس میں نون پر فتحہ ہے آدھے نیزے کے برابر لاٹھی کو کہتے ہیں۔ [2]

قوله : فَانْطَلَقَ بَعِيرِى (ص۴۷۴ سطر:۱۲)

میرا اونٹ بھی تیز چلنے لگا، یہ برکت تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا اور لاٹھی مارنے کی۔ [3]

قوله : بِعُرُسٍ، (ص۴۷۴ سطر:۱۳)

عرس شادی کو کہتے ہیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری نئی نئی شادی ہوئی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا واقعی تم نے شادی کی ہے؟ میں نے کہا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کنواری سے یا بیوہ سے؟ تو حضرت جابرؓ نے عرض کیا کہ بیوہ سے، آپ نے فرمایا کہ تم نے کنواری سے شادی کیوں نہیں کی تاکہ تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی۔

قوله : تُلَاعِبُكَ (ص۴۷۴ سطر:۱۴)

اس سے حقوقِ زوجیت ادا کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس سے پہلی حدیث میں حضرت جابرؓ کا جواب مذکور ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بیوہ سے اس لئے شادی کی ہے کہ میری نو بہنیں کنواری ہیں اگر میں کنواری عورت سے نکاح کرتا تو وہ بھی ان کی طرح ان کے ساتھ رہتی جس سے میری بہنوں کی تربیت نہ ہوتی اور بیوہ عورت ماں کی طرح ایک تجربہ کار عورت بن کر ان کے ساتھ رہ سکے گی۔ اور میری بہنوں کی صحیح تربیت کر سکے گی اس پر آپ نے فرمایا: اصبت تم نے ٹھیک کیا۔

---

(۱) شرح النووی ج۱ ص۴۷۴۔

(۲) شرح النووی ج ۱ ص۴۷۴۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص۱۱۵۔

قولہ : تَمْتَشِطَ (ص۴۷۴سطر:۱۴)

اس میں امتشاط کے معنٰی ہیں بالوں میں کنگھی کرنا اور سنوارنا۔

قولہ : الشَّعِثُ، (ص۴۷۴سطر:۱۴)

اس میں شعث کے معنٰی پراگندہ عورت کے بال کے ہیں کیونکہ ایک قول کے مطابق سفر طویل تھا تقریباً ایک مہینہ کا تھا۔ اور شریف عورتیں شوہر کی عدمِ موجودگی میں آراستہ پیراستہ ہوکر نہیں رہتیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ انتظار کرو (بہت دور سے آئے ہو، بہت دیر سے آئے ہو۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے گھر والے تمہارے لئے پوری طرح آراستہ نہ ہوں۔ لہٰذا ان کو کنگھی چوٹی اور غسل کرنے کا موقع دو تاکہ جب گھر جاؤ تو وہ تمہارے استقبال کے لئے پوری طرح تیار ہوں)

قولہ : وَتَسْتَحِدَّ (ص۴۷۴سطر:۱۴)

یہ بابِ استفعال سے ہے۔ استحد یستحد استحداداً۔ اس کے معنٰی ہیں لوہا استعمال کرنا۔ مراد اُسترے سے بال صاف کرنا ہے۔[1] اس میں بلیڈ سے بال صاف کرنا یا بال صفا پاؤڈر سے یا کریم سے بال صاف کرنا سب آگیا۔

قولہ : الْمُغِيبَةُ (ص۴۷۴سطر:۱۴)

اس سے وہ عورت مراد ہے جس کا شوہر گھر میں موجود نہ ہو۔[2] اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات یہ فرمائی تاکہ اسکی بیوی آنے سے پہلے زیر ناف اور بغل وغیرہ کے زائد بال صاف کرلے ـــــ مرد کے لئے زیر ناف بال استرے یا بلیڈ سے اور ریزر سے صاف کرنا اولیٰ ہے۔ بال صفا پاؤڈر کریم سے جائز ہے۔ مگر اولیٰ نہیں۔ لیکن عورت کے لئے یہ بال اُکھاڑنا اولیٰ ہے۔ اور استرے وغیرہ سے صاف کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔ تاہم عذر میں بلا کراہت جائز ہے۔

ایک سوال اور جواب

سوال: ۔ اس حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لئے بھی بلاشبہ لوہا اور بلیڈ وغیرہ سے استعمال کرنا درست ہے۔

---

(۱) شرح النووی ج۱ص۴۷۴۔

(۲) مرقاۃ ولمعات ج۶ص۹۲او تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۱۶۔

جواب:۔ یہاں استحداد سے استرہ یا بلیڈ استعمال کرنا مراد نہیں۔ بلکہ زائد بالوں کو صاف کرنا مراد ہے۔ اور چونکہ یہ پردے کی چیز تھی اس لئے استحداد کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

ایک اشکال اور جواب

سوال: عام طور پر احادیثِ طیبہ میں سفر میں واپس رات میں گھر آنے سے منع کیا گیا ہے لیکن یہاں آپ نے رات میں گھروں میں جانے کا حکم فرمایا جو بظاہر تعارض کی بات ہے۔

جواب: اس کا تدارک یہ ہے کہ جن احادیث میں رات میں آنے کو منع کیا گیا ہے۔ وہاں مراد یہ ہے کہ جب کوئی مسافر بلا اطلاع آئے۔ تو رات میں نہ آئے۔ تاکہ گھر والوں کی نیند خراب نہ ہو۔ اور اس حدیث میں اطلاع کے بعد گھر جانے کا ذکر ہے۔[1] لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

قوله : إِذَا قَدِمْتَ فَالْكَيْسَ الْكَيْسَ (ص۴۷۴ سطر:۱۴)

اس میں الکیس کے کیا معنٰی ہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

۱ ... ایک معنٰی جماع کے ہیں، دوسرے معنٰی عقل کے ہیں، تیسرے معنٰی ترقی اور دور اندیشی کے ہیں۔ سب معنٰی درست ہوسکتے ہیں۔[2]

١١٤٦ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى،...(الى قوله)... عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :خَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ، فَأَبْطَأَ بِي جَمَلِي، فَأَتَى عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِي :يَا جَابِرُ ، قُلْتُ :نَعَمْ، قَالَ :مَا شَأْنُكَ؟ قُلْتُ :أَبْطَأَ بِي عَلَى جَمَلِي، وَأَعْيَا فَتَخَلَّفْتُ، فَنَزَلَ فَحَجَنَهُ بِمِحْجَنِهِ، ثُمَّ قَالَ :ارْكَبْ ، فَرَكِبْتُ، فَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أَكُفُّهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :أَتَزَوَّجْتَ؟ فَقُلْتُ :نَعَمْ، فَقَالَ :أَبِكْرًا، أَمْ ثَيِّبًا؟ فَقُلْتُ: بَلْ ثَيِّبٌ، قَالَ :فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ قُلْتُ :إِنَّ لِي أَخَوَاتٍ، فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَتَزَوَّجَ امْرَأَةً تَجْمَعُهُنَّ، وَتَمْشُطُهُنَّ، وَتَقُومُ عَلَيْهِنَّ، قَالَ: أَمَا إِنَّكَ قَادِمٌ، فَإِذَا قَدِمْتَ فَالْكَيْسَ الْكَيْسَ ، ثُمَّ قَالَ :أَتَبِيعُ جَمَلَكَ؟ قُلْتُ :نَعَمْ، فَاشْتَرَاهُ مِنِّي

---

(۱) مرقاۃ ولمعات ج۶ ص۱۹۲۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۱ ص۱۱۶۔

بِأُوقِيَّةٍ، ثُمَّ قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَدِمْتُ بِالْغَدَاةِ، فَجِئْتُ الْمَسْجِدَ، فَوَجَدْتُهُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ :الْآنَ حِينَ قَدِمْتَ قُلْتُ :نَعَمْ، قَالَ :فَدَعْ جَمَلَكَ، وَادْخُلْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ، قَالَ فَدَخَلْتُ فَصَلَّيْتُ، ثُمَّ رَجَعْتُ، فَأَمَرَ بِلَالًا أَنْ يَزِنَ لِي أُوقِيَّةً، فَوَزَنَ لِي بِلَالٌ، فَأَرْجَحَ فِي الْمِيزَانِ، قَالَ : فَانْطَلَقْتُ، فَلَمَّا وَلَّيْتُ، قَالَ :ادْعُ لِي جَابِرًا ، فَدُعِيتُ، فَقُلْتُ :الْآنَ يَرُدُّ عَلَيَّ الْجَمَلَ، وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْهُ، فَقَالَ خُذْ جَمَلَكَ وَلَكَ ثَمَنُهُ(ص۴۷۴سطر:۱۵تا۲۲)

تشریح

قوله : فَحَجَنَهُ بِمِحْجَنِهِ، (ص۴۷۴سطر:۱۷)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لاٹھی سے اس کو مارا۔ محجن اُس لاٹھی کو کہتے ہیں جو آگے سے مڑی ہوئی ہو جس کے ذریعے سوار پیچھے پڑی ہوئی چیز کو اٹھاتا ہے۔ (۱)

قوله : أَتَبِيعُ جَمَلَکَ؟ (ص۴۷۴سطر:۱۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنا اونٹ بیچتے ہو؟ (۲)

قوله : فَاشْتَرَاهُ مِنِّي بِأُوقِيَّةٍ، (ص۴۷۴سطر:۱۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اوقیہ کے عوض میرا اونٹ خرید لیا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ اس واقعہ کی باقی تفصیل یہ ہے کہ اونٹ کا سودا ہو جانے کے بعد حضرت جابرؓ مدینہ منورہ پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ دینے کے لئے مسجدِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ نبوی کے دروازہ پر پایا۔ انہیں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اب پہنچے ہو؟ میں نے عرض کیا جی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنا اونٹ چھوڑ دو اور مسجد میں جا کر دو رکعت ادا کرو۔ معلوم ہوا کہ سفر سے واپسی پر مسجد میں دو رکعت نفل ادا کرنا مستحب ہے چنانچہ میں نے دو رکعت ادا کی اور حاضر خدمت ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ ان کو ایک اوقیہ چاندی تول کر دے دو اور اُن سے فرمایا دیکھنا ذرا جھکتا ہوا تولنا، چنانچہ حضرت بلالؓ نے ایک اوقیہ سے ایک قیراط

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۷۷۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۷۷۔

زیادہ دیا۔ میں جب ان کو لے کر واپس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جابرؓ کو بلاؤ۔ چنانچہ مجھے بلایا گیا اور میں نے دل ہی دل میں کہا کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اونٹ بھی واپس کر دیں گے اور یہ مجھے پسند نہ تھا آخر وہی ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا اونٹ بھی لے لو۔ اور اس کی قیمت تو پہلے ہی سے تمہاری ہے سبحان اللہ! آپ نے دیکھا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر کریم اور سخی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اوقیہ چاندی اونٹ کے عوض مجھے عطا کی اور پھر میرا اونٹ بھی واپس دے دیا۔ (۱)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، ...(الی قوله)... عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كُنَّا فِي مَسِيرٍ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَا عَلَى نَاضِحٍ، إِنَّمَا هُوَ فِي أُخْرَيَاتِ النَّاسِ، قَالَ...(الی قوله)...وَقَالَ لِي :أَتَزَوَّجْتَ بَعْدَ أَبِيكَ؟ قُلْتُ :نَعَمْ، قَالَ :ثَيِّبًا، أَمْ بِكْرًا؟ قَالَ :قُلْتُ :ثَيِّبًا، قَالَ :فَهَلَّا تَزَوَّجْتَ بِكْرًا تُضَاحِكُكَ وَتُضَاحِكُهَا، وَتُلَاعِبُكَ وَتُلَاعِبُهَا ، قَالَ أَبُو نَضْرَةَ :فَكَانَتْ كَلِمَةً يَقُولُهَا الْمُسْلِمُونَ افْعَلْ كَذَا وَكَذَا وَاللهُ يَغْفِرُ لَكَ (ص۴۷۴ سطر:۲۲ تا ص۴۷۵ سطر۴)

تشریح

قوله : وَاللهُ يَغْفِرُ لَكَ　(ص۴۷۵ سطر:۴)

مذکورہ حدیث کے آخر میں یہ دعائیہ جملہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمانوں کا یہ تکیۂ کلام ہوتا تھا۔ جب کسی کو کہتے کہ یہ کام کرلو تو اس کے ساتھ یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ میرے اونٹ والے واقعہ میں میرے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۵ مرتبہ دعائے مغفرت فرمائی۔ (۲)

باب الوصية بالنساء

حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ، ...(الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيمَ لَكَ عَلَى طَرِيقَةٍ، فَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ، وَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا، كَسَرْتَهَا

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۱۹۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۱۹۔

وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا　　(ص۴۷۵سطر:۴،۵)

تشریح

عورت کا ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہونے کا صحیح مفہوم

قوله : إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ (ص۴۷۵سطر:۴)

ضلع میں ضاد کے نیچے کسرہ اور لام پر فتحہ ہے۔[1] اس کے معنیٰ ہیں پسلی اور انسان کے جسم میں جو پسلیاں ہوتی ہیں وہ ٹیڑھی ہوتی ہیں اور ان میں جو سب سے اوپر والی پسلی ہوتی ہے۔ وہ سب سے چھوٹی اور ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اس کی جمع اضلاع ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کی پیدائش اوپر کی سب سے زیادہ ٹیڑھی پسلی سے ہوئی ہے اس میں حضرت حواء علیہا السلام کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت حواء علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی اوپر کی پسلی سے پیدا ہوئی تھیں اس سے عورتوں کی فطرت اور ان کی خلقت اور طبیعت کو بتلانا مقصود ہے۔ خدانخواستہ ان کے نقائص یا اُن کے عیوب اور خرابی کو بتانا مقصود نہیں بلکہ ان کی طبیعت اور فطرت کو بتلانا مقصود ہے۔ عام طور پر جب یہ حدیث پڑھی جاتی ہے تو بعض مرتبہ ذہن اس طرف جاتا ہے کہ اس سے عورتوں کے نقائص کو بیان کرنا مقصود ہے۔ یا عورتوں کے عیوب کو بیان کرنا مقصود ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ انکی فطرت کو بتلانا اور ان کی خِلقت کو بتلانا مقصود ہے جو قدرتی اور غیر اختیاری ہے اور عیب نہیں ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ مردوں کی طرح طاقتور نہیں ہیں فطری طور پر کمزور ہیں۔ فطری طور پر ان کی طبیعت میں کچھ نہ کچھ کمزوری ہے جس کا ظہور گھروں میں ہوتا رہتا ہے۔ بہر حال جب کمزوری ہوگی تو اس کا ظہور بھی ہوگا لہٰذا تم صبر وتحمل سے کام لو۔ وجہ یہ ہے کہ جب ان کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے ہوئی ہے تو پسلی کا حال یہ ہے کہ اس کو اگر کوئی سیدھا کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو پسلی ٹوٹ جائے گی لیکن سیدھی نہیں ہوگی، لہٰذا تم اگر چاہو کہ عورت کو ڈانٹ ڈپٹ کر ایسا کر دو جیسے تم چاہ رہے ہو تو ایسا نہیں ہوگا۔ اگر ایسا کرنا چاہوگے تو طلاق ہو سکتی ہے۔ لیکن عورت کی فطرت نہیں بدل سکتی اور جب یہ بات ہے تو اسی حالت میں اس سے فائدہ اُٹھاؤ، اسکی ناگوار باتوں کو برداشت کرو، اور صبر وتحمل سے کام لو۔[2]

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ...(الی قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

---

(۱) شرح النووی ج۱ ص۴۷۵۔

(۲) لمعات ج۶ ص۱۰۹ وتکملة فتح الملهم ج۱ ص۱۲۳، ۱۲۴۔

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، فَإِذَا شَهِدَ أَمْرًا فَلْيَتَكَلَّمْ بِخَيْرٍ أَوْ لِيَسْكُتْ، وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْراً، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، إِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ ... (ص۴۷۵سطر۵تا۸)

تشریح

قوله : اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ (ص۴۷۵سطر:۶)

یہ باب استفعال سے ہے اس کے معنٰی ہیں طلب الوصیة یعنی تم عورتوں کے بارے میں خیر خواہی اور بھلائی کا سلوک کرنے کی وصیت قبول کرو۔ اگر ان کی طرف سے کوئی تکلیف یا ناگواری پیش آئے تو اس کو برداشت کرو۔ اور اپنی طرف سے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اُن کے بارے میں میری یہ وصیت قبول کرو۔ حاصل یہ کہ فطری طور پر انکے مزاج میں جو تھوڑی بہت کمزوری ہے یا خامی ہے جس کی وجہ سے مرد کو تکلیف ہوگی اُس کو گوارا کرلینا۔ اور برداشت کرتے رہنا۔[1]

اس باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ اگر عورت کی ایک عادت تمہیں بری لگے گی تو دوسری اچھی بھی لگے گی اور کوئی شخص ایسا نہیں جس کی تمام عادتیں اچھی ہوں۔ اور کوئی ایسا نہیں جس کی تمام عادتیں بری ہوں اسی طرح عورتوں میں کچھ اچھائیاں ہیں اور کچھ برائیاں ہیں۔ لہٰذا تم اچھائیوں پر نظر رکھو، برائیوں سے درگزر کرو۔ یہ باتیں امورِ خانہ داری کے متعلق ہیں اور بہت اہم ہیں۔

اس باب کی احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کی اصلاح وتربیت میں زیادہ سختی اور مبالغہ نہ کرو حتی الامکان حسنِ سلوک، صبر وتحمل اور درگزر سے کام لو۔ ورنہ طلاق کی نوبت آجائے گی جو محمود نہیں۔ اور ان احادیث کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اصلاح وتربیت بالکل نہ کرو بلکہ اگر کسی کی بیوی ناجائز اور خلافِ شرع کام کرے جیسے بے پردہ رہنے لگے، یا گانا گانے لگے یا ناچنے لگے، اور ناجائز کام کرنے لگے تو اس پر خاموش رہنے کی کوئی گنجائش نہیں اس کو تنبیہ کرنا اور منع کرنا ضروری ہے۔[1]

حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ، ...(الی قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ أَوْ قَالَ :غَيْرَهُ (ص۴۷۵سطر:۸،۹)

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ ص۱۱۹۔

(۲) مرقاة ج۶ ص۲۶۳ وتکملة فتح الملهم ج۱ ص۱۲۳،۱۲۴۔

تشریح

قوله : لَا یَفْرَکْ (ص۴۷۵سطر:۸)

یہ بابِ نصر سے ہے فرك یفرك اس کے معنٰی ہیں عورت کا شوہر سے اور شوہر کا بیوی سے بغض ونفرت کرنا۔[۱] اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کے لئے مناسب نہیں کہ ہر حال میں بیوی سے بغض ونفرت کرے۔ بلکہ اس کی جو اچھائی اور خیر ہو۔ اس کو بھی مد نظر رکھے اور اس کے ساتھ گزارا کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسٰى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا[۲]

۱۱۵۲۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، ...(الی قوله)...عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَوْلَا حَوَّاءُ، لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا الدَّهْرَ

(ص۴۷۵سطر:۱۰، ۱۱)

تشریح

قوله : لَوْلَا حَوَّاءُ، (ص۴۷۵سطر:۱۰)

یہ مَدّ کے ساتھ ہے۔ اور ان کو اس لئے حوا کہتے ہیں کہ وہ تمام زندہ انسانوں کی ماں ہیں یا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی تھیں۔ اور جنت میں داخل ہونے سے پہلے زندہ تھیں۔ یا جنت میں زندہ اور حیات تھیں۔[۳]

قوله : لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا الدَّهْرَ (ص۴۷۵سطر:۱۱)

اس سے حضرت حوا علیہا السلام کا حضرت آدمؑ کو جنت میں درخت میں سے کچھ کھانے پر آمادہ کرنا اور راغب کرنا مراد ہے۔ اور خیانت سے مراد یہ ہے کہ شیطان نے حضرت حواء علیہا السلام کو راغب کیا۔ اور انہوں نے حضرت آدمؑ کو راغب اور آمادہ کیا جس کی وجہ سے خطا صادر ہوگئی۔ لہٰذا یہ اثر ان کی بیٹیوں میں بھی منتقل ہوا۔ لیکن معاذ اللہ خیانت سے منکرات وفواحش کا ارتکاب کرنا ہرگز مراد نہیں ہے۔

اس حدیث میں مردوں کو تسلی دی گئی ہے کہ جب ان عورتوں کی بڑی اماں سے خیانت صادر

---

(۱) شرح النووی ج۱ ص ۴۷۵۔

(۲) النساء:۱۹۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج۱ ص۱۲۶۔

ہوئی تو اگر ان عورتوں سے کوئی ایسی بات صادر ہو تو اُسے ان کی فطرت اور طبیعت سمجھ کر نظر انداز کر دیں۔ اس پر زیادہ ڈانٹ اور ملامت نہ کریں۔ اور خواتین کو بھی اس طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں اور اپنی خواہشات کو دبائیں۔ حتی الامکان ان پر عمل نہ کریں تاکہ کوئی بے جا صورت ظاہر نہ ہو۔[1]

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ :هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا، وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْلَا بَنُو إِسْرَائِيلَ، لَمْ يَخْبُثِ الطَّعَامُ، وَلَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ، وَلَوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا الدَّهْرَ

(ص۴۷۵ سطر:۱۱ تا ۱۳)

تشریح

قوله : لَوْلَا بَنُو إِسْرَائِيلَ، لَمْ يَخْبُثِ الطعام ... (ص۴۷۵ سطر:۱۱)

یعنی دنیا میں سب سے پہلے کھانا اور گوشت بنی اسرائیل نے جمع کر کے رکھنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ سڑنے اور خراب ہونے لگا۔ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو وہ کھانا اور گوشت جمع نہ کرتے۔ لہٰذا نہ وہ سڑتا نہ خراب ہوتا۔ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بنی اسرائیل سے پہلے کھانا جمع کر کے رکھنے سے وہ سڑتا تھا یا نہیں۔ البتہ امام نوویؒ نے علماء کرام کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر منّ وسلویٰ نازل فرمایا تو انہیں جمع کر کے رکھنے سے منع فرمایا۔ لیکن وہ باز نہ آئے اور انہوں نے اس کو ذخیرہ کر کے رکھنا شروع کر دیا تو کھانے کا سڑنا بطورِ عذاب ان پر مسلط ہوا۔ ورنہ اس سے پہلے رکھا ہوا کھانا خراب نہیں ہوتا تھا۔[2]

قوله : وَلَمْ يَخْنَزِ (ص۴۷۵ سطر:۱۳)

یہ باب ضرب اور سمع سے آتا ہے اس کے معنیٰ ہیں لم ینتن[3] یعنی سڑتا اور بدبودار نہیں ہوتا۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ الْهَمْدَانِيُّ، ...(الی قوله)... عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :الدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَخَيْرُ مَتَاعِ

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ ص۱۲۶۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ ص۱۲۶ وشرح النووی ج۱ ص۴۷۵۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج۱ ص۱۲۷۔

الدُّنْیَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ (ص ۴۷۵ سطر: ۱۳، ۱۴)

تشریح

قولہ : مَتَاعٌ (ص ۴۷۵ سطر: ۱۴)

متاع دنیا کی اس کم یا زیادہ چیز کو کہتے ہیں جس سے آدمی تھوڑا سا نفع اٹھائے پھر وہ ختم ہوجائے اور فنا ہوجائے۔ اس لحاظ سے ساری دنیا متاع ہے۔ (۱)

اور الدنیا میں الف لام استغراق کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا تھوڑی دیر نفع اٹھانے کے لئے ہے مثلاً: کھانے پینے، پہننے اور رہنے میں آپ دیکھ لیں کہ ان میں نفع اُٹھانا تھوڑی دیر کے لئے ہوتا ہے۔ اور یہ ایک خاص وقت تک کے لئے ہوتا ہے اس کے بعد وہ ختم ہوجاتا ہے۔ جیسا کھانا کھایا وہ ختم ہوگیا۔ کپڑے پہنے وہ پھٹ گئے۔ مکان میں رہے وہ گر گیا، یا کسی وجہ سے چھوٹ گیا لہٰذا ساری دنیا متاع ہے۔ اس کے بعد اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کی نفع اٹھانے کی چیز میں سب سے بہتر نیک عورت ہے۔ کیونکہ نیک عورت مرد کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں بہترین معین اور مددگار رہوتی ہے۔ اور جو دنیا و آخرت میں کام آئے وہ سب سے بہتر ہے اور عورت کے نیک ہونے میں اِس طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ اگر عورت نیک نہ ہو تو وہ بدترین عورت ہے۔ (۲)

❁❁❁

(۱) مرقاۃ ج ۶ ص ۱۸۸۔

(۲) شرح الطیبی ج ۶ ص ۲۲۔

کتاب الطلاق

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ نے طلاق کے متعلق احادیثِ طیبہ جمع فرمائی ہیں جن سے طلاق کے احکام معلوم ہونگے۔ لہٰذا ان احادیث کو پڑھنے سے پہلے طلاق کے بارے میں چند ضروری باتیں سمجھ لیں ان کی وجہ سے ان شاء اللّٰہ تعالیٰ اس کتاب کی احادیث کا سمجھنا آسان ہوگا، مثلاً طلاق کے لغوی اور اصطلاحی معنٰی اور طلاق کی قسمیں وغیرہ۔

طلاق کے لغوی واصطلاحی معنٰی اور قسمیں

طلاق کے لغوی معنٰی ہیں چھوڑنا اور آزاد کرنا اور اصطلاحِ شرع میں طلاق کہتے ہیں مخصوص الفاظ کے ذریعے عورت کو نکاح سے آزاد کرنا۔ لغوی اور اصطلاحی معنٰی میں مناسبت واضح ہے۔ کیونکہ دونوں میں چھوڑنے کے معنٰی پائے جاتے ہیں۔ پھر طلاق دینے کے اعتبار سے طلاق کی تین قسمیں ہیں۔

۱ ... طلاقِ احسن۔ ۲ ... طلاقِ حسن۔ ۳ ... طلاقِ بدعی

طلاقِ احسن: اُس کو کہتے ہیں کہ شوہر اپنی بیوی کو اس طہر میں جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو صرف ایک طلاق دیدے اور رجوع نہ کرے۔ یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔

طلاقِ حسن: اُس کو کہتے ہیں کہ شوہر تین طہر میں الگ الگ تین طلاقیں دے جس میں اس نے بیوی سے جماع نہ کیا ہو اسے طلاقِ حسن کہتے ہیں۔

یہ دونوں قسمیں درست اور جائز ہیں، بوقتِ ضرورت اگر طلاق دینی پڑ جائے تو اُن میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتے ہیں سب سے بہتر پہلی صورت ہے، کیونکہ اس میں غور کرنے کا اور رجوع کرنے یا نہ کرنے کا پورا اختیار رہتا ہے اور نکاحِ ثانی بھی بلا حلالہ بآسانی ہو سکتا ہے۔

طلاقِ بدعی: اُس کو کہتے ہیں کہ شوہر بیوی کو ایک مجلس میں اکھٹی تین طلاقیں دیدے یا الگ الگ مجلسوں میں تین طلاقیں دیدے یا حالتِ حیض میں طلاق دے۔

اس طرح طلاق دینا اگرچہ حرام و ناجائز ہے۔ لیکن طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

طلاق کے الفاظ کے اعتبار سے طلاق کی تین قسمیں ہیں۔

۱ ... طلاقِ رجعی ۲ ... طلاقِ بائن ۳ ... طلاقِ مغلظہ

طلاقِ رجعی اور حکم

صاف اور صریح الفاظ کے ذریعے ایک یا دو طلاق دینے کو طلاقِ رجعی کہتے ہیں جیسے کوئی شوہر اپنی بیوی سے کہے انتِ طالق یا دو دفعہ کہہ دے انتِ طالق، انت طالق۔

اس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے درمیان شوہر رجوع کرسکتا ہے۔لیکن عدت کے بعد رجوع نہیں کرسکتا۔البتہ باہمی رضامندی سے بلاحلالہ، نئے مہر کے ساتھ، دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

طلاقِ بائن اور حکم

طلاقِ بائن اس کو کہتے ہیں کہ شوہر الفاظِ کنایہ کے ذریعہ طلاق دے۔یعنی طلاق کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرے جن میں طلاق ہونے یا نہ ہونے، دونوں کا احتمال ہو۔جیسے انت بائن، یا انت علیّ حرام وغیرہ کے الفاظ شوہر بیوی سے کہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ طلاقِ بائن میں رجوع نہیں ہوسکتا۔البتہ عدت میں اور عدت کے بعد بلاحلالہ باہمی رضامندی سے نئے مہر پر دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

طلاقِ مغلظہ اور حکم

طلاقِ مغلظہ وہ طلاق ہے۔جس میں شوہر اپنی بیوی کو ایک جملہ میں یا الگ الگ الفاظ میں تین طلاقیں دیدے۔جیسے کوئی شوہر اپنی بیوی کو انت طالق ثلاثاً یا انت طالق، انت طالق، انت طالق کہدے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ شوہر رجوع نہیں کرسکتا اور بغیر حلالہ کے آپس میں دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا۔ (۱)

طلاق دینے میں راہِ اعتدال

قرآن وسنت میں طلاق دینے کا نہایت معتدل طریقہ تعلیم فرمایا گیا ہے جس میں طلاق دینے کو نہ ہر حال میں حرام قرار دیا اور نہ طلاق دینے کے لئے چوپٹ دروازہ کھولا۔ بلکہ طلاق کے بارے میں ایسا طریقہ ارشاد فرمایا اور ایسے احکام عطا کئے کہ طلاق کم سے کم واقع ہو۔اور جو میاں بیوی مل جل کر رہنے سے واقعۃً عاجز ہوں انہیں ایک دوسرے سے چھٹکارا حاصل کرنے میں کوئی تنگی اور دشواری نہ

(۱) رد المحتار کتاب الطلاق۔

ہو۔ چنانچہ ایسے احکام کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

۱ ... مرد کو اجازت دی کہ نکاح سے پہلے اپنی منگیتر کو ایک نظر دیکھ لے۔ تاکہ نکاح دیکھ بھال کر پوری بصیرت کے ساتھ ہو۔ بعد میں ناپسند ہونے کی وجہ سے جدائی واقع نہ ہو۔

۲ ... شوہر کو یہ حکم دیا کہ وہ بیوی کی کوتاہیوں پر زیادہ نظر نہ ڈالے بلکہ ہمیشہ اس کی اچھائیوں پر نظر رکھے۔ اور اس کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے۔

۳ ... جب شوہر بیوی میں ناقابل برداشت صورت حال دیکھے تو طلاق دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ حتی الامکان اُس کی اصلاح کی کوشش کرے اور اس کی اصلاح کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے کلامِ پاک میں ارشاد فرمایا ہے اس پر عمل کرے۔

۴ ... جب شوہر اور بیوی میں اختلاف شدید ہو جائے۔ تو دونوں طرف کے قریبی رشتہ دار جو مخلص اور خیر خواہ اور صلح جو ہوں وہ اُن میں مصالحت کروائیں۔ اور اُن میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

۵ ... جب رشتہ دار بھی ان میں موافقت پیدا نہ کرسکیں تو شریعت کی طرف سے طلاق دینے کی اجازت ہے۔

۶ ... لیکن اُس وقت بھی شریعت نے حالتِ حیض میں طلاق دینے سے منع کیا ہے اور ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے منع کیا ہے۔

اور طلاق دینے کا یہ طریقہ بتلایا ہے کہ بیوی کو پاکی کی حالت میں جس میں شوہر نے بیوی سے جماع نہ کیا ہو۔ صرف ایک طلاق صاف الفاظ میں دیدے جس کو طلاقِ احسن کہتے ہیں۔ اس میں یہ سہولت ہے کہ عدت کے اندر اندر شوہر بیوی سے رجوع کرسکتا ہے۔ اور عدت کے بعد بھی باہمی رضا مندی سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے اور اس قسم میں ہر ایک کو طلاق کے انجام پر غور کرنے کا خوب موقع ملتا ہے۔

۷ ... یک دم تین طلاقیں دینے سے شریعت نے سختی سے منع کیا ہے کیونکہ تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع نہیں ہوسکتا اور حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا اور اکثر تین طلاق دینے کے بعد میاں بیوی کو اپنے فعل پر ندامت اور شرمندگی ہوتی ہے یا گھر اجڑنے اور بچوں کے برباد ہونے کا خیال آکر انہیں دوبارہ نکاح کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ مگر اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہی

اور حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح کی کوئی صورت نہیں۔ لیکن اگر کسی کو تین طلاقیں ہی دینی ہوں تو اس کا بھی شرعی طریقہ ہے اور وہ یہ ہیکہ الگ الگ پاکی کے زمانہ میں بیوی کو ایک ایک طلاق دیدے۔ یہاں تک کہ تین طلاقیں پوری ہوجائیں۔ اس کو طلاقِ حسن کہتے ہیں۔ اس میں بھی ایک اور دو طلاق تک شوہر کو اختیار رہتا ہے۔ جس میں دونوں کو طلاق کے انجام پر غور کرنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ غرض کہ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح نکاح سوچ سمجھ کرنا چاہئے۔ طلاق بھی خوب سوچ سمجھ کر اور انجام دیکھ کر دینا ضروری ہے تاکہ بعد میں کوئی ندامت اور پچھتاوا نہ ہو۔ (۱)

باب تحريم طلاق الحائض بغير رضاها...الخ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، قَالَ :قَرَأْتُ عَلَى مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، وَهِيَ حَائِضٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لِيَتْرُكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ، ثُمَّ تَطْهُرَ، ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ بَعْدُ، وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ، فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ. (ص۴۷۵ سطر:۱۷ تا ص۴۷۵ سطر:۲)

تشریح

قوله : طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، (ص۴۷۵ سطر ۱۸)

حضرت امام نوویؒ نے ان کا نام آمنہ بنت غفار بتلایا ہے۔ اور مسند احمد میں انکا نام نوار آیا ہے۔ ممکن ہے کہ نام آمنہ ہو اور لقب نوار ہو۔ (۲)

قوله : مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا، (ص۴۷۶ سطر:۱۸)

حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی ہو اس شخص کا رجوع کرنا واجب ہے۔ یہی حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت اور

(۱) خلاصة از تكملة فتح الملهم ج۱ ص۱۳۳، ۱۳۴۔

(۲) تكملة فتح الملهم ج۱ ص۱۳۵۔

حضرت امام مالکؒ کا ایک قول ہے اور یہی حنفیہ کا مذہبِ مختار ہے۔ البتہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک رجوع کرنا واجب نہیں مستحب ہے۔ اور یہی حنابلہ کے یہاں مختار ہے۔ اور ان کے نزدیک یہ امر استحباب کے لئے ہے۔ اور احناف کے نزدیک یہ امر وجوب کے لئے ہے۔ [1]

قوله : حَتّٰى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ، (ص۴۷۶ سطر:۱)

جس شخص نے حالتِ حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دی ہو۔ اس کو حیض کے بعد والے طہر میں طلاق دینا جائز نہیں بلکہ دوسرے طہر کا انتظار کرنا ضروری ہے۔ پھر اس میں طلاق دینا چاہے تو طلاق دے۔ اس مسئلہ کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے۔

حالتِ حیض میں طلاق دینے کا حکم

حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے اپنی بیوی آمنہ کو حالتِ حیض میں ایک طلاق دیدی تھی جو کہ طلاقِ بدعی تھی جو ناجائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ ان سے کہو کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرلیں۔ اس کے بعد ان کو اپنے نکاح میں رکھیں یہاں تک کہ وہ حیض گزر جائے جس میں طلاق دی تھی۔ پھر طہر آجائے اور اس کے بھی گزرنے کا انتظار کرے۔ پھر دوسرا حیض آجائے۔ اس کو بھی گزرنے دے۔ پھر دوسرا طہر آئے۔ تو اس وقت دیکھیں! اگر طلاق دینی ہو تو دے دیں ورنہ نہ دیں۔ اس حدیث کے تحت دو مسئلہ سمجھنے کی ضرورت ہے:-

۱ ... حالتِ حیض میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

۲ ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے طہر میں طلاق دینے کا حکم کیوں فرمایا؟ پہلے طہر میں طلاق دینے کا حکم کیوں نہیں فرمایا؟

پہلا مسئلہ

ائمہ اربعہؒ اور جمہورؒ کے نزدیک حالتِ حیض میں طلاق دینا اگرچہ حرام و ناجائز ہے۔ لیکن اگر کوئی دیدے تو طلاق ہوجائے گی البتہ بعض اصحابِ ظاہر اور غیر مقلدوں کے نزدیک حالتِ حیض میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ ص۱۳۵، ۱۳۶۔

ان کی دلیل قیاس ہے وہ قیاس یہ ہے کہ حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے اور جب حرام ہے تو واقع بھی نہ ہوگی۔

جواب واضح ہے، کیونکہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلیراجعھا جس میں یہ بات صاف اور واضح ہے کہ آپ نے رجوع کرنے کا حکم دیا۔ اور رجوع وقوعِ طلاق کے بعد ہی ہوگا۔ اس سے پہلے رجوع نہیں ہوسکتا۔ معلوم ہوا حالتِ حیض میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اُن سے کہیں کہ وہ رجوع کرلیں۔ پھر اگر طلاق دینی ہو تو دوسرے طہر میں طلاق دیں اس سے معلوم ہوا کہ پہلی طلاق واقع ہوگئی تھی اس لئے آپ نے رجوع کا حکم دیا۔ ایسی صریح حدیث کے مقابلے میں قیاس کرنا درست نہیں۔

جمہور کی دلیل یہی حدیث ہے کہ حالتِ حیض میں طلاق دینے سے طلاق ہوجاتی ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کرنے کا حکم دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس حالت میں طلاق دینا حرام اور ناجائز ہے، اور یہ طلاقِ بدعی ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ کرنا دلالت کرتا ہے جو اس باب کی دیگر احادیث میں مذکور ہے۔ (۱)

دوسرا مسئلہ

جب حضرت ابن عمرؓ نے حالتِ حیض میں طلاق دیدی تھی۔ اور آپ نے اُنھیں کفارہ کے طور پر رجوع کرنے کا حکم فرمایا کہ تم نے غلط موقع پر طلاق دیدی۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حیض کے بعد والے طہر میں طلاق دینے کا حکم کیوں نہیں فرمایا؟ دوسرے طہر کے انتظار کا کیوں حکم فرمایا؟

شارحینؒ فرماتے ہیں اس کی تین وجہیں ہیں:۔

۱ ... دوسرے طہر کا اس لئے انتظار کروایا تاکہ طلاق دینے کے معاملہ میں انہیں کچھ لمبی مدت مل جائے تاکہ وہ طلاق دینے کے فیصلہ پر اچھی طرح غور وفکر کریں۔ پھر اس کے نتیجہ میں ہوسکتا ہے کہ طلاق دینے کی نوبت ہی نہ آئے، کیونکہ پہلا طہر تو بالکل قریب ہے جس میں ہوسکتا ہے کہ آدمی کا طلاق دینے کا ارادہ برقرار رہے اس لئے دوسرے طہر کا انتظار کروایا۔ اور اس لئے بھی کہ طلاق ابغضُ المباح ہے اور ابغضُ المباح چیز کا بغیر شدید مجبوری کے ارتکاب نہیں کرنا چاہئے۔ جیسے نکاح سوچ سمجھ کر آدمی کرتا ہے ایسے ہی طلاق کے معاملہ میں خوب غور وفکر کرکے دے کیونکہ جس طرح نکاح سے

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ ص۱۲۲ واشرف التوضیح ج۳ ص۴۶۳۔

دو خاندان جڑتے ہیں۔ اسی طرح طلاق سے دو خاندان ٹوٹتے ہیں۔ اور جڑنے سے ٹوٹنا زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ اس کا نقصان زیادہ ہے۔

۲ ... ایک قول کے مطابق حیض کے بعد والے طہر میں، طلاق دی جاسکتی ہے، لیکن دوسرے طہر تک طلاق دینے کو مؤخر کرنا بطورِ سزا کے تھا۔

۳ ... حیض کے بعد جو طہر ہوتا ہے۔ وہ بمنزلہ حیض کے ہوتا ہے۔ گویا ایک حیض اور اس کے بعد والا ایک طہر ملکر ایک چیز ہے۔ اور دوسرے حیض میں طلاق نہیں دی جاسکتی۔ اس وجہ سے دوسرے طہر کا انتظار کروایا۔

بہر حال ان تین وجوہات کی بناء پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے طہر کا انتظار کروایا۔ ورنہ فی نفسہٖ پہلے طہر میں ایک قول کے مطابق طلاق دینا جائز ہے۔ لیکن حنفیہؒ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس میں طلاق دینا درست نہیں۔ اور اگر کوئی طلاق دیدے تو رجوع کرنا واجب ہے۔ [1]

قوله : قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ، (ص۴۷۶ سطر:۱)

اس سے معلوم ہوا کہ شوہر نے جس طہر میں بیوی سے صحبت کی ہو اس میں طلاق دینا حرام ہے۔ جمہور نے اس کی تصریح کی ہے تا کہ بیوی حاملہ نہ ہو۔ اور شوہر کو ندامت نہ ہو۔ [2]

قوله : فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي...... (ص۴۷۶ سطر:۱)

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ'' (الآیة [3]) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہاں عدت سے مراد حیض ہے۔ کیونکہ حیض سے عدت شمار ہوتی ہے۔ لہٰذا اس میں طلاق دینا درست نہیں بلکہ طلاق حالتِ طہر میں دینی چاہئے تا کہ تین حیض سے اس کی عدت پوری ہو۔ اور عدت بلا وجہ طویل نہ ہو۔ [4]

۱۱۵۸ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى،...(الى قوله)... عَنْ عَبْدِ اللهِ، أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً، فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرَاجِعَهَا، ثُمَّ يُمْسِكَهَا حَتَّى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ عِنْدَهُ حَيْضَةً أُخْرَى، ثُمَّ يُمْهِلَهَا

(۱) تكملة فتح الملهم ج۱ص۱۳۵ و مرقاة ج۱ص۲۸۰۔

(۲) فتح الملهم ج۱ص۱۳۸۔

(۳) سورة الطلاق:۱۔

(۴) تكملة فتح الملهم ج۱ص۱۳۸۔

حَتَّى تَطْهُرَ مِنْ حَيْضَتِهَا، فَإِنْ أَرَادَ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا حِينَ تَطْهُرُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُجَامِعَهَا، فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللهُ أَنْ يُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ ، وَزَادَ ابْنُ رُمْحٍ فِي رِوَايَتِهِ :وَكَانَ عَبْدُ اللهِ إِذَا سُئِلَ عَنْ ذَلِكَ، قَالَ لِأَحَدِهِمْ :أَمَّا أَنْتَ طَلَّقْتَ امْرَأَتَكَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ، فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنِي بِهَذَا، وَإِنْ كُنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا، فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْكَ، حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ، وَعَصَيْتَ اللهَ فِيمَا أَمَرَكَ مِنْ طَلَاقِ امْرَأَتِكَ، قَالَ مُسْلِمٌ :جَوَّدَ اللَّيْثُ فِي قَوْلِهِ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً

(ص۴۷۶سطر:۲تا۶)

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی تھی اور بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے تین طلاقیں دی تھیں وہ راوی کا وہم ہے جو معتبر نہیں۔ (۱)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :طَلَّقْتُ امْرَأَتِي عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ حَائِضٌ، فَذَكَرَ ذَلِكَ عُمَرُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لِيَدَعْهَا حَتَّى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ حَيْضَةً أُخْرَى، فَإِذَا طَهُرَتْ فَلْيُطَلِّقْهَا قَبْلَ أَنْ يُجَامِعَهَا، أَوْ يُمْسِكْهَا، فَإِنَّهَا الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللهُ أَنْ يُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ. قَالَ عُبَيْدُ اللهِ :قُلْتُ لِنَافِعٍ :مَا صَنَعَتِ التَّطْلِيقَةُ؟ قَالَ: وَاحِدَةٌ اعْتَدَّ بِهَا

(ص۴۷۶سطر:۶تا۸)

تشریح

قوله : قَالَ: وَاحِدَةٌ اُعْتَدَّ بِهَا (ص۴۷۶سطر:۸)

اس حدیث سے صراحت کے ساتھ ثابت ہوا کہ حالتِ حیض میں دی جانے والی طلاق واقع ہوجاتی ہے اگرچہ اس حالت میں طلاق دینا حرام ہے جمہورؒ سلف وخلف کا یہی مذہب ہے۔ اور چاروں اماموںؒ کا اس پر اتفاق ہے۔ لیکن علامہ ابن حزمؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ اور خوارج وروافض کے نزدیک حالتِ حیض میں دی جانے والی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ اس حالت میں طلاق دینا حرام ہے اور

(۱) تکملۃ فتح الملھم ج۱ ص۱۳۹

جس طرح کسی اجنبی عورت کو طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح حالتِ حیض میں بھی طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، مگر یہ کوئی معتبر دلیل نہیں اور نص کی موجودگی میں سراسر غیر معتبر ہے۔ اور جمہورؒ کی دلیل مذکورہ بالا حدیث ہے۔ (۱)

حَدَّثَنِی عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِیُّ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِیلُ بْنُ إِبْرَاهِیمَ، عَنْ أَیُّوبَ، عَنِ ابْنِ سِیرِینَ، قَالَ: مَکَثْتُ عِشْرِینَ سَنَةً یُحَدِّثُنِی مَنْ لَا أَتَّهِمُ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا وَهِیَ حَائِضٌ، فَأُمِرَ أَنْ یُرَاجِعَهَا، فَجَعَلْتُ لَا أَتَّهِمُهُمْ، وَلَا أَعْرِفُ الْحَدِیثَ، حَتَّى لَقِیتُ أَبَا غَلَّابٍ یُونُسَ بْنَ جُبَیْرٍ الْبَاهِلِیَّ، وَکَانَ ذَا ثَبَتٍ، فَحَدَّثَنِی أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ، فَحَدَّثَهُ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ تَطْلِیقَةً وَهِیَ حَائِضٌ، فَأُمِرَ أَنْ یُرَاجِعَهَا، قَالَ: قُلْتُ: أَفَحُسِبَتْ عَلَیْهِ؟ قَالَ: فَمَهْ، أَوَ إِنْ عَجَزَ، وَاسْتَحْمَقَ

(ص۴۷۷ سطر:۲ تا ۵)

تشریح

قوله: طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا (ص۴۷۷ سطر:۳)

اس روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں اور امام دارقطنیؒ نے اس کو ایک دوسری سند سے نقل کیا ہے اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ اس روایت کی سند میں تمام راوی شیعہ ہیں لہٰذا یہ روایت معتبر نہیں۔ محفوظ روایت یہی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں ایک طلاق دی تھی تین طلاقیں نہیں دی تھیں۔ (۲)

قوله: وَلَا أَعْرِفُ الْحَدِیثَ، (ص۴۷۷ سطر:۳)

یعنی میں نہیں جانتا کہ تین طلاقیں دینے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے ان کو رجوع کرنے کا حکم دیا کیونکہ تین طلاقیں دینے سے طلاقِ مغلظہ واقع ہوتی ہے جس میں رجوع نہیں ہوسکتا اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان الفاظ سے ان کی مراد یہ ہو کہ میں اس حدیث کو صحیح نہیں جانتا۔ (۳) واللہ اعلم

قوله: أَبَا غَلَّابٍ (ص۴۷۷ سطر:۴)

اس میں غین پر فتحہ اور لام پر تشدید ہے اور بعض نے بغیر تشدید کے کہا ہے۔ (۴)

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ ص۱۴۰۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۱ ص۱۴۵۔

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج۱ ص۱۴۶۔

(۴) حوالہ بالا

قولہ : ذَا ثَبَتٍ، (ص ۴۷۷ سطر: ۴)

اس میں ذال اور ثاء پر فتحہ ہے اس کے معنٰی حجت اور مضبوط کے ہیں۔ (۱)

قولہ : فَمَهْ، (ص ۴۷۷ سطر: ۴)

یہ اصل میں فما تھا جو استفہام کے لئے ہے۔ یعنی حیض کی حالت میں دی جانے والی طلاق کیوں شمار نہ ہوگی؟ یعنی شمار ہوگی۔ (۲)

قولہ : أَوَ إِنْ عَجَزَ، وَاسْتَحْمَقَ (ص ۴۷۷ سطر: ۴)

حضرات شارحینؒ نے ان الفاظ کے کئی مطلب بیان فرمائے ہیں اُن میں سب سے زیادہ واضح مطلب وہ ہے جسے علامہ کرمانیؒ نے بیان فرمایا ہے کہ اسمیں اِن نافیہ ہے اور اس کے معنٰی یہ ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ حالتِ حیض کی طلاق کو معتبر ماننے میں نہ عاجز ہیں اور نہ انہوں نے کوئی حماقت کی ہے کیونکہ نہ وہ بچے ہیں نہ دیوانے۔ خلاصہ یہ کہ ان الفاظ سے مراد حالتِ حیض میں طلاق واقع ہونا ہے جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے۔ (۳)

حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، ...(الی قوله)...يَسْأَلُ ابْنَ عُمَرَ، وَأَبُو الزُّبَيْرِ يَسْمَعُ ذَلِكَ، كَيْفَ تَرَى فِي رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ حَائِضًا؟ فَقَالَ :طَلَّقَ ابْنُ عُمَرَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَ عُمَرُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :إِنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِيُرَاجِعْهَا ، فَرَدَّهَا، وَقَالَ :إِذَا طَهُرَتْ فَلْيُطَلِّقْ، أَوْ لِيُمْسِكْ ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَقَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ. (ص ۴۷۷ سطر: ۱۷ تا ۲۰)

تشریح

قولہ : فَطَلِّقُوهُنَّ فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ. (ص ۴۷۷ سطر: ۲۰)

حضرت امام نوویؒ نے فرمایا کہ یہ قراءت حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی ہے جو شاذ ہے قرآنِ کریم میں بالاجماع یہ ثابت نہیں ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ الفاظ بعض صحابہؓ

(۱) تکملة فتح الملہم ج ۱ ص ۱۳۶۔

(۲) تکملة فتح الملہم ج ۱ ص ۱۳۶۔

(۳) تکملة فتح الملہم ج ۱ ص ۱۴۳۔

کرامؓ کی طرف سے بطورِ تفسیر کے ہیں قراءت کے طور پر نہیں۔ [1]

باب طلاق الثلاث

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، ...(الى قوله)...عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ :إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ، فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ. (ص ۴۷۷ سطر:۲۲ تا ص ۴۷۸ سطر:۱)

تشریح

قوله : طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً، (ص ۴۷۷ سطر:۲۳)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے شروع کے دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا تھا بشرطیکہ شوہر نے حقیقت میں ایک طلاق دی ہو۔ اور پھر تاکید کے طور پر دو مرتبہ اور کہا ہو یہ مراد نہیں کہ شوہر نے واقعۃً تین طلاقیں دی ہوں اور انہیں ایک شمار کیا جاتا ہو۔ [2]

قوله : كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، (ص ۴۷۸ سطر:۱)

اناۃ: کے معنی مہلت کے ہیں یعنی شوہر کے لئے گنجائش تھی کہ اس طرح طلاق دینے کے بعد وہ رجوع کرلے اور نکاح بحال کرلے۔ [3] کیونکہ اس نے صرف ایک طلاق دی ہے۔

قوله : فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ (ص ۴۷۸ سطر:۱)

یعنی حضرت عمرؓ نے لوگوں میں امانت و دیانت کم ہونے کی بناء پر ایک طلاق دے کر دو مرتبہ اس کی تاکید کے لئے طلاق دینے کی صورت میں قضاءً تین طلاقیں واقع کرنے کا حکم نافذ کردیا۔ [4]

یہاں دو اہم مسئلہ سمجھنے کے ہیں:۔

(۱) شرح النووی ج۱ص ۴۷۷۔
(۲) تکملۃ فتح الملہم بزیادۃ ج۱ص ۱۵۱۔
(۳) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص ۱۵۱۔
(۴) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص ۱۵۱۔

۱ ... ایک یہ کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا جائز ہے یا نہیں؟

۲ ... دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدے یا ایک جملہ میں تین طلاقیں دیدے تو کیا تینوں طلاقیں واقع ہونگی یا نہیں؟ یہاں ان کو الگ الگ مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

پہلا مسئلہ

ایک ساتھ تین طلاقیں دینا جائز نہیں

حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ کے نزدیک ایک ساتھ تین طلاقیں دینا جائز نہیں یہ حرام اور بدعت ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک حرام نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ ایک طہر میں تین طلاقیں جمع نہ کرے، حضرت امام شافعیؒ کی دلیل حضرت عویمر عجلانیؓ کی حدیث ہے۔ کہ جب وہ لعان سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا:

"کذبت علیها یا رسول اللّٰه ان امسکتها فطلقها ثلاثا"[1]

ترجمہ

"یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس پر جھوٹ بولوں گا اب اگر میں نے اس کو اپنے نکاح میں رکھا چنانچہ انہوں نے اس کو تین طلاقیں دے دیں۔"

یہاں اُن کے ایک ساتھ تین طلاقیں دینے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نکیر نہیں کی معلوم ہوا کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا حرام نہیں۔ ان کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ یہاں پہلے ہی لعان سے نکاح ختم ہو چکا تھا اس کے بعد تین طلاقیں ان کی بیوی پر واقع نہیں ہوئیں اور ان کا حکم نافذ نہ ہوا۔ اس لئے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر نہیں فرمائی۔[2]

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کا استدلال حضرت محمود بن لبیدؓ کی حدیث سے ہے انہوں نے فرمایا: "اخبر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاثا تطلیقات جمیعا فقام غضبان ثم قال ایلعب بکتاب اللّٰه وانا بین اظهرکم حتی قام رجل وقال یا رسول اللّٰه! الا اقتله؟" (وسندہٗ صحیح)[3]

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الطلاق باب من اجاز طلاق الثلاث، رقم الحدیث: ۴۸۵۵۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۵۲۔

(۳) سنن النسائی کتاب الطلاق باب الثلاث المجموعة وما فیه من التغلیظ، رقم الحدیث: ۳۳۴۸۔

اس حدیث میں حضور نے ایک ساتھ تین طلاقیں دینے پر غصہ کا اظہار تو فرمایا جو اس کے ناجائز ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار نہیں دیا۔ اس لحاظ سے یہ حدیث آنے والے دوسرے مسئلہ میں بھی احناف کی دلیل ہے۔ بہرحال اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا جائز نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ فرمانا اس کی دلیل ہے۔

حنفیہؒ نے حدیثِ انسؓ سے بھی استدلال کیا ہے: عن انسؓ ان عمرؓ کان اذا اتی برجل طلق امرأته طلاقاً ثلاثاً او جع ظهره، (۱) یعنی حضرت عمرؓ کی خدمت میں جب ایسے شخص کو لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں تو حضرت عمرؓ اس کی کمر پر مار لگاتے یعنی سزا دیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا جائز نہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ تین طلاق دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ (۲)

دوسرا مسئلہ

ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں یا ایک کلمہ سے تین طلاق دے دیں تو تینوں طلاقیں واقع ہوں گی یا نہیں اس میں دو مذہب ہیں:۔

۱ ... ایک مذہب ائمہ اربعہؒ اور جمہورؒ علماء کا ہے۔ ان کے نزدیک تینوں طلاقیں واقع ہو جائینگی اور حرمتِ مغلظہ ثابت ہوگی۔ اور حلالہ کے بغیر آپس میں دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ یہی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عبد اللہؓ بن عمرو، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت انسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور اکثر تابعینؒ سے مروی ہے۔

۲ ... دوسرا مذہب علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ اور بعض اہل ظاہر کا ہے اور ہمارے زمانہ کے غیر مقلدوں اور سلفیوں کا ہے کہ ایک مجلس میں یا ایک جملہ سے تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع نہیں ہونگی بلکہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی جس میں رجوع ہو سکتا ہے۔ ان حضرات کا استدلال حدیث الباب سے ہے۔ جس میں صراحت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں۔

---

(۱) مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۱۳۴۵۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۵۲۔

ان کا استدلال حدیثِ رُکانہؓ سے بھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ عن عکرمة مولی ابن عباسؓ قال طلق رکانة بن عبد یزید اخو المطّلب امراته ثلاثا فی مجلسٍ واحدٍ فحزن علیها حزناً شدیداً قال: فسأله رسول الله ﷺ کیف طلقتها؟ قال طلقتها ثلاثا قال فقال فی مجلس واحدٍ؟ قال: نعم، قال فانما تلك واحدة فارجعها ان شئت قال فراجعها۔ [1]

جمہور کے دلائل بکثرت احادیثِ صریحہ اور صحیحہ ہیں اُن میں سے چند یہ ہیں:۔

۱ ... بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے ان رجلاً طلق امراته ثلاثا فتزوجت فطلق فسأل النبی ﷺ أتحل للاول؟ قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول۔ [2] یہ واقعہ حضرت رفاعہؓ قرظی کی بیوی کے واقعہ کے علاوہ ہے۔ اور اس میں طلق ثلاثاً سے استدلال ہے جو بالکل واضح ہے۔

۲ ... حضرت امام بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ میں حضرت سویدؓ بن غفلة سے روایت نقل کی ہے کہ:
کانت عائشة الخثعمیة عند الحسن بن علیؓ فلما قتل علی قال: لتهنّأك الخلافة، قال: بقتل علیؓ تظهرین الشماتة اذهبی فانت طالق ثلاثا، قال: فتلفعت بثیابها فقعدت حتی قضت عدتها فبعث الیها ببقیة بقیت لها من صداقها وعشرة آلاف۔
فلما جاء ها الرسول فقالت: متاع قلیل من حبیب مفارقٍ فلما بلغه قولها بکی ثم قال لو لا أنی سمعت جدی او حدثنی أبی أنه سمع جدی یقول ایما رجل طلق امرأته ثلاثاً عند الاقراء او ثلاثاً مبهمةً لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره لراجعتها۔
(واسناده صحیح [3])

یہ حدیث بھی تین طلاقیں دینے سے تینوں کے واقع ہونے میں نہایت صریح اور صحیح ہے۔

۳ ... حضرت امام نسائیؒ نے حضرت محمود بن لبیدؓ سے روایت کی ہے جو پہلے مسئلہ میں گزر چکی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔ فیمن طلق امرأته ثلاثا فغضب علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکره ابن العربی معارضاً لحدیث ابن عباسؓ فقال ویعارضه حدیث محمود بن لبید فان فیه التصریح بأن الرجل طلق ثلاثاً مجموعاً فلم یردّه النبی ﷺ بل امضاه یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں طلاقیں نافذ کر دیں۔ [4]

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۵۳، ۱۵۴ومسند احمد، رقم الحدیث: ۲۳۸۷۔
(۲) صحیح البخاری کتاب الطلاق باب من أجاز طلاق الثلاث رقم الحدیث: ۴۸۵۷۔
(۳) السنن الکبری للبیهقیؒ ج۷ص۳۳۶۔
(۴) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۵۴، ۱۵۵

غیر مقلدوں کے دلائل کا جواب

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی مذکورہ حدیث کا جمہور یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث ایک خاص صورت میں وارد ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ کوئی شخص اصلاً تو صرف ایک طلاق دے اور انت طالق کہے پھر اس کی تاکید کی نیت سے دو مرتبہ انت طالق انت طالق اور کہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیقِ اکبرؓ کے زمانہ میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے شروع کے دو سالوں میں امانت و دیانت اور سچائی کا اعلیٰ درجہ پائے جانے کی وجہ سے اس کی بات قبول کر لی جاتی تھی۔ پھر جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی اور ان میں دھوکہ اور فریب بڑھ گیا امانت و دیانت اور سچائی کا وہ درجہ باقی نہ رہا جو پہلے تھا جس کی وجہ سے اُن کی بات قبول کرنا مشکل ہوگیا تو حضرت عمرؓ نے اس صورت میں قضاءً تین طلاقیں واقع کرنے کا حکم نافذ کر دیا۔ حضرت امام نوویؒ نے فرمایا یہ اس روایت کا سب سے زیادہ صحیح جواب ہے لہٰذا جو لوگ ایک مجلس میں یا ایک جملہ سے واقعۃً تین ہی طلاقیں دیتے ہیں۔ اُن کا مذکورہ حدیثِ ابن عباسؓ سے کوئی تعلق نہیں اور اس حدیث کی رو سے ایسی تین طلاقوں کو ایک قرار دینا اور رجوع کرنے کی گنجائش دینا سراسر غلط اور محض جہالت ہے۔ اور سراسر حرام و ناجائز ہے۔

کیونکہ اس صورت میں تین طلاقوں کا واقع ہونا متعدد احادیثِ صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے جن میں سے دلیل کے طور پر تین صحیح احادیث اوپر گزریں ـــــ نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ فیصلہ پر حضراتِ صحابہؓ کرام کا اجماع بھی ہے، کسی نے اس سے انکار نہیں کیا، اگر حضرت عمرؓ کا فیصلہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کے فیصلہ کے خلاف ہوتا اور قضاءً تین طلاقیں واقع ہونا بدعت ہوتا تو حضراتِ صحابہؓ کرام میں سے کوئی بھی اس سے راضی اور متفق نہ ہوتا۔ [1]

حدیثِ رکانہ کا جواب یہ ہے کہ اس سے استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ اس میں اضطراب پایا جاتا ہے، بعض روایات میں ہے انه طلق امرأته ثلاثا كما في حديث ابن عباسؓ وروى عنه انه طلق امرأته بلفظ "البتة" اسی اضطراب کی بناء پر امام بخاریؒ نے اس کو معلل قرار دیا ہے اور علامہ ابن عبد البرؒ نے ضعیف کہا ہے اور علامہ ابن الہمامؒ نے منکر قرار دیا ہے لہٰذا ایسی حدیث قابلِ استدلال نہیں۔ غیر مقلدوں پر تعجب ہے ایسی حدیث سے استدلال کرنے پر مطمئن ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رکانہؓ نے اپنی بیوی کو "انت طالق البتة" کے الفاظ سے طلاق دی تھی

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۵۸، ۱۵۹۔

اوران الفاظ سے ان کی نیت صرف ایک طلاق کی تھی جس کی رسول اللہ ﷺ نے تصدیق فرمائی اور انہیں دوبارہ نکاح کرنے کی اجازت دے دی، لیکن بعض راویوں نے طلاقِ البتہ سے تین طلاقیں مراد لے کر تین طلاقیں دینا نقل کردیا جو درست نہیں۔ (۱)

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، ...(الی قولہ)... عَنْ طَاوُسٍ، أَنَّ أَبَا الصَّهْبَاءِ، قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ :هَاتِ مِنْ هَنَاتِكَ، أَلَمْ يَكُنِ الطَّلَاقُ الثَّلَاثُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ وَاحِدَةً ؟ فَقَالَ :قَدْ كَانَ ذَلِكَ، فَلَمَّا كَانَ فِي عَهْدِ عُمَرَ تَتَايَعَ النَّاسُ فِي الطَّلَاقِ، فَأَجَازَهُ عَلَيْهِمْ (ص۴۷۸سطر۳تا۵)

تشریح

قولہ : هَاتِ مِنْ هَنَاتِکَ، (ص۴۷۸،سطر۴) **هَنَات** هَنٌ کی جمع ہے اور هَن ایسی گندی چیز کو کہتے ہیں جس کو نام سے ذکر کرنا پسند نہیں کیا جاتا اور کبھی بری عادت کو بھی کہتے ہیں، امام نوویؒ فرماتے ہیں یہاں ھنات سے خبریں اور نئی باتیں مراد ہیں۔ (۲)

باب وجوب الكفارة على من حرم امرأته ولم ينو الطلاق

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ،... (الی قولہ)...عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي الْحَرَامِ :يَمِينٌ يُكَفِّرُهَا ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ :(لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ) (ص۴۷۸سطر۵تا۷)

تشریح

قولہ : يَقُولُ فِي الْحَرَامِ :يَمِينٌ الخ (ص۴۷۸سطر۷) یعنی جب کوئی شخص اپنی بیوی کو انت علی حرام کہے تو حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک یہ قسم ہے اور اس میں قسم کا کفارہ واجب ہوگا، ان کا استدلال حضور ﷺ کے عمل سے ہے، کیونکہ ایک روایت کے مطابق آپ نے حضرت ماریہ قبطیہؓ کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا جس کی تفصیل آنے والی احادیث میں آرہی ہے۔

بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کا مسئلہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرلے اور اس کو یوں کہدے انت علی حرام (تو

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۵۹۔

(۲) شرح النووی ج۱ص۴۷۸ و تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۶۱۔

مجھ پر حرام ہے) تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس میں اختلاف ہے حضراتِ حنفیہؒ کے نزدیک یہ کنایہ کا لفظ ہے لہٰذا شوہر سے نیت پوچھی جائے گی اگر اس نے ایلاء یا ظہار یا ایک طلاق بائن یا تین طلاقوں کی نیت کی ہو تو اس کی نیت قبول کی جائے گی اور جیسی نیت ہوگی ویسا حکم ہوگا اور اگر اس نے یہ الفاظ بغیر کسی نیت کے بولے ہوں تو متقدمینؒ حنفیہ کے نزدیک ایلاء ہوگا اور متاخرینؒ حنفیہ کے نزدیک غلبۂ عرف کی بناء پر ایک طلاقِ بائن واقع ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (۱)

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اگر طلاق یا ظہار کی نیت کرے گا تو یہی حکم ہوگا اور اگر شوہر کی نیت طلاق وظہار کے علاوہ بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کی ہوگی تو یہ قسم ہوگی، اور کفارۂ قسم واجب ہوگا اور اگر بغیر نیت کے یہ الفاظ بولے گا تو اصح قول کے مطابق یہ قسم ہوگی، اور کفارۂ قسم واجب ہوگا۔ (۲)

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، ...(الی قوله)... عَائِشَةَ، تُخْبِرُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَيَشْرَبُ عِنْدَهَا عَسَلًا، قَالَتْ: فَتَوَاطَأْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ أَنَّ أَيَّتَنَا مَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلْتَقُلْ :إِنِّي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرَ، أَكَلْتَ مَغَافِيرَ؟ فَدَخَلَ عَلَى إِحْدَاهُمَا، فَقَالَتْ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ :بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ، وَلَنْ أَعُودَ لَهُ، فَنَزَلَ : "لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ" إِلَى قَوْلِهِ :(إِنْ تَتُوبَا) لِعَائِشَةَ وَحَفْصَةَ، "وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا" ، لِقَوْلِهِ :بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا

(ص۴۷۸سطر۹)

تشریح

قوله : فَتَوَاطَيْتُ الخ (ص۴۷۸سطر۱۰) ای اتفقت یعنی دونوں نے اتفاق کیا۔ (۳)

قوله : رِيحَ مَغَافِيرَ، (ص۴۷۸سطر۱۰) یہ مغفور بضم المیم کی جمع ہے یہ گوند کی طرح ایک چیز ہوتی ہے۔ جو اس درخت سے حاصل ہوتی ہے جسے عام طور پر اونٹ چرتے ہیں اور اس میں بدبو ہوتی ہے۔ اور حدیث شریف کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے معاذ اللہ کوئی جھوٹا پلان بنایا تھا ایسی ہرگز نہیں بلکہ یہاں توریہ کرنا مراد ہے کہ آپ نے حضرت حفصہؓ سے کہا کہ وہ حضور سے سوال

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۶۲۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۶۲۔

(۳) شرح النووی ج۱ص۴۷۸۔

کریں کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ جس کی وجہ سے اس کی بدبو آرہی ہے۔ لہٰذا یہاں صراحۃً جھوٹ بولنا مراد نہیں اس کی تائید اس حدیث کے بعد آنے والی حدیث ابو کریبؒ میں حضرت عائشہؓ کے قول سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں جس انداز سے یہ کہا کہ انّی اجد منك ریح مغافیر الخ یہ کسی راوی کا تصرف معلوم ہوتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم[1]

قوله : وَلَنْ أَعُودَ لَهُ، الخ (ص۴۷۹ سطر۱) اور بخاری شریف کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں "وقد حلفت ولا تخبری بذالك احدا" یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے زیادہ مناسب ہیں "یا ایها النبی لم تحرم ما احل الله لك" کیونکہ اس آیت کا نزول شہد حرام کرنے کے واقعہ میں ہوا ہے جو اس آیت کی تفسیر میں ایک قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے اوپر حرام کرنے اور ان سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا دراصل شہد کا قصہ اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حرام کرنے کا واقعہ ساتھ ساتھ ہوئے ہیں اور ان دونوں کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہے لہٰذا دونوں کی طرف اس کی نسبت کرنا درست ہے۔[2]

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، ...(الى قوله)... عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ، فَكَانَ إِذَا صَلَّى الْعَصْرَ دَارَ عَلَى نِسَائِهِ، فَيَدْنُو مِنْهُنَّ، فَدَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ، فَاحْتَبَسَ عِنْدَهَا أَكْثَرَ مِمَّا كَانَ يَحْتَبِسُ، فَسَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ، فَقِيلَ لِي : أَهْدَتْ لَهَا امْرَأَةٌ مِنْ قَوْمِهَا عُكَّةً مِنْ عَسَلٍ، فَسَقَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ شَرْبَةً، فَقُلْتُ : أَمَا وَاللهِ لَنَحْتَالَنَّ لَهُ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِسَوْدَةَ، وَقُلْتُ : إِذَا دَخَلَ عَلَيْكِ، فَإِنَّهُ سَيَدْنُو مِنْكِ، فَقُولِي لَهُ : يَا رَسُولَ اللهِ، أَكَلْتَ مَغَافِيرَ؟ فَإِنَّهُ سَيَقُولُ لَكِ : لَا ، فَقُولِي لَهُ : مَا هَذِهِ الرِّيحُ؟ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْتَدُّ عَلَيْهِ أَنْ يُوجَدَ مِنْهُ الرِّيحُ، فَإِنَّهُ سَيَقُولُ لَكِ : سَقَتْنِي حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ ، فَقُولِي لَهُ : جَرَسَتْ نَحْلُهُ الْعُرْفُطَ، وَسَأَقُولُ ذَلِكِ لَهُ، وَقُولِيهِ أَنْتِ يَا صَفِيَّةُ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَى سَوْدَةَ قَالَتْ : تَقُولُ سَوْدَةُ : وَالَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَقَدْ كِدْتُ أَنْ أُبَادِئَهُ بِالَّذِي قُلْتِ لِي،

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۶۳۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۶۴۔

وَإِنَّهُ لَعَلَى الْبَابِ فَرَقًا مِنْكِ، فَلَمَّا دَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَكَلْتَ مَغَافِيرَ؟ قَالَ :لَا ، قَالَتْ :فَمَا هَذِهِ الرِّيحُ؟ قَالَ :سَقَتْنِي حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ ، قَالَتْ :جَرَسَتْ نَحْلُهُ الْعُرْفُطَ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيَّ، قُلْتُ لَهُ: مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ دَخَلَ عَلَى صَفِيَّةَ، فَقَالَتْ بِمِثْلِ ذَلِكَ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ، قَالَتْ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَلَا أَسْقِيكَ مِنْهُ؟ قَالَ :لَا حَاجَةَ لِي بِهِ ، قَالَتْ :تَقُولُ سَوْدَةُ :سُبْحَانَ اللهِ، وَاللهِ لَقَدْ حَرَمْنَاهُ، قَالَتْ :قُلْتُ لَهَا :اسْكُتِي (ص۴۷۹سطر۲ ج۹)

تشریح

قوله :يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ،الخ (ص۴۷۹سطر۳) حلواء مد کے ساتھ ہے یہ حُلُوٌّ سے مشتق ہے اس کے معنٰی میٹھی چیز کے ہیں اور حضور ﷺ کو میٹھی چیز پسند تھی اور بعض نے کہا حضور کو جو حلواء پسند تھا اس سے مراد وہ کھجور ہے جو دودھ میں گوندھی جاتی تھی۔ (۱) واللہ اعلم

قوله : عُكَّةٌ مِنْ عَسَلٍ،الخ (ص۴۷۹سطر۴)عكة گھی کی کپی کو کہتے ہیں جو مشکیزہ سے چھوٹی ہوتی ہے اس کی جمع عُكك آتی ہے اور یہ شہد طائف کا تھا۔ (۲)

قوله : لَنَحْتَالَنَّ لَهُ،الخ (ص۴۷۹سطر۴) اس کے معنی ہیں ہم حضور سے حیلہ کریں گی علامہ کرمانیؒ نے فرمایا حضور کی بیویاں حضور ﷺ سے کیسے حیلہ اختیار کرسکتی ہیں؟ پھر انہوں نے اس کا جواب دیا کہ سوکنوں میں جو طبعی غیرت پائی جاتی ہے یہ اس کا اثر ہے جو گناہِ صغیرہ ہے اور قابلِ معافی ہے۔ (۳) قابلِ اعتراض نہیں۔

قوله :جَرَسَتْ الخ (ص۴۷۹سطر۶) ای رعت یعنی شہد کی مکھی نے چوس لیا۔ (۴)

قوله :الْعُرْفُطَ،الخ (ص۴۷۹سطر۶) اس میں عین اور فاء پر ضمہ ہے یہ کانٹے دار درخت کو کہتے ہیں جس میں بڑی بدبو ہوتی ہے اور بعض نے کہا اسی درخت سے مغافیر کی گوند نکلتی ہے۔ (۵)

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ ص۱۶۵۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۱ ص۱۶۵۔

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج۱ ص۱۶۶۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) تکملۃ فتح الملہم ج۱ ص۱۶۸۔

قولہ : لَقَدْ كِذْتُ أَنْ أُبَادِيَهُ الخ (ص۴۷۹ سطر ۷) بعض روایات میں اُبادرہ ہے اور بعض میں أنا دیہ ہے اس کے معنیٰ ہیں میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ڈرتی تھی کہ اگر میں نے ان کا بتایا ہوا سوال حضور ﷺ سے دریافت نہ کیا تو وہ ناراض ہوں گی اس لئے میں نے یہ سوال معلوم کرنے میں دیر نہ لگائی۔ (۱)

باب بيان ان تخييره امرأته لايكون طلاقا الا بالنية

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، ...(الی قوله)... أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ :لَمَّا أُمِرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَخْيِيرِ أَزْوَاجِهِ، بَدَأَ بِي، فَقَالَ: إِنِّي ذَاكِرٌ لَكِ أَمْرًا، فَلَا عَلَيْكِ أَنْ لَا تَعْجَلِي حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ ، قَالَتْ: قَدْ عَلِمَ أَنَّ أَبَوَيَّ لَمْ يَكُونَا لِيَأْمُرَانِي بِفِرَاقِهِ، قَالَتْ :ثُمَّ قَالَ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ : "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا" قَالَتْ :فَقُلْتُ :فِي أَيِّ هَذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيَّ؟ فَإِنِّي أُرِيدُ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ، قَالَتْ :ثُمَّ فَعَلَ أَزْوَاجُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ مَا فَعَلْتُ (ص۴۷۹ سطر ۱۰ تا ۱۴)

تشریح

قولہ : بِتَخْيِيرِ أَزْوَاجِهِ، (ص۴۷۹ سطر ۱۱) حضور ﷺ نے اپنی بیویوں رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو جو اختیار دیا تھا اس کا سبب کیا تھا اس میں روایات مختلف ہیں اوران روایات میں جو واقعات مذکور ہیں وہ بھی قریب قریب ہیں اس لئے ان کو مرتب طور پر اسطرح سمجھنا چاہئے کہ حضور ﷺ کا اپنی بیویوں سے ناراض ہونے اوران سے الگ ہونے اور انھیں اختیار دینے کے متعدد اسباب ہیں مثلاً سب سے پہلے شہد کا قصہ پیش آیا پھر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے حرام کرنے کا واقعہ ہوا جس پر آیت تحریم نازل ہوئی پھر حضور ﷺ کی بیویاں جمع ہوئیں اورانہوں نے حضور ﷺ سے اُن کے نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ کیا جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے پھر اور بھی کچھ واقعات پیش آئے چنانچہ آپ نے اپنی بیویوںؓ سے ایلاء کرلیا اور ایک ماہ کے لئے آپ اپنی بیویوں سے جدا ہوگئے یادرہے یہاں ایلاء سے

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ ص۱۶۸۔

اصطلاحی ایلاء مراد نہیں ہے جو چار ماہ سے کم کا نہیں ہوتا بلکہ لغوی ایلاء مراد ہے یعنی آپ نے ایک ماہ تک اپنی بیویوں سے جدا رہنے کی قسم کھائی، چنانچہ ایک ماہ کے بعد آپ اپنی بیویوں کے پاس تشریف لے آئے بہرحال جب آپ ایلاء سے فارغ ہوئے تو آیتِ تخییر نازل ہوئی جس کی وجہ سے حضور ﷺ نے اپنی بیویوں کو اختیار دیا کہ چاہے وہ حضور کے ساتھ رہیں یا حضور سے جدائی اختیار کرلیں؟ لیکن آپ کی تمام بیویوں نے آپ کے ساتھ رہنے کو اختیار کیا۔ (۱)

قوله : فَلا عَلَيْكِ أَنْ لَا تَعْجَلِي الخ (ص۴۷۹ سطر۱۲) یعنی حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تمہیں اس بارے میں غور کرنا چاہئے اور جب تک اپنے والدین سے مشورہ نہ کرلو فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرنا۔ (۲)

قوله : قَدْ عَلِمَ أَنَّ أَبَوَيَّ لَمْ يَكُونَا لِيَأْمُرَانِي بِفِرَاقِهِ، الخ (ص۴۷۹ سطر۱۲) اور ایک روایت میں یہ ہے رسول اللہ ﷺ کو میری کم عمری کی وجہ سے خطرہ تھا کہ میں جدائی کا فیصلہ نہ کرلوں اس لئے آپ نے والدین سے مشورہ کرنے کا حکم دیا۔ (۳)

قوله : فِي أَيِّ هَذَا أَسْتَأْمِرُ (ص۴۷۹ سطر۱۳) یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سے عرض کیا کہ صورتحال بالکل واضح ہے اس میں والدین سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور عرض کیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کرتی ہوں، لہٰذا میں اپنے والد حضرت ابوبکرؓ اور اپنی والدہ ام رومانؓ سے کوئی مشورہ نہیں کروں گی اس پر آپ ہنس پڑے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ خوش ہوئے۔ (۴)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْثَرٌ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، الحديث (ص۴۸۰ سطر۱)

تشریح

قوله : فَلَمْ نَعُدَّهُ طَلَاقًا (ص۴۸۰ سطر۱) آیتِ تخییر نازل ہونے کے بعد، حضور ﷺ نے اس کے مطابق ازواجِ مطہرات کو اختیار دیا چاہے وہ اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کرلیں

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۷۰۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۷۹۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۷۱۔

اور حضور کے ساتھ رہیں یا حضور سے جدائی اختیار کرلیں، اس اختیار کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمارہی ہیں ہم نے حضور ﷺ کے اس اختیار دینے کو طلاق شمار نہیں کیا ـــــ یہی چاروں امامؒ، جمہور صحابہؓ و تابعینؒ اور تمام فقہاءِ کرامؒ کا مذہب ہے چنانچہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو اختیار دے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنا اختیار کرے یا اس سے جدا ہوجائے؟ تو اس اختیار دینے سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، لیکن بعض حضرات کے نزدیک اختیار دینے سے ایک طلاقِ رجعی واقع ہوجاتی ہے، لیکن صحیح مذہب جمہورؒ کا ہے۔(۱)

حَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ...(الى قوله)... عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ :مَا أُبَالِي خَيَّرْتُ امْرَأَتِي وَاحِدَةً، أَوْ مِائَةً، أَوْ أَلْفًا بَعْدَ أَنْ تَخْتَارَنِي، وَلَقَدْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ، فَقَالَتْ :قَدْ خَيَّرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَفَكَانَ طَلَاقًا؟(ص۴۸۰ سطر ۱تا۳)

تشریح

قولہ : أَفَكَانَ طَلَاقًا،الخ(ص۴۸۰ سطر۳) یہ استفہامِ انکاری ہے یعنی یہ اختیار دینا طلاق نہ تھا۔(۲)

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ،...(الى قوله) ... عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ :دَخَلَ أَبُوبَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوسًا بِبَابِهِ، لَمْ يُؤْذَنْ لِأَحَدٍ مِنْهُمْ، قَالَ :فَأُذِنَ لِأَبِي بَكْرٍ، فَدَخَلَ، ثُمَّ أَقْبَلَ عُمَرُ، فَاسْتَأْذَنَ فَأُذِنَ لَهُ، فَوَجَدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا حَوْلَهُ نِسَاؤُهُ، وَاجِمًا سَاكِتًا، قَالَ :فَقَالَ :لَأَقُولَنَّ شَيْئًا أُضْحِكُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللّٰهِ، لَوْ رَأَيْتَ بِنْتَ خَارِجَةَ، سَأَلَتْنِي النَّفَقَةَ، فَقُمْتُ إِلَيْهَا، فَوَجَأْتُ عُنُقَهَا، فَضَحِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ :هُنَّ حَوْلِي كَمَا تَرَى، يَسْأَلْنَنِي النَّفَقَةَ ، فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى عَائِشَةَ يَجَأُ عُنُقَهَا، فَقَامَ عُمَرُ إِلَى حَفْصَةَ يَجَأُ عُنُقَهَا، كِلَاهُمَا يَقُولُ :تَسْأَلْنَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۷۲۔

(۲) حوالہ بالا۔

لَيْسَ عِنْدَهُ، فَقُلْنَ :وَاللهِ لَا نَسْأَلُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا أَبَدًا لَيْسَ عِنْدَهُ، ثُمَّ اعْتَزَلَهُنَّ شَهْرًا -أَوْ تِسْعًا وَعِشْرِينَ -ثُمَّ نَزَلَتْ عَلَيْهِ هَذِهِ الْآيَةُ : "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ" حَتَّى بَلَغَ "لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا"، قَالَ: فَبَدَأَ بِعَائِشَةَ، فَقَالَ :يَا عَائِشَةُ، إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَعْرِضَ عَلَيْكِ أَمْرًا أُحِبُّ أَنْ لَا تَعْجَلِي فِيهِ حَتَّى تَسْتَشِيرِي أَبَوَيْكِ ، قَالَتْ :وَمَا هُوَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَتَلَا عَلَيْهَا الْآيَةَ، قَالَتْ :أَفِيكَ يَا رَسُولَ اللهِ، أَسْتَشِيرُ أَبَوَيَّ؟ بَلْ أَخْتَارُ اللهَ وَرَسُولَهُ، وَالدَّارَ الْآخِرَةَ، وَأَسْأَلُكَ أَنْ لَا تُخْبِرَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِكَ بِالَّذِي قُلْتُ، قَالَ :لَا تَسْأَلُنِي امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ إِلَّا أَخْبَرْتُهَا، إِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا، وَلَا مُتَعَنِّتًا، وَلَكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا (ص۴۸۰سطر۷تا۱۵)

تشریح

قوله : حَوْلَهُ نِسَاؤُهُ، (ص۴۸۰سطر۹) شاید یہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے اور اگر پردہ کا حکم آنے کے بعد کا یہ واقعہ ہو تو ازواجِ مطہراتؓ چادر اوڑھے ہوئے ہوں گی اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ سے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کا پردہ نہ تھا۔[1]

قوله : وَاجِمًا الخ (ص۴۸۰سطر۹) اس کے معنٰی ہیں شدتِ غم کی وجہ سے خاموش رہنا۔[2]

قوله : أُضحِکُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،... الخ (ص۴۸۰سطر۹) امام نوویؒ نے فرمایا اس سے معلوم ہوا اگر کوئی شخص اپنے ساتھی کو غمگین دیکھے تو اس سے ایسی بات کرنا جس سے وہ ہنس پڑے مستحب ہے۔[3]

قوله : لَوْ رَأَيْتَ بِنْتَ خَارِجَةَ،... الخ (ص۴۸۰سطر۱۰) اس سے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی مراد ہیں جن کا نام حبیبہ تھا اور ان کی کنیت ام رومان ہے۔[4]

قوله : فَوَجَأْتُ عُنُقَهَا،... الخ (ص۴۸۰سطر۱۰) یعنی اگر میری بیوی زیادہ نفقہ مانگتی تو میں اس کی گردن پر مار لگاتا، اس پر حضور ﷺ کو ہنسی آگئی یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں مبارک ظاہر

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۷۵۔
(۲) شرح النووی ج۱ص۴۸۰۔
(۳) حوالہ بالا۔
(۴) حوالہ بالا۔

ہوگئیں اور حضرت صدیقِ اکبرؓ کا مقصد پورا ہوگیا۔ آگے کا واقعہ ظاہر ہے۔ (۱)

قوله : وَأَسْأَلُكَ أَنْ لَا تُخْبِرَ امْرَأَةً... الخ (ص۴۸۰ سطر۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ فرمانا بظاہر اس لئے تھا کہ آپ کی کوئی زوجہ آپ سے جدائی اختیار کرلے اور یہ فرمانا اس غیر اختیاری غیرت کی وجہ سے تھا جو طبعی طور پر عورت میں اپنی سوکن سے ہوتی ہے جو قابلِ ملامت نہیں۔ (۲)

قوله : مُعَنِّتًا، وَلَا مُتَعَنِّتًا، (ص۴۸۰ سطر۱۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے سختی کرنے والا اور دوسروں کی لغزش چاہنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ معلم اور آسانی دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر مجھ سے کسی بیویؓ نے دریافت کیا کہ آپ نے کیا جواب دیا؟ اور کونسا پہلو اختیار کیا تو میں اس کو بتلادوں گا۔ (۳)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا ...(الى قوله) ... حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، قَالَ :لَمَّا اعْتَزَلَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءَهُ، قَالَ :دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا النَّاسُ يَنْكُتُونَ بِالْحَصَى، وَيَقُولُونَ :طَلَّقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءَهُ، وَذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرْنَ بِالْحِجَابِ، (الى قوله) فَقَالَتْ :مَا لِي وَمَا لَكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، عَلَيْكَ بِعَيْبَتِكَ، (الى قوله) لَقَدْ عَلِمْتِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا يُحِبُّكِ، وَلَوْلَا أَنَا لَطَلَّقَكِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، (الى قوله) قَالَتْ :هُوَ فِي خِزَانَتِهِ فِي الْمَشْرُبَةِ، فَدَخَلْتُ، فَإِذَا أَنَا بِرَبَاحٍ غُلَامِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَاعِدًا عَلَى أُسْكُفَّةِ الْمَشْرُبَةِ، مُدَلٍّ رِجْلَيْهِ عَلَى نَقِيرٍ مِنْ خَشَبٍ .... فَنَادَيْتُ :يَا رَبَاحُ، اسْتَأْذِنْ لِي عِنْدَكَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَظَرَ رَبَاحٌ إِلَى الْغُرْفَةِ، ثُمَّ نَظَرَ إِلَيَّ، فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا، .... ثُمَّ رَفَعْتُ صَوْتِي، .... فَأَوْمَأَ إِلَيَّ أَنِ ارْقَهْ، فَدَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ عَلَى حَصِيرٍ، فَجَلَسْتُ، فَأَدْنَى عَلَيْهِ إِزَارَهُ وَلَيْسَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ، .... وَمِثْلِهَا قَرَظًا فِي نَاحِيَةِ الْغُرْفَةِ، وَإِذَا أَفِيقٌ مُعَلَّقٌ، قَالَ :فَابْتَدَرَتْ

(۱) شرح النووی ج۱ص۴۸۰۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم: ج۱ص۱۷۷۔

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۷۷۔

عَيْنَایَ،..... وَهَذَا الْحَصِيرُ قَدْ أَثَّرَ فِي جَنْبِكَ، وَهَذِهِ خِزَانَتُكَ لَا أَرَى فِيهَا إِلَّا مَا أَرَى، وَذَاكَ قَيْصَرُ وَكِسْرَى فِي الثِّمَارِ وَالْأَنْهَارِ، وَأَنْتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَصَفْوَتُهُ، وَهَذِهِ خِزَانَتُكَ، (الی قوله) حَتَّى تَحَسَّرَ الْغَضَبُ عَنْ وَجْهِهِ، وَحَتَّى كَشَرَ فَضَحِكَ وَكَانَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ ثَغْرًا، ثُمَّ نَزَلَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَزَلْتُ، فَنَزَلْتُ أَتَشَبَّثُ بِالْجِذْعِ، ـــــ الحديث

(ص ۴۸۰ سطر ۱۵ تا ۳۰ وص ۴۸۱ سطر ۳ و ۴)

تشریح

قوله : يَنْكُتُونَ بِالْحَصَى، (ص ۴۸۰ سطر ۱۶) یعنی لوگ مذکورہ واقعہ سے غمگین اور متفکر ہو کر کنکریاں زمین پر مارتے تھے۔ (۱)

قوله : وَذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرْنَ بِالْحِجَابِ، (ص ۴۸۰ سطر ۱۶) صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے اور مذکورہ قول راوی کا خیال ہے۔ (۲)

قوله : عَلَيْكَ بِعَيْبَتِكَ، (ص ۴۸۰ سطر ۱۷) "عیبہ" اس پیٹی اور صندوق وغیرہ کو کہتے ہیں جس میں انسان اپنے عمدہ اور نفیس کپڑے رکھتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کو اس کے ساتھ تشبیہ دی اور مقصد یہ تھا آپ اپنی بیٹی حفصہؓ کو نصیحت فرمائیں! (۳)

قوله : وَلَوْلَا أَنَا لَطَلَّقَكِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، (ص ۴۸۰ سطر ۱۸)

حضرت عمرؓ کے مذکورہ فرمان میں اس طرف اشارہ ہے جس کا ذکر دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو ایک طلاق دیدی تھی جب حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو وہ اپنے سر پر شدتِ غم سے مٹی ڈالنے لگے اور فرمانے لگے اب اللہ تعالیٰ اس واقعہ کے بعد عمر اور اس کی بیٹی کی کوئی پرواہ

---

(۱) تکملة فتح الملهم: ج ۱ ص ۱۷۸۔

(۲) حوالا بالا۔

(۳) تکملة فتح الملهم: ج ۱ ص ۱۷۹۔

نہ فرمائیں گے'' تو دوسرے دن حضرت جبرئیلؑ امین حضور ﷺ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ حضرت حفصہؓ سے رجوع کرلیں حضرت عمرؓ پر رحم کھاتے ہوئے، اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے حضور سے عرض کیا: آپ حضرت حفصہؓ سے رجوع کرلیں، کیونکہ وہ بڑے روزے رکھنے والی اور بڑی عبادت گزار ہیں اور وہ جنت میں آپ کی بیوی ہیں۔ (۱)

قولہ : فِي الْمَشْرُبَةِ، الخ (ص۴۸۰ سطر۱۹) اس کے معنٰی بالا خانہ کے ہیں اور خزانہ اسٹور کو کہتے ہیں جس میں راشن وغیرہ رکھا جاتا ہے۔ (۲)

قولہ : أُسْكُفَّةِ الخ (ص۴۸۰ سطر۱۹) اس میں ہمزہ اور کاف دونوں پر ضمہ ہے اور فاء پر تشدید ہے، دروازہ کی نچلی چوکھٹ کو کہتے ہیں۔

قولہ : مُدَلٍّ رِجْلَيْهِ الخ (ص۴۸۰ سطر۱۹) مُدَلٍ اسم فاعل ہے جس کے معنٰی لٹکانے والے کے ہیں یعنی وہ دونوں پیر نیچے کی طرف لٹکائے ہوئے تھے۔ (۳)

قولہ : عَلَى نَقِيرٍ مِنْ خَشَبٍ الخ (ص۴۸۰ سطر۲۰) اس کے معنٰی ہیں چھلی ہوئی لکڑی، مراد یہ ہے کہ شہتیر کی چھلی ہوئی لکڑی کی سیڑھی (۴)

قولہ : اِسْتَأْذِنْ لِي الخ (ص۴۸۰ سطر۲۰) اس سے معلوم ہوا کہ حاکم وغیرہ اگر خلوۃ میں ہو تو اس کو دروازہ پر دربان رکھنا جائز ہے تاکہ وہ بلا اجازت کسی کو اندر نہ آنے دے۔ (۵)

قولہ : ثُمَّ نَظَرَ إِلَيَّ، فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا، الخ (ص۴۸۰ سطر۲۱) یعنی حضور ﷺ کے غلام رباحؓ نے حضرت عمرؓ کی طرف دیکھا لیکن کچھ نہ کہا اور دوسری روایت میں ہے کہ اس نے یہ جواب دیا میں نے حضور ﷺ سے آپ کے آنے کا ذکر کیا تھا لیکن آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا غالباً حضور اس وقت نیند میں ہوں گے یا آپ کا یہ خیال ہوگا کہ عمر اس لئے آئیں ہیں کہ میں اپنی

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۸۰۔
(۲) حوالہ بالا
(۳) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۸۰۔
(۴) شرح النووی ج۱ص۴۸۰۔
(۵) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۸۰۔

بیویوں پر شفقت کروں کیونکہ ان میں ان کی بیٹی حفصہ بھی ہیں۔ (۱)

قوله : ثُمَّ رَفَعْتُ صَوْتِي، الخ (ص ۴۸۰ سطر ۲۱) یعنی پھر میں نے اپنی آواز بلند کی، مطلب یہ تھا کہ میری آواز حضور ﷺ تک پہنچ جائے اور اسمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اجازت ملنے کی امید ہو تو مکرر اجازت لینا درست ہے۔ (۲)

قوله : أَنِ ارْقَهْ، الخ (ص ۴۸۰ سطر ۲۱) یہ رقی کا امر ہے اس کے معنٰی چڑھنے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ حضور کے خادم رباحؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا آپ اندر تشریف لے آیئے! (۳)

قوله : قرظا الخ (ص ۴۸۰ سطر ۲۳) اس میں قاف اور راء دونوں پر فتحہ ہے اس کے معنٰی ہیں سُلَم درخت کے پتے یہ بہت بڑا درخت ہوتا ہے جس کا تنا بہت موٹا ہوتا ہے جیسے چلغوزہ کا درخت ہوتا ہے اور اس کے پتے سیب سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ (۴)

قوله : افيقٌ الخ (ص ۴۸۰ سطر ۲۳) اس میں ہمزہ پر فتحہ اور فاء کے نیچے کسرہ ہے اس کے معنٰی ہیں سلائی کرنے سے پہلے رنگا ہوا چمڑہ۔ (۵)

قوله : وصفوته الخ (ص ۴۸۰ سطر ۲۵) اس کے معنٰی خالص کے ہیں۔ (۶)

قوله : وهذه خزانته الخ (ص ۴۸۰ سطر ۲۵) اس کے معنٰی اسٹور کے ہیں جہاں راشن وغیرہ رکھا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب آدمی کسی کے گھر جائے اور گھر والے کی طرف سے اندازہ ہو کہ وہ گھر میں ادھر ادھر نظر ڈالنے سے برا نہ منائے گا تو نظر ڈالنا جائز ہے یا یہ مراد ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر اتفاقاً پڑگئی اور انہوں نے حضور ﷺ کے گھر میں کچھ جو اور سلم درخت کے پتے اور چمڑہ دیکھا جس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی زندگی نہایت سادہ تھی آرام وراحت کا سامان بھی گھر میں میسر نہ تھا۔ (۷)

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۸۰۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۸۱۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) فتح الملہم ج ۱ ص ۱۸۲۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) تکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۸۲۔

قوله : حتى كشر الخ (ص۴۸۱ سطر۱) یہاں تک کہ آپ کے تبسم سے دانت مبارک کھل گئے اور آپ ہنس پڑے۔[1]

قوله : اتشبث بالجذع الخ (ص۴۸۱ سطر۱) یعنی میں لکڑی پکڑ کر اترا تاکہ نیچے نہ گر جاؤں۔[2]

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، (الى قوله) عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ، يُحَدِّثُ قَالَ: مَكَثْتُ سَنَةً وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَنْ آيَةٍ، فَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَسْأَلَهُ، هَيْبَةً لَهُ حَتَّى خَرَجَ حَاجًّا، فَخَرَجْتُ مَعَهُ، فَلَمَّا رَجَعَ فَكُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ عَدَلَ إِلَى الْأَرَاكِ لِحَاجَةٍ لَهُ،...(الى قوله)...وَقَالَ عُمَرُ :وَاللهِ، إِنْ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَا نَعُدُّ لِلنِّسَاءِ أَمْرًا، حَتَّى أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى فِيهِنَّ مَا أَنْزَلَ، وَقَسَمَ لَهُنَّ مَا قَسَمَ، قَالَ: فَبَيْنَمَا أَنَا فِي أَمْرٍ أَأْتَمِرُهُ إِذْ قَالَتْ لِي امْرَأَتِي :لَوْ صَنَعْتَ كَذَا وَكَذَا، فَقُلْتُ لَهَا :وَمَا لَكِ أَنْتِ، وَلِمَا هَاهُنَا؟ وَمَا تَكَلُّفُكِ فِي أَمْرٍ أُرِيدُهُ، فَقَالَتْ لِي: عَجَبًا لَكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، مَا تُرِيدُ أَنْ تُرَاجَعَ أَنْتَ، وَإِنَّ ابْنَتَكَ لَتُرَاجِعُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،(الى قوله) أَنِّي أُحَذِّرُكِ عُقُوبَةَ اللهِ، وَغَضَبَ رَسُولِهِ، يَا بُنَيَّةُ، لَا يَغُرَّنَّكِ هَذِهِ الَّتِي قَدْ أَعْجَبَهَا حُسْنُهَا، وَحُبُّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاهَا،......قَالَ :فَأَخَذَتْنِي أَخْذًا كَسَرَتْنِي عَنْ بَعْضِ مَا كُنْتُ أَجِدُ، ...... فَإِذَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ يُرْتَقَى إِلَيْهَا بِعَجَلَةٍ، وَغُلَامٌ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ..... وَإِنَّهُ لَعَلَى حَصِيرٍ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ شَيْءٌ، وَتَحْتَ رَأْسِهِ وِسَادَةٌ مِنْ أَدَمٍ، حَشْوُهَا لِيفٌ، وَإِنَّ عِنْدَ رِجْلَيْهِ قَرَظًا مَضْبُورًا، وَعِنْدَ رَأْسِهِ أُهُبًا مُعَلَّقَةً .....الحديث (ص۴۸۱سطر۴تا۱۸)

تشریح

قوله : فَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَسْأَلَهُ الخ (ص۴۸۱ سطر۵) اس سے معلوم ہوا عالم کا بڑا مقام اور احترام ہے اور ان سے ایسی بات دریافت کرنا جس سے ان کی طبیعت میں غصہ آنے کا اندیشہ ہو، خلوت

(۱) شرح النووی ج۱ص۴۸۱۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۸۳۔

میں دریافت کرنے کے لئے انتظار کرنا درست ہے، اس سے صحابہؓ کرام کا علم حاصل کرنے کا شوق اور موقعہ محل دیکھنے کی فکر معلوم ہوتی ہے۔ (۱)

قولہ : عَدَلَ إِلَى الْأَرَاكِ الخ (ص۴۸۱ سطر۵) یعنی عام راستے سے ہٹ کر چلے جہاں عام لوگ نہیں چلتے اور غالباً قضاءِ حاجت کے لئے چلے اور یہ واقعہ مر الظهران کا ہے جو ایک جگہ کا نام ہے، اور اراك پیلو کے درخت کو کہتے ہیں جس کو اونٹ چرتے ہیں۔ (۲)

قولہ : مَا نَعُدُّ لِلنِّسَاءِ أَمْرًا، الخ (ص۴۸۱ سطر۸) اس کا مطلب یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم عورتوں پر حکم چلاتے تھے، وہ ہمارے تابع رہتی تھیں، اور ہم پر کوئی حکم نہیں چلاتی تھیں، بخلاف انصاری عورتوں کے وہ مردوں پر حکم چلاتی تھیں اور مردان کے تابع رہتے تھے۔ (۱)

قولہ : حَتَّى أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى فِيهِنَّ مَا أَنْزَلَ الخ (ص۴۸۱ سطر۸) یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ" (۴) اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا اور بخاری شریف کی روایت کے الفاظ کا حاصل یہ ہے پھر جب اسلام آیا اور ہمیں عورتوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم ملا اور ہمیں معلوم ہوا کہ ہم پر ان کے حقوق بھی لازم ہیں لیکن انہیں ہمارے معاملات میں دخل دینے کا اختیار نہیں۔

قولہ : فَبَيْنَمَا أَنَا فِي أَمْرٍ أَأْتَمِرُهُ الخ (ص۴۸۱ سطر۸) یعنی میں اپنے دل دل میں اس بارے میں سوچ رہا تھا اور مشورہ کر رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے۔ (۵)

قولہ : لَوْ صَنَعْتَ كَذَا وَكَذَا، الخ (ص۴۸۱ سطر۸) یعنی میری بیوی نے اس بارے میں سختی سے بات کی تو مجھے غصہ آیا اور میں اٹھا اور لکڑی سے اس کے مار لگائی جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں صراحت ہے، اس پر اس نے کہا اے خطاب کے بیٹے تم پر تعجب ہے۔ (۶)

قولہ : أَنْ تُرَاجِعَ الخ (ص۴۸۱ سطر۹) اس کے معنٰی ہیں تکرار کرنا اور مناظرہ کرنا۔ (۷)

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۸۵۔
(۲) حوالہ بالا۔
(۳) حوالہ بالا۔
(۴) سورة البقرة: ۲۲۸
(۵) حوالہ بالا۔
(۶) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۸۶۔
(۷) حوالہ بالا۔

قولہ : لَا يَغُرَّنَّكِ هَذِهِ الخ (ص۴۸۱ سطر۱۱) یعنی تم حضرت عائشہؓ کی وجہ سے دھوکے میں نہ رہنا اور خود کو ان پر قیاس نہ کرنا اور ہر معاملہ میں ان کے طریقہ پر نہ چلنا، کیونکہ وہ تو حضور ﷺ کی محبوبہ ہیں اور تم ایسی نہیں ہو، وہ حضور ﷺ کے ساتھ بعض ایسی باتیں بھی کر جاتی ہیں جو تمہارے لائق نہیں۔ (۱)

قولہ : كَسَرَتْنِي عَنْ بَعْضِ مَا كُنْتُ أَجِدُ، الخ (ص۴۸۱ سطر۱۲) یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زبانی مؤاخذہ کیا اور میرے مقصد اور گفتگو کو رد کر دیا اور ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم حضور ﷺ سے باتیں کرتے تھے اگر حضور انھیں گوارا کرتے اور آپ اسی لائق تھے، لیکن اگر آپ ہمیں اس سے منع فرما دیتے تو ہم سب سے زیادہ آپ کے تابعداری کرتے تھے یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا مجھے ازواجِ مطہراتؓ سے ان کے اور حضور ﷺ کے معاملات میں دخل دینے پر ندامت ہوئی۔ (۲)

قولہ : بِعَجَلَةٍ، (ص۴۸۱ سطر۱۵) کھجور کے تنہ سے بنی ہوئی سیڑھی۔ (۳)

قولہ : لِيفٌ، (ص۴۸۱ سطر۱۶) کھجور کے درخت کی چھال۔ (۴)

قولہ : مَصْبُورًا، (ص۴۸۱ سطر۱۶) ای مجموعاً یعنی درختِ سلّم کے پتے ایک گٹھے کی طرح پڑے ہوئے تھے۔ (۵)

قولہ : أُهُبًا (ص۴۸۱ سطر۱۶) اس میں ھمزہ اور ھا دونوں پر فتحہ یا ضمہ ہے کچے چمڑہ کو کہتے ہیں جو دباغت سے پہلے ہوتا ہے۔ (۶)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قولہ) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :أَقْبَلْتُ مَعَ عُمَرَ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ كَنَحْوِ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ :قُلْتُ :شَأْنُ الْمَرْأَتَيْنِ؟ قَالَ :حَفْصَةُ، وَأُمُّ سَلَمَةَ، وَزَادَ فِيهِ :فَأَتَيْتُ الْحُجَرَ، فَإِذَا فِي كُلِّ بَيْتٍ بُكَاءٌ، وَزَادَ أَيْضًا :وَكَانَ آلَى مِنْهُنَّ شَهْرًا، فَلَمَّا كَانَ

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۸۷۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۸۷۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۸۹۔

تِسْعًا وَعِشْرِينَ نَزَلَ إِلَيْهِنَّ. (ص۴۸۱ سطر۱۸ تا ۲۰)

تشریح

قوله : فَأَتَيْتُ الْحُجَرَ، (ص۴۸۱ سطر۱۶) یہ حجرہ کی جمع ہے، مراد حضور ﷺ کے گھر ہیں اور لغت میں حجرہ بالا خانہ کو کہتے ہیں اور اونٹوں کے باڑہ کو بھی کہتے ہیں۔ (۱)

قوله : فِي كُلِّ بَيْتٍ بُكَاءٌ، (ص۴۸۱ سطر۱۶) ہر گھر میں آہ وبکاء تھی، کیونکہ انہیں حضور ﷺ کا ان سے علیحدگی اختیار کرنے کی وجہ سے شدید غم لاحق تھا۔ (۲)

قوله : وَكَانَ آلَى مِنْهُنَّ شَهْرًا، (ص۴۸۱ سطر۲۰) یعنی حضور ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات سے ایک ماہ ان کے قریب نہ جانے کی قسم کھالی تھی اور یہ حضراتِ فقہاء کرامؒ کی اصطلاح کے مطابق ایلاء نہیں تھا کیونکہ وہ چار ماہ سے کم نہیں ہوتا بلکہ یہ عام قسم کی ایک قسم تھی اور اس کو لغوی اعتبار سے ایلاء کہا گیا ہے۔ (۳)

مسئلہ ایلاء

اصطلاحی ایلاء یہ ہے کہ کوئی شوہر اپنی بیوی کے قریب نہ جانے کی چارہ ماہ یا اس سے زیادہ مدت کی قسم کھالے —— پھر اگر وہ اس مدت میں بیوی سے قربت نہ کرے اور قسم کا کفارہ نہ دے تو مذکورہ مدت گزرتے ہی خود بخود اس کی بیوی پر ایک طلاقِ بائن واقع ہوجائے گی، حضرت امام مالکؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے اور یہی حکم احناف کے نزدیک ہے۔

حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ بن حنبل اور اہلِ ظاہر کے نزدیک محض مذکورہ مدت گزرنے پر طلاق نہ ہوگی بلکہ شوہر سے کہا جائے گا یا بیوی سے جماع کرو یا اس کو طلاق دو پھر اگر وہ طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی ایک طلاق واقع کردے گا اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے ''لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ'' (۴) اس میں طلاق کے ارادہ کو اللہ تعالیٰ نے چار ماہ انتظار کرنے کے بعد ذکر فرمایا ہے معلوم ہوا محض مدت گزرنے پر خود بخود طلاق واقع نہ ہوگی، بلکہ طلاق دینے سے طلاق ہوگی۔

---

(۱) تکملة فتح الملہم ج۱ ص۱۸۹۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) تکملة فتح الملہم ج۱ ص۱۹۰۔

(۴) البقرة آیت نمبر ۲۲۶، ۲۲۷۔

احناف کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی وہ روایت ہے جس میں انہوں نے فرمایا: ان الفیئی الجماع وعزیمة الطلاق انقضاء اربعة اشهر، اور متعدد صحابۂ کرامؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ (۱)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) سَمِعَ عُبَيْدَ بْنَ حُنَيْنٍ، وَهُوَ مَوْلَى الْعَبَّاسِ، قَالَ :سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُولُ :كُنْتُ أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ عَنِ الْمَرْأَتَيْنِ اللَّتَيْنِ تَظَاهَرَتَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَبِثْتُ سَنَةً مَا أَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا،—— الحديث (ص۴۸۲ سطر۱،۲)

تشریح

قوله : وَهُوَ مَوْلَى الْعَبَّاسِ، (ص۴۸۲ سطر۱) مسلم شریف کے تمام نسخوں میں اسی طرح ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ عبید بن حنین حضرت زیدؓ بن خطاب کے غلام تھے۔ (۲)

باب المطلقة البائن لا نفقة لها (ص۴۸۳)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، أَنَّ أَبَا عَمْرِو بْنَ حَفْصٍ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ، وَهُوَ غَائِبٌ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا وَكِيلُهُ بِشَعِيرٍ، فَسَخِطَتْهُ، فَقَالَ: وَاللهِ مَا لَكِ عَلَيْنَا مِنْ شَيْءٍ، فَجَاءَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ :لَيْسَ لَكِ عَلَيْهِ نَفَقَةٌ ، فَأَمَرَهَا أَنْ تَعْتَدَّ فِي بَيْتِ أُمِّ شَرِيكٍ، ثُمَّ قَالَ :تِلْكِ امْرَأَةٌ يَغْشَاهَا أَصْحَابِي، اعْتَدِّي عِنْدَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ، فَإِنَّهُ رَجُلٌ أَعْمَى تَضَعِينَ ثِيَابَكِ، فَإِذَا حَلَلْتِ فَآذِنِينِي، قَالَتْ :فَلَمَّا حَلَلْتُ ذَكَرْتُ لَهُ أَنَّ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ، وَأَبَا جَهْمٍ خَطَبَانِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَمَّا أَبُو جَهْمٍ، فَلَا يَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهِ، وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوكٌ لَا مَالَ لَهُ، انْكِحِي أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَكَرِهْتُهُ، ثُمَّ قَالَ :انْكِحِي أُسَامَةَ ، فَنَكَحْتُهُ، فَجَعَلَ اللهُ فِيهِ خَيْرًا، وَاغْتَبَطْتُ بِهِ (ص۴۸۳ سطر۱ تا ص۴۸۴ سطر۱)

تشریح

قوله : عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، (ص۴۸۳ سطر۱) یہ ضحاکؓ بن قیس کی بہن ہیں جو پہلی مہاجراتؓ میں سے ہیں جو بڑی خوبصورت، عقلمند اور باکمال تھیں۔ (۳)

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۹۰۔

(۲) حوالا بالا۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۹۷۔

قولہ : طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ، (ص۴۸۳ سطر۱) ان کے شوہر ابو عمروؓ بن حفص نے دورانِ سفر انہیں ایک طلاقِ بائن دیدی تھی، اور دیگر روایات کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے ان کے شوہر نے پہلے دو طلاقیں، پھر اس مرتبہ تیسری طلاق دیدی اسطرح وہ ان کے نکاح سے الگ ہوگئیں اور ان پر طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی۔

قولہ : فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا وَكِيلُهُ بِشَعِيرٍ، (ص۴۸۳ سطر۲) ان کے شوہر کے وکیل حارث بن ھشام نے کچھ جو یعنی پانچ قفیز جو اور پانچ قفیز چھوارے بطورِ متعہ بھیجے اور فاطمہ بنت قیسؓ یہ سمجھیں کہ یہ عدت کا واجب نفقہ ہے، اس لئے وہ وکیل پر ناراض ہوئیں کہ نفقہ کی یہ مقدار کم ہے اس پر وکیل نے کہا تمہارے شوہر پر تمہارا نفقہ واجب نہیں ہے۔ (۱)

قولہ : أُمِّ شَرِيكٍ، (ص۴۸۳ سطر۳) یہ حضرت انسؓ بن رافع کی صاحبزادی ہیں اور انصاریہ ہیں جو بڑی مالدار عورت تھیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں، بے دریغ خرچ کرنے والی اور بڑی مہمان دار عورت تھیں۔ (۲)

قولہ : اعْتَدِّي عِنْدَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ، فَإِنَّهُ رَجُلٌ أَعْمَى (ص۴۸۳ سطر۳) یہ فاطمہ بنت قیسؓ کے چچازاد بھائی تھے۔

عورت کا نامحرم مرد کو دیکھنے کا حکم

قولہ : فَإِنَّهُ رَجُلٌ أَعْمَى (ص۴۸۳ سطر۳) امام نوویؒ (۳) نے فرمایا: مذکورہ حدیث سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ نامحرم عورت کا نامحرم مرد کو دیکھنا جائز ہے، لیکن نامحرم مرد کا نامحرم عورت کو دیکھنا جائز نہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے، صحیح قول وہ ہے جو اکثر صحابہ کرامؓ اور جمہور علماءؒ کا ہے کہ جس طرح اجنبی مرد کا اجنبی عورت کو دیکھنا حرام ہے اسی طرح اجنبی عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا بھی حرام ہے کیونکہ قرآنِ کریم میں دونوں کو نظر نیچی رکھنے کا حکم ہے: "قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ... اور وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ" الآیۃ اور اس لئے بھی جائز نہیں کہ ایک دوسرے سے فتنہ میں مبتلا ہونا یا اس کا خطرہ ہونا دونوں میں مشترک ہے، اور امام نوویؒ نے حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ والی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "أفعميا وان

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۹۷۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۱۹۸۔

(۳) شرح النووی ج۱ص۴۸۳۔

أنتما" اورانہوں نے فاطمہ بنتِ قیسؓ کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس میں عدت گزارنے کی اجازت ہے دیکھنے کی اجازت نہیں اور یہاں بھی انہیں نظر بچانے کا حکم ہے جس سے بچنا یہاں آسان ہے، ام شریکؓ کے یہاں مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے نظر بچانا مشکل تھا۔

البتہ حافظ ابن حجرؒ[1] نے فرمایا: نظر کے مسئلہ میں مرد وعورت کے حکم میں فرق ہے، چنانچہ مرد کو اجنبی عورت کی طرف دیکھنا درست نہیں، لیکن عورت مرد کی طرف دیکھ سکتی ہے جبکہ شہوت نہ ہو اور نہ اس کا خطرہ ہو جیسا کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے پیچھے کھڑا کر کے حبشیوں کا کھیل دکھلایا جس کے الفاظ یہ ہیں عن عائشةؓ قالت رأيت النبي ﷺ ليسترني بردائه وانا انظر الى الحبشة يلعبون في المسجد... رواه البخاري "[2] اور اس کے جواز کی یہ دلیل بھی ہے حضور ﷺ کے زمانہ سے آج تک یہ عمل چلا آرہا ہے کہ عورتوں کا مساجد میں، بازار میں اور سفر میں باپردہ آنا جانا جائز ہے تاکہ مردان کو نہ دیکھیں، لیکن مردوں کو پردہ کرنے کا کوئی حکم نہیں، معلوم ہوا دونوں کے حکم میں فرق ہے مردوں کا چہرہ عورتوں کے حق میں عورتوں کے چہرہ کی طرح نہیں لہٰذا اگر نامحرم عورت کو نامحرم مرد کی طرف دیکھنے میں شہوت یا شہوت کا اندیشہ نہ ہو تو دیکھنے کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔[3]

قوله : فَإِذَا حَلَلْتِ فَآذِنِينِي، (ص۴۸۳ سطر۳) یعنی جب تمہاری عدت پوری ہوجائے تو مجھے اطلاع کرنا، اس سے غالباً حضور ﷺ کا یہ مقصد تھا کہ ان کا نکاح اسامہؓ بن زید سے کردیں اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عدت کے دوران نکاح کا اشارہ کرنا جائز ہے۔[4]

قوله : أَمَّا أَبُو جَهْمٍ، فَلَا يَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهِ، (ص۴۸۳ سطر۴) یہ حذیفہ قرشی کے بیٹے ہیں جو مشائخ قریش میں سے ہیں، آپ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ عورتوں کو بہت مارتے ہیں اور ان پر بہت سختی کرتے ہیں، اس لئے ان سے نکاح مناسب نہیں۔[5]

قوله : وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوكٌ (ص۴۸۳ سطر۴) اس میں صاد پر ضمہ ہے، یعنی وہ فقیر آدمی ہیں جن کے پاس کوئی مال نہیں اور نہ اُن پر اعتماد کیا جاسکتا ہے ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے

---

(۱) فتح الباری ج۲ص۳۷۱ کتاب الجمعة باب الحراب والدرق یوم العید۔

(۲) صحیح البخاری کتاب الصلوٰة باب أصحاب الحراب فی المسجد۔ رقم الحدیث: ۴۳۵۔

(۳) ملخص تکملة فتح الملہم ج۱ص۱۹۸و۱۹۹۔

(۴) تکملة فتح الملہم ج۱ص۱۹۹۔

(۵) تکملة فتح الملہم ج۱ص۱۹۹۔

لئے یہ دیکھنا عین مناسب ہے نکاح کا پیغام دینے والا شخص مالی اعتبار سے اس کی کفالت کرسکتا ہے یا نہیں، اگر وہ نان ونفقہ برداشت کرنے کے قابل نہ ہو تو عورت منع کرسکتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا نکاح کا پیغام دینے والے کے عیوب بغرض مشورہ بتانا ممنوع غیبت میں داخل نہیں۔ (۱)

قولہ : فَکَرِھْتُہُ، (ص۴۸۴سطر۱) شاید ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہو فاطمہ بنت قیسؓ قرشیہ تھیں اور حضرت اسامہؓ بن زیدؓ غلاموں میں سے تھے یا حضرت اسامہ کالے رنگ کے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ غیر کفو میں نکاح کرنا دینداری، علم اور اخلاق کی وجہ سے درست ہے۔ (۲)

قولہ : وَاغْتُبِطْتُ بِہِ (ص۴۸۴سطر۱) یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے اور حضرت اسامہؓ میں ایسے اچھے تعلقات پیدا فرمائے کہ عورتیں مجھ پر رشک کرتی تھیں کہ شادی ہو تو ایسی ہو۔ (۳)

معتدہ کے نفقہ اور سکنیٰ کا حکم

واضح ہو کہ جو عورت طلاقِ رجعی کی عدت میں ہو اور وہ شوہر کے گھر عدت گزارے تو اس کا نان ونفقہ اور سکنیٰ بالاتفاق شوہر پر واجب ہے لیکن مطلقہٗ بائنہ یا مغلظہ کا نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک بلاشبہ اس کا نان ونفقہ اور سکنیٰ واجب ہے خواہ مطلقہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، حضرت عمرؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور متعدد صحابہؓ وتابعینؒ کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام احمدؒ اور اھلِ ظاھرؒ کے نزدیک اس کے لئے نہ نفقہ اور نہ سکنیٰ الّا یہ کہ وہ حاملہ ہو اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک سکنیٰ تو ہر حال میں واجب ہے لیکن نفقہ اس وقت واجب ہے جب وہ حاملہ ہو ورنہ نفقہ واجب نہیں، حضرت امام احمدؒ وغیرہ کا استدلال فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث الباب سے ہے جس میں صراحۃً نفقہ اور سکنیٰ کی نفی ہے ـــــ اور حضرت امام شافعیؒ ومالکؒ کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے "أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ

---

(۱) تکملۃ فتح الملھم ج۱ص۲۰۱۔
(۲) حوالا بالا۔
(۳) حوالا بالا۔

وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ"[1] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سکنیٰ تو مطلقاً مقرر فرمایا اور نفقہ کے واجب ہونے کو حمل کے ساتھ مقید کیا اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مفہومِ مخالف معتبر ہوتا ہے، اس لئے ثابت ہوا کہ مطلقہ اگر حاملہ نہ ہو تو اس کا نفقہ واجب نہیں۔[2]

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا استدلال کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ، آثارِ صحابہ اور قیاس سے ہے:۔
قرآنِ کریم سے استدلال اس طرح ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ"[3] اس میں مطلقات عام ہیں خواہ مطلقہ رجعیہ ہو یا بائنہ یا مغلظہ اور متاع بھی عام ہے جو نفقہ، سکنیٰ اور لباس وغیرہ سب کو شامل ہے، اس آیت کے علاوہ دیگر آیات سے بھی ان کا استدلال ہے۔

متعدد احادیث میں سے ایک یہ حدیث ہے:۔عن الشعبی عن فاطمة بنت قیس ان زوجها طلقها ثلاثا، فاتت النبی ﷺ فقال لانفقة لك ولاسكنٰی قال فاخبرته بذلك النخعی، فقال: قال عمر بن الخطاب واخبر بذلك لسنا بتارکی آیت من کتاب الله وقول رسول الله ﷺ لقول امرأة لعلها او همت، سمعت رسول الله ﷺ یقول: لها السكنی والنفقه۔ یہ حدیث مرفوع ہے اور مطلقہ مغلظہ عورت کے نفقہ اور سکنیٰ کے واجب ہونے میں صریح ہے۔[4]

نیز احناف کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو مسلم شریف جلد اول ۴۸۵ سطر ۴ میں آرہی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں أن عمر بن الخطابؓ قال بعد سماع حدیثِ فاطمةؓ : لا نترك كتاب الله وسنة نبينا ﷺ لقول امرأة لاندری لعلها حفظت او نسیت لها السكنٰی والنفقة، اس میں حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کے قول کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتاب وسنت کے خلاف غیر معتبر قرار دیا۔[5]

---

(۱) سورة الطلاق:۶

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص ۲۰۱، ۲۰۲۔

(۳) سورة البقرة ۲۴۱۔

(۴) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص ۲۰۵۔

(۵) حوالہ بالا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی متعدد آثار سے بھی تائید ہوتی ہے چنانچہ حضرت عمرؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت جابرؓ بن عبداللہ، حضرت ابراہیم نخعیؒ اور حضرت امام شعبیؒ سے یہی مروی ہے کہ مطلقۂ مبتوتہ کے لئے نفقہ اور رہائش ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہی ثابت ہے، بلکہ ان سے حضرت فاطمہؓ بنتِ قیس کے قول ''لاسکنی ولانفقة'' کی تردید منقول ہے ان کے الفاظ یہ ہیں: ''عن عائشةؓ قال: ما لفاطمة الا تتقی اللّٰه تعنی فی قولها لاسکنی ولانفقة''[1]

بہر حال حضرت فاطمہؓ بنتِ قیس کے بارے میں مجموعی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے انہوں نے شوہر کے گھر سے منتقل ہونے کی درخواست اس وجہ سے کی تھی کہ ان کا گھر ویران جگہ میں تھا اور ان کی زبان شوہر کے گھر والوں پر تیز ہوجاتی تھی اس لئے بمجبوری حضور ﷺ نے وہاں سے منتقل ہونے کی اجازت دی، رہا نفقہ تو ان کے شوہر کے وکیل نے عدت کا نفقہ بھیجا تھا لیکن انہوں نے اس کو کم سمجھا ممکن ہے زیادہ دینے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہو اس سے حضرت فاطمہ بنتِ قیسؓ نے یہ سمجھا ہو کہ مطلقہ مبتوتہ کے لئے نفقہ نہیں اور چونکہ شوہر کے گھر سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا سبب ان کی طرف سے تھا جو بحکم ناشزہ ہے جسے سکنیٰ بھی ساقط ہوگیا بلکہ ناشزہ ہونے کی صورت میں نفقہ بھی اصلاً ساقط ہوجاتا ہے اس طرح نفقہ اور سکنیٰ دونوں ساقط ہوگئے ورنہ اگر مبتوتہ شوہر کے گھر عدت گزارے تو اس کے لئے بلاشبہ نفقہ اور سکنیٰ ہے۔[2]

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، أَنَّهُ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ أَنْفَقَ عَلَيْهَا نَفَقَةَ دُونٍ، فَلَمَّا رَأَتْ ذٰلِكَ، قَالَتْ :وَاللّٰهِ لَأُعْلِمَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنْ كَانَ لِي نَفَقَةٌ أَخَذْتُ الَّذِي يُصْلِحُنِي، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لِي نَفَقَةٌ لَمْ آخُذْ مِنْهُ شَيْئًا، قَالَتْ : فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :لَا نَفَقَةَ لَكِ، وَلَا سُكْنَى (ص۴۸۴ سطر ۱ تا ۴)

تشریح

قوله : نَفَقَةَ دُونٍ، (ص۴۸۴ سطر ۲) دون کے معنیٰ ردی اور گھٹیا۔[3]

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ ص۳۰۱۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۱ ص۳۰۲ تا ۳۰۷۔

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج۱ ص۳۰۸۔

حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ، (الی قوله) أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ، أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ أَبِي عَمْرِو بْنِ حَفْصِ بْنِ الْمُغِيرَةِ، فَطَلَّقَهَا آخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ، فَزَعَمَتْ أَنَّهَا جَاءَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْتَفْتِيهِ ـــــ الحديث

(ص ۴۸۴ سطر ۱۲ تا ۱۴)

تشریح

قوله : آخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ، (ص ۴۸۴ سطر ۱۴) یعنی فاطمہ بنت قیس کے شوہر نے پہلے انہیں دو طلاقیں دیدی تھیں اور رجوع کر لیا تھا، اس کے بعد انہیں یہ تیسری طلاق دی تھی۔ (۱)

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (الی قوله) عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ أَبَا عَمْرِو بْنَ حَفْصِ بْنِ الْمُغِيرَةِ، خَرَجَ مَعَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ إِلَى الْيَمَنِ، فَأَرْسَلَ إِلَى امْرَأَتِهِ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ بِتَطْلِيقَةٍ كَانَتْ بَقِيَتْ مِنْ طَلَاقِهَا، وَأَمَرَ لَهَا الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ، وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ بِنَفَقَةٍ، فَقَالَا لَهَا :وَاللهِ مَا لَكِ نَفَقَةٌ إِلَّا أَنْ تَكُونِي حَامِلًا، فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَتْ لَهُ قَوْلَهُمَا، فَقَالَ:لَا نَفَقَةَ لَكِ، فَاسْتَأْذَنَتْهُ فِي الِانْتِقَالِ، فَأَذِنَ لَهَا..الحديث (ص ۴۸۴ سطر ۱۶ تا ۲۲)

قوله : فَأَذِنَ لَهَا الخ (ص ۴۸۴ سطر ۱۹) حضرت امام نوویؒ نے فرمایا: حضور ﷺ کا حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کو عدت کے مکان سے دوسری جگہ منتقل ہونے کی اجازت عذر کی بنا پر ہے مثلاً شوہر کے رشتہ داروں سے تیز تیز بات کرنا یا ان سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہونا وغیرہ ورنہ بلاضرورت مکانِ عدت سے کسی دوسری جگہ منتقل ہونا درست نہیں۔ (۲)

حَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَبَلَةَ، (الی قوله) فَحَدَّثَ الشَّعْبِيُّ بِحَدِيثِ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَمْ يَجْعَلْ لَهَا سُكْنَى وَلَا نَفَقَةً، ثُمَّ أَخَذَ الْأَسْوَدُ كَفًّا مِنْ حَصًى، فَحَصَبَهُ بِهِ، فَقَالَ :وَيْلَكَ تُحَدِّثُ بِمِثْلِ هَذَا، قَالَ عُمَرُ :لَا نَتْرُكُ كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ امْرَأَةٍ، لَا

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص ۲۰۶۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۱ ص ۲۱۰ و شرح النووی ج ۱ ص ۴۸۴۔

نَدْرِی لَعَلَّهَا حَفِظَتْ، أَوْ نَسِيَتْ، لَهَا السُّكْنَى وَالنَّفَقَةُ، قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: "لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ" (ص۴۸۵ سطر۴تا۷)

تشریح

قوله : لَعَلَّهَا حَفِظَتْ، أَوْ نَسِيَتْ، (ص۴۸۴ سطر۶) حضرت عمرؓ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنتِ قیسؓ کو تفصیل سے یہ واقعہ یاد نہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان پر یہ تہمت لگانا مقصود نہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کی، خلاصہ یہ ہے کہ ان کی بات خبر ظنی ہے جو کتاب اللہ اور سنتِ مشہورہ کے خلاف حجت نہیں بہر حال حضرت عمرؓ کا ارشاد احناف کے دلائل میں سب سے بڑی دلیل ہے۔ (۱)

باب جواز خروج المعتدة البائن و المتوفى عنها زوجها فى النهار (ص۴۸۶)

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُونٍ، (الی قوله) جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: طُلِّقَتْ خَالَتِي، فَأَرَادَتْ أَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا، فَزَجَرَهَا رَجُلٌ أَنْ تَخْرُجَ، فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: بَلَى فَجُدِّي نَخْلَكِ، فَإِنَّكِ عَسَى أَنْ تَصَدَّقِي، أَوْ تَفْعَلِي مَعْرُوفًا۔ (ص۴۸۶ سطر۱تا۳)

تشریح

قوله : أَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا، (ص۴۸۴ سطر۲) جُدَّ يَجِدُ جُداً وجداداً کے معنیٰ ہیں درخت کے پھل توڑنا۔ (۲)

قوله : بَلٰى فَجُدِّي نَخْلَكِ، (ص۴۸۴ سطر۳) یعنی تم اپنے کھجور کے درخت کی کھجوریں توڑ سکتی ہو (اور اس کام کے لئے گھر سے باہر جاسکتی ہو)، کیونکہ تم صدقہ دوگی یا نیک کام میں لگاؤ گی یہ حضور ﷺ نے اس لئے فرمایا کیونکہ آپ جانتے تھے یہ خاتون نیک کاموں میں مال خرچ

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۱۱۷۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۱۷۔

کرنے اور صدقہ وخیرات کرنے والی ہیں ــــــ صدقہ اور معروف میں تھوڑا سا فرق ہے، صدقہ سے صدقۂ واجبہ مراد ہے جس میں تملیک ضروری ہے اور معروف سے نفلی صدقہ مراد وہ ہے جس میں تملیک ضروری نہیں۔ (۱)

بیوہ معتدہ کا دن میں گھر سے نکلنے کا حکم

اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو وہ عدت کے دوران دن میں گھر سے باہر جا سکتی ہے لیکن اگر عورت مطلقہ ہو اور عدت میں ہو تو وہ گھر سے باہر جا سکتی ہے، یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک وہ بھی دن دن میں اپنی کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔ انہوں نے مذکورہ حدیث الباب سے استدلال کیا ہے ــــــ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہیں نکل سکتی ان کا استدلال اس آیت سے ہے: ''وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ'' (۲) جس میں مطلقہ کی عدت پوری ہونے سے پہلے مکانِ عدت سے نکلنے کی صاف اور قطعی ممانعت ہے اور بیوہ کے بارے میں ایسی ممانعت نہیں، اور قیاس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ بیوہ کا چونکہ نفقہ واجب نہیں، اس لئے اس کے نکلنے کی اجازت ہونی چاہئے اور مطلقہ کا نفقہ واجب ہے لہٰذا اس کے نکلنے کی ضرورت نہیں اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے اس سے کتاب اللہ کی تخصیص درست نہیں اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت جابرؓ کی خالہ عدت میں گھر سے نکلنے پر اس لئے مجبور ہوں کہ انہوں نے اپنے شوہر سے عدت کے نفقہ کے عوض خلع کیا ہو اور ایسی مجبوری میں گھر سے نکلنا جائز ہے اور یہ بھی ممکن ہے جس وقت حضور ﷺ نے انہیں گھر سے نکلنے کی اجازت دی ہو، اس وقت تک عدت کے احکام نازل نہ ہوئے ہوں۔ (۳)

باب انقضاء عدة المتوفى عنها زوجها وغيرها بوضع الحمل (ص ۴۸۶)

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، (الى قوله) حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ أَبَاهُ كَتَبَ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَرْقَمِ الزُّهْرِيِّ، يَأْمُرُهُ أَنْ يَدْخُلَ

(۱) تكملة فتح الملهم ج۱ص۳۱۸۔

(۲) سورة الطلاق:۱

(۳) تكملة فتح الملهم ج۱ص۳۱۸،۳۱۹۔

عَلَى سُبَيْعَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ الْأَسْلَمِيَّةِ، فَيَسْأَلَهَا عَنْ حَدِيثِهَا، وَعَمَّا قَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ اسْتَفْتَتْهُ، فَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ يُخْبِرُهُ، أَنَّ سُبَيْعَةَ أَخْبَرَتْهُ :أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ سَعْدِ بْنِ خَوْلَةَ (الی قوله) فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ، فَأَفْتَانِي بِأَنِّي قَدْ حَلَلْتُ حِينَ وَضَعْتُ حَمْلِي، وَأَمَرَنِي بِالتَّزَوُّجِ إِنْ بَدَا لِي ...(الحدیث) (ص۴۸۶سطر۳تا۹)

تشریح

قوله : فَأَفْتَانِي بِأَنِّي قَدْ حَلَلْتُ (ص۴۸۴سطر۹) یعنی حضور ﷺ نے فتوی دیا کہ وضع حمل پر بیوہ کی عدت پوری ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اس کو کسی دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے، الگ سے عدتِ وفات چار ماہ دس دن گزارنے کی ضرورت نہیں ـــــ یہی جمہورِ فقہاء کا مسلک ہے۔[1]

باب وجوب الاحداد فی عدة الوفات (ص۴۸۶)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ، هَذِهِ الْأَحَادِيثَ الثَّلَاثَةَ، قَالَ :قَالَتْ زَيْنَبُ :دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حِينَ تُوُفِّيَ أَبُوهَا أَبُو سُفْيَانَ، فَدَعَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِطِيبٍ فِيهِ صُفْرَةٌ خَلُوقٌ -أَوْ غَيْرُهُ -فَدَهَنَتْ مِنْهُ جَارِيَةً، ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا، ثُمَّ قَالَتْ :وَاللهِ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ، غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ :لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُحِدُّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا قَالَتْ زَيْنَبُ :ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَى زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ حِينَ تُوُفِّيَ أَخُوهَا، فَدَعَتْ (الی قوله) قَالَتْ زَيْنَبُ :سَمِعْتُ أُمِّي أُمَّ سَلَمَةَ، تَقُولُ :جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ ابْنَتِي تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا، وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنُهَا، أَفَنَكْحُلُهَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا -مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، كُلَّ ذَلِكَ يَقُولُ: لَا -ثُمَّ قَالَ :إِنَّمَا هِيَ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ، وَقَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ، قَالَ حُمَيْدٌ :فَقُلْتُ لِزَيْنَبَ، وَمَا تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ؟ فَقَالَتْ زَيْنَبُ :كَانَتِ الْمَرْأَةُ إِذَا تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا دَخَلَتْ

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۲۱۔

حِفْشًا، وَلَبِسَتْ شَرَّ ثِيَابِهَا، وَلَمْ تَمَسَّ طِيبًا، وَلَا شَيْئًا حَتّٰى تَمُرَّ بِهَا سَنَةٌ، ثُمَّ تُؤْتٰى بِدَابَّةٍ -حِمَارٍ، أَوْ شَاةٍ، أَوْ طَيْرٍ -فَتَفْتَضُّ بِهِ، فَقَلَّمَا تَفْتَضُّ بِشَيْءٍ إِلَّا مَاتَ، ثُمَّ تَخْرُجُ، فَتُعْطٰى بَعَرَةً، فَتَرْمِي بِهَا، ثُمَّ تُرَاجِعُ بَعْدُ مَا شَاءَتْ مِنْ طِيبٍ أَوْ غَيْرِهِ

(ص۴۸۶سطر۱۴تاص۴۸۷سطر۶)

تشریح

قوله : خَلُوق (ص۴۸۶سطر۱۶) یہ ایک قسم کی خوشبو کا نام ہے جو زعفران سے بنائی جاتی تھی۔ (۱)

قوله :ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا، (ص۴۸۶سطر۱۶) عارِضین ٹھوڑی سے اوپر والے چہرہ کو کہتے ہیں مراد رخساروں پر خوشبو لگانا ہے۔ (۲)

قوله : لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ (ص۴۸۶ سطر۱۶) احنافؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے اس کی بیوہ پر جبکہ وہ عاقلہ بالغہ ہو عدت کے دوران زیب وزینت کو ترک کرنا واجب ہے البتہ بیوہ اگر نابالغہ ہوتو اس پر زیب وزینت ترک کرنا واجب نہیں ـــــ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بیوہ بالغہ ہو یا نابالغہ دونوں پر زیب وزینت ترک کرنا واجب ہے۔ (۳)

قوله : أَفَنَكْحُلُهَا؟ (ص۴۸۷سطر۳) اس میں حاء پر ضمہ ہے۔اس حدیث سے بعض اہل ظاہر نے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے بیوہ کو عدت کے دوران سرمہ لگانا مطلقاً جائز نہیں چاہے کوئی مرض ہو یا نہ ہو ـــــ اور جمہور فقہاءِ کرامؒ کے نزدیک عذر میں سرمہ لگانا جائز ہے، بلاعذر جائز نہیں۔ (۴)

اور ضرورت کے وقت سرمہ لگانے کی دلیل یہ حدیث ہے جو ابوداؤد شریف (۵) میں ہے: عن حکیم بنت اسید عن امها ان زوجها توفی و کانت تشتکی عینیها فتکتحل بالحلاء.... فقالت: لا تکتحلی الا من امر لا بد منه یشتد علیك فتکتحلین باللیل و تمسحینه بالنهار الخ اور بھی متعدد احادیث سے عذر میں سرمہ لگانے کی اجازت ثابت ہے۔ (۶)

حدیث الباب میں سرمہ لگانے کی مطلق ممانعت کا جواب یہ ہے کہ یہاں سرمہ لگانے کی

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۲۴۔ (۲) حوالہ بالا۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۲۵۔

(۴) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۲۷۔

(۵) سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فیما تجتنبه المعتدة فی عدتها...الخ رقم الحدیث ۱۹۶۱۔

(۶) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۲۷۔

ضرورت نہ تھی یا تکلیف معمولی ہوگی یا بغیر سرمہ لگائے تکلیف دور ہو سکتی ہوگی۔ (۱)

قولہ : دَخَلَتْ حِفْشًا، (ص۴۸۷ سطر۵) اس کی حاء کے نیچے کسرہ ہے اور فاء ساکن ہے اس کے معنیٰ ہیں چھوٹا گھر یا کمزور گھر۔ (۲)

قولہ : فَتَفْتَضُّ بِهِ، (ص۴۸۷ سطر۵) یہ فَضٌّ سے مشتق ہے جس کے معنیٰ توڑنے اور کاٹنے کے آتے ہیں مطلب یہ ہے کہ عدت میں عورت پر جو پابندیاں ہوتی تھیں، وہ انہیں توڑ دیتی اور ختم کر دیتی اور بعض نے یہ معنیٰ بھی بیان کئے ہیں کہ عورت میٹھے پانی سے غسل کرتی اور اپنے جسم کی میل کچیل دور کر کے چاندی کی طرح صاف ستھری ہو جاتی تھی۔ (۳)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قولہ) عَنْ حُمَيْدِ بْنِ نَافِعٍ، قَالَ :سَمِعْتُ زَيْنَبَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ، تُحَدِّثُ عَنْ أُمِّهَا، أَنَّ امْرَأَةً تُوُفِّيَ زَوْجُهَا، فَخَافُوا عَلَى عَيْنِهَا، فَأَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَأْذَنُوهُ فِي الْكُحْلِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :قَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ تَكُونُ فِي شَرِّ بَيْتِهَا فِي أَحْلَاسِهَا -أَوْ فِي شَرِّ أَحْلَاسِهَا -فِي بَيْتِهَا حَوْلًا، فَإِذَا مَرَّ كَلْبٌ رَمَتْ بِبَعْرَةٍ، فَخَرَجَتْ، أَفَلَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا؟ (ص۴۸۷ سطر۹ تا ۱۱)

تشریح

قولہ : أَحْلَاسِهَا (ص۴۸۷ سطر۱) یہ حِلْس کی جمع ہے اس کے کئی معنیٰ ہیں کپڑا، باریک چادر، چٹائی جو گھر میں بچھائی جاتی ہے، مطلب یہ ہے زمانۂ جاہلیت میں عورت عدت میں اپنے عام کپڑے اتار دیتی تھی اور حِلْس وغیرہ پہن لیتی تھی۔ (۴)

قولہ : فَإِذَا مَرَّ كَلْبٌ رَمَتْ (ص۴۸۷ سطر۱۱) یعنی جب کتا اس کے سامنے سے گزرتا تو وہ اونٹ کی مینگنی اس پر پھینکتی چاہے اس کے لئے اس کو طویل عرصہ انتظار کرنا پڑتا یا کم۔ (۵)

قولہ : أَفَلَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا؟ (ص۴۸۷ سطر۱۱) یعنی اسلام آنے کے بعد جبکہ زمانۂ جاہلیت کی تمام تکلیف دہ قیدیں اور پابندیاں ختم ہو گئیں تو کیا چار ماہ دس دن عدت میں بیٹھنا

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۲۷۔

(۲) شرح النووی ج۱ص۴۸۷۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۲۸۔

(٤) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۲۹۔

(٥) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۲۹۔

کچھ مشکل ہے؟[1]

حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ، (الى قوله) عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا تُحِدُّ امْرَأَةٌ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ، أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا، إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ، وَلَا تَكْتَحِلُ، وَلَا تَمَسُّ طِيبًا، إِلَّا إِذَا طَهُرَتْ، نُبْذَةً مِنْ قُسْطٍ أَوْ أَظْفَارٍ (ص۴۸۸سطر۸تا۱۰)

تشریح

قوله : وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا، (ص۴۸۸سطر۹) واضح ہو اگر عدت میں عورت ایسا رنگا ہوا کپڑا پہنے جس میں خوشبو ہو یا وہ زیب وزینت کی غرض سے پہنے تو بلاشبہ حرام ہے البتہ بغیر خوشبو والا سیاہ لباس پہننا چاروں اماموں کے نزدیک جائز ہے اور اگر عورت رنگا ہوا لباس بغیر خوشبو والا اور زینت کے بغیر پہنے تو بھی جائز ہے اسی طرح بغیر خوشبو کا کوئی پرانا لباس پہننا بھی جائز ہے۔[2]

قوله : إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ، (ص۴۸۸سطر۹) اس میں عین پر فتحہ اور صاد ساکن ہے یہ یمن کی بنی ہوئی چادر کو کہتے ہیں جس کے دھاگے پہلے رنگے جاتے تھے پھر اس کو بُنا جاتا تھا، اور بعض نے کہا اس میں سیاہ اور سفید دھاریاں ہوتی تھیں، اس کا عدت میں عورت کو استعمال کرنا اس لئے جائز تھا کہ ایک تو یہ چادر موٹی ہوتی تھی اور بطورِ زینت استعمال نہیں ہوتی تھی لہٰذا اگر یہ سیاہ رنگ کے علاوہ کسی اور رنگ کی ہو اور بغرضِ زینت استعمال ہوتی ہو تو عدت میں عورت کو اس کا استعمال جائز نہیں۔[3]

قوله : إِلَّا إِذَا طَهُرَتْ، (ص۴۸۸ سطر۹) یعنی جب عورت حیض سے پاک ہو تو غسل کرنے کے بعد حیض کے خون کی بدبو دور کرنے کے لئے قسط جو ایک خوشبو کا نام ہے یا کوئی دوسری خوشبو عورت لگا سکتی ہے خواہ عدت میں ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ اس کا مقصد زینت کے طور پر خوشبو لگانا نہیں، بلکہ حیض کے خون کی بدبو دور کرنا ہے۔[4]

قوله : نُبْذَةً (ص۴۸۸سطر۹) اس میں نون پر فتحہ اور باء ساکن ہے اس کے معنیٰ ہیں ٹکڑا اور معمولی چیز۔[5]

قوله : مِنْ قُسْطٍ أَوْ أَظْفَارٍ (ص۴۸۸سطر۱۰) قسط میں قاف پر ضمہ ہے ایک قسم کی خوشبو کو کہتے ہیں اور اظفار بھی ایک قسم کے عطر کو کہتے ہیں۔[6]

---

(۱) شرح النووی ج۱ص۴۸۷۔
(۲) تکملۃ فتح الملھم ج۱ص۲۳۱۔
(۳) تکملۃ فتح الملھم ج۱ص۲۳۲۔
(۴) تکملۃ فتح الملھم ج۱ص۲۳۲۔
(۵) شرح النووی ج۱ص۴۸۸۔
(۶) تکملۃ فتح الملھم ج۱ص۲۳۲۔

کتاب اللعان (ص۴۸۸)

اس کتاب میں حضرت امامِ مسلمؒ نے لعان کے متعلق احادیثِ طیبہ جمع فرمائی ہیں جن سے لعان کا حکم اور دیگر مسائل معلوم ہوں گے، لہٰذا اس کی احادیث پڑھنے سے پہلے لعان کے لغوی اور اصطلاحی معنٰی، لعان کا حکم اور اس کی حکمت جاننے کی ضرورت ہے تاکہ احادیثِ لعان کا سمجھنا آسان ہو۔

لعان کے لغوی واصطلاحی معنٰی

لعان: فعال کے وزن پر ہے جو بابِ مفاعلہ کا مصدر ہے، لاعن یلاعن ملاعنة و لعانا، اس کے معنٰی آتے ہیں ایک دوسرے پر لعنت کرنا، کیونکہ یہ لعنؔ سے مشتق ہے جس کے معنٰی لعنت کرنے کے آتے ہیں، اور لعان کو اسی لئے لعان کہتے ہیں کہ اس میں بھی لعنت کرنا پایا جاتا ہے، یہ اس کے لغوی معنٰی ہیں۔

اصطلاحِ شرع میں لعان اس کو کہتے ہیں کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے، اس کے بارے میں کہے یہ میرا بچہ نہیں ہے، کسی اور کا ہے تو اس وقت لعان واجب ہوتا ہے، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں جائے اور وہاں اپنا مقدمہ پیش کرے کہ میرا شوہر فلاں شخص ہے، اس نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے یا یہ کہتا ہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے لہٰذا میرے ساتھ انصاف کیا جائے، اس وقت قاضی شوہر کو بلائے اور اس سے کہے تم اپنا دعویٰ گواہوں سے ثابت کرو اور چار گواہ لاؤ! اگر وہ چار گواہوں کے ذریعہ اپنی بیوی کے زنا کو ثابت کردے تو عورت کو رجم کردیا جائے گا، کیونکہ وہ محصنہ ہے اور اگر وہ چار گواہوں سے زنا ثابت نہ کرسکے تو قاضی اس سے کہے گا تم چار قسمیں کھاؤ اور قسمیں تو اسے دراصل پانچ کھانی ہوں گی لیکن ان میں سے چار قسمیں الگ اور ایک قسم الگ ہے۔

چنانچہ شوہر پہلی چار قسمیں اس طرح کھائے گا کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اس عورت پر زنا کی نسبت کرنے میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ میں شوہر یوں کہے گا میں نے اس کی طرف جو زنا کی نسبت کی ہے اگر میں اس میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔

جب شوہر پانچ قسمیں کھالے تو پھر قاضی عورت کی طرف متوجہ ہوکر اس سے کہے گا اب تم چار قسمیں اس طرح کھاؤ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ یہ شخص جو مجھ پر زنا کی تہمت لگا رہا ہے یہ اسمیں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ میں عورت یوں کہے گی یہ شخص جو مجھ پر زنا کی تہمت لگا رہا ہے اگر یہ اس میں سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب ہو ـــــ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے: ''وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ

اللّٰهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ "[1] ایسا کرنے کو لعان کہتے ہیں۔[2]

لعان کا حکم

جب میاں بیوی لعان کرلیں گے تو بالاتفاق اب میاں بیوی اکٹھے نہیں رہ سکتے، بلکہ قاضی ان میں تفریق کردے گا جو طلاقِ بائن کے حکم میں ہوگی اور یہ عورت ہمیشہ کے لئے اس شوہر پر حرام ہوجائے گی اور اب کبھی بھی ان کا باہم نکاح نہ ہوسکے گا۔[3]

لعان کی حکمت

لعان کا حکم نازل ہونے سے پہلے حدِ زنا اور حدِ قذف کے احکام نازل ہوچکے تھے جن کی رو سے اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو زنا کرتے ہوئے دیکھے، اور وہ اس کی طرف زنا کی نسبت کرے تو دو باتوں میں سے ایک بات لازم ہوتی تھی یا تو چار گواہوں سے زنا ثابت کرے، اور اگر چار گواہ نہ ہوں تو شوہر کی کمر پر حدِ قذف جاری ہوتی، اور اگر کسی شوہر کو اپنی بیوی کے زنا کرنے کا شبہ ہوتا تو بھی یہی صورت تھی کہ اگر گواہ نہ ہوں تو شبہ ظاہر کرنے پر حدِ قذف جاری ہوگی تو ایسا شخص سخت مشکل سے دوچار تھا اظہار کرے تو مشکل، خاموش رہے تو مصیبت، کیونکہ یہ غیرت کے خلاف ہے تو لعان کا حکم نازل ہوا، اور اس میں اس مشکل کا حل آگیا، اس کتاب کی احادیث میں اسی لعان کی تفصیل مذکور ہے۔[4]

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى،(الى قوله) أَنَّ عُوَيْمِرًا الْعَجْلَانِيَّ، جَاءَ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيِّ، فَقَالَ لَهُ :أَرَأَيْتَ يَا عَاصِمُ لَوْ أَنَّ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ، فَتَقْتُلُونَهُ، أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ؟ فَسَلْ لِي عَنْ ذَلِكَ يَا عَاصِمُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَ عَاصِمٌ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَرِهَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا، حَتَّى كَبُرَ عَلَى عَاصِمٍ مَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا رَجَعَ عَاصِمٌ إِلَى أَهْلِهِ جَاءَهُ عُوَيْمِرٌ، فَقَالَ :يَا عَاصِمُ مَاذَا قَالَ لَكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ عَاصِمٌ

---

(۱) سورۃ النور: ۶ تا ۹۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۳۳۴ ومرقات ج۶ص۳۰۵۔

(۳) مرقات ج۶ص۳۰۷۔

(۴) اشرف التوضیح ج۲ص۲۸۸۔

لِعُوَيْمِرٍ :لَمْ تَأْتِنِي بِخَيْرٍ، قَدْ كَرِهَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْأَلَةَ الَّتِي سَأَلْتُهُ عَنْهَا؟ قَالَ عُوَيْمِرٌ :وَاللهِ، لَا أَنْتَهِي حَتَّى أَسْأَلَهُ عَنْهَا، فَأَقْبَلَ عُوَيْمِرٌ حَتَّى أَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَطَ النَّاسِ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ؟ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :قَدْ نَزَلَ فِيكَ وَفِي صَاحِبَتِكَ، فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا ، قَالَ سَهْلٌ :فَتَلَاعَنَا وَأَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا فَرَغَا، قَالَ عُوَيْمِرٌ :كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللهِ، إِنْ أَمْسَكْتُهَا، فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَكَانَتْ سُنَّةَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ (ص۴۸۸سطر۱۲تاص۴۸۹سطر۲)

تشریح

قولہ : أَرَأَيْتَ يَا عَاصِمُ (ص۴۸۸سطر۱۳) حضرت عویمرؓ عجلانی نے سوال کے لئے حضرت عاصم کو اسلئے خاص کیا کہ وہ قوم کے بڑے تھے اور ان کی بیٹی کے سسر تھے اور غالباً انہیں اس بارے میں کچھ معلومات تھیں، لیکن تحقیق نہ تھی اس لئے انہوں نے ان سے کھول کر بات نہیں کی۔ (۱)

قولہ : وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ (ص۴۸۸سطر۱۴) اس سے زنا کی طرف اشارہ ہے اور معلوم ہوا زنا کی بات کو اشارہ کنایہ سے ذکر کرنا مستحب ہے۔ (۲)

قولہ : فَكَرِهَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسَائِلَ (ص۴۸۸سطر۱۴،۱۵)

حضرت امام نوویؒ نے فرمایا یہاں کراہت سے ایسے مسائل مراد ہیں جن کی ضرورت نہ ہو خاص طور پر وہ مسائل جن میں کسی مسلمان مرد عورت کی بے آبروئی ہو اور بے حیائی کی اشاعت ہو، یہاں حضرت عاصمؓ نے حضور ﷺ سے جو سوال کیا تھا وہ ابھی وقوع پذیر نہیں ہوا تھا اسلئے اسکے بارے میں سوال کرنے کی ضرورت نہ تھی اور اس میں مسلمان مردوں اور عورتوں کی بے آبروئی بھی تھی۔ (۳)

قولہ : فَتَلَاعَنَا (ص۴۸۹سطر۱) لعان کا یہ واقعہ جمعہ کے دن بعد نمازِ عصر مسجدِ نبوی

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۳۶۔
(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۳۶۔
(۳) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۳۶۔

میں ہوا۔ (۱)

قولہ : فَكَانَتْ سُنَّةَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ (ص ۴۸۹ سطر ۲) اس کے مطلب میں کئی اقوال ہیں ان میں سب سے بہتر مطلب یہ ہے کہ لعان کے بعد میاں بیوی میں تفریق ہونا بعد والوں کے لئے سنت اور طریقہ بن گیا کہ اب کبھی بھی وہ بذریعہ نکاح جمع نہیں ہو سکتے۔ (۲)

حَدَّثَنِی حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى،(الی قولہ) أَخْبَرَنِی سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ الْأَنْصَارِیُّ، أَنَّ عُوَيْمِرًا الْأَنْصَارِیَّ مِنْ بَنِی الْعَجْلَانِ أَتَى عَاصِمَ بْنَ عَدِیٍّ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمِثْلِ حَدِيثِ مَالِكٍ، وَأَدْرَجَ فِی الْحَدِيثِ قَوْلَهُ :وَكَانَ فِرَاقُهُ إِيَّاهَا بَعْدُ سُنَّةً فِی الْمُتَلَاعِنَيْنِ، وَزَادَ فِيهِ، قَالَ سَهْلٌ: وَكَانَتْ حَامِلًا، فَكَانَ ابْنُهَا يُدْعَى إِلَى أُمِّهِ، ثُمَّ جَرَتِ السُّنَّةُ أَنَّهُ يَرِثُهَا وَتَرِثُ مِنْهُ مَا فَرَضَ اللهُ لَهَا۔ (ص ۴۸۹ سطر ۲ تا ۴)

تشریح

قولہ : أَنَّهُ يَرِثُهَا وَتَرِثُ مِنْهُ (ص ۴۸۹ سطر ۴) اس پر علماء کرام کا اجماع ہے کہ لعان کرنے والی عورت اور وہ بچہ جس کی وجہ سے لعان ہوا یہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے کیونکہ اس بچہ کا نسب اس عورت سے ثابت ہوگا اور یہ عورت اس کی ماں کہلائے گی۔ (۳)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، (الی قولہ) عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: سُئِلْتُ عَنِ الْمُتَلَاعِنَيْنِ فِی إِمْرَةِ مُصْعَبٍ أَيُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ :فَمَا دَرَيْتُ مَا أَقُولُ، فَمَضَيْتُ إِلَى مَنْزِلِ ابْنِ عُمَرَ بِمَكَّةَ، فَقُلْتُ لِلْغُلَامِ :اسْتَأْذِنْ لِی، قَالَ :إِنَّهُ قَائِلٌ، فَسَمِعَ صَوْتِی، قَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ؟ قُلْتُ :نَعَمْ، قَالَ :ادْخُلْ، فَوَاللهِ، مَا جَاءَ بِكَ هَذِهِ السَّاعَةَ إِلَّا حَاجَةٌ، فَدَخَلْتُ فَإِذَا هُوَ مُفْتَرِشٌ بَرْذَعَةً مُتَوَسِّدٌ وِسَادَةً حَشْوُهَا لِيفٌ، قُلْتُ :أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُتَلَاعِنَانِ أَيُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ :سُبْحَانَ اللهِ، نَعَمْ، إِنَّ أَوَّلَ مَنْ سَأَلَ عَنْ ذَلِكَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، (الی قولہ) ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا، (ص ۴۸۹ سطر ۷ تا ۱۵)

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ ص۲۳۷۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ ص۲۳۷۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج۱ ص۲۳۹۔

تشریح

قوله : قَائِلٌ، (ص۴۸۹ سطر۸) ای نائم یعنی وہ قیلولہ کر رہے ہیں۔[1]

قوله : لِیفٌ، (ص۴۸۹ سطر۹) لیف خشک گھاس کو کہتے ہیں۔[2]

قوله : ثُمَّ فَرَّقَ بَیْنَهُمَا، (ص۴۸۹ سطر۱۵) یہ حنفیہ کی دلیل ہے کہ نفسِ لعان سے تفریق نہ ہوگی بلکہ قاضی اور حاکم کے فیصلہ سے تفریق ہوگی، اس مسئلہ کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

لعان سے تفریق ہونے کا مسئلہ

نفسِ لعان سے میاں بیوی میں تفریق ہوگی یا اس تفریق کے لئے قاضی کا فیصلہ ضروری ہوگا، اس میں اختلاف ہے۔۔۔۔ ائمہ ثلاثہؒ کے یہاں نفسِ لعان سے میاں بیوی میں تفریق ہوجائے گی۔ قاضی کا تفریق کرنا کوئی ضروری نہیں اور احنافؒ کے نزدیک تفریق کے لئے قضاءِ قاضی ضروری ہے اس سے پہلے محض لعان کرنے سے خود بخود تفریق نہ ہوگی۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل وہ مشہور حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "المتلاعنان لایجتمعان ابدا" وہ فرماتے ہیں کہ لعان کے بعد اگر تفریق نہ ہو اور قاضی تفریق کا فیصلہ کرنے میں تاخیر کرے تو ان کا جمع ہونا لازم آئے گا جو حدیثِ صریح کے خلاف ہے، معلوم ہوا نفسِ لعان سے تفریق ہوجائے گی۔۔۔۔ ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ انہوں نے لعان کو ایلاء پر قیاس کیا ہے کہ ایلاء میں چونکہ بغیر قضاءِ قاضی کے طلاقِ بائن واقع ہوجاتی ہے اور نکاح ختم ہوجاتا ہے، لہٰذا لعان میں بھی یہی حکم ہوگا اور جیسے ایلاء میں قضائے قاضی ضروری نہیں نفسِ ایلاء سے تفریق ہوجاتی ہے، ایسے ہی یہاں بھی بغیر قضاءِ قاضی کے تفریق ہوجائے گی جو طلاقِ بائن کے حکم میں ہوگی۔

احناف نے ان دلائل کا جواب دیا ہے کہ مذکورہ حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں وجہ یہ ہے کہ ایک حدیث کی دوسری حدیث سے تشریح ہوتی ہے چنانچہ ابوداؤد شریف کی ایک روایت سے اس کی وضاحت ہوتی ہے، روایت میں اس حدیث کے یہ الفاظ ہیں:۔ "فمضت السنة بعد فی المتلاعنین ان یفرقا بینهما ثم لایجتمعان ابدا"[3] جس کے معنٰی ہیں پھر لعان کرنے والوں میں یہ طریقہ جاری ہوگیا کہ ان میں تفریق کی جائے گی، اس کے بعد وہ کبھی بھی آپس میں جمع نہیں

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۳۹۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۳۹۔

(۳) سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فی اللعان رقم الحدیث: ۱۹۱۸۔

سکتے۔ لہٰذا یہاں اس حدیث میں تفریق کے بعد جمع نہ ہونا مراد ہے، نفسِ لعان سے جدا ہونا مراد نہیں —— اس لئے اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ کا لعان کو ایلاء پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ قیاس کے صحیح ہونے کے لئے مقیس اور مقیس علیہ کا برابر ہونا ضروری ہے اور ان دونوں میں برابری نہیں، کیونکہ ایلاء میں قضاءِ قاضی ضروری نہیں اور لعان میں ضروری ہے، ایلاء کا عدالت میں ہونا ضروری نہیں اور لعان کا بالاتفاق عدالت میں ہونا ضروری ہے گھر میں نہیں ہوسکتا لہٰذا جب دونوں میں اتنا بڑا فرق ہے تو ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔

احناف کی دلیل حدیث الباب ہے جیسا کہ شروع میں لکھا گیا اور ابوداؤد شریف کی مذکورہ بالا حدیث ہے جس میں تفریق کرنے کی صراحت ہے اور بخاری شریف کی حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:۔ فرق النبی ﷺ بین اخوی بنی عجلان وقال: الله یعلم ان احدکما کاذب، فهل منکما تائب؟ فأبیا ففرق بینهما۔[1] اس میں بھی تفریق کرنے کی صراحت مذکور ہے اور حضرت امام مسلمؒ نے بھی یہ روایت اس کتاب میں صفحہ (۴۹۰ سطر ۵) پر ذکر کی ہے۔

بہر حال روایۃً حنفیہ کا مذہب ثابت ہے اور درایۃً بھی ثابت ہے وہ اس طرح کہ لعان کی تعریف کا احناف کے نزدیک حاصل یہ ہے: شهادات مؤکدات بالأیمان یعنی لعان میں چند گواھیاں ہوتی ہیں جو قسم کے ساتھ مؤکد ہوتی ہیں، اور شھادت عدالت میں ہوتی ہے۔ اور جب شھادت قاضی کے سامنے ہوتی ہے تو بغیر قاضی کے فیصلہ کیسے مکمل ہوگا، لہٰذا قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ تفریق بھی قاضی کی طرف سے ہونی ضروری ہے، بغیر قضاءِ قاضی کے نکاح ختم نہ ہوگا اور میاں بیوی میں جدائی نہ ہوگی، لہٰذا حنفیہ کا مذہب راجح ہے۔[2] واللہ اعلم

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، (الی قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلًا لَاعَنَ امْرَأَتَهُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَفَرَّقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا وَأَلْحَقَ الْوَلَدَ بِأُمِّهِ؟ قَالَ :نَعَمْ (ص۴۹۰ سطر ۷ تا ۹)

تشریح

قوله : وَأَلْحَقَ الْوَلَدَ بِأُمِّهِ؟ (ص۴۹۰ سطر ۹) اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہوا کہ لعان

(۱) صحیح البخاری کتاب الطلاق باب صداق الملاعنة رقم الحدیث: ۴۸۹۹۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۳۱ تا ۲۳۳، و اشرف التوضیح ج۲ص۴۸۹۔

کے بعد لعان کرنے والے مرد سے بچہ کا نسب منفی ہو جائے گا، کیونکہ اسی کی وجہ سے لعان ہوا ہے تو بچہ کا نسب اس کی ماں سے ثابت ہوگا، جمہور فقہاءِ کرامؒ کا یہی مذہب ہے۔ (۱)

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :إِنَّا لَلَيْلَةَ الْجُمُعَةِ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ :لَوْ أَنَّ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا، فَتَكَلَّمَ، جَلَدْتُمُوهُ، أَوْ قَتَلَ، قَتَلْتُمُوهُ، وَإِنْ سَكَتَ، سَكَتَ عَلَى غَيْظٍ، وَاللهِ لَأَسْأَلَنَّ عَنْهُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ أَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَهُ فَقَالَ :لَوْ أَنَّ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا فَتَكَلَّمَ، جَلَدْتُمُوهُ، أَوْ قَتَلَ، قَتَلْتُمُوهُ، أَوْ سَكَتَ، سَكَتَ عَلَى غَيْظٍ، فَقَالَ :اللَّهُمَّ افْتَحْ وَجَعَلَ يَدْعُو ، فَنَزَلَتْ آيَةُ اللِّعَانِ :وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ هَذِهِ الْآيَاتُ، فَابْتُلِيَ بِهِ ذَلِكَ الرَّجُلُ مِنْ بَيْنِ النَّاسِ، فَجَاءَ هُوَ وَامْرَأَتُهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَلَاعَنَا فَشَهِدَ الرَّجُلُ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ، ثُمَّ لَعَنَ الْخَامِسَةَ أَنَّ لَعْنَةَ اللهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ، فَذَهَبَتْ لِتَلْعَنَ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَهْ، فَأَبَتْ، فَلَعَنَتْ، فَلَمَّا أَدْبَرَا، قَالَ لَعَلَّهَا أَنْ تَجِيءَ بِهِ أَسْوَدَ جَعْدًا، فَجَاءَتْ بِهِ أَسْوَدَ جَعْدًا (ص۴۹۰ سطر۱۰ تا ۱۶)

تشریح

قوله : رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، (ص۴۹۰ سطر۱۲) یہاں رجلٌ سے کون مراد ہے؟ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی رائے یہ ہے کہ اس سے حضرت عویمر عجلانیؓ مراد ہیں، لیکن زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے حضرت ہلالؓ بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد "اللّٰھم افتح" حضرت ہلال بن امیہؓ کے قصہ میں مروی ہے، حضرت عویمر عجلانیؓ کے واقعہ میں منقول نہیں نیز آنے والی حدیث ابن عباسؓ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (۲)

قوله : مَهْ، (ص۴۹۰ سطر۱۶) یہ کلمہ روکنے اور ڈانٹنے کے لئے ہے یعنی حضور ﷺ نے اس عورت سے کہا جو لعان کرنا چاہ رہی تھی اس سے باز آ اور حق بات کا اعتراف کر لے، کیونکہ دنیا کا عذاب

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۳۶۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۴۷۔

آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے، اور آپ کا غالب گمان یہ تھا یہ جھوٹی ہے، کیونکہ اسحدیث کے آخر میں ہے کہ شاید اس سے کالا اور گھنگریالے بال والا بچہ پیدا ہوگا جو اس عورت کے شوہر کے مشابہ نہ ہوگا چنانچہ اس عورت کے ایسا ہی بچہ پیدا ہوا۔ (۱)

قولہ : أَسْوَدَ جَعْدًا (ص۴۹۰ سطر۱۶) اسود کے معنٰی ہیں کالا اور جعداً اس میں جیم پر فتحہ اور عین ساکن ہے اس کے معنٰی ہیں گھنگریالے بال والا ہونا۔ (۲)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قولہ) عَنْ مُحَمَّدٍ، قَالَ :سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، وَأَنَا أُرَى أَنَّ عِنْدَهُ مِنْهُ عِلْمًا، فَقَالَ :إِنَّ هِلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ بِشَرِيكِ ابْنِ سَحْمَاءَ، وَكَانَ أَخَا الْبَرَاءِ بْنِ مَالِكٍ لِأُمِّهِ، وَكَانَ أَوَّلَ رَجُلٍ لَاعَنَ فِي الْإِسْلَامِ، قَالَ :فَلَاعَنَهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَبْصِرُوهَا، فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَبْيَضَ سَبِطًا قَضِيءَ الْعَيْنَيْنِ فَهُوَ لِهِلَالِ بْنِ أُمَيَّةَ، وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلَ جَعْدًا حَمْشَ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لِشَرِيكِ ابْنِ سَحْمَاءَ، قَالَ :فَأُنْبِئْتُ أَنَّهَا جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلَ جَعْدًا حَمْشَ السَّاقَيْنِ　(ص۴۹۰ سطر۱۷تا۲۰)

تشریح

قولہ : قَذَفَ امْرَأَتَهُ (ص۴۹۰ سطر۱۸) یعنی ھلال بن امیۃؓ واقفیؓ نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ھلال بن امیۃؓ واقفیؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنی زمین پر کام کر کے رات کو اپنے گھر آیا تو میں نے اپنی بیوی کے پاس ایک شخص کو پایا جو (اس سے صحبت کر رہا تھا) یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا، حضور ﷺ کو سن کر یہ واقعہ ناقابلِ برداشت معلوم ہوا اور دوسروں نے بھی ناگواری کا اظہار کیا اور انصاری حضراتؓ آپ کے پاس جمع ہوگئے اور کہنے لگے اب حضور ﷺ ھلال بن امیۃؓ کی کمر پر حد قذف جاری فرمائیں گے اور ان کی گواہی کو باطل قرار دیں گے کیونکہ اس وقت یہی حکم تھا اور لعان کا حکم نازل نہ ہوا تھا، اور حضرت ھلال بن امیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے وہ میرے لئے کوئی نہ کوئی راہِ نجات عطا فرمائیں گے، اُدھر حضور ﷺ حد قذف جاری کرنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ آپ پر آیتِ لعان نازل ہوگئی جو یہ ہے: ''وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۳۸۔

(۲) شرح النووی ج۱ص۴۹۰۔

يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ'' الآية چنانچہ آپ نے حضرت ہلال بن امیہؓ کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے راہِ نجات نکالدی ہے، پھر حضور نے ان کی بیوی کو بلوایا اور دونوں کو آیتِ لعان پڑھ کر سنائی اور ان میں لعان کرادیا۔ جس کا طریقہ باب اللعان کے شروع میں گزرچکا۔ (۱)

قوله : أَبْصِرُوهَا، (ص۴۹۰ سطر۱۹) پہلے گزرچکا ہے کہ لعان کے اس واقعہ میں حضرت ہلال بن امیہؓ کی بیوی کا علامات وقرائن سے جھوٹا ہونا ثابت ہوا کیونکہ ان کی بیوی کے جو بچہ پیدا ہوا وہ ہلال بن امیہؓ کے مشابہ نہیں تھا، اورآپ نے یہ جملہ اس لئے ارشادفرمایا تاکہ عام لوگوں کی نظر میں ہلالؓ ابن امیہ کی برأت ظاہر ہو کیونکہ وہ اصحابِ بدر میں سے تھے اور جلیل القدر صحابہؓ میں سے تھے۔ (۲)

قوله : سَبْطًا (ص۴۹۰ سطر۱۹) اس میں سین پر فتحہ اور باساکن ہے اور بعض نے اس پر کسرہ کہا ہے اس کے معنیٰ ہیں سیدھے لٹکے ہوئے بال اور بعض نے اس کے معنیٰ مکمل اعضاء والے بتلائے ہیں بہرحال دونوں معنیٰ یہاں درست ہوسکتے ہیں۔ (۳)

قوله : قَضِيءَ الْعَيْنَيْنِ (ص۴۹۰ سطر۲۰) ای فاسد العینین یعنی سرخی یا آنسوؤں کی کثرت کی وجہ سے آنکھوں کا خراب ہونا۔ (۴)

قوله : أَكْحَلَ جَعْدًا (ص۴۹۰ سطر۲۰) ای اسود یعنی سرمہ کی طرح کالا اور جعداً گھنگریالے بال والا۔

قوله : خَمْشَ السَّاقَيْنِ (ص۴۹۰ سطر۲۰) اس میں حاء پر فتحہ اور میم ساکن ہے اس کے معنیٰ ہیں پنڈلیوں کا پتلا ہونا۔ (۵)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ، (الی قوله) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ :ذُكِرَ التَّلَاعُنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ عَاصِمُ بْنُ عَدِيٍّ فِي ذَلِكَ قَوْلًا، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ يَشْكُو إِلَيْهِ أَنَّهُ وَجَدَ مَعَ أَهْلِهِ رَجُلًا، فَقَالَ عَاصِمٌ :مَا ابْتُلِيتُ بِهَذَا إِلَّا لِقَوْلِي، فَذَهَبَ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ

(۱) مأخذہ تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۴۸۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۵۰۔

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۵۰۔

(۴) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۵۰۔

(۵) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۵۱۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ بِالَّذِي وَجَدَ عَلَيْهِ امْرَأَتَهُ، وَكَانَ ذَٰلِكَ الرَّجُلُ مُصْفَرًّا، قَلِيلَ اللَّحْمِ، سَبِطَ الشَّعَرِ، وَكَانَ الَّذِي ادَّعَى عَلَيْهِ أَنَّهُ وَجَدَ عِنْدَ أَهْلِهِ خَدْلًا، آدَمَ، كَثِيرَ اللَّحْمِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اللَّهُمَّ بَيِّنْ، فَوَضَعَتْ شَبِيهًا بِالرَّجُلِ الَّذِي ذَكَرَ زَوْجُهَا أَنَّهُ وَجَدَهُ عِنْدَهَا، فَلَاعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا، فَقَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْمَجْلِسِ :أَهِيَ الَّتِي قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَوْ رَجَمْتُ أَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ رَجَمْتُ هَٰذِهِ؟، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ:لَا تِلْكَ امْرَأَةٌ كَانَتْ تُظْهِرُ فِي الْإِسْلَامِ السُّوءَ(ص۴۹۰سطر۲۰تا۲۵)

تشریح

قوله : وَكَانَ ذَٰلِكَ الرَّجُلُ (ص۴۹۰سطر۲۳) اس میں رجل سے مراد حضرت عویمرؓ العجلانی ہیں۔ (۱)

قوله : مُصْفَرًّا (ص۴۹۰سطر۲۳) یعنی حضرت عویمرؓ زرد رنگ کے تھے اور بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ وہ سرخ رنگ کے تھے، ان دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ان کا اصل رنگ سرخ تھا، لیکن اس وقت عارضی طور پر رنگ پیلا تھا۔ (۲)

قوله : خَدْلًا، (ص۴۹۰سطر۲۳) اس کو دو طرح پڑھ سکتے ہیں خدلا خاء پر زبر اور دال ساکن بغیر تشدید کے دوسرے دال پر فتحہ اور لام پر تشدید خدلّاً، از روئے لغت دونوں طرح درست ہے جس کے معنٰی ہیں پنڈلیوں کا بھرا ہوا ہونا۔ (۳)

قوله : آدَمَ، (ص۴۹۰سطر۲۳) یعنی سیاہ مائل رنگ۔ (۴)

قوله : اللَّهُمَّ بَيِّنْ، (ص۴۹۰سطر۲۳) یہ دعا اس لئے نہیں کی کہ دونوں صورتوں میں سے ایک کی سچائی ثابت ہو بلکہ اس دعا کا مقصد یہ ہے کہ ایسا بچہ پیدا ہو جس سے ان میں سے کسی ایک سے اس کی مشابہت واضح ہو۔ (۵)

حَدَّثَنِيهِ أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْدِيُّ، (الی قوله) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ :ذُكِرَ الْمُتَلَاعِنَانِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ اللَّيْثِ، وَزَادَ فِيهِ

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۵۳۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۵۳۔

(۴) تکملۃ فتح الملہم ج۱ ص۲۵۳

(۵) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۵۳۔

بَعْدَ قَوْلِهِ كَثِيرَ اللَّحْمِ، قَالَ :جَعْدًا قَطَطًا (ص۴۹۰سطر۲۵ تا ۲۷)

تشریح

قوله : قَطَطًا (ص۴۹۰سطر۲۷) اس میں دونوں طاء پر فتحہ ہے اور ایک قول میں پہلی طاء کے نیچے کسرہ ہے اس کے معنٰی ہیں بالوں کا بہت زیادہ گھنگریالے ہونا۔ (۱)

حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ،(الی قوله) عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ :لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرُ مُصْفِحٍ عَنْهُ، فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :أَتَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ، فَوَاللهِ لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ، وَاللهُ أَغْيَرُ مِنِّي، مِنْ أَجْلِ غَيْرَةِ اللهِ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ، مَا ظَهَرَ مِنْهَا، وَمَا بَطَنَ، (ص۴۹۱سطر۶ تا ۹)

تشریح

قوله : غَيْرُ مُصْفِحٍ عَنْهُ، (ص۴۹۰سطر۷) یعنی میں اس کو تلوار کی چوڑائی کی طرف سے نہیں، بلکہ دھار کی جانب سے ماروں گا جس سے کسی کو قتل کرنے کے لئے مارا جاتا ہے۔ (۲)

بیوی کے ساتھ کسی کو بدکاری کرتا دیکھ کر قتل کرنے کا حکم

قوله : أَتَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ، (ص۴۹۰سطر۸) بعض حضرات نے اس حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کیساتھ کسی کو زنا کرتا ہوا دیکھے اور وہ اس کو قتل کردے تو اس پر کچھ واجب نہیں پھر اگر وہ چار گواہوں سے زنا کو ثابت کردے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور اگر اس نے دو گواہ اس پر قائم کئے کہ اس نے اس شخص کو اپنی بیوی سے زنا کرنے کی بناء پر قتل کی کیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس سے قصاص لیا جائے گا لیکن حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس پر قصاص نہیں یہ سب تفصیل قضاءً ہے تاہم دیانۃً اس کو قتل کرنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ زانی شادی شدہ ہو اور اس کا زنا موجب غسل ہو۔ (۳)

حَدَّثَنَاهُ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :جَاءَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۵۴۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۵۶۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۵۷۔

فَزَارَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟ قَالَ :نَعَمْ، قَالَ :فَمَا أَلْوَانُهَا؟ قَالَ :حُمْرٌ، قَالَ :هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ؟ قَالَ :إِنَّ فِيهَا لَوُرْقًا، قَالَ :فَأَنَّى أَتَاهَا ذَلِكَ؟ قَالَ :عَسَى أَنْ يَكُونَ نَزَعَهُ عِرْقٌ، قَالَ :وَهَذَا عَسَى أَنْ يَكُونَ نَزَعَهُ عِرْقٌ (ص۴۹۱ سطر۱۰ تا ۱۳)

تشریح

قوله : رَجُلٌ مِنْ بَنِي فَزَارَةَ (ص۴۹۱ سطر۱۱) آنے والی روایت حضرت ابو سلمہؓ کی ہے اُس روایت میں ہے کہ یہ ایک اعرابی تھا اور اس کا نام ضحضم بن قتادہ تھا، اس کی بیوی سے کالے رنگ کا بچہ پیدا ہوا، اس لئے اس نے حضور ﷺ سے شکایت کی۔[1]

قوله : وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ، (ص۴۹۱ سطر۱۱) اور ابن ماجہ[2] کی حدیثِ ابن عمرؓ میں یہ الفاظ بھی ہیں "وانا اهل بيت لم يكن فينا اسود قط" یعنی ہم خاندانی لوگ ہیں ہم میں کوئی بھی کالے رنگ کا نہیں، اس جملہ کا مقصد شک کا اظہار تھا کہ یہ بچہ اس سے نہیں ہے چنانچہ جمہور نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اس طرح اشارۃً اور کنایۃً تہمتِ زنا کا ذکر تہمت نہیں اور اس پر حدِّ قذف واجب نہیں، ہاں کوئی صاف صاف زنا کی تہمت لگائے تو حدِ قذف جاری ہوگی اور حضراتِ مالکیہؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی حدِّ قذف واجب ہوگی بشرطیکہ اس کے الفاظ سے تہمتِ زنا سمجھ میں آتی ہو۔[3]

قوله : أَوْرَقَ؟ (ص۴۹۱ سطر۲) اس کے معنٰی ہیں جس میں کالا رنگ صاف نہ ہو جیسے راکھ ہوتی ہے کچھ سفید اور کچھ سیاہ یا جیسے جنگلی کبوتر کا رنگ ہوتا ہے۔[4]

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ، وَإِنِّي

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۵۹۔

(۲) سنن ابن ماجه كتاب النكاح باب الرجل يشك في ولده، رقم الحديث: ۱۹۹۳۔

(۳) خلاصه تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۵۶۔

(۴) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۵۹۔

أَنْكَرْتُهُ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟ــــ الحديث

(ص۴۹۱سطر۱۵تا۱۷)

تشریح

قوله : وَإِنِّي أَنْكَرْتُهُ، (ص۴۹۱سطر۱۶) ای کرھتہ، یعنی میں اس کو ناپسند کرتا ہوں، یہاں اس کا نسب کی نفی کرنا مراد نہیں ہے محض ناپسندیدگی کا اظہار ہے جو تہمتِ زنا نہیں۔ (1)

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۵۹۔

کتاب العتق

اس کتاب میں حضرت امام مسلمؒ نے غلام آزاد کرنے کے بارے میں احادیثِ طیبہ جمع فرمائی ہیں ان کو پڑھنے سے پہلے ''عتق'' کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ اور اس کا حکم وغیرہ سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کتاب کی احادیث کو سمجھنا آسان ہو۔

عتق کے لغوی واصطلاحی معنیٰ

العتق: یہ باب ضرب کا مصدر ہے، عتق یعتق عتقاً، وعتاقاسے، اس کے کئی لغوی معنیٰ آتے ہیں، ایک معنیٰ ہیں غلام کا آزاد ہونا، دوسرے معنیٰ ہیں قدیم ہونا جیسے بیت اللہ کے بارے میں ہے: ''وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ''[1] یعنی تم طواف کرو پرانے گھر کا یعنی بیت اللہ کا اور اس کے تیسرے معنیٰ ہیں حسن وجمال اور شرافت وبزرگی، اسی لحاظ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عتیق کہتے ہیں کیونکہ آپ حسین وجمیل اور شریف تھے۔[2]

عتق کے اصطلاحی معنیٰ یہ ہیں: ''انه قوة حكمية يصير المرأ بها اهلاً للشهادة والولاية والقضاء'' یعنی عتق ایسی حکمی اور معنوی طاقت وقوت کا نام ہے جس کے ذریعہ آدمی قضاء، گواہی اور ولی بننے اور دیگر تصرفات کرنے کے لائق ہو جاتا ہے۔[3]

عتق وغلامی کی حکمت

غلام وباندی بننا دراصل کفر کی سزا ہے کہ ایک کافر جب اپنے خالق ومالک جل مجدہٗ کی اطاعت سے باغی بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ جب یہ کافر میری بندگی اور غلامی اختیار نہیں کرتا تو اب یہ میرے غلاموں کا غلام بنے گا، اور آزادی سے اس کی یہ سزا ختم ہو جاتی ہے۔[4]

عتق کا حکم اور شرط

عتق کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ آزاد کرنے والا غلام یا باندی کا مالک ہو اور عاقل وبالغ ہو، اور اس کا حکم یہ ہے غلام وباندی کو آزاد کرنے سے ان کا غلام وباندی ہونا ختم ہو جاتا ہے اور وہ آزاد

(۱) سورۃ الحج:۲۹

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۶۲۔

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۶۲۔

(۴) مأخذہ تکملۃ فتح الملہم وغیرہ ج۱ص۲۶۲۔

ہو جاتے ہیں اور غلام و باندی کو آزاد کرنا مستحب اور مندوب ہے۔[1]

اسلام میں غلامی کا مقام

اس کتاب کی احادیث کی تشریح سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کی حقیقت اور اسلام میں اس کا درجہ اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے، کیونکہ اھلِ مغرب اور ان کے متبعین نے اس کے ذریعہ مسلمانوں پر شدید اعتراض کیا ہے اور بعض مسلمان بھی اس سے متاثر ہو کر اس کو اسلام کے خلاف سمجھتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اسلام میں غلام و باندی کا جو تصور ہے، اُسے یونانیوں، رومیوں وغیرہ کے یہاں غلامی کی طرح سمجھ لیا ہے کیونکہ ان کے یہاں غلاموں کے کوئی حقوق نہیں ہوتے، شہری زندگی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، کھانے پینے اور رہنے سہنے میں ان پر سخت تنگی کی جاتی تھی جبکہ اسلام میں غلامی کی حیثیت ان کے یہاں کی غلامی کے یکسر خلاف ہے۔[2]

غلام و باندی ہونے کی شرط

جب دنیا میں اسلام آیا، اس وقت ساری دنیا میں مشرق سے مغرب تک غلام و باندی بنانے کا عام رواج تھا، چنانچہ اسلام نے اس کو بالکل لغو اور مکمل طور پر حرام قرار نہیں دیا، بلکہ اصولاً اس کو باقی رکھا اور اس کے لئے باقاعدہ احکام دیئے، غلامی کی حدود مقرر کیں جو کسی انسان کے غلام ہونے میں مفید ہوں چنانچہ اسلام نے سب سے پہلے کسی کو غلام بنانے کے لئے یہ شرط قرار دی کہ اگر کافروں سے جہادِ شرعی ہو اور اس کے نتیجے میں کافر مرد و عورت گرفتار ہوں تو انہیں غلام و باندی بنایا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ کسی گناہ وغیرہ کی وجہ سے کسی آزاد شخص کو غلام نہیں بنایا جاسکتا جبکہ غیر مسلموں کے یہاں اس کے علاوہ بعض گناہوں کے ارتکاب پر غلام بنانا درست ہے ــــ اور اسلام میں گرفتار ہونے والے کفار کے لئے صرف غلام بنانا ہی واحد طریقہ نہیں ہے، بلکہ امام المسلمین کو ان کے بارے میں چار اختیارات ہیں:۔

(۱) ان کو قتل کردیں۔ (۲) ان کو غلام بنالیں۔ (۳) فدیہ لیکر چھوڑ دیں۔
(۴) بغیر فدیہ لئے بطورِ احسان بلاعوض ان کو رہا کردیں۔

ان چار اختیارات میں ایک اختیار غلام بنانا بھی ہے جو جائز ہے واجب نہیں، وجہ یہ ہے کہ

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۶۳۔

(۲) حوالہ بالا۔

جنگی حالات مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں، ان کے مطابق امام المسلمین جو پہلو اسلام اور مسلمانوں کے حق میں بہتر سمجھے اختیار کرسکتا ہے، بہرحال غلام بنانا ہر حال میں ضروری نہیں۔ اسی طرح ہر حال میں قتل کرنا یا رہا کرنا مناسب نہیں اور عمر قید بھی مناسب نہیں، بلکہ چند شرائط اور حدود کے ساتھ بعض اوقات غلام بنانا مناسب ہوتا ہے غرض کہ اسلام نے اس کے لئے چوپٹ دروازہ نہیں کھولا، بلکہ امام المسلمین کو حسبِ حال اسلام اور مسلمانوں کے حق میں جو صورت بہتر ہو اس کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔

غلاموں کے حقوق

پھر اسلام نے غلاموں کے ایسے حقوق مقرر فرمائے جو کسی اور دین و مذھب میں نہیں ہیں مثلاً حضور ﷺ نے فرمایا: یہ غلام تمہارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت کردیا ہے لہٰذا جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو تو جو کچھ وہ کھائے اس کو بھی کھلائے اور جو کچھ وہ پہنے اسے بھی پہنائے اور ان سے ایسا کام نہ لے جو ان کی طاقت سے باہر ہو اگر ایسا کام کرائے تو ان کی مدد کرے [1] اور ایک حدیث میں ہے جس شخص کا اپنے غلام کے ساتھ برا سلوک ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا اور ایک حدیث میں ہے جس نے غلام کے چانٹا مارا یا کسی اور طرح مارا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کردے! [2] اور حضور ﷺ کو غلاموں کے حقوق کی اس قدر فکر تھی کہ وفات سے پہلے آپ کی سب سے آخری وصیت یہ تھی: "الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم" یعنی تم نماز اور غلام باندیوں کے حقوق کا خیال رکھنا۔ اس طرح کی اور بھی احادیث ہیں سب کو یہاں بیان کرنا مشکل ہے۔

غلام آزاد کرنے کی ترغیب

اداءِ حقوق کے ساتھ اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کی بڑی ترغیب دی ہے، چنانچہ حضور ﷺ اور صحابۂ کرامؓ غلام آزاد کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے تھے، حضور ﷺ نے اپنی عمر کے ۶۳ سال کے مطابق ۶۳ غلام آزاد فرمائے حضرت عائشہؓ نے ۶۹ غلام آزاد کئے اور یہی آپ کی عمر ہوئی، حضرت صدیقِ اکبرؓ نے بہت سے غلام آزاد کئے، حضرت عباسؓ نے ستر غلام آزاد کئے، حضرت عثمانؓ نے بیس اور حضرت حکیم بن حزامؓ نے سو غلام آزاد کئے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک ہزار غلام آزاد کئے اور ایک ہزار عمرے کئے اور ساٹھ حج کئے اور حضرت ذوکلاعؓ حمیری نے غزوۂ احد میں آٹھ ہزار غلام آزاد کئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تیس ہزار غلام آزاد

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب المعاصی من امر الجاھلیۃ الخ رقم الحدیث: ۲۹۔

(۲) صحیح مسلم کتاب الایمان باب صحبۃ الممالیک الخ رقم الحدیث: ۳۱۳۰۔

کئے ـــــ بہر حال تاریخ اسلام ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے اسلام میں غلام ہونا کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ غلاموں کے ساتھ بھائیوں اور بیٹوں جیسا معاملہ رہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ اور دورِ صحابہ اور بعد کے زمانوں میں غلام بنانے کا برابر دستور رہا، کسی نے اس پر نکیر نہیں کی کیونکہ یہ جائز اور مباح ہے لہٰذا اس کی وجہ سے اسلام پر اعتراض کرنا یا اس کو غلط سمجھنا درست نہیں ـــــ تاہم آج کل شرعی غلام و باندی کا دنیا میں وجود نہیں، اس کی یہ وجہ نہیں کہ یہ ناجائز ہے یا یہ حکم معاذ اللہ منسوخ ہوگیا ہے، بلکہ اس کی وجہ درج ذیل ہے۔

آج کل شرعی غلام و باندی نہ ہونے کی وجہ

اقوامِ متحدہ نے آج کل باہم معاہدہ کرلیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو غلام نہیں بنایا جائے گا اور اکثر اسلامی ممالک اقوامِ متحدہ میں شامل ہیں، لہٰذا جب تک یہ معاہدہ باقی ہے اس کی پاسداری ضروری ہے اور کسی اسلامی مملکت کو غلام و باندی بنانا جائز نہیں، رہا یہ سوال کہ ایسا معاہدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو متقدمین کے کلام میں اس کی صراحت نہیں ملتی لیکن ظاہر یہ ہے کہ جائز ہے کیونکہ شروع میں لکھا گیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو ہر حال میں غلام و باندی بنانا ضروری نہیں بلکہ جائز ہے، کیونکہ امام المسلمین کو ان کے بارے میں چار اختیارات حاصل ہیں، جن کا ذکر اوپر آچکا۔

خلاصہ یہ کہ اسلام میں غلام و باندی بنانے کا حکم جائز اور درست ہے، پھر اسلام نے ان کے بڑے حقوق بیان کئے ہیں اور ان کو آزاد کرنے کی بڑی ترغیب اور فضیلت بیان فرمائی ہے اور اکثر کفارات میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے ان سب کی موجودگی میں اسلام کے غلام و باندی بنانے پر اعتراض کرنا سراسر غلط ہے اور اسلام میں اس کی جو حقیقت ہے اس سے بے خبری پر مبنی ہے۔ [1]

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ :قُلْتُ لِمَالِكٍ :حَدَّثَكَ نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ، فَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ، قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيمَةَ الْعَدْلِ، فَأَعْطَى شُرَكَاءَهُ حِصَصَهُمْ، وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ، وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ (ص۴۹۱ سطر ۱۹ تا ص۴۹۲ سطر ۲)

تشریح

قولہ : مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ (ص۴۹۲ سطر ۱) اس میں شرکاً کے شین کے نیچے کسرہ اور

(۱) خلاصہ از تکملۃ فتح الملہم ج۱ ص۲۶۳۔

راء ساکن ہے اس کے معنیٰ ہیں حصہ، مراد مشترک غلام کا ایک معین حصہ ہے جیسے آدھا حصہ یا تہائی یا چوتھائی حصہ وغیرہ۔ [1]

مشترک غلام کا حصہ آزاد کرنے کا حکم

قوله : فِي عَبْدٍ، الخ (ص ۴۹۲ سطر ۱) اس حدیث میں مشترک غلام کے کسی حصہ کے آزاد کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے اور اس مسئلہ میں حضراتِ فقہاء کرامؒ کا اختلاف ہے، اس لئے ان احادیث کو پڑھنے سے پہلے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اس مسئلہ میں اگر چہ چھ اقوال ہیں لیکن اُن میں تین مذھب مشہور ہیں، وہ بیان کئے جاتے ہیں:۔

۱ ... حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مشترک غلام کا جو حصہ جس شریک نے آزاد کیا ہے اگر وہ مالدار ہے تو اس کا حصہ آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کا حصہ آزاد نہ ہوگا اور دوسرے شریک کو تین اختیار ہیں خواہ وہ بھی اپنا حصہ آزاد کر دے یا جس شریک نے اپنا حصہ آزاد کیا تھا اس سے اپنے حصہ کے پیسے ایک عادل آدمی کے بتانے کے مطابق لے لے اور چاہے غلام سے اپنے حصہ کے پیسے کموا کر لے لے اور اگر جس نے اپنا حصہ آزاد کیا تھا وہ تنگدست ہے تو دوسرے شریک کو دو اختیار ہیں یا اپنا حصہ آزاد کر دے یا غلام سے اپنے حصہ کے پیسے کموا کر لے لے۔

۲ ... حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک جس شریک نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے اگر وہ مالدار ہے تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کو اختیار ہوگا کہ آزاد کرنے والے سے ایک عادل آدمی کے قول کے مطابق اپنے حصہ کے پیسے لے لے اور اگر اپنا حصہ آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو وہ اپنے حصہ کے پیسے صرف غلام سے کموا کر لے سکتا ہے۔ غلام بہر حال پورا آزاد ہو جائے گا۔

۳ ... حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک جس شریک نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے اگر وہ مالدار ہے تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کو آزاد کرنے والے شریک سے اپنے حصہ کے پیسے لینے کا اختیار ہوگا اور اگر اپنا حصہ آزاد کرنے والا تنگدست ہوگا تو آزاد کرنے والے کا حصہ آزاد ہوگا دوسرے شریک حصہ آزاد نہ ہوگا وہ بدستور دوسرے شریک کی ملکیت میں رہے گا لہٰذا غلام کی کمائی کا ایک حصہ غلام کا ہوگا اور ایک حصہ اس کے مالک کا

---

(۱) تکملة فتح الملهم وغیرہ ج ۱ ص ۲۷۳۔

ہوگا یا غلام ایک دن اپنے مالک کی خدمت کرے گا اور ایک دن آزاد رہے گا۔ حضراتِ مالکیہؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (۱)

قوله : عُتِقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ، (ص۴۹۲ سطر۱) یعنی دوسرے حصہ کی قیمت ادا کرنے کے بعد پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے کہ جب آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اس کا حصہ آزاد ہوگا دوسرے شریک کا حصہ آزاد نہ ہوگا۔ (۲)

قوله : فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ (ص۴۹۲ سطر۱) اس سے ائمہ ثلاثہؒ نے استدلال کیا ہے کہ غلام اپنے غیر آزاد ہونے والے حصہ کے پیسے کما کر مالک کو نہیں دے گا، اگر یہ جائز ہوتا تو حضور ﷺ اس کا ذکر فرماتے، احنافؒ کی طرف سے اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ آگے آنے والی حدیثِ ابی ھریرۃؓ میں اس کا ذکر ہے لہٰذا اس حدیث میں ذکر نہ ہونے کی تشریح حدیثِ ابی ھریرۃؓ سے ہونا کافی ہے۔ (۳)

حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ أَعْتَقَ شِقْصًا لَهُ فِي عَبْدٍ، فَخَلَاصُهُ فِي مَالِهِ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ، اسْتُسْعِيَ الْعَبْدُ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ (ص۴۹۲ سطر۶ تا ۸)

تشریح

قوله : شِقْصًا لَهُ (ص۴۹۲ سطر۷) اس میں شین کے نیچے کسرہ اور قاف ساکن ہے، اس کے معنٰی ہیں ''حصہ'' خواہ کم ہو یا زیادہ ہو۔ (۴)

قوله : فَخَلَاصُهُ فِي مَالِهِ (ص۴۹۲ سطر۷) یعنی غلام پر اپنے باقی غیر آزاد حصہ کی قیمت ادا کرنا واجب ہے تاکہ غلامی سے چھٹکارا پاسکے۔ اور یہ بھی جائز ہے دوسرا شریک غلام کو اپنے حصہ کی قیمت معاف کردے تو غلام ویسے ہی آزاد ہو جائے۔ (۵)

قوله : فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ، اسْتُسْعِيَ الْعَبْدُ (ص۴۹۲ سطر۸) یہ حنفیہ کی دلیل ہے کہ اگر اپنا حصہ آزاد نہ کرنے والا شریک مالدار نہ ہو تو غلام اس کے حصہ کے پیسے کما کر ادا کردے اور آزاد ہو جائے۔ (۶)

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۷۳۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۷۳۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۷۶۔

(۴) شرح النووی ج۱ص۴۹۲۔

(۵) ماخذہ تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۷۷۔

(۶) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۷۷۔

حَدَّثَنَاهُ عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، (الی قوله) عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَزَادَ :إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ قُوِّمَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ قِيمَةَ عَدْلٍ، ثُمَّ يُسْتَسْعَى فِي نَصِيبِ الَّذِي لَمْ يُعْتِقْ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ (ص۴۹۲ سطر ۹،۸)

تشریح

قوله :قِيمَةَ عَدْلٍ،الخ (ص۴۹۲ سطر ۹) اس کے معنیٰ ہیں انصاف سے درمیانی قیمت لگائیں نہ کم نہ زیادہ۔[1]

قوله: غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ(ص۴۹۲ سطر ۹) یعنی غلام کی ایسی قیمت نہ لگائیں جس کو ادا کرنا غلام کے لئے دشوار ہو، بلکہ درمیانی قیمت لگائیں جیسا کہ اوپر گزرا۔[2]

باب الولاء لِمَن اعتق (ص:۴۹۳)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ :قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ جَارِيَةً تُعْتِقُهَا، فَقَالَ :أَهْلُهَا :نَبِيعُكِهَا عَلَى أَنَّ وَلَاءَهَا لَنَا، فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :لَا يَمْنَعُكِ ذَلِكِ، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ (ص۴۹۳ سطر ۱،۲)

تشریح

قوله : تَشْتَرِيَ جَارِيَةً (ص۴۹۳ سطر ۱) یہاں جاریہ سے حضرت بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مراد ہیں کیونکہ آنے والی روایات میں ان کے نام کی صراحت ہے اور وہ آزاد ہونے سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت کیا کرتی تھیں۔[3]

قوله : لَا يَمْنَعُكِ ذَلِكِ، (ص۴۹۳ سطر ۲) ان الفاظ سے علامہ ابن ابی لیلیٰؒ نے استدلال فرمایا ہے اور کہا ہے کہ شرطِ فاسد بیع میں لگانے سے بیع فاسد نہیں ہوتی، بلکہ شرط فاسد ہو جاتی ہے، کیونکہ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے حضور ﷺ نے خلافِ شرط ولاء کی اجازت دی۔

جمہور علماءؒ کے نزدیک شرطِ فاسد، بیع کو فاسد کر دیتی ہے، اور حضرت بریرۃؓ کے واقعہ سے

(۱) تکملة فتح الملهم وغیره ج۱ص۲۷۸۔
(۲) تکملة فتح الملهم وغیره ج۱ص۲۷۳۔
(۳) تکملة فتح الملهم وغیره ج۱ص۲۸۰۔

متعلق حضرت امام نوویؒ نے یہ فرمایا ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ خاص ہے اور یہ سب سے زیادہ صحیح جواب ہے، گو اس حدیث کے اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں۔ (۱)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الى قوله) أَنَّ عَائِشَةَ، أَخْبَرَتْهُ، أَنَّ بَرِيرَةَ جَاءَتْ عَائِشَةَ تَسْتَعِينُهَا فِي كِتَابَتِهَا، وَلَمْ تَكُنْ قَضَتْ مِنْ كِتَابَتِهَا شَيْئًا، فَقَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ: ارْجِعِي إِلَى أَهْلِكِ، فَإِنْ أَحَبُّوا أَنْ أَقْضِيَ عَنْكِ كِتَابَتَكِ وَيَكُونَ وَلَاؤُكِ لِي فَعَلْتُ، فَذَكَرَتْ ذَلِكَ بَرِيرَةُ لِأَهْلِهَا فَأَبَوْا، وَقَالُوا: إِنْ شَاءَتْ أَنْ تَحْتَسِبَ عَلَيْكِ فَلْتَفْعَلْ، وَيَكُونَ لَنَا وَلَاؤُكِ، فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ابْتَاعِي فَأَعْتِقِي، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَا بَالُ أُنَاسٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ، مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَلَيْسَ لَهُ وَإِنْ شَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ، شَرْطُ اللهِ أَحَقُّ وَأَوْثَقُ. (ص۴۹۴ سطر ۱ تا ۴)

تشریح

قولہ : ابْتَاعِي فَأَعْتِقِي، الخ (ص۴۹۳ سطر۳) اس حدیث سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جن کے نزدیک مکاتب کی بیع جائز ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے اس حدیث میں مکاتب کی بیع جائز قرار دی ہے۔ یہ حضرت امام احمدؒ اور حضرت امام مالکؒ کی ایک روایت ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ اور بعض مالکیہؒ کے نزدیک مکاتب کی بیع جائز نہیں الّا یہ کہ وہ بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے اور رقیق بن جائے تو پھر اس کی بیع ہو سکتی ہے کیونکہ اب وہ مکاتب نہیں، لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر مکاتب راضی ہو تو بیع جائز ہے اور حضرت بریرہؓ کے واقعہ میں یہ بات واضح ہے کہ وہ اپنی بیع پر راضی تھیں۔ بہر حال حضرت امام ابوحنیفہؒ کی جانب مطلقاً مکاتب کی بیع ناجائز ہونے کی نسبت درست نہیں۔ (۲)

قولہ : مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ (ص۴۹۴ سطر۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ کے خلاف ہے باطل ہے اگرچہ کوئی ایسی سو شرطیں لگا لے۔ (۳)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ، (الى قوله) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ:

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۸۰۔

(۲) خلاصه از تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۸۳۔

(۳) حوالہ بالا۔

دَخَلَتُ عَلَیَّ بَرِیرَةُ، فَقَالَتُ :إِنَّ أَهْلِی کَاتَبُونِی عَلَی تِسُعِ أَوَاقٍ فِی تِسُعِ سِنِینَ، فِی کُلِّ سَنَةٍ أُوقِیَّةٌ فَأَعِینِینِی، فَقُلُتُ لَهَا :إِنُ شَاءَ أَهُلُكِ أَنُ أَعُدَّهَا لَهُمُ عَدَّةً وَاحِدَةً وَأُعُتِقَكِ، وَیَكُونَ الْوَلَاءُ لِی فَعَلْتُ، فَذَكَرَتُ ذَلِكَ لِأَهْلِهَا فَأَبَوُا إِلَّا أَنُ یَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُمُ، فَأَتَتُنِی فَذَكَرَتُ ذَلِكَ قَالَتُ :فَانْتَهَرُتُهَا، فَقَالَتُ :لَا هَا اللهِ إِذًا.....الحدیث (ص۴۹۴سطر۶تا۹)

تشریح

قوله : أَنُ أَعُدَّهَا لَهُمُ عَدَّةً وَاحِدَةً الخ (ص۴۹۴سطر۸) اس کا مطلب یہ ہے کہ میں یکمشت تمہارا بدلِ کتابت ادا کردوں اور تمہیں آزاد کردوں اور تمہاری ولاء مجھے ملے جب حضرت بریرہؓ نے اپنے مالکان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا ولاء تو ہمارے لئے ہوگی۔ (۱)

قوله :فَانْتَهَرُتُهَا، فَقَالَتُ: لَا هَا اللهِ إِذًا الخ (ص۴۹۴سطر۸) یعنی حضرت بریرہؓ کے مالکان کا جواب سنکر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر کہا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آزاد میں کروں اور ولاء ان کو ملے۔ اور حضور ﷺ نے بھی فرمایا: الولاء لِمَنُ اعتق۔ (۲)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكُرِ بُنُ أَبِی شَیْبَةَ، (الی قوله) عَنُ هِشَامِ بُنِ عُرُوَةَ بِهَذَا الْإِسُنَادِ نَحُوَ حَدِیثِ أَبِی أُسَامَةَ، غَیُرَ أَنَّ فِی حَدِیثِ جَرِیرٍ، قَالَ :وَكَانَ زَوُجُهَا عَبُدًا، فَخَیَّرَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاخُتَارَتُ نَفُسَهَا، وَلَوُ كَانَ حُرًّا لَمُ یُخَیِّرُهَا، وَلَیْسَ فِی حَدِیثِهِمُ أَمَّا بَعُدُ ـ (ص۴۹۴سطر۱۱تا۱۳)

تشریح

قوله :وَكَانَ زَوُجُهَا عَبُدًا، (ص۴۹۴سطر۱۳) حضرت بریرہؓ کے شوہر جن کا نام حضرت مغیثؓ تھا، وہ ام المؤمنین حضرت زینبؓ کے بھائی ابو احمد کے غلام تھے۔ (۳)

قوله :فَاخُتَارَتُ نَفُسَهَا، الخ (ص۴۹۴سطر۱۳) یعنی حضرت بریرہؓ نے اپنے شوہر حضرت مغیثؓ سے خیارِ عتق کی بناء پر علیحدگی اختیار کرلی جو حضرت بریرہؓ کو حضور ﷺ نے عطا فرمایا تھا۔

قوله :وَلَوُ كَانَ حُرًّا لَمُ یُخَیِّرُهَا، الخ (ص۴۹۴سطر۱۳) یہ حضرت عروہؒ کا قول ہے چنانچہ

(۱) خلاصہ از تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۸۳۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۸۶۔

نسائی شریف کی روایت میں ان کا ارشاد اس طرح ہے کہ اگر حضرت بریرہؓ کے شوہر آزاد ہوتے تو حضور ﷺ ان کو خیارِ عتق نہ دیتے۔

ائمہ ثلاثہؒ نے اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا بیوی کو خیارِ عتق اس وقت ملے گا جب اس کا شوہر غلام ہو اور اگر وہ آزاد ہو تو اس کی بیوی کو خیارِ عتق نہیں ملے گا ــــــ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شوہر آزاد ہو یا غلام ہر حال میں جب بیوی آزاد ہوگی تو اس کو خیارِ عتق ملے گا۔ اور اس اختلاف کی وجہ دراصل حضرت بریرہؓ کے واقعہ کا اختلاف ہے، کیونکہ بعض میں یہ ہے کہ حضرت بریرہؓ کے شوہر غلام تھے اور بعض میں یہ ہے کہ وہ آزاد تھے۔ (۱)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا اشْتَرَتْ بَرِيرَةَ مِنْ أُنَاسٍ مِنَ الْأَنْصَارِ (الی قوله) فَقَالَ :رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :الْوَلَاءُ لِمَنْ وَلِيَ النِّعْمَةَ ، وَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ زَوْجُهَا عَبْدًا، وَأَهْدَتْ لِعَائِشَةَ لَحْمًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَوْ صَنَعْتُمْ لَنَا مِنْ هَذَا اللَّحْمِ ، قَالَتْ عَائِشَةُ :تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ، فَقَالَ :هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ ۔(ص۴۹۴ سطر۱۶تا۱۹)

تشریح

قوله : هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ (ص۴۹۴ سطر۱۹) اس سے معلوم ہوا جب کسی غریب مسکین کو زکوٰۃ وخیرات یا واجب صدقہ مالک اور قابض بنا کر دیدیا جائے تو وہ ادا ہوجاتا ہے، اور اس غریب کو اس میں ہر جائز تصرف کرنے کا اختیار رہتا ہے مثلاً اس میں سے کسی مالدار کو کھلانا یا ہدیہ دینا وغیرہ۔ (۲)

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، (الی قوله) عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ :كَانَ فِي بَرِيرَةَ ثَلَاثُ سُنَنٍ :خُيِّرَتْ عَلَى زَوْجِهَا حِينَ عَتَقَتْ، وَأُهْدِيَ لَهَا لَحْمٌ، فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبُرْمَةُ عَلَى النَّارِ، فَدَعَا بِطَعَامٍ، فَأُتِيَ بِخُبْزٍ وَأُدُمٍ مِنْ أُدُمِ الْبَيْتِ ــــ الحديث (ص۴۹۴ سطر۲۳تا۲۵)

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۸۷۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۹۰۔

تشریح

قوله : وَالْبُرْمَةُ (ص۴۹۴ سطر۲۵) اس میں باء پر ضمہ ہے، اور راء ساکن ہے، اسکے معنیٰ ہیں پتھر کی ھانڈی جو حجاز اور یمن میں معروف تھی۔[1]

قوله : وَأُدُمٍ الخ (ص۴۹۴ سطر۲۵) اس میں ھمزہ پر ضمہ اور دال ساکن ہے اس کے معنیٰ ہیں سالن۔

باب النهى عن بيع الولاء وهبته (ص:۴۹۵)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، (الى قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ، وَعَنْ هِبَتِهِ ، قَالَ مُسْلِمٌ :النَّاسُ كُلُّهُمْ عِيَالٌ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ فِي هَذَا الْحَدِيثِ (ص۴۹۵ سطر۱،۲)

تشریح

قوله : نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ، الخ (ص۴۹۵ سطر۱) ولاء میں واو پر زبر ہے یہ آزاد کردہ غلام کے حقِ وراثت کو کہتے ہیں جو آزاد کرنے والے کو آزاد کردہ غلام کی طرف سے حاصل ہوتا ہے۔[2] اس حدیث میں جو حکم مذکور ہے اس پر اجماع ہے چنانچہ بلا اختلاف نسب کی طرح ولاء کو نہ فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی کو ھبہ کیا جاسکتا ہے جبکہ اھلِ عرب ولاء فروخت بھی کرتے تھے اور ھبہ بھی کیا کرتے تھے حضور ﷺ نے اس سے منع فرمادیا جس پر امت کا اجماع ہے۔[3]

باب تحريم تولى العتيق غير مواليه (ص:۴۹۵)

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، (الى قوله) جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ :كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :عَلَى كُلِّ بَطْنٍ عُقُولَهُ، ثُمَّ كَتَبَ :أَنَّهُ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَتَوَالَى مَوْلَى رَجُلٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِ، ثُمَّ أُخْبِرْتُ أَنَّهُ لَعَنَ فِي صَحِيفَتِهِ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ. (ص۴۹۵ سطر۵،۶)

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۹۰۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۹۱۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج۱ص۲۹۱۔

تشریح

قوله : عَلَى كُلِّ بَطْنٍ عُقُوْلُهُ، الخ (ص۴۹۵ سطر۴) عقول، عقل کی جمع ہے، جس کے معنی دیت کے ہیں، حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے قتلِ خطا اور قتل شبہ العمد میں قاتل کی عاقلہ پر دیت واجب فرمائی۔ اور بطن قبیلہ سے چھوٹے خاندان کو کہتے ہیں اور دیت کے حکم میں بڑا اور چھوٹا قبیلہ برابر ہیں۔ (۱)

قوله : أَنْ يَتَوَالَى مَوْلَى رَجُلٍ مُسْلِمٍ (ص۴۹۵ سطر۵،۶) یعنی کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے، اپنے آزاد کردہ غلام کی ولاء، کسی اور کی طرف منسوب کرے، کیونکہ ولاء نسب کی طرح ہے جس طرح ایک شخص کا نسب دوسرے کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا اسی طرح ولاء بھی معتق کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب نہیں ہوسکتی۔ (۲)

قوله : بِغَيْرِ إِذْنِهِ، الخ (ص۴۹۵ سطر۶) ان الفاظ کے ظاہر سے سمجھ میں آتا ہے آزاد کرنے والے کی اجازت سے کسی اور کی طرف ولاء کی نسبت کرنا درست ہے، لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ مراد نہیں، کیونکہ ان کا اسپر اتفاق ہے آقا اور معتق کی اجازت سے بھی کسی اور کی طرف ولاء کی نسبت کرنا جائز نہیں، اور بغیر اذنہ کی قید غالب اور اکثر کے اعتبار سے ہے، اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں۔ (۳)

قوله : ثُمَّ أُخْبِرْتُ أَنَّهُ لَعَنَ فِي صَحِيفَتِهِ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ. (ص۴۹۵ سطر۶)

بظاہر یہ حضرت ابوالزبیرؒ کا قول ہے اور اس میں صحیفہ سے مراد وہ صحیفہ ہے جو حضور ﷺ نے مختلف قبائل کی طرف دیت وغیرہ کے احکام لکھوا کر بھیجے تھے یا ہوسکتا ہے کہ اس سے حضرت علیؓ کا صحیفہ مراد ہو جس کا ذکر اگلی روایت میں ہے۔ (۴)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :مَنْ تَوَلَّى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ، وَلَا عَدْلٌ (ص۴۹۵ سطر۶و۷)

تشریح

قوله : صَرْفٌ، وَلَا عَدْلٌ (ص۴۹۵ سطر۷) ان کے متعدد معنی ہیں، بعض نے صرف کے معنی وزن کے اور عدل کے معنی کیل کے کئے ہیں، بعض نے صرف کے معنی قیمت کے اور عدل

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۱ ص۲۹۳۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

کے معنٰی استقامت کے کئے ہیں اور بعض نے صرف کے معنٰی رشوۃ کے اور عدل کے معنٰی کفیل کے کئے ہیں۔ (۱)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، (الی قوله) عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :خَطَبَنَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ :مَنْ زَعَمَ أَنَّ عِنْدَنَا شَيْئًا نَقْرَؤُهُ إِلَّا كِتَابَ اللهِ وَهَذِهِ الصَّحِيفَةَ، قَالَ :وَصَحِيفَةٌ مُعَلَّقَةٌ فِي قِرَابِ سَيْفِهِ، فَقَدْ كَذَبَ، فِيهَا أَسْنَانُ الْإِبِلِ، وَأَشْيَاءُ مِنَ الْجِرَاحَاتِ، وَفِيهَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى ثَوْرٍ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا، أَوْ آوَى مُحْدِثًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا، وَلَا عَدْلًا، وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ، وَمَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ، أَوِ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا، وَلَا عَدْلًا (ص۴۹۵ سطر۹ تا۱۲)

تشریح

قوله :مَنْ زَعَمَ الخ (ص۴۹۵ سطر۹) اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے بطورِ خاص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت سے اسرارِ شریعت عطا فرمائے تھے جن میں ان کو خلافت کے بارے میں بھی وصیت فرمائی تھی۔ (۲)

قوله :عَيْرٍ إِلَى ثَوْرٍ، الخ (ص۴۹۵ سطر۱۱) یہ مدینہ منورہ کے دو پہاڑ ہیں۔ (۳)

قوله :يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ، (ص۴۹۵ سطر۱۱) یعنی امان ایک ادنیٰ مسلمان بھی دے سکتا ہے اور جب ایسا مسلمان کسی کافر کو امان دیدے تو کسی کے لئے اس کو توڑنا حلال نہیں۔ (۴)

باب فضل العتق (ص:۴۹۵)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۹۴۔
(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۹۴۔
(۳) حوالہ بالا۔
(۴) حوالہ بالا۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً، أَعْتَقَ اللهُ بِكُلِّ إِرْبٍ مِنْهَا إِرْبًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ (ص۴۹۵سطر۱۲،۱۳)

تشریح

قوله :رَقَبَةً مُؤْمِنَةً، (ص۴۹۵ سطر۱۳) امام نوویؒ نے فرمایا مؤمنۃ کی قید سے معلوم ہوا یہ خاص فضیلت مسلمان باندی آزاد کرنے کی ہے، تاہم کافر باندی آزاد کرنے کی بھی فضیلت ہے مگر مسلمان باندی سے اس کی فضیلت کم ہے۔ [1]

قوله :إِرْبًا مِنْهُ (ص۴۹۵ سطر۱۳) إِرْبٌ اس میں ھمزہ کے نیچے کسرہ ہے اور را ساکن ہے اسکے معنٰی ہیں عضو اس کی جمع آراب آتی ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ غلام میں کوئی کمی نہ ہونی چاہئے تاکہ اس کو آزاد کرنے کے عوض آزاد کرنے والے کا ایک ایک عضو آزاد ہو، اور گو ناقص غلام جیسے خصی یا اندھا یا لنگڑا غلام آزاد کرنے کی بھی فضیلت ہے لیکن کامل غلام آزاد کرنے کی فضیلت زیادہ ہے۔ [2]

حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، (الی قوله) حَدَّثَنِي سَعِيدُ ابْنُ مَرْجَانَةَ -صَاحِبُ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ -، قَالَ :سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَيُّمَا امْرِءٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا، اسْتَنْقَذَ اللهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ ، قَالَ :فَانْطَلَقْتُ حِينَ سَمِعْتُ الْحَدِيثَ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، فَذَكَرْتُهُ لِعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، فَأَعْتَقَ عَبْدًا لَهُ قَدْ أَعْطَاهُ بِهِ ابْنُ جَعْفَرٍ عَشَرَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ أَوْ أَلْفَ دِينَارٍ (ص۴۹۵سطر۱۷تا۱۹)

تشریح

قوله : اِمْرِءٍ مُسْلِمٍ(ص۴۹۵ سطر۱۸) بعض علماءِ کرامؒ نے مسلمان غلام کی قید سے استدلال کیا ہے کہ مرد کو آزاد کرنا عورت کو آزاد کرنے سے افضل ہے لیکن دوسروں نے اس کی مخالفت کی ہے، انہوں نے فرمایا عورت کو آزاد کرنا افضل ہے، کیونکہ اس کو آزاد کرنے سے اس سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ آزاد ہوگا خواہ وہ غلام سے نکاح کرے یا آزاد سے تاہم احادیثِ طیبہ میں مرد اور عورت دونوں

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۹۷۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۹۶۔

کو آزاد کرنے کی فضیلت آئی ہے اس لئے دونوں کو آزاد کرنے کی فضیلت ہے۔ [1]

قولہ : قَدْ أَعْطَاهُ (ص۴۹۵ سطر۱۹) یعنی اس غلام کے مقابلہ میں دیئے جس کا مطلب یہ ہے انہوں نے اس غلام کو خریدنے کے لئے دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار بطورِ ثمن دیئے لیکن انہوں نے قبول نہیں کیے اور اس غلام کو آزاد کر دیا اس غلام کا نام ''مطرف'' تھا۔ [2]

باب فضل عتق الوالد

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَا :حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِدًا، إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ، وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ :وَلَدٌ وَالِدَهُ (ص۴۹۵ سطر۱۹،۲۰)

تشریح

قولہ :فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ، (ص۴۹۵ سطر۲۰) یعنی بیٹا باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا الّا یہ کہ وہ اپنے باپ کو غلام پائے اور اس کو آزاد کردے۔ اور بیٹے کے آزاد کرنے سے باپ آزاد نہ ہوگا بلکہ بیٹے کا باپ کو خریدتے ہی باپ خود بخود آزاد ہو جائے گا یہ جمہورؒ کے نزدیک ہے اور بعض اہلِؒ ظاہر کے نزدیک بیٹے کا باپ کو محض خریدنے سے باپ آزاد نہ ہوگا، بلکہ باپ بیٹے کے آزاد کرنے سے آزاد ہوگا۔

جمہور کی دلیل ابوداؤد شریف کی حضرت سمرہ بن جندبؓ کی حدیث ہے جس میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص کسی ذی رحم محرم کا مالک بنے تو وہ آزاد ہے [3]، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تمام محرم ذوی الارحام کو خریدنے سے آزاد ہونے کی یہی دلیل ہے اور اہلِ ظاہر کی دلیل کا جواب وہ ہے جو علامہ [4] سنوسیؒ شارحِ مسلم نے دیا ہے کہ کوئی بیٹا اپنے والد کا بدلہ نہیں دے سکتا الّا یہ کہ وہ باپ کا مالک بنے اور پھر اپنے اختیار سے آزاد کرے اور یہ ناممکن اور محال ہے کیونکہ باپ بیٹے کے خریدتے ہی خود بخود آزاد ہو جائے گا، لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے حقوق کا بدلہ نہیں ادا

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۱ص۲۹۷۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) سنن ابی داؤد کتاب العتق، باب فیمن ملك ذارحم محرم ۔ رقم الحدیث: ۳۴۴۰۔

(۴) مکمل اکمال الاکمال ج۴ص۱۷۱۔

کر سکتا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب والیہ مرجع والمآب۔[1]

آج بعد نمازِ مغرب بتاریخ ۱۷ شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ کو کتاب العتق کی شرح اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مکمل ہوئی اس طرح مسلم شریف جلد اول کے منتخب ابواب کی شرح پوری ہوئی، اس میں بندہ سے جو کمی کوتاہی ہوئی اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی مانگتا ہوں اور دعا کرتا ہوں اللہ پاک محض اپنے فضل سے اسکو قبول فرمائیں اور طلباء وطالبات کے لئے نافع اور مفید بنائے، آمین

وھذا آخر کتاب العتق

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین وعلی من تبعهم باحسان الی یوم الدین وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

[signature]

بندہ عبدالرؤف سکھروی عفا اللہ عنہ
جامعہ دارالعلوم کراچی
یکم/ رجب المرجب/ ۱۴۳۹ھ

---

(۱) تکملة فتح الملهم وغیرہ ج۱ ص۲۹۹۔

مکتبۃ الاسلام کراچی